WWW.PAKSOCIETY.COM

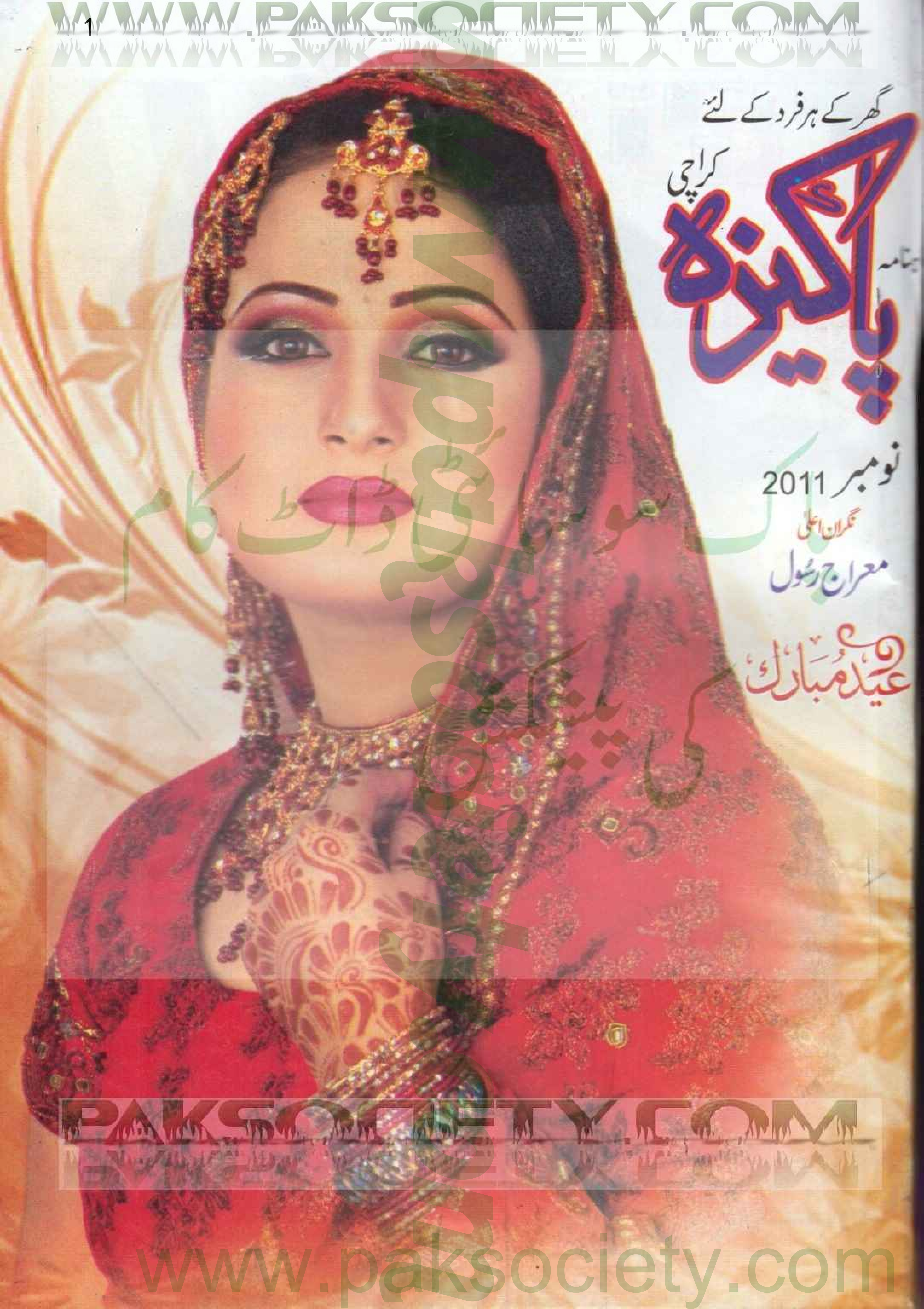

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول
مدیرہ: انجم انصار .... معاون: آمنہ حماد

ادار یہ

مجھے کچھ کہنا ہے	مدیرہ	15

سلسلے وار ناول

عکس	عمیرہ احمد	18
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں	شیریں حیدر	72
ایک تھی نیناں	راحت وفا	110
خوشبو کا سفر	عالیہ بخاری	208

ناولٹ

محبت کی شام	سدرۃ المنتہیٰ	236

مکمل ناول

ہم اور تم	لبنیٰ عروج	148

افسانے

ہوتا ہے شب و روز	قرۃ العین رائے	51
سچا دوست	عنیقہ رانا	103
کرن کی جیت کس کی مات	مدیحہ عدنان	135
ہمارے بکرے	رفاقت جاوید	181
ببول کا سایہ	شمیم فضل خالق	189

خصوصی مضمون

ایک محبت بھری شام	انجم انصار	259

مستقل عنوانات

دین کی باتیں	ادارہ	16
بہنوں کی محفل	مدیرہ	264
پاکیزہ ڈائری	عظمیٰ آفاق سعید	283
جلترنگ	انجم انصار	287
میرا انتخاب	آمنہ حماد	291
خوش ذائقہ	پاکیزہ بہنیں	294

پبلشر و پروپرائٹر: عذرا رسول • مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ھاکی اسٹیڈیم کراچی

www.paksociety.com

سندیسے	پاکیزہ بہنیں	296
میں اکثر گنگناتی ہوں	صغریٰ زیدی	298
روحانی مشورے	ادارہ	300
ہومیو کلینک		302

شعبہ اشتہارات
منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789 نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
نمائندہ لاہور فراز علی نازش 0332-4214400 رانا اے حمید 0323-2895528

جلد 39 • شمارہ 08 • نومبر 2011 • زرِ سالانہ 600 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 50 روپے •
پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313 (021) فیکس 35802551 (021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com

www.paksociety.com
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجھے کچھ کہنا ہے......!

شادی کو ایک نہایت عمدہ دوستی کا رشتہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسے ہر حال میں ایک آسودگی بخش تجربے کے مانند ہونا چاہیے۔ اس میں گرم جوشی ہوتی ہے اور یہ دوستی مضبوط اور دیر پا ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ شام کے دھندلکوں میں چائے کی میز پر، گرمی کے دنوں میں کھلی سڑک پر چلتے ہوئے، کسی لطیفے سے لطف اٹھاتے ہوئے، پارٹیوں میں پاس پاس بیٹھے ہوئے کسی کی قربت کا احساس کس قدر آسودگی بخش ہوتا ہے۔ دراصل شادی ایسی ہی ہونی چاہیے جہاں یہ احساس ہو کہ آپ تنہا نہیں ہیں، ایک پسندیدہ ساتھی ہی ہے آپ کے دکھ سکھ کا شریک۔ سو اس ساتھی کی ہر اچھی بری بات برداشت کرنا بھی ایک اچھی اور سلجھی ہوئی بیوی کا ہی کام ہے۔ کوئی بھی انسان مکمل نہیں ہے۔ فرشتہ نہیں ہے، خطا کا پتلا ہے، کبھی بھی میاں بیوی میں کھٹ پٹ ہو تو اس ناراضی کے دور میں دونوں ایک دوسرے کی کوئی اچھی بات یاد کرلیں۔ ناراضی خودبخود ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے آج مجھے یہ کہنا ہے کہ....

زندگی آسان بنائیں، ناراضیوں کو دور بھگائیں۔ میاں، بیوی ایک دوسرے سے محبت کریں اور ایک صحت مند خاندان پروان چڑھائیں کہ محبت زندگی میں ہوا، پانی سے زیادہ ضروری ہوتی ہے۔

کیا خیال ہے......؟

مدیرہ
انجم انصار

WWW.PAKSOCIETY.COM

FOR MORE NOVELS,IMRAN SERIES,MONTHLY DIGESTS,FUNNY BOOKS,ISLAMIC BOOKS,FEEL FREE TO VISIT WWW.PAKSOCIETY.COM.IF SITE IS NOT OPENING SEND US YOUR COMPLAINT AT 0336-3557121 OR 03335963326 OR SEND MAIL AT

waseem@paksociety.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دین کی باتیں

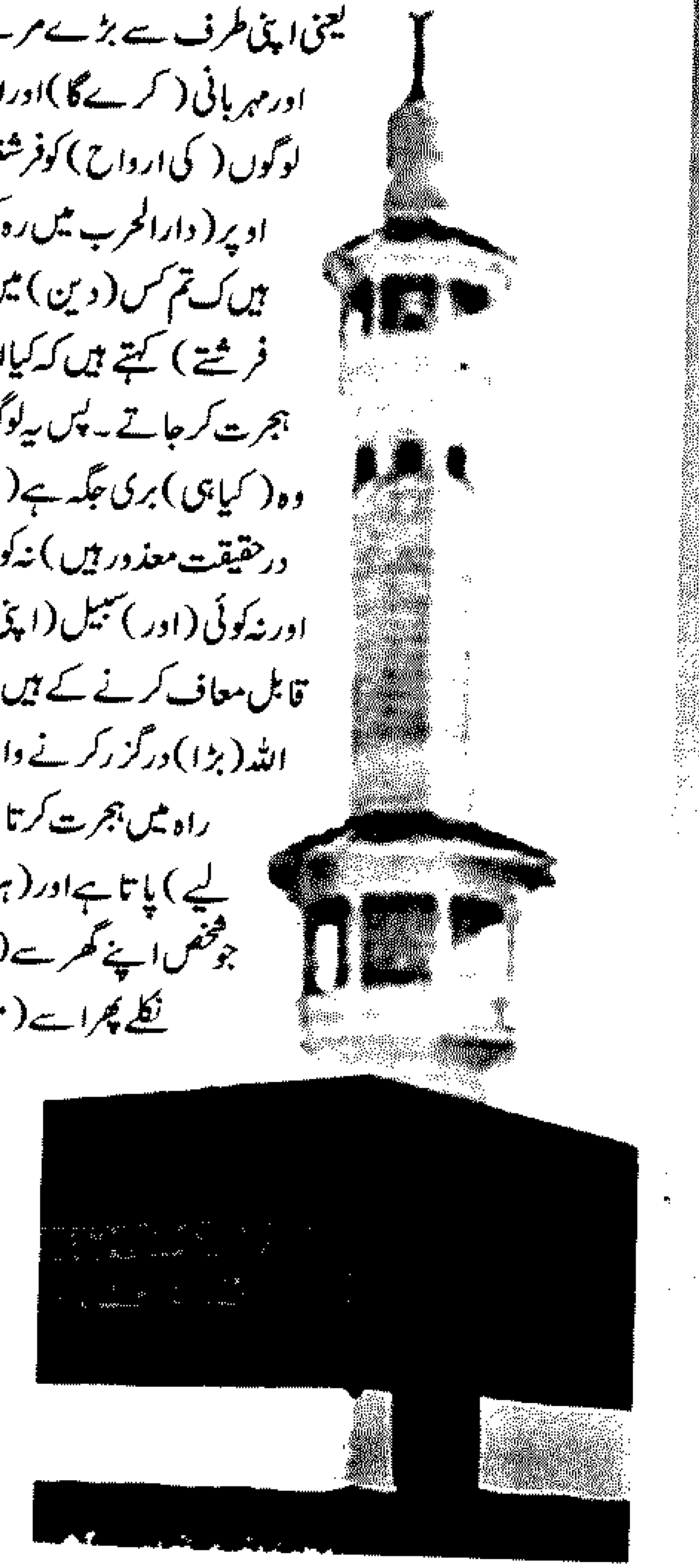

یعنی اپنی طرف سے بڑے مرتبے (عنایت فرمائے گا) اور (ان پر) بخشش اور مہربانی (کرے گا) اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۹۶) بے شک جن لوگوں (کی ارواح) کو فرشتوں نے اس حال میں قبض کیا ہے کہ وہ اپنے اوپر (دارالحرب میں رہ کر) ظلم کر رہے تھے (ان سے فرشتے) کہتے ہیں کہ تم کس (دین) میں تھے وہ کہتے ہیں دنیا میں کمزورر ہے (تب فرشتے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی پھر تم اس (مقام) میں ہجرت کر جاتے۔ پس یہ لوگ (ایسے ہیں کہ) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ (کیا ہی) بری جگہ ہے (۹۷) مگر جو کمزور مرد اور عورتیں اور بچے (کہ درحقیقت معذور ہیں) نہ کوئی حیلہ کر (کے دارالحرب سے نکل) سکتے ہیں اور نہ کوئی (اور) سبیل (اپنی رہائی کی) پاتے ہیں (۹۸) تو یہ لوگ (البتہ قابل معاف کرنے کے ہیں اور) عنقریب اللہ ان سے درگزر کرے گا اور اللہ (بڑا) درگزر کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے (۹۹) اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں بہت مقامات (ٹھہرنے کے لیے) پاتا ہے اور (ہر قسم کی) کشادگی (اسے نصیب ہوتی ہے) اور جو شخص اپنے گھر سے (خالص) اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اسے (منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے) موت آ جائے تو یقیناً اس کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۱۰۰) اور (اے مسلمانو) جب تم زمین میں سفر کیا کرو تو (اس میں) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز سے کچھ کم کر دیا کرو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے بے شک کافر تمہارے صریح دشمن ہیں (۱۰۱)

(سورۂ نسا آیت نمبر ۹۶ تا ۱۰۱)

آنحضرت ﷺ کے اسمائے گرامی سیدنا محمد ﷺ

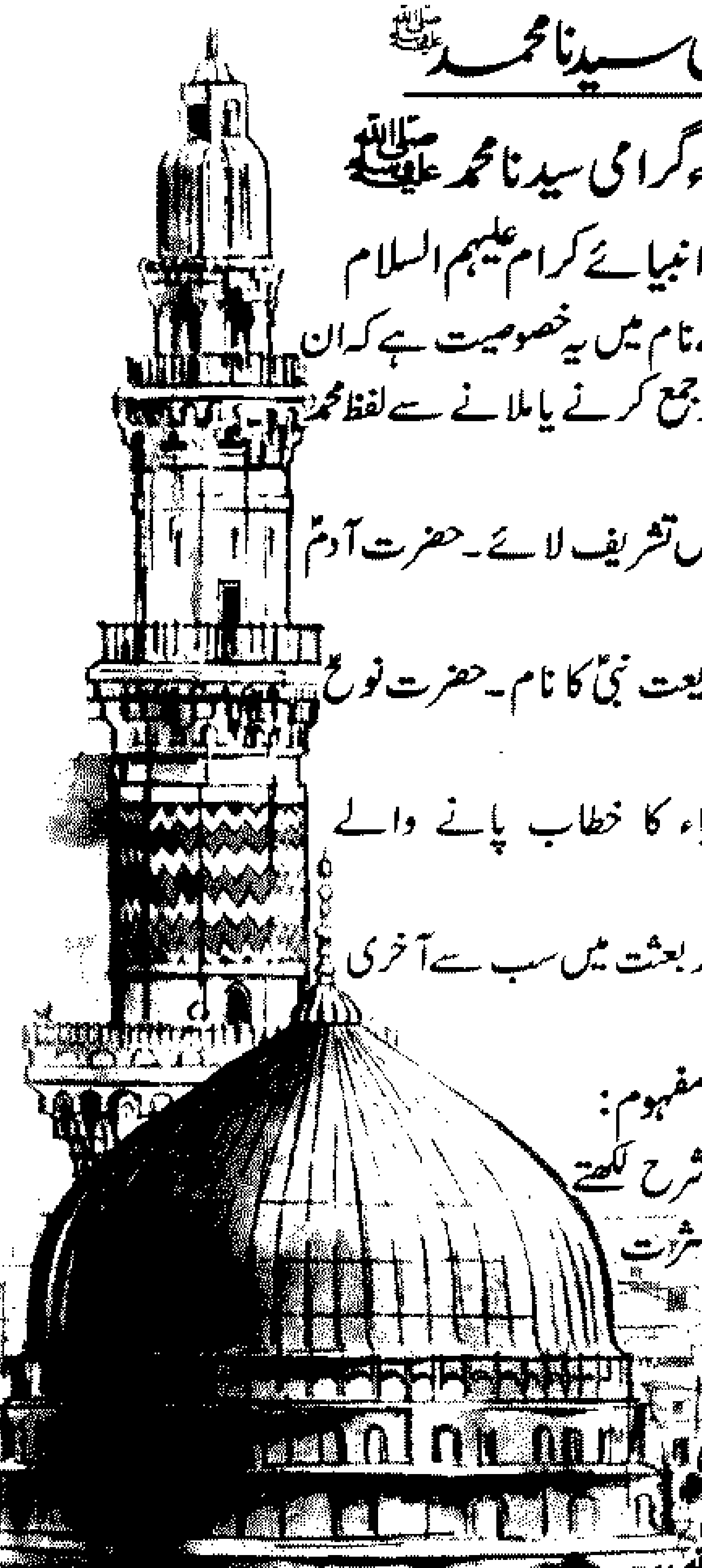

آنحضرت ﷺ کے اسماء گرامی سیدنا محمد ﷺ

۴۔ اسم محمد ﷺ اور چار انبیائے کرام علیہم السلام

چار جلیل القدر انبیائے کرام کے نام میں یہ خصوصیت ہے کہ ان کے اسمائے گرامی کے آخری حروف کو جمع کرنے یا ملانے سے لفظ محمدؐ بنتا ہے مثلاً

1- سب سے اول نبی جو دنیا میں تشریف لائے۔ حضرت آدمؑ ......م

2- سب سے اول صاحب شریعت نبیؑ کا نام۔ حضرت نوحؑ ......ح

3- سب سے اول ابوالانبیاء کا خطاب پانے والے نبی۔ حضرت ابراہیمؑ......م

4- تخلیق میں سب سے اول اور بعثت میں سب سے آخری نبی۔ حضرت محمدؐ......د

علما فقہا کے نزدیک لفظ محمد کا مفہوم:

1- حافظ ابن قیمؒ اسم محمد ﷺ کی شرح لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'محمد' وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں۔

'محمد' محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔

'محمد' اس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے اسی لیے تورات میں آپ ﷺ کا اسم مبارک 'محمد ﷺ' ہی ذکر کیا گیا ہے۔

انوار اسمائُ النبی ﷺ — قیصرہ حیات

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

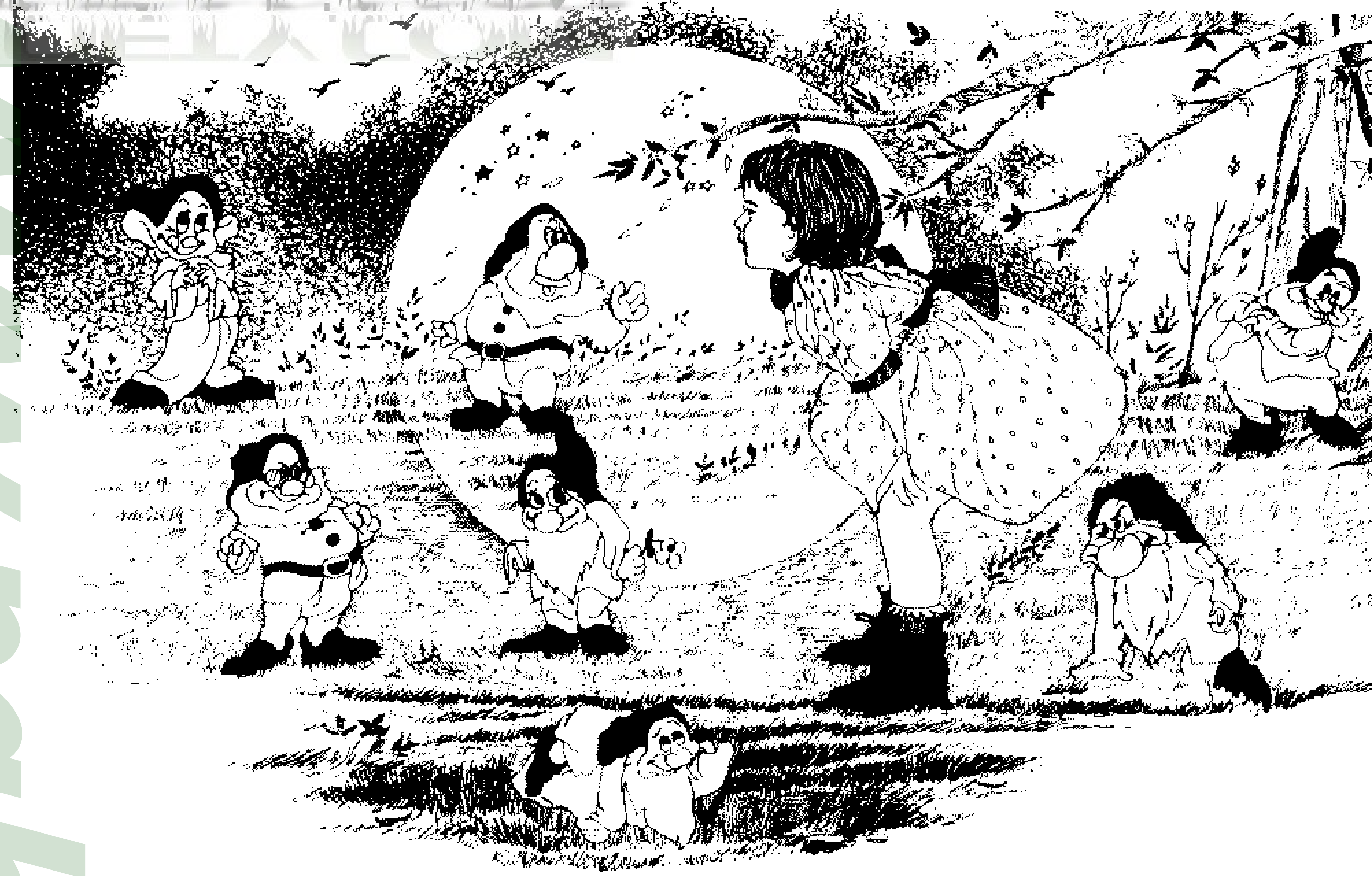

ناول

عکس

عمیرہ احمد

آج کی زندگی تیز رفتار ہے، اس کے تجربے بڑی تیزی سے کرداروں کے نئے رخ سے متعارف کراتے ہیں۔ اس تیز رفتار زندگی میں چونکادینے والے موڑ بھی ہوتے ہیں... اور پراسراریت بھی... کہیں کرداروں کے حوالے سے تو کبھی ماحول کے حوالے سے... عمیرہ احمد کے اس ناول میں نہ صرف آپ تیز ترین، سنسنی خیز اور چونکادینے والے موڑ دیکھیں گے بلکہ ان کی مہارانہ چابک دستی کے ساتھ ان کے کرداروں کی تہ داری کے بھی قائل ہو جائیں گے... یوں بھی اپنا عکس اور اپنا سایہ ہر شخص کے ساتھ رہتا ہے... مگر ان کی کہانیاں جدا جدا ہوتی ہیں... کہیں ایسا تو نہیں... ہماری یہ مایہ ناز مصنفہ... کوئی ایسا ناسور دکھانا چاہتی ہیں... جس کا آپریشن بھی ضروری ہو... بقول شاعر...

اس کائنات محبت میں ہم مثل شمس و قمر کے ہیں
اک رابطہ مسلسل ہے اک فاصلہ مسلسل ہے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

شیر دل ڈپٹی کمشنر کی پوسٹ پر فائز تھا اس کو سرکاری رہائش گاہ کے طور پر جو گھر ملتا ہے اس کے بارے میں بہت سی باتیں مشہور تھیں کہ وہاں کئی بونے مقیم ہیں۔ شیر دل کی بیوی شہر بانو ان سب باتوں سے بہت خوفزدہ ہو جاتی ہے لیکن جب انہوں نے وہاں سکونت اختیار کی تو ایسی کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ ایک دن شیر دل اپنے سینئر اختر درانی کے گھر کھانے پر مدعو تھا۔ اختر درانی کی بیوی تزئین، شہر بانو کو بتاتی ہے کہ پہلے کسی آفیسر کی بیوی نے اس گھر میں اپنے شوہر کو مار کر خودکشی کر لی تھی اس لیے وہاں رہنے والوں کی ازدواجی زندگی مشکلات کی زد میں آجاتی ہے۔ تزئین کے پوچھنے پر کہ ان کی شادی لو میرج کا نتیجہ ہے...... یہ بات سن کر شہر بانو ماضی کی خوب صورت یادوں میں کھو جاتی ہے...... جہاں صرف وہ اور شیر دل ہوتے ہیں...... دونوں کی ذہنی ہم آہنگی انہیں شادی کے بندھن میں جکڑ دیتی ہے۔ ہاجرہ اور اس کے شوہر خیر دین نے اپنے بیٹے کو پڑھا لکھا کر ایک بڑا آدمی بنانے کا خواب دیکھا۔ خیر دین میٹرک کے بعد کوئی اور نوکری تو نہ کر سکا لیکن ڈی سی ہاؤس میں کک کی نوکری کرنے لگا۔ خیر دین کی ایک ہی بیٹی تھی حلیمہ جسے طلاق ہو جاتی ہے۔ خیر دین اس کی دوسری شادی کرا دیتا ہے جس سے اس کی ایک بیٹی تولد ہوتی ہے...... لیکن کچھ ہی عرصے بعد حلیمہ کے شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے...... یوں حلیمہ اور چڑیا خیر دین کے ساتھ اس ڈی سی ہاؤس میں رہنے لگتی ہیں۔ چڑیا کو جب اس گھر میں بونوں کے بارے میں پتا چلتا ہے تو وہ اپنی خیالی دنیا میں ان کے خاکے بنا لیتی ہے، ان سے باتیں کرتی رہتی ہے۔ اس نے ان بونوں کو مختلف نام بھی دیے، وہ ہر وقت ان کی کھوج میں رہتی ہے تاکہ وہ ان سے دوستی کر سکے۔ نئے صاحب یعنی شیر دل کو یہ پسند نہیں ہوتا کہ ملازم کی فیملی ان کی فیملی کے ساتھ ربط وضبط رکھے۔ وہ جب ٹینس کورٹ بناتے ہیں اور وہاں کھیلتے ہیں تو چڑیا پودوں کے پیچھے سے چھپ کر انہیں دیکھتی ہے۔ وہ ہر روز شام کو ان آئینوں کو دیکھنا بھی نہیں بھولتی کیونکہ خیر دین نے اس سے کہا تھا کہ شام کے وقت بونے اس میں نظر آتے ہیں لیکن چڑیا کو جو بونا نظر آتا ہے وہ بہت خوفناک ہوتا ہے اس لیے وہ اسے بونا نہیں مانتی پھر اسے اس میں ایک نظر آتا ہے۔ ایک شیر دل کی چھوٹی بہن آئزہ کا بیٹا ہے وہ لوگ چھٹیاں گزارنے شیر دل کے گھر آتے ہیں۔ ایک کی چڑیا سے دوستی ہو جاتی ہے وہ ایک سے ٹینس کھیلنا سیکھتی ہے اور ایک اس سے شطرنج میں ہارتا ہے تو شیر دل سے چڑیا کی تعریف کرتا ہے۔ شیر دل گھر میں قرآن خوانی کا اہتمام کرواتا ہے اسے اپنے آپ پر حیرت ہوتی ہے کہ یہ کام اس نے پہلے کیوں نہیں کیا۔ شیر دل کے کولیگ فیاض کا ٹرانسفر ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ عکس کی پوسٹنگ ہوتی ہے۔ (اب آگے پڑھیں)

اس نے اسٹینڈنگ مرر میں اپنے آپ کو دیکھا، اپنے خوب صورت بالوں کو دیکھا۔ اپنے بے حد نازک گولائی میں پھولے ہوئے پنک فراک کو ذرا سا گھوم کر دیکھا پھر اس نے بے حد فخریہ انداز میں چند قدم پیچھے کھڑی چڑیا کو دیکھا جو بے حد ستائشی نظروں سے اس ساڑھے تین سالہ باربی ڈول کو دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ نام تھا جس سے وہ اس کو پکارتی تھی اور یہی وہ نام تھا جو اس نے پہلی بار اسے دیکھتے ہی دے دیا تھا۔ اس کے تمام ساتھی بونوں کو بھی باربی ڈول سے اتنا ہی عشق تھا جتنا چڑیا کو اور وہ بھی اس کو پہلی بار دیکھتے ہی اس پر اسی طرح فریفتہ ہوئے تھے جس طرح چڑیا دیکھ کر ہوئی تھی۔

''میں اچھی لگ رہی ہوں؟'' اب باربی ڈول چڑیا سے پوچھ رہی تھی۔

''بہت، بہت، بہت اچھی اور پیاری۔'' چڑیا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی خوب صورتی اور ستائش کی جیسے پیمائش پیش کی۔ باربی ڈول کا رنگ سرخ ہوا، اس نے ناک کو ہلکا سا دائیں طرف سکیڑ کر اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر جیسے اپنی خوشی اور مسکراہٹ کو ایک ساتھ چھپانے کی کوشش کی۔

''میں تمہاری پونی کر دوں؟'' چڑیا نے باربی ڈول کے بکھرے ہوئے سیاہ ریشمی بالوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے پوچھا۔ باربی ڈول سر ہلاتی فوراً پونی بنوانے پر تیار ہو گئی تھی۔ چڑیا نے اپنے بالوں سے ربڑ بینڈ اتارا اور آئینے کے سامنے باربی ڈول کے عقب میں جا کر بڑے انہماک سے اس کی پونی بنانے لگی۔ ان دونوں کے اس تعلق کا آغاز باربی ڈول کے اس کے اسکول میں ایڈمیشن کے ساتھ ہوا تھا۔

چڑیا کلاس مانیٹر تھی اور وہ اس دن اپنی کلاس سے کسی کام سے باہر نکلی تھی جب اس نے مانٹیسوری کے لنچ بریک کے دوران پلے ایریا کے سامنے سے گزرتے ہوئے باربی ڈول کو وہاں لنچ باکس ہاتھ میں پکڑے see saw پر جھولتے دو بچوں کے پاس کھڑے دیکھا۔ چند لمحوں کے لیے چڑیا کو جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا تھا۔ وہ باربی ڈول جس کے بالوں کو چھونے اور جس کے ساتھ بات کرنے اور کھیلنے کی خواہش میں وہ کئی بار ڈی سی ہاؤس میں لان کے اس حصے میں منع کرنے کے باوجود جاتی رہتی تھی جہاں وہ اپنی ماں اور کبھی کبھار باپ کے ساتھ بھی شام کو کھیلنے کے لیے نکلتی تھی۔ باربی ڈول کے قریب جا کر اس سے کچھ کہنے کی ہمت اسے کبھی نہیں ہوئی تھی لیکن دور سے بہت بار ان دونوں کے درمیان خاموش نظروں اور مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ وہ اس گھر کے مستقل رہائشی دو واحد بچے تھے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں تجسس کا شکار نہ ہوتے اور ایک دوسرے کو مستقل طور پر اگنور کر پاتے۔ چڑیا فرینڈلی تھی، باربی ڈول نہیں تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کی طرح بہت مہذب اور سلجھی ہوئی ہونے کے باوجود بے حد ریزروڈ تھی۔ پتا نہیں یہ طبعاً تھا یا پھر اس کے ماں باپ نے اسے بھی کچھ ہدایات دی تھیں۔ چڑیا سوچتی رہتی تھی لیکن کبھی اندازہ نہیں کر سکی تھی اور اب وہی باربی ڈول اس سے چند گز کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ چڑیا کے لیے کیسے یہ ممکن تھا کہ وہ اسے اگنور کر کے گزر جاتی۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ شاید باربی ڈول کو بھی اپنے ہی اسکول میں دیکھ کر خوشی سے چھلانگیں لگاتی۔

''ہیلو۔'' وہ ایکسائٹمنٹ کے باوجود کچھ ڈرتی جھجکتی باربی ڈول کے پاس گئی تھی اور ہیلو کا چھوٹا سا لفظ کہنے کے لیے بھی اسے پتا نہیں کتنی ہمت کرنی پڑی تھی۔ باربی ڈول نے چونک کر گردن گھما کر اسے دیکھا اور پھر اس نے بھی اسی برق رفتاری سے چڑیا کا چہرہ پہچانا تھا جس طرح چڑیا نے اس کا...... وہ چڑیا کو فراموش کر بھی کیسے سکتی تھی۔ وہ گھر میں اس کے لیے دلچسپ چیزوں میں سے ایک تھی۔ لان میں کھیلتے کھیلتے اچانک کسی پھولدار جھاڑی یا پودے کی شاخ کے درمیان سے جھانکتا ہوا پُرتجسس آنکھوں والا ایک معصوم چہرہ، کبھی راہداری کی کھڑکیوں میں یک دم نمودار ہونے والی وہ روشن شرارتی آنکھیں جو باربی ڈول کے ساتھ اس کی ماں یا باپ کو دیکھ کر اسی طرح چھپاکے سے غائب ہو جاتی تھیں۔ بہت دفعہ پودوں سے جھانکتی چڑیا کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی تھی...... اپنے کھلونوں کے ساتھ لان میں کھیلتے یا سائیکل چلاتے ہوئے اور شروع شروع میں وہ اپنی ممی کو چڑیا کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش بھی کرتی تھی لیکن وہ اس کوشش میں ہمیشہ ناکام رہی۔ وہ جب تک اپنی ممی کو اس پودے یا جھاڑی کی طرف متوجہ کر پاتی جہاں اس نے چڑیا کو دیکھا تھا چڑیا وہاں سے غائب ہو چکی ہوتی۔

''ممی وہاں ایک Girl ہے۔'' اس نے پہلی بار چڑیا کو دیکھنے پر فٹ بال کو کک لگاتے لگاتے رک کر اپنی ماں کو اشارے سے بتایا تھا لیکن جب تک وہ اس پودے کی ان شاخوں کو دوبارہ فوکس کر پاتی جن میں سے اسے چڑیا کا چہرہ نظر آیا تھا، چڑیا غائب ہو چکی تھی۔ اس کی ماں نے چند لمحوں کے لیے چونک کر اس پودے کو دیکھا پھر پوچھا۔

''کہاں؟''

''وہاں...... پر وہ اب نہیں ہے۔'' وہ اب فٹ بال کھیلنا بھول گئی تھی۔

''ہاں وہی بچی ہو گی جو اس دن ملنے آئی تھی...... وہی بچی تھی کیا؟'' اس کی ممی نے کسی خاص حیرت اور تعجب کے اظہار کے بغیر کہا۔ ''وہ جو ہمارے کک کے ساتھ آئی تھی۔'' باربی ڈول نے ماں کے سوال پر اتنا غور نہیں کیا تھا نہ ہی اس نے اس بچی کے خدوخال کو ذہن میں لانے کی کوشش کی جسے اس نے کک کے ساتھ ملاقات میں دیکھا تھا۔ اسے زیادہ تجسس اس بات پر تھا کہ وہ اس پودے کے پیچھے سے اچانک کیسے غائب ہو گئی تھی اور

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہاں غائب ہوگئی تھی۔ یہ چڑیا سے اس کے تعارف کا آغاز تھا اور پھر جیسے یہ ایک معمول ہوگیا تھا۔ اس نے کئی بار چڑیا کو پودوں کے پیچھے چھپے ہوئے دیکھا تھا۔ شروع شروع میں وہ ایکسائٹڈ ہو کر اپنی ممی کو بتانے کی کوشش کرتی تھی لیکن آہستہ آہستہ اسے اندازہ ہوتا گیا کہ اس کی ایسی ہر کوشش کے دوران چڑیا غائب ہوجاتی تھی اور اس کی ممی کو بھی لان کی جھاڑیوں اور پودوں میں چھپی کسی بچی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر اس نے اپنا یہ معمول بہت جلد بدل لیا تھا اب وہ لان میں کھیلنے کے لیے داخل ہوتے ہی دور تک پھیلے ہوئے پودوں اور جھاڑیوں میں چڑیا کی تلاش شروع کردیتی تھی اور اکثر بڑی آسانی سے اسے ڈھونڈ لیتی تھی پھر وہ اپنی ماں کو کچھ بھی کہے بغیر اسی طرح کھیل میں مصروف رہتی اور وقتاً فوقتاً کھیل سے دھیان ہٹا کر چڑیا کو بھی دیکھتی رہتی۔

چڑیا نے اب پہلے کی طرح غائب ہونا بند کردیا تھا۔ خاموش نظروں کا تبادلہ آہستہ آہستہ مسکراہٹوں کے تبادلے میں بدلنے لگا تھا۔ اگر کچھ نہیں ٹوٹا تھا تو ان دونوں کے بیچ خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ ڈی سی کی بیوی لان میں کرسی پر بیٹھی یا تو کوئی کتاب پڑھتی رہتی یا پھر پینٹنگ کرتی رہتی اور وہ لان میں سائیکل چلاتے یا فٹ بال کھیلتے ہوئے دور پودوں میں چھپی چڑیا کو دیکھ کر مسکراتی رہتی۔ کبھی کبھار وہ سائیکل چلاتے چلاتے جان بوجھ کر چڑیا کے بہت قریب سے ہوکر گزرتی اور کبھی وہ کھیلتے ہوئے جان بوجھ کر اس پودے کے قریب فٹ بال پھینک دیتی جہاں چڑیا چھپی ہوتی، یہ جیسے چڑیا کو کھیل کی دعوت دینے کی ایک غیر ارادی کوشش تھی جسے چڑیا نے کبھی قبول نہیں کیا تھا، وہ یہ جرات کر ہی نہیں سکتی تھی کہ لان میں صاحب یا ان کی بیوی کی موجودگی میں وہ باہر نکل آتی۔ خیر دین نے اسے سختی سے منع کیا تھا، وہ ایک بچگانہ تجسس کی وجہ سے وہاں آ تو جاتی تھی لیکن وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے کبھی اس کے نانا کو ڈانٹ پڑے۔ اس نے بہت بار مختلف آفیسرز کے ہاتھوں اپنے نانا کو ڈانٹ کھاتے دیکھا تھا اور یہ اسے کبھی بھی اچھا نہیں لگا تھا اگرچہ خیر دین ہر بار ایسے کسی موقع پر اس کی موجودگی پر بعد میں اسے بٹھا کر اپنے صاحب کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

"دیکھو چڑیا جب غلطی ہوتی ہے تو ڈانٹ پڑتی ہے اور نہ ہر ڈانٹنے والا برا ہوتا ہے نہ ہی ہر ڈانٹ۔"

"پر نانا...... آپ کی زیادہ غلطی تو نہیں تھی۔" وہ اپنے نانا کا دفاع کرتی۔

"تھوڑی تھی پر تھی تو سہی نا...... اب اگر صاحب غلطی پر کسی کو بھی نہ ڈانٹا کرے تو ہر ایک کام خراب کرنا شروع کردے گا۔" چڑیا خیر دین کی بات پر سر ہلا دیتی لیکن اس کے باوجود خیر دین جانتا تھا کہ وہ خیر دین کو پڑنے والی کسی ڈانٹ پر بہت ناخوش ہوتی تھی۔

"ہیلو!" باربی ڈول نے جواباً مسکرا کر کہا تھا۔ اسکول میں پہلے دن وہ پہلا شناسا چہرہ تھا جو اسے نظر آیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ چڑیا سے لپٹ ہی جاتی۔

"تم یہاں اسٹڈی کے لیے آئی ہو؟" چڑیا اس کے ہیلو پر مسکرائی تھی، باربی ڈول نے سر ہلایا۔

"ممی پاپا کے ساتھ آئی ہو؟" باربی ڈول کا سر ایک بار پھر ہلا لیکن ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آئے تھے۔ اسے یک دم یاد آگیا تھا کہ اس کے ممی پاپا اسے صبح وہاں چھوڑ گئے تھے اور وہ وہاں اکیلی تھی۔ چڑیا اس کے آنسو دیکھ کر جیسے تڑپ اٹھی تھی۔

"رونا نہیں باربی ڈول، اچھے بچے تو نہیں روتے نا؟" اس نے آگے بڑھ کر باربی ڈول کے گالوں پر لڑھکتے آنسو پہلے اپنے ہاتھوں سے پونچھے پھر اپنے فراک کی جیب سے رومال نکال کر اس سے باربی ڈول کا چہرہ صاف کیا۔

دیکھو سارے بچے پڑھنے آتے ہیں۔" چڑیا اب اسے سمجھا رہی تھی، باربی ڈول کے آنسو یک دم تھم گئے تھے۔ چڑیا کی باتوں کا اثر نہیں تھا اس نام کا اثر تھا جس سے وہ اس کو پکار رہی تھی۔

"اور اسکول میں تو کتنا مزہ آتا ہے...... اتنی اچھی اچھی ٹیچرز ہوتی ہیں، بکس ہوتی ہیں...... پھر فرینڈز بھی تو بن گئے نا تمہارے؟" چڑیا اب وہ کام بھول چکی تھی جس کام سے وہ کلاس سے باہر آئی تھی، اسے کچھ یاد تھا تو بس بی ڈول یاد تھی۔ اپنی جیب میں رومال واپس رکھتے ہوئے اس نے جیب سے باربی ڈول کو ایک ٹافی نکال کر دی۔ بی ڈول ایک لمحے کے لیے جھجکی پھر اس نے ٹافی اس کے ہاتھ سے لے لی۔ ٹھیک ہے ممی اور پاپا تو یاد آرہے تھے لن ٹافی کھانے میں تو کوئی حرج نہیں تھا۔ چڑیا مسکرائی پھر اس نے باربی ڈول کی دونوں پونیوں کو پیار سے چھوا۔

یہ ان کے تعارف کا آغاز تھا لیکن تعارف، تعارف تک ہی رہا تھا ویسی دوستی نہیں ہوسکی تھی جو چڑیا اور باربی ڈول نوں کی خواہش تھی۔ دونوں کے سیکشنز الگ الگ تھے اور باربی ڈول کی بہت جلد اسکول سے چھٹی ہوجاتی تھی۔ یسوری ونگ کی لنچ بریک کا وقت بھی جونیئر ونگ سے مختلف تھا۔ اس کے باوجود چڑیا کو جب موقع ملتا وہ نرسری ریڈ کے سامنے سے صرف باربی ڈول کے لیے ضرور گزرتی یا لنچ بریک کے دوران واش روم جانے کے بہانے ایک بار یسوری کے پلے ایریا میں آکر باربی ڈول سے ضرور ملتی۔ باربی ڈول کو ٹافیاں اور لالی پاپ پسند تھے اور چڑیا جب بھی اِس آتی اس کے لیے ان دونوں میں سے کوئی نہ کوئی چیز ضرور لے کر آتی۔ وہ خود ٹافیاں وغیرہ کھانے کی بہت شوقین یں تھی۔ خیر دین کی دی ہوئی پاکٹ منی وہ سنبھال کر رکھ لیتی تھی۔ اسکول میں وہ گھر سے لایا ہوا کھانا ہی کھایا کرتی ی۔ انڈا پراٹھا، میٹھے توس، جیم یا مکھن لگے سلائسز یا خیر دین کی اپنی بیک کی ہوئی کوکیز اور پین کیک یا کپ کیک، ٹافی رچیونگم کبھی اتفاقاً ہی کھاتی تھی، وہ اور لالی پاپ تو کبھی بھی نہیں لیکن باربی ڈول کی وجہ سے اس نے باقاعدگی سے کول کینٹین پر جانا شروع کردیا تھا۔ اس کی ان عنایات کی وجہ سے باربی ڈول بھی اس کے انتظار میں رہتی تھی۔

اسکول ڈی سی ہاؤس سے بہت دور نہیں تھا۔ خیر دین صبح جس وقت چڑیا کو سائیکل پر چھوڑنے جایا کرتا تھا اسی وقت بی ڈول بھی اپنی ممی کے ساتھ گاڑی میں اسکول کے لیے نکلتی تھی۔ کبھی خیر دین پہلے اسے سائیکل پر بٹھا کر گھر کے فرنٹ یٹ سے نکلتا اور پھر چند ہی منٹوں میں ڈی سی کی گاڑی ان کو اوورٹیک کرتے ہوئے ان کے قریب سے گزرتی۔ چڑیا ائیکل پر اور باربی ڈول گاڑی کی کھڑکی کے شیشے سے چپک کر ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتیں اور ہاتھ ہلاتی تیں...... تب تک جب تک گاڑی اگلا موڑ نہ مڑ جاتی اور کبھی ڈی سی کی گاڑی ان سے پہلے گھر کے فرنٹ گیٹ سے نکل ی ہوتی اور تب باربی ڈول پچھلی ونڈ اسکرین پر تقریباً چڑھی ہوئی چڑیا کو خیر دین کے آگے سائیکل پر بیٹھے دیکھتی رہتی...... بھی ان دونوں کے اسکول جانے کی ٹائمنگ میں چند منٹوں کا فرق پڑ جاتا یا خیر دین پہلے چلا جاتا یا باربی ڈول پہلے کول چلی جاتی اور اس دن وہ دونوں سڑک پر ایک دوسرے کو بے چینی کے عالم میں ڈھونڈتی رہتیں۔

"نانا آپ سائیکل تیز کیوں نہیں چلاتے؟" چڑیا کو ان حالات میں ڈی سی ہاؤس کی بیرونی روڈ پر ڈی سی ی گاڑی نہ دیکھ کر سائیکل کی رفتار پر اعتراض ہوتا۔ اسے یقین تھا کہ رفتار ذرا سی بھی تیز ہوتی تو موڑ پر لگے ٹریفک گنل پر وہ اس گاڑی اور گاڑی کے اندر موجود باربی ڈول کو ضرور دیکھ لیتی۔

"بیٹا تیز تو چلا رہا ہوں۔" خیر دین سائیکل کی رفتار کچھ مزید تیز کرتے ہوئے اس سے کہتا۔

"ہاں پر گاڑی جتنی تیز تو نہیں ہے نا؟" وہ بے ساختہ شکایت کرتی۔ خیر دین ہنستا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''یہ سائیکل ہے بیٹا، وہ گاڑی ہے، یہ ٹانگوں سے چلتی ہے وہ پٹرول سے۔ اب سائیکل گاڑی کی طرح تو نہیں بھاگ سکتی نا۔'' چڑیا، خیر دین کی بات تو سمجھتی تھی پر مسئلہ یہ تھا کہ وہ کسی صورت بھی ہر صبح باربی ڈول کو ایک بار ضرور دیکھ لینا چاہتی تھی۔

وہ ایک ایسے اسکول میں پڑھتی تھی جہاں صبح بچوں کو چھوڑنے کے لیے شاندار گاڑیوں کی قطاریں ہوتی تھیں یا پھر کچھ اسکول وینز اور بسز۔ وہ سائیکل پر وہاں آنے والی واحد اسٹوڈنٹ تھی۔ ان شاندار گاڑیوں کے ہجوم میں خیر دین بڑی مشکل سے اپنی سائیکل کے لیے رستہ بناتا۔ گاڑیوں سے بچتا بچاتا اسے اسکول کے مین گیٹ پر چھوڑتا تھا اور پھر اسی طرح چھٹی کے وقت اسے لینے کے لیے موجود ہوتا۔ یہ ڈی سی اور اس کی بیوی کی طرف سے ایک فیور تھی اور گاڑیوں کے اس ہجوم میں سائیکل پر سفر کرتے ہوئے چڑیا کا دل کبھی ویسی گاڑی میں بیٹھنے کو تو چاہتا تھا جو وہ اپنے اسکول کے باہر دیکھتی تھی جس میں اس کے کلاس فیلو اور اسکول فیلو آتے تھے لیکن اسے کبھی اس سائیکل پر شرمندگی نہیں ہوتی تھی جس کے پیڈل گھماتا اس کا نانا اسے سال کے ہر موسم میں وقت کی پابندی کے ساتھ وہاں لا کر چھوڑتا اور وہاں سے لے کر جاتا تھا۔ سائیکل کے اس دس منٹ صبح اور دس منٹ دوپہر کے سفر میں وہ اور خیر دین بہت ساری باتیں کرتے تھے۔ وہ خیر دین کو سڑک پر اور اسکول کے باہر نظر آنے والی کوئی نئی گاڑی دکھاتی، خیر دین اسے ماڈل بتاتا۔ وہ اسے کوئی سرکاری جیپ یا سرکاری نمبر پلیٹ والی اسٹاف کار دکھاتی تو وہ اسے اس آفیسر کا عہدہ بتاتا۔ وہ اسے اپنے اسکول میں ہونے والے قصے سناتی اور وہ اسے گھر میں اپنی نوکری کی اس دن کی مصروفیات بتاتا...... اور ان ساری باتوں کے درمیان چڑیا یک دم عجیب وغریب سوال کرتی یا اپنے کسی مستقبل کے منصوبے سے خیر دین کو آگاہ کرتی۔

''نانا میں جب بڑی ہوں گی نا تو ایک کار بناؤں گی۔'' دوسرے بچوں کے ارادے خریداری سے شروع ہوتے تھے چڑیا کے ایجادات سے۔ ''اچھی بڑی سی کار جیسے صاحب کی اسٹاف کار ہے نا ویسی کار۔'' وہ خیر دین کو بتاتی، وہ ہنستا، سنتا رہتا۔

''لیکن چڑیا تم تو ڈاکٹر بنو گی...... ڈاکٹر تو علاج کرتے ہیں گاڑیاں تھوڑی بناتے ہیں۔'' خیر دین لقمہ دیتا۔ چڑیا سوچ میں پڑ جاتی۔

''اچھا نانا پھر میں ایک کار خرید لوں گی۔'' وہ چند لمحوں بعد اپنا ترمیم شدہ منصوبہ پیش کرتی۔

''پر گاڑی تو بہت مہنگی ہوتی ہے اتنے پیسے کہاں سے آئیں گے؟'' خیر دین ہنستے ہوئے کہتا۔

''میں جب ڈاکٹر بنوں گی تو اسپتال میں جاب کروں گی اس سے جتنے پیسے ملیں گے میں سب جمع کرلوں گی پھر گاڑی خرید لوں گی۔'' وہ اپنا طویل المدتی پلان بتاتی۔

''اچھا پھر گاڑی خرید کر کیا کرو گی؟'' خیر دین اگلا سوال کرتا۔

''پھر ہم اس میں جایا کریں گے۔ آپ، امی اور میں...... تینوں اس میں بیٹھیں گے۔''

''تم ایسا کرنا مجھے ڈرائیور رکھ لینا اس گاڑی کا۔'' خیر دین ہنس کر کہتا۔

''نہیں نانا، ایک ڈرائیور بھی رکھ لیں گے بس ہم سب پیچھے بیٹھ کر جایا کریں گے مزے مزے سے۔'' وہ مسکراتے ہوئے خیر دین کو بتاتی۔

''چلو ٹھیک ہے چڑیا لیکن بیٹا یہ بات ضرور یاد رکھنا کہ تمہیں لوگوں کا علاج کرنے کے لیے ڈاکٹر بننا ہے، بڑی گاڑیوں کے لیے نہیں۔'' خیر دین اسے نصیحت کرنا نہ بھولتا۔

''جی نانا۔'' وہ فرمانبرداری سے سر ہلاتی۔

''شاباش!'' خیر دین اسے سراہتا۔

''اور نانا جو غریب اور بوڑھے لوگ ہوں گے میں ان سے پیسے نہیں لوں گی، فری میں علاج کیا کروں ی۔'' چڑیا چند لمحوں بعد یک دم سنجیدگی سے کہتی اور خیر دین خوش ہو جاتا۔

☆☆☆

شیر دل اب کرسی پر سیدھا بیٹھا فیاض سے بات کر رہا تھا۔ ''کب آئی ہے واپس؟''

''اچھا اور چارج کب سے لے رہی ہے؟''

''ہاں دے دو نمبر۔''

شہر بانو سلائس کھاتے ہوئے شیر دل کو فون پر بات کرتے دیکھتی رہی۔ کوئی چیز تھی جو شیر دل کے انداز میں منٹوں ں تبدیل ہوئی تھی' اس کی باڈی لینگویج میں اس کے لب و لہجے میں اس کی آنکھوں میں اور اس میں اور وہ یہ ہمیشہ سے تے دیکھتی آئی تھی۔ ہمیشہ عکس مراد علی کے نام پر وہ شیر دل پر ایسے ہی اثرات دیکھتی تھی۔ وہ تبدیلی پہچان لیتی تھی لیکن وہ ں تبدیلی کو کبھی کوئی نام نہیں دے سکی تھی کیونکہ وہ یہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ عکس کے نام پر شیر دل میں جو جھلکتا تھا وہ کیا تھا۔

اس نے پہلی بار عکس مراد علی کا نام اپنی انگیج منٹ (Engagement) کے ایک ہفتے کے بعد سنا تھا۔ یر دل کا کوئی بیچ میٹ اور دوست اپنی بیوی کے ساتھ بوسٹن آیا ہوا تھا۔ شیر دل نے انہیں شہر بانو سے ملوانے کے لیے ڈنر پرانوائٹ کیا تھا اور ڈنر کے دوران ہی نافع نے شیر دل سے کہا۔

''اور ہاں...... عکس بھی مبارک باد دے رہی تھی تمہیں۔'' شیر دل فورک سے مچھلی کا ٹکڑا اٹھاتے اٹھاتے ٹھٹکا تھا۔

''تم کب ملے ہو اس سے؟'' شیر دل اب نافع سے پوچھ رہا تھا۔

''یہاں امریکا آنے سے پہلے۔'' نافع بتا رہا تھا۔ ڈی ایم جی والوں کی گیٹ ٹوگیدر تھی وہیں ملا ہوں۔ ہاں تمہارا ذکر ہوا تمہاری انگیج منٹ کا ذکر ہوا تو اس نے مبارک باد دینے کے لیے کہا۔'' نافع بتا رہا تھا۔

''کیسی ہے وہ؟'' شیر دل پوچھ رہا تھا۔

''پشاور میں رہ رہ کر پشتون ہو گئی ہے آدھی...... مذکر، مونث خراب ہو گئے ہیں اس کے۔'' نافع، شیر دل کے سوال پر ہنسا تھا۔

''میرا خیال ہے وہ پشتونوں کے اس کو دیکھ کر صحیح ہو گئے ہوں گے۔'' شیر دل نے بے ساختہ بے حد سنجیدگی سے تبصرہ کیا۔ دونوں اپنی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔ شہر بانو گفتگو سنتے ہوئے چپ چاپ ڈنر کرتی رہی۔

وہ پہلا موقع نہیں تھا جب اس نے شیر دل کو کسی لڑکی کے بارے میں بات کرتے یا اس کا حال احوال پوچھتے دیکھا ا۔ اس کے حلقہ احباب میں لڑکیوں کی لمبی چوڑی تعداد تھی اور ان میں سے بہت سی اس کی بہت پرانی اور کلوز فرینڈز میں۔ وہ ان سب سے رابطے میں رہتا تھا اور گرم جوشی کا یہی عالم دوسری طرف سے بھی تھا اور اگر میل ملاپ والیاں یںڈز نہیں تھیں تو پھر بیچ میٹس تھیں۔ شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا گیا تھا جب وہ شیر دل کی کسی نئی دوست سے متعارف نہ ی ہوا اور اس بار یہ نیا نام عکس مراد علی کا تھا۔ ڈنر ٹیبل پر نافع کی بیوی تاباں سے باتیں کرتے شہر بانو نے سوچا تھا۔

''Still Single?'' تاباں کی کوئی بات سنتے ہوئے اس نے کچھ حیران ہو کر شیر دل کا چہرہ دیکھا تھا اور اس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وقت پہلی بار اس نے شیر دل کے چہرے اور آنکھوں میں وہ چیز دیکھی تھی جو پھر ہمیشہ اسے اس نام پر نظر آئی تھی۔

''بتایا تو نہیں اس نے کچھ...... اگر Status تبدیل ہوا ہوتا تو بتاتی تو سہی لیکن میں نے سنا ہے کہ غنی اور وہ کافی قریب ہیں آج کل۔'' شہر بانو نے ڈرنک کا سپ لیتے ہوئے شیر دل کو بے اختیار اپنی کرسی پر پہلو بدلتے دیکھا۔

''غنی حمید؟'' شیر دل کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ "Don,t tell me" تاباں کی باتوں میں شہر بانو کی دلچسپی یک دم کم ہونی شروع ہوگئی تھی۔ کوئی چیز تھی شیر دل کے انداز میں جس نے اسے مضطرب کیا تھا۔ ہاتھ میں پہنی منگنی کی بیش قیمت انگوٹھی کے باوجود، اپنے بیڈ روم کی بیڈ سائڈ ٹیبل پر پڑے اس کارڈ کے باوجود جو شیر دل نے اسے منگنی پر دیا تھا اور جس میں اس نے شہر بانو کے ساتھ زندگی بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔ شیر دل کے والٹ اور اپنے والٹ میں رکھی ایک دوسرے کی تصویروں کے باوجود...... کچھ تھا جس نے شہر بانو کو ہلا یا تھا۔

''عکس اور غنی...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ اب شیر دل کو دو ٹوک انداز میں کہتے دیکھ رہی تھی۔

Roasted Salmon کو بھول کر اس وقت نیپکن سے اپنا منہ پونچھتے ہوئے نافع سے کہہ رہا تھا۔

''لیکن میں نے فی الحال کافی لوگوں سے یہی سنا ہے۔ میرا خیال ہے دو چار مہینوں میں شادی کرنے والے ہیں وہ دونوں۔ کچھ لوگوں کا تو خیال ہے کہ شاید منگنی ہو چکی ہے دونوں کی۔'' شہر بانو نے شیر دل کو یک دم چپ ہوتے دیکھا تھا اس نے نافع سے دوبارہ عکس کے حوالے سے کچھ نہیں پوچھا تھا لیکن شہر بانو کو یوں لگا تھا جیسے وقتی طور پر وہ ذہنی طور پر مکمل طور پر غائب دماغ ہو گیا تھا۔ وہ اب اتنے عرصے سے اس کے ساتھ تھی اور اس کے اتنے قریب تھی کہ شیر دل کے ماتھے پر آنے والی شکن کو بھی کتاب کے صفحے کی طرح پڑھ لیتی تھی، یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس کی اس اچانک خاموشی اور آف ہو جانے والے موڈ کو نہ محسوس کرتی، عکس مراد علی کا نام بہت بری طرح رجسٹر ہوا تھا۔ اس رات ڈنر سے ان کی واپسی بہت دیر سے ہوئی تھی اور واپسی کے پورے راستے شیر دل اس سے گفتگو کے دوران مکمل طور پر عدم توجہی کا شکار تھا۔

اگلے دن وہ نارمل تھا جیسے وہ ہمیشہ ہوتا تھا اور اسے نارمل دیکھ کر ساری رات بستر میں کروٹیں لے لے کر جاگتے رہنے والی شہر بانو بھی نارمل ہوگئی تھی لیکن عکس کا نام ایک عجیب سی بازگشت بن گیا تھا جو رہ رہ کر گونجتی تھی۔

''تم نے کبھی کسی سے محبت کی مجھ سے پہلے؟'' اس ڈنر کے ایک ہفتے کے بعد شہر بانو نے شیر دل سے وہ سوال کیا تھا جو عکس کا نام اسے بار بار پوچھنے پر مجبور کر رہا تھا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہ سوال کر کے کیا چاہتی تھی۔ کوئی تصدیق یا کوئی تسلی......؟

''یہ ایک انتہائی احمقانہ سوال ہے۔'' جواب تڑاق سے آیا تھا۔ وہ رات کے وقت بے مقصد سڑک پر ٹہلتے ہوئے روسٹڈ کا جو کھا رہے تھے۔

''خیر احمقانہ والی تو کوئی بات نہیں۔'' شہر بانو نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

''کسی بھی مرد سے یہ سوال احمقانہ ہی ہوتا ہے۔'' شیر دل نے شہر بانو کے ہاتھ میں پکڑے کاجو کے لفافے سے چند کاجو نکال کر انہیں پھانکتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

''احمقانہ کیوں؟'' شہر بانو کو اعتراض ہوا۔

''یار مرد شادی کے بعد بیوی بچوں کی موجودگی میں محبت کر سکتا ہے تو منگیتر کی آمد سے پہلے مہاتما بدھ بن کر کیوں رہے گا۔''

''ہاں تو یہی پوچھ رہی ہوں کہ تم نے کسی سے محبت کی ہے؟''

''کسی سے......؟ کئیوں سے۔'' شیر دل نے کچھ اور کاجو پھانکے۔

''محبت کا پوچھ رہی ہوں فلرٹ کا نہیں پوچھ رہی۔'' شہر بانو نے اسے ٹوکا۔

''دونوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا......'' وہ اسی انداز میں بولا تھا۔

''تم میرے ساتھ محبت کر رہے ہو یا فلرٹ؟'' شہر بانو نے یک دم اس سے پوچھا وہ بے ساختہ ہنسا۔ ہر بانو کو بھی ہنسی آئی تھی...... حالانکہ آنا غصہ چاہیے تھا۔

''پھر بتاؤ نا......'' شہر بانو نے دوبارہ پوچھا۔

''یار بتایا تو ہے...... بہت محبتیں کی ہیں۔'' شیر دل نے بے پروائی سے کہا۔

''کبھی کسی سے شادی کرنے کا کیوں نہیں سوچا۔'' شہر بانو نے کہا۔

''کس سے شادی؟'' وہ چونکا۔

''کسی بیچ میٹ یا گرل فرینڈ سے؟''

اس بار شہر بانو نے بڑے نپے تلے انداز میں مچھلی کو چارا پھینکا تھا۔ اس نے عکس کا نام لیے بغیر عکس کا ذکر کیا تھا۔

''تم اپنی تعریف سننا چاہتی ہو تو میں ویسے ہی کر دیتا ہوں۔ تم ماضی کی کسی محبوبہ کا نام اگلوانا چاہتی ہو تو اس کے لیے تم مجھے 60 سال کا ہونے دو۔'' مچھلی نے چارے کو کانٹے اور چھری کی مدد سے ہک سے اتار کر کھایا تھا۔ وہ شیر دل سے کبھی کچھ اگلوا نہیں سکتی تھی، اسے جو بات نہیں بتانی ہوتی تھی وہ نہیں بتاتا تھا۔ شہر بانو نے بے اختیار گہری سانس لی تھی۔

''آہیں بھرنے والی کیا بات ہے؟'' شیر دل ساتھ چلتے چلتے یک دم چونکا۔

''تم سوال کا جواب نہیں دو گے تو اور کیا کروں گی؟'' شہر بانو نے کہا۔

''چلو پھر دے دیتا ہوں...... کم از کم ماضی میں 10 لڑکیاں ایسی ضرور ہوں گی جن سے میں نے سنجیدگی سے شادی کے بارے میں سوچا ہوگا...... لیکن میں خوش ہوں کہ میں نے صرف سوچا اس پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کیوں؟'' شہر بانو کی سنجیدگی ختم ہونے پر نہیں آ رہی تھی۔

''کیونکہ اپنی زندگی کے سنہری دن تباہ کرنے کے شادی کے علاوہ بھی اور بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے غیر سنجیدہ نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شہر بانو نے بات ختم کر دی تھی۔

عکس کا ذکر پھر اس کے بعد کئی بار ان کی زندگی میں سامنے آتا رہا تھا۔ ہر بار اگر شیر دل اس پر ٹھٹکتا تھا تو شہر بانو بھی چونکتی تھی لیکن پھر آہستہ آہستہ زندگی اتنی مصروف ہونے لگی تھی کہ اسے شیر دل کے حوالے سے جو تھوڑے بہت خدشات تھے وہ جاتے رہے تھے۔ وہ ایک Exceptional شوہر تھا۔ محبت کرنے والا۔ خیال رکھنے والا، وفادار...... شہر بانو کو یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ اپنے حلقہ احباب میں خواتین کی لمبی چوڑی تعداد رکھنے اور ہر عورت سے بے تکلفی سے بات کر لینے کے باوجود شیر دل جہاں گئے داستانیں چھوڑ آئے والے مردوں میں سے نہیں تھا۔ وہ اگر کسی عورت سے بے تکلف ہو سکتا تھا تو اس بے تکلفی کو حدود و قیود میں رکھنا بھی آتا تھا اور اس میں شادی شدہ ہونے کے لیبل سے زیادہ شیر دل کے اپنے مزاج کا دخل تھا۔ شہر بانو نے شیر دل کے حوالے سے سارے تحفظات اپنے ذہن سے نکال دیے تھے، وہ بھی جو ایک بیوی کے طور پر فطری

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

طور پر ہر بیوی کے ہوتے تھے...... لیکن اس کے باوجود صرف عکس مراد علی ایک ایسا نام تھا جس پر شہر بانو کبھی بھی شیر دل کا چہرہ دیکھنا نہیں بھولتی تھی اور اتنے سالوں میں بھی اس کے چہرے پر آنے والا تاثر ایک جیسا ہی ہوتا تھا۔

"عکس مراد علی آرہی ہے فیاض کی جگہ پر؟" شیر دل کے فون بند کرنے پر شہر بانو نے چائے پیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہاں، فیاض نے ہی ابھی بتایا ہے مجھے...... چائے کا ایک کپ بنا دو مجھے۔" شیر دل نے فون ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

"ڈپٹی کمشنر کی پوسٹ پر یہ پہلی وومن آفیسر ہے شاید؟" شہر بانو نے چائے بناتے ہوئے شیر دل سے پوچھا۔

"اس وقت تو ہاں...... پنجاب میں کوئی اور وومن آفیسر اس پوسٹ پر کام نہیں کر رہی لیکن پہلے چند خواتین ڈپٹی کمشنر کے طور پر Serve کر چکی ہیں۔" شیر دل نے دوران لان میں کام کرتے مالیوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ اب کسی سوچ میں ڈوبا لگ رہا تھا۔ چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے شہر بانو نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" شیر دل نے مسکرا کر اسے ٹالا تھا وہ اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ عکس مراد علی کے ایک ہی ڈویژن میں ہونے کا مطلب اس کے لیے ایک نہ ختم ہونے والا Stress تھا۔ وہ خاتون آفیسر 24 گھنٹے کو 48 گھنٹے سمجھ کر کام کرنے والوں میں سے تھی اور وہ جہاں بھی کام کرتی تھی، اس کی Competence وہاں پر دوسرے مرد آفیسرز کے لیے بہت مسائل پیدا کر دیتی تھی۔

وہ ڈی ایم جی کی ان چند خاتون آفیسرز میں سے ایک تھی جن سے پروفیشنل جیلسی رکھنے کے باوجود ان کے کولیگز ان سے مرعوب ہونے پر مجبور تھے۔ وہ واحد نوجوان آفیسر جس کی قابلیت کو ماننے اور سراہنے میں اس کے میل کولیگز کا شاؤونزم آڑے نہیں آتا تھا اور اس میں اس کی قابلیت کے ساتھ ساتھ اس کی پرسنالٹی کا بہت زیادہ دخل تھا اور اس قابلیت اور ٹریک ریکارڈ کے ساتھ اس کا کسی بھی جگہ پر ہونے کا مطلب تھا کہ انہیں عکس مراد علی کے سامنے Over shadow ہو جانے سے بچنے کے لیے اس سے کہیں زیادہ لگن اور مستعدی کے ساتھ کام کرنا پڑتا تھا جتنا کسی دوسرے مرد آفیسر کے ساتھ کام کرنے میں۔

"وہ تو فل برائٹ اسکالرشپ پر امریکا گئی ہوئی تھی؟" شہر بانو کو یک دم یاد آیا۔ آخری بار ان کے گھر پر کسی گیٹ ٹوگیدر پر عکس اور شیر دل کے کسی بیچ میٹ نے اس کا ذکر اسی حوالے سے کیا تھا۔

"واپس آگئی ہے۔" شیر دل نے چائے کا سپ لیتے ہوئے مختصراً کہا۔

"Is she single" شہر بانو نے اچانک پوچھا۔ چائے پیتے ہوئے شیر دل ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا تھا۔

"I don,t know...... مثال کو لے کر آؤ ذرا!" شیر دل نے جواب دیا پھر اسی سرعت سے سوال بدلا۔ عکس منٹوں میں شہر بانو کے ذہن سے غائب ہوئی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں اسے...... اسے آج ویسے بھی بابا سے بہت سی شکایتیں کرنی ہیں۔" شہر بانو نے جاتے ہوئے جیسے اسے وارن کیا تھا۔ شیر دل مسکرا دیا۔ چائے کا ایک اور سپ لیتے ہوئے اس نے سیل فون نکال کر وہ بزنس کارڈ دیکھا تھا جو فیاض نے اسے ٹیکسٹ کیا تھا۔ وہ، وہ نمبر نہیں تھا جو شیر دل کے پاس تھا یقیناً اس نے نمبر تبدیل کر لیا تھا۔ چند لمحے وہ نمبر اور نام دیکھتا رہا پھر اس نے نمبر پر کال کرنا شروع کی۔

☆☆☆

عکس کا نام اس نے پہلی بار اپنے باپ سے سنا تھا۔ بختیار فون پر پبلک سروس کمیشن کے کسی ممبر سے بات کر رہا تھا جو اس کا دوست تھا۔ سی ایس ایس کے تحریری امتحان کا نتیجہ ایک ڈیڑھ ہفتے میں آنے والا تھا اور بختیار کے کسی دوست نے اسے شیر دل کے رزلٹ کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے فون کیا تھا۔ وہ تحریری امتحان میں دوسرے نمبر پر تھا کہ شیر دل بختیار اور مجتبیٰ سلیمی کے درمیان ہونے والی اس گفتگو کے دوران کمرے میں ہی تھا۔

"اوہ، اچھا دوسری پوزیشن ہے......" بختیار نے مسکراتے ہوئے شیر دل کو دیکھا تھا وہ بھی جواباً مسکرایا تھا۔

"تھینک یو...... اور پہلی پوزیشن پر کون ہے؟" شیر دل باپ کے سوال پر بے اختیار مسکرایا۔ اس کے ذہن میں بھی اسی وقت یہی سوال آیا تھا۔

"وہ کون ہے؟" اس نے بختیار کے ماتھے پر چند سوالیہ بل دیکھے۔ وہ یقیناً پہلے نمبر پر آنے والے امیدوار کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ شیر دل نے اندازہ لگایا۔

"Ok...oh...hmm" اس نے بختیار کو وقفے وقفے سے کہتے سنا...... پھر چند اور رسمی جملوں کے بعد انہوں نے فون رکھ دیا۔ شیر دل نے تب ان سے پوچھا تھا۔

"فرسٹ پوزیشن پر کون ہے؟" اور اس وقت شیر دل نے پہلی بار عکس کا نام سنا تھا۔

چند ہفتوں بعد شروع ہونے والے انٹرویوز Intelli gence اور سائیکولوجیکل ٹیسٹ کے دوران وہ جیسے لاشعوری طور پر.... پہلے نمبر پر براجمان اس خاتون امیدوار سے کہیں نہ کہیں ٹکرانے کا منتظر رہا تھا، وہ آمنا سامنا کہیں نہیں ہو سکا تھا۔

عکس کا نام اس نے دوسری بار ایک بار پھر اپنے باپ سے ہی سنا تھا...... سرتوڑ کوشش کے باوجود شیر دل تحریری امتحان کے رزلٹ کو تبدیل نہیں کر سکا تھا۔ فائنل رزلٹ میں پہلے دس امیدواروں کی فہرست میں صرف پہلی دو پوزیشنز پر موجود امیدوار تھے جنہوں نے تحریری امتحان کے رزلٹ کو برقرار رکھا تھا باقی آٹھ امیدواروں کی پوزیشن میں تبدیلی ہوئی تھی اور ان میں سے کوئی بھی لڑکی نہیں تھی اور دراصل پہلی بیس پوزیشنز میں صرف پہلی پوزیشن کے علاوہ باقی تمام لڑکوں کے پاس تھیں۔ ہیڈ آف دا ٹیبل پر کسی لڑکی کو دیکھ کر پاکستان میں کسی مرد کی انا کو جتنا جھٹکا لگتا ہے، وہ جھٹکا شیر دل کو بھی لگا تھا اور اسے یقین تھا تین سے دس نمبر تک موجود باقی تمام لڑکوں کو بھی پہلی پوزیشن پر آنے والا صرف اگر کسی کو دیکھتا ہے تو دوسری پوزیشن پر آنے والے کو...... یہ جیسے فاصلہ چیک کرنے کی ایک محتاط کوشش ہوتی ہے لیکن پہلی پوزیشن پر آنے والے کو سب دیکھتے ہیں باقی ساری پوزیشنز پر موجود لوگ بیچ کی کسی پوزیشن سے اپنا فاصلہ نہیں ناپتے وہ ٹاپ پر موجود شخص سے ہی کمپیر زن کرتے ہیں...... اور یہ فرق شیر دل سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا تھا جو ہمیشہ top ladder پر بیٹھتا آیا تھا۔

اس کا خیال تھا اس کے اور عکس کے درمیان Neck to neck فائٹ ہوئی ہوگی، مارکس اور پرسنٹ ایج کی...... لیکن ایک اور کاری ضرب اسے اس وقت لگی تھی جب بختیار نے اس کی یہ خوش فہمی بھی دور کر دی تھی۔ عکس اور اس کی پرسنٹ ایج میں بہت فرق تھا اور پہلی پوزیشن سے ہاتھ دھونے کے بعد یہ دوسری ہزیمت تھی جو شیر دل نے اٹھائی تھی۔

عکس سے اس کا تیسرا تعارف نیوز پیپرز میں ٹاپ کرنے والے امیدوار کے انٹرویو کے ذریعے ہوا تھا۔ شیر دل،

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بختیار کی وجہ سے عکس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے تحریری امتحان کے بعد ہی واقف ہوگیا تھا۔ اب اگر اسے دلچسپی باقی تھی تو وہ چہرے کے حوالے سے شناسائی تھی۔ وہ ایک انگلش نیوز پیپر کا یوتھ ایڈیشن تھا جس میں اس نے پہلی بار عکس کی شکل دیکھی تھی۔ بندھے بالوں، ڈھلے چہرے اور جدید تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس ایک نوجوان اٹریکٹو لڑکی جو خوب صورتی کے بہرحال اس معیار پر نہیں آتی تھی جس پر شیر دل رکھ کر کسی بھی لڑکی کو خوب صورت قرار دیتا تھا۔ وہ اس کے باوجود اس کی تصویر کو بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ یہ جیسے اکیڈمی میں اپنے rival سے ملاقات سے پہلے اس کو Judge کرنے کی ایک کوشش تھی۔ شیر دل نے عکس کے انٹرویو کے ہر جواب کو بہت غور سے پڑھا تھا۔ ان جوابوں کے بغیر بھی اسے اس لڑکی کی ذہانت اور قابلیت پر شبہ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود شیر دل نے بہت وقت صرف کیا تھا ان سوالات اور ان کے جوابات پر۔ وہ ڈی ایم جی کی الیوکیشن میں ایک بار پھر پہلے نمبر پر تھی۔ شیر دل کے کامن کے 18 لوگ ڈی ایم جی میں جاپائے تھے اور Elite18 کے اس گروپ میں صرف ایک لڑکی تھی...... اور یہ تیسری بار تھا جب نیوز پیپر میں شیر دل نے اپنا نام اس کے نام کے نیچے دیکھا تھا...... ہتک سی ہتک تھی۔

☆☆☆

"تیری ہے زمیں، تیرا آسماں
تو بڑا مہرباں، تو بخشش کر
سبھی کا ہے تو، سبھی تیرے
خدا میرے تو بخشش کر"

اسمبلی کا وسیع و عریض ایریا صبح کے اس وقت صرف ایک آواز سے گونج رہا تھا...... چڑیا کی آواز سے جو اس اسمبلی کے سامنے ایک Cemented پلیٹ فارم پر مائیک کے سامنے بے حد جذب سے یہ دعائیہ کلام پڑھ رہی تھی۔ اسمبلی ایریا میں موجود تمام لوگ جیسے کسی ٹرانس میں تھے...... اور یہ مہینے میں ایک بار ضرور ہوتا تھا جب چڑیا کو سسٹر ایگنس خاص طور پر اسمبلی میں یہ دعائیہ کلام پڑھنے کے لیے بلواتی تھی۔ اسکول میں ہونے والی تقریبات میں بھی چڑیا کو اسی دعائیہ کلام کے لیے بلوایا جاتا تھا...... مسلمان ہونے کے باوجود۔

"تیری مرضی سے اے مالک
ہم اس دنیا میں آئے ہیں
تیری رحمت سے ہم سب نے
یہ جسم و جاں پائے ہیں"

سماں باندھنا شاید چڑیا کے اس دعائیہ کلام کے لیے بہت چھوٹا لفظ تھا۔ اس کی آواز میٹھی اور ملائم تو تھی ہی لیکن اس میں ایک عجیب سا سوز تھا۔ وہ وہاں موجود سسٹرز اور فادر پیٹر پر رقت طاری کر دیتی تھی۔ ان کا اگر بس چلتا تو وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود اسے اسکول Choir کا حصہ بنا دیتے اور انہیں یقین تھا کہ اگر چڑیا اس Choir کا حصہ ہوتی تو وہ کیتھولک بورڈ آف ایجوکیشن کے زیر اہتمام ہونے والے تمام Regional مقابلے جیت آتی۔

"تیری ہے زمیں تیرا آسماں
تو بڑا مہرباں تو بخشش کر

سبھی کا ہے تو سبھی تیرے
خدا میرے تو بخشش کر"

میوزک ٹیچر سر جیمز کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے لاشعوری طور پر اسے ہدایات دے رہے تھے لیکن وہ جانتے تھے چڑیا کو ان کی ہدایات کی ضرورت نہیں ہے، وہ اس کلام کو گانے میں استاد تھی۔ تمام اسمبلی اب چڑیا کے ساتھ اس Devotional Song کو گا رہی تھی۔

"خدا میرے تو بخشش کر"

پہلی تین لائنز کورس کی شکل میں گانے کے بعد آخری لائن پھر صرف چڑیا نے گائی تھی...... وہ ایک Ritual تھی۔ وہ میٹھی ملائم، مدھر آواز اب کی بورڈ کے C-Major نوٹس پر high notes سے Low میں آتے ہوئے اس Song کا اختتام کر رہی تھی۔ اسمبلی میں گونجتی تالیوں کے درمیان چڑیا ایک اور Fl awless rendition کے بعد اسٹیج سے اتری تھی اور اس وقت اس نے باربی ڈول کو بھی دائیں جانب بنی لائنز میں کھڑے دیکھا تھا جو اس کے لیے جوش کے عالم میں تالیاں بجا رہی تھی۔ ماٹیسوری ونگ ہفتے میں ایک بار کبائنڈ اسمبلی اٹینڈ کرتا تھا اور آج بھی ایسا ہی ایک دن تھا۔ باربی ڈول اس دن مکمل طور پر چڑیا کے عشق میں گرفتار ہوگئی تھی۔ اس کی آواز کے عشق میں، اس کے اسٹارڈم کے عشق میں جو اس کا اسکول میں تھا...... اور اس Red sach کے عشق میں جو اس کے کندھے پر سجی ہوئی تھی۔

اس دن سہ پہر کو ہوم ورک کرتے ہوئے باربی ڈول لاشعوری طور پر وہی Devotional Song گاتی رہی جو اس نے اسمبلی میں چڑیا سے سنا تھا اور اس کی ماں نے یہ نوٹس کیا تھا۔ اس کے پوچھنے پر باربی ڈول نے اسے چڑیا کے Heroics کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کی ممی مسکراتے ہوئے اس سے یہ سب سنتی رہی تھیں پھر انہوں نے باربی ڈول سے کہا تھا۔

"اچھا چلو سنوں گی میں بھی اس سے کسی دن کچھ......" لیکن اس کی ممی نے چڑیا سے کچھ سننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گھر میں ایڈجسٹ ہو جانے کے بعد وہاں ان کی نئی مصروفیات شروع ہو چکی تھیں اور ان مصروفیات میں نوکر کی ایک نواسی سے کوئی Devotional Song سننے میں کس کو دلچسپی ہوسکتی تھی۔

البتہ چڑیا اور باربی ڈول اب اسکول میں ایک دوسرے کے کچھ زیادہ کلوز ہوگئی تھیں لیکن گھر میں یہ دوری اب تک برقرار تھی لیکن ایبک کی آمد نے جہاں اور بہت سی جگہوں سے برف پگھلائی تھی وہاں یہ برف بھی پگھلا دی تھی۔ چڑیا اب آہستہ آہستہ اس وقت وہاں آنے لگی تھی جب گھر میں موجود بچے کھیل رہے ہوتے ہاں البتہ بڑوں کی موجودگی میں وہ ایک بار پھر اسی طرح چھپ چھپ کر سب کچھ دیکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

ایبک کے بعد باربی ڈول اس گھر کا دوسرا فرد تھی۔ آٹھ سالہ وہ بچی غیر معمولی حد تک دوسروں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی اور ایک بے حد Likable پرسنالٹی کی مالک تھی۔ اس کے نام اور کام کی بازگشت صرف باربی ڈول اور ایبک تک ہی محدود نہیں رہی تھی وہ آہستہ آہستہ گھر کے دوسرے افراد تک بھی پہنچنے لگی تھی۔

ایبک نے ایک دن اپنے انکل کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہوئے کہا۔ "انکل جب شطرنج بورڈ پر کوئین سب سے پاورفل ہے تو پھر بورڈ تو کوئین کا ہونا چاہیے...... کوئین ہی کو کنگ ہونا چاہیے۔" ایبک نے چڑیا کی زبان سے سنی ہوئی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لاجک اپنے انکل کے سامنے پیش کردی تھی۔ ایبک کی ممی بھی اس وقت کوئی میگزین دیکھتے ہوئے وہیں موجود تھیں۔

"انٹرسٹنگ!" انکل نے چال چلتے ہوئے بے اختیار ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہونا چاہیے نا؟" ایبک نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہونا چاہیے لیکن ہو نہیں سکتا۔" اس کے انکل نے مسکراتے ہوئے لیکن دوٹوک انداز میں اس سے کہا۔

"لیکن کیوں؟" ایبک نے جواب کے لیے اصرار کیا۔ وہ جیسے چڑیا کے لیے اس جواب کو کھوج رہا تھا جو چڑیا کی اس لاجک کو غلط ثابت کردیتا۔

"کیونکہ یہ رول ہے...... لیکن تمہیں یہ کہا کس نے ہے؟" سوال کا جواب دیتے ہوئے اس کے انکل کو جیسے اچانک خیال آیا تھا کہ یہ سوال ایبک کا اپنا نہیں ہوسکتا تھا۔

"چڑیا نے کہا۔" ایبک نے مدھم آواز میں کہا اور پھر اس نے سوچ سوچ کر چڑیا کی لاجک بتائی تھی۔

ایبک کی ممی میگزین ہاتھ میں لیے بے حد سنجیدگی سے اس کی گفتگو سنتی رہی تھیں پھر بات ختم کرنے پر انہوں نے اسی سنجیدگی کے عالم میں اپنے بھائی سے کہا تھا۔

"Over-ambitious۔" انہوں نے جیسے ایک لفظ میں چڑیا کو Describe کیا۔

"تم ذرا دیکھو، آج کل نوکروں کے بچے اگر اچھے اسکول میں پڑھنا شروع ہوجائیں تو وہ بیٹھ کر کیا کیا خیالی پلاؤ بنانا شروع ہوجاتے ہیں اور اپنے بچوں کو کیا کیا باتیں سکھانا شروع ہوجاتے ہیں۔ عمر سے پہلے میچور اور چالاک بنادیتے ہیں انہیں، اب تم اس لڑکی کی باتیں سنو، لگتا ہے یہ کہیں آٹھ، نو سال کی بچی کی باتیں ہیں۔ یقیناً یہ سب خیر دین اور اس کی بیٹی کی باتیں ہیں جو یہ بچی سن سن کر اپنی Interpretations کے ساتھ دیتی پھر رہی ہے۔" ایبک کی ممی اب بے حد خفا انداز میں بات کررہی تھیں۔ کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ اس گفتگو میں ایسا تھا جو انہیں بری طرح چبھا تھا۔

ایبک کے انکل جواباً صرف مسکراتے ہوئے ایبک کے ساتھ چیس بورڈ پر چیس کے مہرے آگے پیچھے کرتے رہے۔

"تم دیکھو ذرا سی ہاؤس کے سرونٹ کوارٹرز میں بیٹھ کر یہ نوکر کیسی باتیں کرتے رہتے ہیں...... یہ یہاں بادشاہ کے محل میں بیٹھ کر بغاوت کی تیاری کی کوششیں ہیں۔" انہوں نے جیسے بے حد خفگی کے عالم میں اپنے بھائی سے کہا تھا۔ "اور اس بچی کو کانونٹ میں ایڈمیشن دلوانے کا کارنامہ یقیناً تمہاری بیوی کا ہوگا۔ یہ مدر ٹریسا بننے کے دورے اسی کو پڑتے ہیں، پوچھوں گی میں اس سے۔" ایبک کی ممی کو چڑیا کی وہ باتیں واقعی میں ہی بری لگ گئی تھیں ورنہ وہ چھوٹی چھوٹی بات پر اس طرح ری ایکٹ کرنے والی خاتون نہیں تھیں اور خاص طور پر کسی بچے کی بات پر ری ایکٹ کرنے والی۔ وہ ریزرو طبیعت کی مالک تھیں مگر بہرحال خوف خدا رکھنے والی خاتون تھیں۔

"نہیں، یہ ہمارا کارنامہ نہیں ہے۔" ایبک کے انکل نے اپنا اگلا مہرہ آگے بڑھاتے ہوئے بے ساختہ بہن کی خفگی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ "یہ ہم سے پہلے یہاں Serve کرکے جانے والے آفیسر اور اس کی بیوی کا کمال ہے۔ اس بچی کی فیس وغیرہ بھی وہی پے ...کرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے تو صرف کوارٹر میں رکھنے کی اجازت دی ہوئی ہے خیر دین کو۔ But she is a bright girl میں جب بھی اسکول جاتا ہوں، سسٹر ایگنس اس کی بہت تعریف کرتی ہیں......" انہوں نے تفصیل سے بہن کو بتایا تھا۔

"Whatever...... ذرا دیکھو تو سہی کیسی باتیں کررہی ہے وہ......" ان کے بھائی نے ایک بار پھر

چڑیا کا دفاع کیا تھا۔

"آج کل کے بچے ویسے ہی ضرورت سے زیادہ اسمارٹ ہوتے جارہے ہیں۔ ایبک نے بتایا تھا کہ وہ شطرنج وغیرہ بھی کھیلتی ہے تو Definitely وہ Exceptional ہی ہوگی...... اس لیے ضروری نہیں کہ خیر دین اور اس کی بیٹی ہی ایسی باتیں کرتے ہوں اس کے ساتھ۔ خیر دین اچھا سمجھدار شریف آدمی ہے۔"

"انکل صرف کھیلتی نہیں ہے...... وہ بہت اچھا کھیلتی ہے۔ She beat me everytime I played with her اور اس نے مجھے بتایا وہ اپنے نانا کو بھی ہرا دیتی ہے چیس میں اور انکل وہ آپ کو بھی ہرا سکتی ہے۔" ایبک نے چڑیا کی حمایت کرتے کرتے ایک دم اپنے انکل کو یاد دلایا۔

"یہ اس نے کہا تھا؟" ایبک کی ممی نے کچھ مزید خفا ہو کر اس سے کہا، ان کا بھائی بے اختیار ہنسا اور اس نے ایبک کے بولنے سے پہلے کہا۔

"یہ میرے Nephew کی assesment ہے کہ وہ اتنا اچھا کھیلتی ہے کہ وہ مجھے بھی ہرا سکتی ہے۔" ایبک کی ممی نے اس بار ایبک سے کہا۔

"ایبک تم اب اس کے ساتھ نہیں کھیلو گے۔" ایبک ماں کی تنبیہہ پر حیران ہوا۔

"لیکن ممی...... کیوں؟" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتیں اس کے انکل کسی وزیٹر سے ملنے کے لیے اٹھ کر چلے گئے تھے۔

"کیونکہ یہ مجھے پسند نہیں ہے۔" ایبک کی ممی نے بے حد مستحکم آواز میں اس سے کہا۔

"But she is a good girl" ایبک نے اس کا دفاع کیا۔

"I,am sure she is a good girl لیکن بیٹا وہ ایک سرونٹ کی بچی ہے اور میں آپ کو ہمیشہ سے کیا سمجھاتی آئی ہوں...... ان کے اور ہمارے سیٹ اپ میں بہت فرق ہوتا ہے، ہمیں ان سے تھوڑا فاصلے پر رہنا چاہیے۔" اس بار اس کی ممی نے اس کو بڑے پیار سے اور رسانیت سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ "اور پھر وہ تو ہے بھی ایک لڑکی...... آپ کو لڑکیوں کے ساتھ فرینڈشپ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ بھائی کے ساتھ دوستی کریں، بہن کے ساتھ دوستی کریں Stay away from her" ایبک نے ایک لمحے کے لیے چیس بورڈ کو دیکھا پھر ممی کو پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"لیکن ممی میں تو اس کو ٹینس کھیلنا سکھا رہا ہوں اگر میں اس کے ساتھ کھیلنا چھوڑ دوں گا تو پھر اس کو ٹینس کھیلنا نہیں آئے گا۔" اس نے جیسے اپنے لیے چڑیا کے ساتھ رہنے کا کوئی بہانہ تلاش کرنے کی کوشش کی تھی یہ جانے بغیر کہ وہ کتنا بچگانہ بہانہ تھا۔

"اس کو ٹینس سکھانا تمہاری ذمے داری تو نہیں ہے، وہ کہیں سے بھی سیکھ سکتی ہے۔" ایبک کی ممی نے ذرا سا جھنجلا کر کہا۔

"لیکن ممی وہ افورڈ نہیں کرسکتی...... آپ کو پتا ہے اس کے پاس ریکٹ بھی نہیں ہے۔" ایبک کو چڑیا سے ایک بار پھر ہمدردی ہوئی۔

"تو یہ بھی ہماری ذمے داری نہیں ہے۔ اس کی ممی اور نانا کی ذمے داری ہے۔"

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

”لیکن ممی اس کے پاپا بھی تو نہیں ہیں نا، آپ ہی تو کہتی ہیں ہمیں ان کے ساتھ بہت Kind ہونا چاہیے جن کے پاپا نہ ہوں...... اور ہم کو ان کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔“ ایبک نے اپنی ممی کو ان کی کبھی کہی جانے والی بات یاد دلائی۔ چند لمحوں کے لیے اس کی ممی کچھ جواب نہیں دے پائی تھیں۔ بڑوں کا سارا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں چھوٹوں کو نصیحت کے ذریعے اچھائی اور عمل کے ذریعے برائی سکھانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں اور اس کوشش کے نتیجے میں تربیت نہیں کنفیوزن دیتے ہیں۔

”اس کے نانا ہیں نا!“ اس کی ممی نے ایک کمزور لاجک دی۔

”پر اس کے پاپا تو نہیں ہیں نا۔“ ایبک نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”دیکھو کسی سے دور رہنے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اس کے ساتھ Unkind ہیں...... میں یہ تھوڑی کہہ رہی ہوں کہ تم اس سے بدتمیزی کرو یا اس کو تکلیف پہنچاؤ۔ بیٹا، میں صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ تم اس سے دور رہو۔“ ایبک نے اس بار ماں سے کچھ نہیں کہا تھا وہ چیس بورڈ پر اپنے مہروں کو آگے پیچھے کرتے ہوئے مصروف دکھنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا بچہ ہونے کے باوجود اس کو اپنی ممی کے Argument کے کمزور ہونے کا اندازہ ہو گیا تھا۔

اگلے دن وہ ٹینس کورٹ پر تھا جب ہمیشہ کی طرح اپنے مقررہ وقت پر چڑیا وہاں آ گئی تھی۔ ایک بچے کی زندگی کا سب سے مشکل ترین مرحلہ اس کو بھی درپیش تھا۔ ایک چیز جو اس کی پسندیدہ تھی اور دوسری طرف اس کی ممی کی ہدایت تھی۔ ایک بچہ ہوتے ہوئے بھی وہ یہ جان سکتا تھا کہ چڑیا کے بارے میں اس کی ممی کی رائے اور اندازہ ٹھیک نہیں تھا، وہ واقعی ایک اچھی لڑکی تھی...... پر دوسری طرف وہ ایک Obedient بچہ بھی تھا۔ بڑا بھائی...... اور ایک ایسا بچہ جس کی فرمانبرداری کی سب مثالیں بھی دیتے تھے۔

چڑیا نے آتے ہی اسپورٹس کٹ کو کھول کر اس میں سے ہمیشہ کی طرح دوسرا ریکٹ نکالنے کی کوشش کی۔ کٹ میں آج خلافِ معمول دوسرا ریکٹ نہیں تھا۔ اس نے حیرانی سے ایبک کو دیکھا جو اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے اپنے ریکٹ سے گیند کو دوسرے کورٹ میں پھینکنے میں مگن تھا۔ وہاں اس کی ہیلو کا جواب نہیں تھا۔ کوئی eye-contact نہیں تھا۔

”ایبک...... ایبک!“ اس نے ایبک کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ متوجہ نہیں ہوا، وہاں مکمل خاموشی تھی۔

☆☆☆

سیل فون بج رہا تھا لیکن دوسری طرف سے کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ شیر دل فون ہاتھ میں لیے بے حد تحمل سے کال ریسیو ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کو زندگی میں جتنا انتظار اس عورت نے کرا دیا تھا کسی نے نہیں کروایا تھا۔ سیل فون بہت دیر تک بجتا رہا پھر شیر دل نے کال ختم کر دی۔

"Shair dil here. please call me back" ایک Text لکھ کر اس نے عکس کو بھیجتے ہوئے اس نے اپنا سیل سامنے پڑی ٹیبل پر رکھ دیا۔ سگریٹ کے کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا کر سلگاتے ہوئے اس نے ٹانگیں دوبارہ ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔ سگریٹ کے کش لیتے ہوئے بھی اس کی نظریں مسلسل سیل فون کی تاریک اسکرین پر جمی تھیں۔ اگر وہ ایک رانگ نمبر سے کال نہیں لے رہی تھی تو کم از کم اب وہ اپنا تعارف کروا چکا تھا اور تعارف کروائے بھی تین منٹ ہو چکے تھے۔ وہ دل ہی دل میں ذرا سا جھنجلایا تھا اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سگریٹ کا کش لیتے ہوئے اس نے یاد کیا آخری بار دونوں کی بات کب ہوئی تھی، تقریباً ایک سال پہلے جب اس نے عکس کو اس کی

www.paksociety.com

برتھ ڈے پر مبارک باد دینے کے لیے فون کیا تھا۔ وہ اس وقت امریکا میں تھی، ان کی بات آدھے گھنٹے تک ہوتی رہی تھی پھر دونوں عیدوں پر ان کے درمیان بات نہیں ہو سکی۔ عکس کا فون نمبر بند تھا اور آنسر فون آن تھا۔ شیر دل نے اس کے لیے مبارک باد کے پیغامات چھوڑ دیے تھے۔ دونوں بار مبارک باد کا کوئی جواب نہیں آیا۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ اس نے شیر دل کے میسج نہ سنے ہوتے۔ شیر دل کو ایک مبہم انتظار تھا اور کیوں تھا اس کا جواب بھی وہ اپنے آپ کو نہیں دے سکتا تھا۔

پچھلے پانچ چھ سالوں میں ان کی بہت کم ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ خاص طور پر شیر دل کی شادی کے بعد تو تقریباً نہ ہونے کے برابر۔ اس کے باوجود شیر دل کو اس کے بارے میں سب کچھ پتا چلتا رہتا تھا یا پھر وہ خبر رکھتا تھا۔

شہر بانو سے منگنی کے چند مہینوں بعد ہی اسے عکس کی اسلام آباد میں پوسٹنگ کے بارے میں پتا چلا تھا۔ شیر دل بوسٹن میں بیٹھا تین دن اس اطلاع کو ہضم کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ یہ ناقابلِ یقین بات تھی۔ وہ اس سے پہلے پشاور میں تھی۔ پشاور سے سیدھا اسلام آباد جیسی Coveted position پر جہاں تمام Political اور ملٹری Big wigs اپنے بچوں اور بھانجے بھتیجوں کو پوسٹ کروانے کے لیے جوڑ توڑ کرتے پھرتے تھے وہاں ایک خاتون آفیسر اور وہ بھی عکس مراد علی کی تعیناتی حیران کن تھی اور شیر دل سے یہ کیسے ہضم ہو سکتی تھی جب وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ فل برائٹ اسکالر کے طور پر ہارورڈ میں نہ ہوتا تو اس وقت اسلام آباد کی اس سیٹ پر اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر وہ تعینات ہوتا۔ ایک سیکریٹری کے بیٹے کے طور پر وہ جیسے اپنا حق سمجھتا تھا، کسی امتحان کو ٹاپ کر کے سول سروس میں آنا اور بات تھی لیکن عملی میدان میں اچھی پوسٹنگز پر ہونے کے لیے کچھ دوسری قابلیتوں کا ہونا ضروری تھا اور شیر دل کے پاس وہ چیک لسٹ پوری تھی۔

اسلام آباد کی وہ تعیناتی میرٹ پر ہوتی تب بھی ٹائی DMG کے انہیں دو جونیئر آفیسرز کے درمیان ہوتی اور شیر دل کو ایک مرد آفیسر کے طور پر ترجیح دی جاتی لیکن اب عکس مراد علی وہاں تھی جہاں وہ ہونا چاہتا تھا اور نہیں ہو سکتا تھا۔

"She is lady luck's blue-eyed girl" اس کے اسی کے بیچ میٹ نے ہنستے ہوئے شیر دل کو بتایا تھا جس نے اسے اس کی فیڈرل کیپٹل میں پوسٹنگ کے بارے میں بتایا تھا۔

”وہ تو وہ ہمیشہ سے ہے لیکن یہ پوسٹنگ......“ شیر دل اب بھی اسی طرح ہکا بکا تھا۔

”پشاور میں امریکن ایمبیسی اور US Aid والوں کے ساتھ بہت کام کیا ہے اس نے۔ کہتے ہیں اس کی اس پوسٹنگ میں انہی کی کارفرمائی ہے، وہ بڑے متاثر ہیں اس خاتون کی قابلیت سے۔“ ظفر نے ان وجوہات کو بیان کیا جو اس کے خیال میں عکس کی... پوسٹنگ کی اصلی وجہ تھی۔ شیر دل نے ظفر کے اس بیان پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا وہ جانتا تھا اسلام آباد کی اس پوسٹنگ پر پاکستان کے اندر اور باہر موجود DMG کے تمام جونیئر آفیسرز اس وقت اسی طرح کے تبصرے فرما رہے ہوں گے۔ وہ کچھ انگور کھٹے والی صورتِ حال تھی اور شیر دل عکس سے بے حد جیلس ہونے کے باوجود اپنے حسد میں اس حد تک نہیں جاتا تھا کہ وہ اس کے پروفیشنلزم یا قابلیت کے حوالے سے سوال اٹھاتا یا اعتراضات کرتا۔

شہر بانو سے منگنی کے بعد عکس اور اس کے درمیان غنی حمید کے حوالے سے Argument ہوا تھا۔ وہ غنی کو شدید ناپسند کرتا تھا اور اکیڈمی میں ٹریننگ کے دوران غنی واحد آفیسر تھا جس کے ساتھ شیر دل کی بول چال بھی نہیں تھی اور عکس اور غنی کی قربت اور متوقع شادی کے حوالے سے نافع سے علم ہونے کے بعد شیر دل کوشش کے باوجود اپنے آپ کو ری ایکٹ کرنے سے روک نہیں سکا تھا۔ جواباً وہی ہوا تھا جس کی شیر دل کو توقع نہیں تھی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لیکن اسے کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ غنی کے معاملے پر ان کی آپس میں جس نوعیت کی گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد شیر دل نے یہ طے کرلیا تھا کہ وہ عکس سے دوبارہ کبھی رابطہ نہیں کرے گا۔

بوسٹن سے واپس آنے کے بعد اپنی شادی کے بعد لاہور میں پوسٹنگ کے دوران اس نے عکس کو اسلام آباد میں 14 اگست کی پرچم کشائی کی تقریب کی لائیو کوریج میں TV پر دیکھا تھا۔ وہ تقریب کے مختلف انتظامات کے سلسلے میں بار بار اِدھر سے اُدھر پھر رہی تھی۔ بالوں میں ٹکائے یا پھنسائے سن گلاسز، کندھے پر لٹکائے ایک بیگ اور ہاتھ میں پکڑے ایک وائرلیس کے ساتھ وہ پنڈال میں سینئر آفیسرز اور غیر ملکی مندوبین کے درمیان شٹل کاک بنی نظر آرہی تھی۔ وہ ان بہت کم مواقع میں سے ایک موقع تھا جب شیر دل اسے کسی افراتفری میں دیکھ رہا تھا اور پرچم کشائی کی اس تقریب کو پاکستان پرچم کے لیے اور شیر دل، عکس کے لیے دیکھ رہا تھا۔ اگر اس تقریب میں وہاں جامرز کام نہ کررہے ہوتے تو شیر دل سیل پر اسے کوئی نہ کوئی ٹیکسٹ ضرور کردیتا اور اس ٹیکسٹ کے جواب میں شیر دل کو جو جواب ملنا تھا اس سے اس کے چودہ طبق صاف ہوجاتے لیکن وہ پھر بھی یہ رسک لینے میں تامل نہ کرتا۔

شیر دل کی سوچوں کا تسلسل ایک دم ٹیبل پر پڑے سیل فون کی آواز سے ٹوٹا تھا۔ اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر سیل فون اٹھایا وہاں عکس مراد علی کا نام چمک رہا تھا۔ وہ اسے کال بیک کررہی تھی۔

☆☆☆

وہ پہلی بار تھا جب کسی نے چڑیا کا دل اتنی بری طرح سے توڑا تھا، وہ پندرہ منٹ زرد چہرے کے ساتھ ٹینس کورٹ پر اس کو مکمل طور پر نظر انداز کرکے بار بار سروس کرنے والے ایبک کو چپ چاپ دیکھتی رہی۔ کٹ میں دوسرا ریکٹ اس لیے نہیں تھا کہ ایبک اس کے ساتھ کھیلنا نہیں چاہتا تھا اور یہ فیصلہ اس نے کیوں کیا تھا، یہ چڑیا کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن خود کو اس طرح نظر انداز کیے جانے کی تکلیف اسے شدت سے ہوئی تھی خاص طور پر اس لیے کیونکہ ایبک اتنے ہفتوں سے اسے وی آئی پی ٹریٹمنٹ دیتا آرہا تھا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟'' چڑیا نے جیسے مصلحت کی کوشش کی تھی، جواب نہیں ملا تھا۔

''ایبک!'' چڑیا نے اسے ایک بار پھر پکارا۔ وہ اس بار اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے دور ایک کیاری میں جاکر ٹینس بالز ڈھونڈنے لگا۔ مصالحت کی ساری کوششیں بری طرح ناکام ہوئی تھیں۔ وہ چند منٹ اور وہاں کھڑی رہی پھر جتنے جوش و خروش کے ساتھ وہ ٹینس کورٹ پر آئی تھی اتنی ہی خاموشی اور رنجیدگی کے ساتھ وہ ٹینس کورٹ سے چلی گئی تھی لیکن ٹینس کورٹ سے اپنے کوارٹر تک واپسی میں چڑیا آنسوؤں سے روتی رہی تھی۔ اس دن اس نے کئی ہفتوں کے بعد کنما، منظا، ڈیڈو، ٹوٹو کو اپنے ساتھ پایا ورنہ اتنے ہفتوں میں وہ پتا نہیں کہاں غائب ہوچکے تھے۔

ایبک جب کیاریوں میں پڑی ہوئی گیندوں کو اکٹھا کرکے پلٹا...... چڑیا وہاں سے غائب ہوچکی تھی، ٹینس سے یک دم اس کا دل اچاٹ ہوا تھا۔ وہ اس کی دوست تھی، اسے اچھی لگتی تھی اور وہ اتنے دن سے اس کے ساتھ کھیل رہی تھی جس کے لیے اس کو اس طرح اگنور کردینا آسان نہیں تھا۔ ٹینس کٹ کو وہاں سے اٹھائے بغیر وہ بے حد خراب موڈ میں اندر چلا گیا تھا۔

چڑیا نے اس دن رات کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ سہ پہر سے رات تک خیر دین کے واپس آجانے تک کنما منظا سے باتیں کرتی رہی تھی، اس کی ماں نے بار بار آکر اس کو کھانے کے لیے کہا تھا لیکن وہ بہانے بناتی

رہی۔ اس نے ماں کو ایبک کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن خیر دین کو دیکھتے ہی وہ رونے لگی۔ وہ پریشان ہوگیا۔ اسے ساتھ لپٹاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''کیا ہوا چڑیا؟ کیوں رو رہی ہو؟''

''نانا، ایبک مجھ کو ٹینس نہیں کھلاتا۔'' اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ خیر دین کے مسلسل استفسار پر کہا۔

خیر دین ٹھٹکا پھر اس نے اسے ساتھ لپٹا کر بہت پیار کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں بیٹا؟''

''پتا نہیں نانا...... بس وہ مجھ سے بات بھی نہیں کررہا اور مجھ کو ٹینس بھی نہیں کھلا رہا۔'' گالوں پر بہتے آنسوؤں کے ساتھ چڑیا نے خیر دین سے کہا۔

''میں تمہیں اسی لیے منع کرتا تھا نا کہ تم وہاں مت جایا کرو اور ان کے ساتھ مت کھیلا کرو۔'' خیر دین نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا نانا۔'' آنسوؤں کا ایک نیا سیلاب چڑیا کی آنکھوں میں امڈ آیا تھا۔

''میں جانتا ہوں بیٹا، تم نے کچھ نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے ایبک کو صاحب یا اس کی ممی نے تمہارے ساتھ کھیلنے سے منع کیا ہو۔'' چڑیا کے دل کو ایک نیا دھچکا پہنچا تھا۔

''لیکن کیوں نانا؟''

''بیٹا وہ افسر لوگ ہیں، صاحب لوگ ہیں۔ ہم تو غریب لوگ ہیں نا۔'' خیر دین اس کو جو سمجھا رہا تھا وہ ایک بچے کا ذہن نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ سماجی فرق اور عدم مساوات...... بڑوں کی دنیا کے معیار اور تعریفیں تھیں۔ بچوں کی دنیا کے ضابطے کچھ اور ہوتے ہیں۔

''تم اب وہاں مت جانا۔'' اسے بہت کچھ سمجھانے کے بعد خیر دین نے اسے کہا۔ چڑیا نے بوجھل دل کے ساتھ سر ہلا دیا۔ اس کی فیری ٹیل کا خاتمہ ہوگیا تھا۔

ایبک اگلی سہ پہر ٹینس کورٹ پر آتے ہی چڑیا کو ڈھونڈتا رہا۔ وہ کسی پیڑ پودے کے پیچھے نہیں تھی۔ نہ ہی وہ اس دن ٹینس کورٹ پر آئی تھی۔ وہ اکیلا اور کچھ نہیں تو ٹینس سروس کی ہی پریکٹس کرلیتا تھا لیکن اب اس سے وہ بھی نہیں ہو پا رہی تھی۔ چڑیا کا حیران اور اداس چہرہ اسے کل سے اپ سیٹ کررہا تھا اور اب اس کی عدم موجودگی اس کے لیے مزید پریشان کن تھی۔ مسئلہ ٹینس یا چیس کا نہیں تھا مسئلہ ان باتوں کا تھا جو وہ اس سے شیئر کرتا تھا۔ وہ باتونی تھا اور گھر میں موجود تمام بچے اس سے چھوٹے تھے اور اس کو بے وقوف لگتے تھے۔ واحد چڑیا تھی جس کو اس کی ہر بات کی سمجھ آتی تھی۔ اس کے نہ آنے کا مطلب اس کے پارٹنر کا کھو جانا بھی تھا۔

اس دن ایبک سارا دن کسی نہ کسی بات پر اپنی ممی سے ضد کرتا رہا، اس نے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔ ہوم ورک بہت خراب کیا تھا۔ اپنی ممی کے سمجھانے کے باوجود اس نے ایک بار چھوٹی بہن پر ہاتھ اٹھایا، ایک بار بھائی پر...... اس کی ممی اس کے اس خراب موڈ کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں اور ایبک خود بھی کسی کو یہ سمجھا نہیں سکتا تھا کہ مسئلہ تھا کیا۔ پہلے وہ چڑیا کو اگنور کررہا تھا اور وہ ٹھیک تھا اور اب چڑیا اسے اگنور کرنے لگی تھی تو سب کچھ الٹ پلٹ ہوگیا تھا۔

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شہر بانو نے اپنی ممی کو وہ تیسری کال کی تھی جو دوسری طرف سے ریسیو نہیں کی گئی تھی۔ وہ یقیناً فون کے قریب نہیں تھیں یا پھر کسی کام میں مصروف تھیں، اس نے انہیں دوبارہ کال کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اس بار وہ انہیں تقریباً چھ مہینے کے بعد کال کر رہی تھی اور وہ بھی کسی فارمیلٹی سے زیادہ بڑی چیز نہیں تھی۔ ان کے درمیان فون کالز کا سلسلہ اس کی شادی اور پاکستان سیٹل ہونے کے بعد آہستہ آہستہ اسی طرح کم ہوتا گیا تھا۔ پہلے وہ ہفتے میں کم سے کم ایک بار ضرور بات کر لیتی تھیں، آہستہ آہستہ وہ مدت بڑھنے لگی۔ مثال کی پیدائش کے بعد تو یہ وقت اور بھی زیادہ ہو گیا...... اور ہر دفعہ فون پر بات ہونے پر دونوں کے درمیان کسی جذباتی گرم جوشی کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وہ حال احوال دریافت کرتیں، پندرہ بیس منٹ ایک دوسرے کو اپنی نجی اور پروفیشنل مصروفیات کے بارے میں بتاتیں۔ شہر بانو ان سے پاکستان آنے کا پوچھتی وہ اس سے امریکا...... اور دونوں ایک جھوٹے ایکسکیوز کے ساتھ گفتگو ختم کر دیتیں۔ پھر اگلے کئی مہینے دونوں کے درمیان کسی رابطے کے بغیر گزر جاتے اور پھر دوبارہ اچانک ایک دن یا تو اس کی ممی فون کر لیتیں یا شہر بانو کو بیٹھے بٹھائے فون کی فارمیلٹی نبھانا یاد آ جاتا۔

وہ کبھی بھی اپنی ممی سے زیادہ کلوز نہیں رہی تھی۔ بچپن میں اس کی کل کائنات اس کا باپ ہی تھا۔ ماں ہمیشہ اس کے لیے ایک سیکنڈری فگر تھی۔ زندگی میں صرف ایک وقت ایسا آیا تھا جب وہ اپنی ماں کے بہت قریب ہوئی تھی اور وہ ان کی بیماری کا زمانہ تھا۔ انہیں بریسٹ کینسر ہو گیا تھا اور زندگی میں پہلی بار شہر بانو نے ان کے علاج کے دوران تحمل سے ان کا خیال رکھنے اور ان کے پاس رہ کر ان کی دیکھ بھال کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کی ماں اس کے لیے بہت عرصہ شکر گزار رہی تھی۔ وہ واحد وقت تھا جب ان کے درمیان موجود کئی سال پرانی تلخی کچھ عرصے کے لیے غائب ہو گئی تھی اور شکوے، شکایات اور الزامات کی وہ بوچھاڑ جس کا وہ ہمیشہ ایک دوسرے کو نشانہ بناتی تھیں رک گئی تھی۔

دس سال کی عمر میں اپنے باپ کی پُراسرار حالات میں ہونے والی موت کے بعد شہر بانو کبھی پاکستان نہیں آ سکی تھی اور امریکا شفٹ ہو جانے کے بعد ایک لمبا عرصہ وہ ذہنی طور پر بہت اپ سیٹ رہی تھی۔ وہ ایک گھر سے یک دم جیسے کسی جنگل میں آ گئی تھی۔ مزید خرابی شرمین کی دوسری شادی نے کی تھی۔ وہ ماں سے پہلے ہی زیادہ اٹیچ نہیں تھی اور رہی سہی کسر اس احساس نے پوری کر دی تھی کہ اس کی ممی نے اس کے پاپا کی جگہ کسی اور کو دے دی تھی۔

وہ دو تین سال کی زندگی کے بدترین سالوں میں سے تھے۔ اس نے کبھی اپنے باپ کی کمی کو اس طرح محسوس نہیں کیا تھا جس طرح وہ اب کرتی تھی۔ شرمین، شہباز کی کوئی چیز اپنے ساتھ امریکا نہیں لائی تھی حتیٰ کہ اس کی کوئی تصویر تک۔ وہ جیسے دانستہ یہ کوشش کر رہی تھی کہ شہر بانو کے ذہن سے اس کے باپ کا تصور تک ختم کر دے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ تصور اس کے ذہن کے پردوں پر کچھ اور پکا ہو گیا تھا۔ دو تین سال ایک بچے کے طور پر وہ ہر جگہ اپنے باپ کو ڈھونڈتی پھرتی تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ مر چکا تھا وہ کبھی کسی پارک کسی سڑک کسی شاپنگ مال میں اپنے پاس سے گزرتے ہر مرد کے چہرے میں ایک ہی چہرہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی۔ وہ چہرہ جو اسے یک دم اس کی بے خبری میں اٹھا کر اپنی بانہوں کے گھیرے میں اپنے سینے میں چھپا لیتا تھا۔ وہ ہاتھ جو اسے ہوا میں اچھالتے تھے اور اس کی کھلکھلاہٹوں پر اسی کی طرح کھلکھلا کر ہنس دینے والا چہرہ۔ وہ انگلی جسے پکڑ کر چلتے ہوئے وہ جیسے دنیا بھر عبور کر سکتی تھی۔ وہ جس کے سامنے وہ فرمائشوں کا انبار لگا دیتی تھی۔ شہر بانو کئی سال لوگوں کے چہروں میں اپنے پاپا کا چہرہ تلاش کرتی رہی تھی اور اس ساری Effort نے شرمین سے اس کی نفرت اور بیزاری میں اضافہ کیا تھا۔

سوتیلا باپ برا آدمی نہیں تھا۔ اس کے اور شرمین کے درمیان شادی کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ شرمین شہر بانو کو اپنے ساتھ رکھے گی۔ شادی کے بعد بھی اگرچہ شہر بانو نے پوری کوشش کی تھی کہ شرمین اسے نانا کے گھر پر ہی چھوڑ دے جہاں رہنے کی وہ اب عادی ہو چکی تھی لیکن شرمین اس پر تیار نہیں ہوئی تھی۔

فاروق ایک اچھا انسان تھا اور اس نے شہر بانو کے ساتھ بہت محبت اور شفقت دکھائی۔ شہر بانو پر ایک خاص حد تک اس محبت اور شفقت کا اثر بھی ہوا تھا۔ ماں سے اس کی ناراضی اور رنجشیں تو ختم نہیں ہوئی تھیں لیکن وہ باپ سے قریب ہو گئی تھی لیکن اس قربت کو فاروق اور شرمین کی پیدا ہونے والی بیٹی نے ختم کر دیا تھا۔ فاروق کی اپنی پہلی وائف سے دو بیٹے تھے۔ شرمین سے اس کی بیٹی ہو گئی تھی۔ شہر بانو کی اہمیت یک دم ایک بار پھر ختم ہو گئی تھی۔ یہ خیال شہر بانو کا تھا اور شرمین کی بے انتہا کوشش کے باوجود وہ یہ خیال ترک کرنے پر تیار نہیں تھی۔ ڈیڑھ سال بعد اس بچی کا انتقال ہو گیا تھا۔ شرمین اور فاروق نے اس کے بعد کوئی اور بچہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ ایک اور سال تھا جب شرمین نے اپنے اور شہر بانو کے ریلیشن شپ کو بہتر کرنے کی کوشش کی۔ اگلے چند سال اس کے اور شہر بانو کے اچھے سالوں میں سے تھے۔ شہر بانو باپ کو اب بھی اپنی زندگی اور ذہن سے الگ نہیں کر پائی تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ تلخی اور رنجیدگی اس کے اندر سے کم ہونے لگی تھی جو پورے لڑکپن میں اس کا حصہ رہی تھی۔ شہر بانو کے یونیورسٹی جانے کے بعد یہ تعلقات کچھ اور بھی بہتر ہو گئے تھے لیکن شرمین کی بیماری وہ واحد ٹائم پیریڈ تھا جس میں شہر بانو کی طرف سے شہباز کی موت کے بعد سے پہلی بار شرمین کے لیے کسی قسم کی جینئین ایموشنل وابستگی کا اظہار کیا گیا تھا۔ وہ ماں کے لیے Concerned چاہتی تھی۔ شرمین کی صحت یابی اس وقت اس کی سب سے بڑی ترجیح تھی، شرمین کو صحت یاب ہوتے ہوئے تقریباً دو سال لگ گئے تھے لیکن ان دو سالوں میں شہر بانو اور شرمین کی جیسے نئے سرے سے Bonding ہوئی تھی اور اس Bonding کو سب سے بڑا دھچکا اس وقت پہنچا تھا جب شہر بانو نے پہلی بار شرمین کو شیر دل میں اپنی دلچسپی اور اس کے پروپوزل کے بارے میں بتایا تھا۔ شرمین نے شیر دل کے آدھے تعارف کے بعد ہی اسے روک دیا تھا اور بے حد سرد مہری سے کہا تھا۔

”میں جانتی ہوں اسے اور میں مر کر بھی تمہاری شادی اس سے نہیں ہونے دوں گی۔“

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اگلے تین دن ایبک کو نظر نہیں آئی تھی اور کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ نہ عقبی باغ میں کہیں گلہریوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے، نہ کوارٹرز کے پاس آم کے درخت پر پڑے جھولے میں جھولا جھولتے ہوئے، نہ برآمدے میں لگے اس آئینے کے سامنے جس میں وہ پتا نہیں کتنی دیر اپنا عکس دیکھتی رہتی تھی۔ بعض دفعہ ایبک کو لگتا تھا وہ شاید اس میں کچھ ڈھونڈ رہی ہوتی تھی...... نہ باربی ڈول کے باہر نکل آنے پر اس کی پونیاں کرنے آئی تھی، نہ فریز بی کھیلتے ہوئے آکر ان کے کھیل میں شامل ہوئی تھی، نہ کسی پیڑ پودے سے جھانکتی پائی گئی تھی اور نہ ہی وہ خیر دین کے ساتھ اس کی سائیکل پر گھر سے باہر جاتے دیکھی گئی تھی۔ چڑیا جیسے کہیں چھپ گئی تھی اور ایبک کی بے چینی اور اضطراب جیسے ساتویں آسمان پر پہنچ گیا تھا۔

تیسرے دن ایبک کی ہمت بالآخر جواب دے گئی تھی۔ وہ سہ پہر کو ٹینس کورٹ پر جانے کے بجائے سیدھا خیر دین کے کوارٹر گیا تھا۔ خیر دین دوپہر کا کھانا تیار کرنے کے بعد اس وقت کچھ دیر کوارٹر میں آرام کرنے جایا کرتا تھا۔

''چاچا چڑیا گھر پر ہے؟'' دروازے پر دستک پر خیر دین باہر گیا تھا۔ اندر کوارٹر میں ایک کونے میں بیٹھی ہوم ورک کرتی چڑیا ایبک کی آواز پر کرنٹ کھا کر کچھ لکھتے لکھتے رکی تھی۔

''بیٹا وہ سو رہی ہے۔'' چڑیا ایبک کی آواز پر اپنا ہوم ورک بند کرنے لگی تھی جب اس نے خیر دین کو کہتے سنا۔ نانا جھوٹ نہیں بولتے پھر اب کیوں بول رہے ہیں؟ وہ نوٹ بک ہاتھ میں لیے حیران ہوئی تھی۔

''اچھا...... وہ کب سو کر اٹھے گی؟'' چڑیا نے ایبک کی آواز میں تھوڑی مایوسی دیکھی۔

''وہ کافی دیر تک سوتی رہتی ہے شاید شام تک سوئے گی پھر اٹھ کر اپنا ہوم ورک کرے گی۔'' خیر دین بڑے تحمل سے جھوٹ پر جھوٹ بول رہا تھا اور اندر بیٹھی چڑیا حیران تھی۔

''اچھا پھر اس کو بتا دیجیے گا کہ میں آیا تھا۔'' اس نے ایبک کو کہتے سنا۔ چند لمحوں کے بعد خیر دین اندر آ گیا۔

''نانا ایبک آیا تھا؟'' خیر دین تو شاید ایبک کی آمد کے بارے میں اسے کچھ نہ بتاتا لیکن چڑیا نے کچھ بے قراری کے عالم میں اس سے خود ہی پوچھ لیا تھا۔

''ہاں چڑیا...... لیکن بیٹا دیکھو اب تم دوبارہ اس کے ساتھ جا کر کھیلنا مت شروع کرنا...... وہ لوگ ویسے بھی ایک دو ہفتے میں چلے جائیں گے۔ کیا فائدہ ہے اس کھیل کود اور دوستی کا۔ پچھلی بار بھی تم کتنا روئی ہو، میں برداشت نہیں کر سکتا تمہاری تکلیف۔'' خیر دین نے جیسے اسے صاف لفظوں میں کہا تھا۔ چڑیا جواب دینے کے بجائے سر جھکا کر ہوم ورک کرنے لگی۔ چارپائی پر لیٹتے ہوئے خیر دین کو پتا چل گیا تھا کہ اس کا کیا مطلب تھا۔

''اچھا تم مل لیا کرو ان سب سے...... لیکن اب ان کے ساتھ کھیل کود میں حصہ مت لینا۔'' خیر دین نے اپنی ہی ہدایات اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر واپس لی تھیں۔ چڑیا کا چہرہ چند لمحوں میں کھل اٹھا تھا۔

برق رفتاری سے ہوم ورک آدھے گھنٹے میں ختم کر کے وہ اپنے کوارٹر سے نکل کر ٹینس کورٹ پر آئی اور وہاں اس نے کورٹ سے باہر پڑی کرسیوں میں سے ایک پر ایبک کو اپنا ریکٹ پکڑے بے حد اداسی کے عالم میں بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ ریکٹ کی String کو ٹھیک کرنے میں مصروف تھا۔ اس نے چڑیا کو آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن پاس آنے پر اس کے قدموں کی آہٹ پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا، چڑیا کو دیکھ کر اس کا چہرہ یک دم جیسے ہزار واٹ کے بلب کی طرح جل اٹھا تھا۔ چڑیا بھی جواباً مسکرائی تھی۔ وہ آکر اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''تم سو رہی تھیں؟'' ایبک کو فوری طور پر اس سے بات کا آغا[illegible]نے کے لیے [illegible] کچھ نہیں سوجھا تھا۔

''ہاں، میں سوتی ہوں اس وقت۔'' چڑیا نے نظریں ملائے بغیر خیر دین کے جھوٹ کا پردہ رکھا۔

''لیکن تم تو اس وقت میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔'' ایبک نے اسے یاد دلایا۔

''اب میں سوتی ہوں۔'' چڑیا نے مدھم آواز میں کہا۔

''چلو بس اب کھیلتے ہیں، تم یہ ریکٹ پکڑو میں دوسرا ریکٹ نکالتا ہوں۔'' ایبک نے جلدی سے بات جیسے بدلنے کی کوشش کی تھی۔

''نہیں...... اب میں ٹینس نہیں کھیلوں گی۔'' چڑیا نے اس کے بڑھائے ہوئے ریکٹ کو نہیں پکڑا تھا۔

''کیوں؟'' ایبک چونکا۔

''کیونکہ میرے پاس ریکٹ نہیں ہے۔'' دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھے چڑیا نے بڑے تحمل سے کہا تھا۔

''میں دے رہا ہوں نا تم کو۔'' ایبک نے دوبارہ ریکٹ بڑھایا۔

''یہ میرا نہیں ہے۔'' چڑیا نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو کیا ہوا چڑیا؟ میں خود دے رہا ہوں تمہیں۔'' ایبک نے کہا۔

''لیکن اب مجھے ٹینس اچھا نہیں لگتا۔'' ایبک اس بار ریکٹ پکڑے کچھ دیر بیٹھا رہا تھا پھر اس نے بے حد متانت سے کہا۔

''تم مجھ سے ناراض ہو؟'' چڑیا نے نفی میں سر ہلایا۔

''تم ہو۔'' ایبک نے بے ساختہ کہا۔ ''I am sorry۔'' چڑیا نے بے ساختہ سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اوکے۔'' وہ ساتھ مسکرائی بھی تھی۔ ایبک بھی مسکرایا۔

''چلو پھر کھیلتے ہیں نا!''

''نہیں، ہم ویسے ہی باتیں کرتے ہیں بیٹھ کر...... مجھ کو ٹینس بورنگ لگتی ہے اب۔'' وہ دونوں بچے تھے لیکن کسی Psychic کی طرح ایک دوسرے کا ذہن پڑھ رہے تھے۔ ایبک کو اندازہ ہو گیا تھا کہ چڑیا اب دوبارہ اس کا ریکٹ نہیں لے گی۔ وہ خیر دین کی ہدایات تھیں یا چڑیا کی اپنی ضد جو بھی تھا ایک نادم ہونے کے ساتھ ساتھ چڑیا کے حوالے سے بے حد محتاط بھی ہو گیا تھا۔ وہ اب ایسی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے چڑیا دوبارہ ہرٹ ہوتی یا روٹھ جاتی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ سبق جو خیر دین اسے ہمیشہ دیتا تھا اور وہ سمجھ نہیں پاتی تھی وہ ایبک کی ایک چھوٹی سی حرکت نے اسے سمجھا دیا تھا۔ چڑیا جان گئی تھی کہ صاحب لوگ اس لیے ان جیسے نہیں تھے کیونکہ وہ کوئی بھی چیز خرید کر استعمال کرتے تھے مانگ کر نہیں اور وہ چیز جو مانگ کر لی جاتی ہے وہ کبھی بھی کوئی چھین سکتا ہے۔ اس نے اس ریکٹ کو چھونے اور ٹینس کھیلنے کا شوق پورا کرلیا تھا اور اس کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔

وہ چند ہفتوں میں کھیل میں ماہر نہیں ہوسکتی تھی اور کھیل سیکھ لینے کے بعد بھی وہ دوبارہ اس کھیل کو کھیلنے کی استطاعت نہیں رکھتی تھی۔ اسکول میں ٹینس کی سہولیات نہیں تھیں اور ڈی سی ہاؤس میں اب کوئی ایبک نہیں ہوتا جو اسے اپنا ریکٹ بھی دیتا، کوچنگ بھی کرتا اور اس کے ساتھ کھیلتا بھی...... وہ بڑے لوگوں کا کھیل تھا...... صاحب لوگوں کا... وہ چڑیا کا کھیل نہیں تھا۔ یہ سب اسے خیر دین نے پیار سے سمجھایا تھا اور اس بار چڑیا کو پہلی بار تکلیف سے ہی سہی لیکن اپنی سوشل Standing سمجھ آگئی تھی۔

لیکن ایبک سے وہ دور نہیں رہ سکتی تھی۔ خاص طور پر اب جب وہ ایک بار پھر سے چڑیا کو اپنا دوست بنانے کے لیے سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ اسے نہ یہ پروا تھی کہ ممی ناراض ہوں گی نہ اس بات کی پروا کہ وہ چڑیا کی وجہ سے کئی بار اپنا ہوم ورک بھی چھوڑ رہا تھا اور کچھ ایسا ہی حال چڑیا کا بھی تھا۔ ایک آدھ بار خیر دین کی نصیحتوں کے زیر اثر رہنے کے بعد وہ ایک بار پھر ایبک کی گرویدہ تھی۔ چڑیا نے ٹینس کھیلنا بند کیا تھا تو ایبک کی دلچسپی بھی ٹینس میں یک دم ختم ہوگئی تھی۔ وہ انکل اور ممی کے کہنے کے باوجود ٹینس کی پریکٹس کے لیے نکلنے سے کتراتا لیکن ٹینس نہ کھیلنے کے باوجود وہ دونوں دن میں کئی بار ایک دوسرے سے ملتے۔ فریزبی کھیلتے، شطرنج کھیلتے۔ ایبک کی پھینکی ہوئی ڈسک آہستہ آہستہ چڑیا کے ہاتھ میں آنے لگی تھی۔ صرف پہلی بار فریزبی کھیلتے ہوئے ایسا ہوا تھا کہ ڈسک پکڑنے کی کوشش میں ڈسک چڑیا کے ہاتھ میں تو آگئی تھی لیکن اس کے ہاتھ کو بری طرح زخمی بھی کرگئی تھی۔ چڑیا نے شدید تکلیف کے باوجود منہ سے آواز نہیں نکالی تھی۔ وہ ایبک پر کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ کہتا وہ ایک ڈسک بھی کیچ نہیں کرسکتی۔ شدید تکلیف کے ساتھ اس نے ہاتھ میں پکڑی ڈسک دوبارہ ایبک کی طرف پھینکنے کی کوشش کی تھی لیکن ٹھیک سے پھینک نہیں سکی تھی اور اس وقت ایبک نے بہت دور کھڑے بھی اس کی تکلیف کا اندازہ کرلیا تھا۔

''تمہیں ہاتھ پر چوٹ لگی ہے کیا؟'' ایبک نے دور سے ہی آواز دے کر پوچھا۔

''نہیں تو......'' چڑیا نے بے ساختہ کہا لیکن ایبک اس کی طرف بھاگتا آیا تھا۔ اس نے پاس آکر چڑیا کا ہاتھ دیکھا جو صحیح طرح سیدھا بھی نہیں ہو رہا تھا اور ہلکی سی پیلاہٹ اور سوجن نظر آنے لگی تھی۔

''تم کو چوٹ لگ گئی اور تم نے بتایا بھی نہیں۔'' ایبک اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے افسوس سے بولا۔

''تم نے بہت زور سے ڈسک پھینکی تھی۔'' چڑیا نے ہلکی سی آواز میں کہا۔

''احمق تم کو نہیں پکڑنا چاہیے تھی ڈسک اگر یہ زیادہ زور سے آرہی تھی تو۔'' ایبک نے اسے ڈانٹا۔ وہ اکثر ٹینس سکھاتے ہوئے بھی اس کو ڈانٹ دیتا تھا۔ چڑیا خاموش ہوگئی۔ وہ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر بہت دیر تک دباتا رہا تھا پھونکیں مار مار کر...... یہ اس کی فرسٹ ایڈ تھی۔ اور اس انجری کے بعد ایبک نے فریزبی پھینکنے کے اسٹائل کو تبدیل کیا تھا اور اس کی رفتار کو بھی کم کردیا تھا۔ جب وہ شطرنج یا فریزبی نہ کھیلتے تو پھر وہ سارا دن بے مقصد ان وسیع و عریض لانز میں پھرتے، تتلیاں اور کیڑے مکوڑے اکٹھے کرتے رہتے۔ تتلیاں چڑیا پکڑا کرتی تھی اور کیڑے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکوڑوں کی Collection بنانے کا آئیڈیا ایبک کا تھا۔ جیم، اچار اور Syrup کی خالی بوتلوں میں وہ بڑی بے جگری سے لان کی کیاریوں میں مٹی اور پودوں پر رینگتے کیڑے اکٹھے کرتا پھرتا۔ یہ جیسے اس کے نزدیک چڑیا کو متاثر کرنے کی کوششوں کا ایک حصہ تھا اور چڑیا متاثر ہوئی تھی۔ دل میں اسے گھن بھی آتی تھی جب ایبک گندے مندے کیڑے مکوڑے کئی بار خالی ہاتھ سے ہی پکڑ لیتا لیکن پھر وہ مسکراتے ہوئے ایبک کو سراہتی تھی۔ اور کبھی وہ لان میں پھولوں اور پتوں کی کلیکشن بناتے پھرتے اور مالیوں سے ان کے نام پوچھ پوچھ کر لکھتے رہتے اور جب وہ یہ عجیب و غریب کلیکشن نہ کر رہے ہوتے تو پھر وہ عمارت کے عقب میں سرونٹ کوارٹرز کے قریب لگے ہوئے مختلف پھلدار درختوں پر چڑھے جامن، کیریاں اور کھٹے انگور، شہتوت اتار اتار کر املی اور نمک مرچ کے ساتھ کھاتے یا پھر غلیلوں سے ان اونچے لمبے درختوں پر بیٹھے پرندوں کا شکار کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔ وہ چڑیا کی زندگی کا سب سے بہترین موسم گرما تھا۔ ایسے دن جب وہ واپس کوارٹر میں آنا ہی نہیں چاہتی تھی اور کچھ یہی حال ایبک کا بھی تھا۔ ایچی سن میں پڑھنے والا وہ کلچرڈ اور گرومڈ بچہ جو اس گھر میں ہر وقت نک سک سے درست رہنے والے حلیے میں آیا تھا جو فورک اور نائف کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتا تھا اور جو ٹینس، سوئمنگ اور فریزبی کھیلتا تھا۔ اب لان میں چھپن چھپائی کھیلتا پھرتا تھا۔ چوبیس گھنٹے پاؤں پر موجود موزے اب لان کے مختلف حصوں سے دریافت ہوتے تھے۔ اس کی جیبوں میں اب کیریاں اور کچے انگور بھرے ہوتے تھے اور وہ اس تمام موج مستی میں ساتویں آسمان پر تھا، ماں کی چیخ پکار بھی اب اس پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی۔ اس کی ماں کو پتا تھا کہ وہ چڑیا کے ساتھ کھیلتا تھا لیکن وہ جب بھی اسے ڈھونڈنے آتی، چڑیا کا نام و نشان بھی اسے کہیں نہیں ملتا تھا۔ وہ بالکل اکیلا لان میں کہیں نہ کہیں کچھ کرتا پایا جاتا اور وہ اس بات کو کسی طرح ماننے پر تیار نہیں ہوتا کہ وہاں آس پاس کہیں چڑیا تھی۔ چڑیا جیسے ایبک کا Well-kept سیکرٹ تھی۔ اس کی ممی اسے ڈانٹتے کھینچتے وہاں سے لے جاتیں اور وہ چند منٹوں کے بعد پھر لان میں موجود ہوتا۔

☆☆☆

شیر دل نے فون انگیج کیا۔ پھر کال ڈس کنیکٹ کرنے کے بعد دوبارہ عکس کو کال کی۔ اس بار پہلی بیل پر کال ریسیو کی گئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' شیر دل کے پورے وجود سے کوئی چیز گزری تھی۔ اس عورت کی آواز سن کر وہ چند لمحوں کے لیے اس کیفیت کا شکار ضرور ہوتا تھا۔

''کب آئی ہو پاکستان؟'' رسمی علیک سلیک کے بعد اس نے عکس سے پوچھا۔

''22 کو۔'' مختصر جواب ملا تھا اسی Soothing آواز اور بے حد شستہ لب و لہجے میں۔ چند لمحوں کے لیے شیر دل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے مزید کیا پوچھے۔ یہ نہیں تھا کہ اس کے پاس سوال نہیں تھے لیکن ان سوالوں کے جواب ان دونوں کے لیے بڑے تکلیف دہ ہوتے تھے۔ ان کے درمیان جب بھی بات ہوتی تھی بڑے ہلکے پھلکے موڈ میں ہوتی تھی۔ آج پہلا موقع تھا جب گفتگو کو شروع کرنا ہی دونوں کے لیے مشکل ہو رہا تھا شاید اس لیے کہ ان دونوں کی زندگی میں اس وقت کوئی دوسرا آ چکا تھا۔

''شہر بانو کیسی ہے؟'' اس نے عکس کو کہتے سنا۔ شیر دل کو لگا وہ شاید ساتھ کوئی کام بھی کر رہی ہے۔

''شبی ٹھیک ہے، تم کیا کر رہی ہو؟''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کچھ پیکنگ وغیرہ کر رہی ہوں اور بیٹی کا کیا حال ہے تمہاری؟" وہ دوسری طرف بڑے Casual انداز میں بول رہی تھی۔ ساتھ کچھ کھڑ کھڑاہٹ کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

"مثال بالکل ٹھیک ہے۔" شیر دل نے کہا۔

"میرے ہمسائے میں آرہی ہو تم؟" شیر دل کا اشارہ پوسٹنگ کی طرف تھا، عکس دوسری طرف سے مدھم آواز میں ہنسی تھی۔

"میری تو ویسے خواہش تھی تمہاری خالی سیٹ پر آتی۔" اس نے عکس کو کہتے سنا۔

"ارے......اچھا...... یہاں آنا چاہتی ہو تم؟" شیر دل نے چونک کر کہا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" شیر دل کو محسوس ہوا وہ بہت خوشگوار موڈ میں تھی۔

"مجھے کیا اعتراض ہوگا...... ابھی آجاؤ۔" شیر دل نے بے ساختہ کہا۔ وہ پھر ہنسی۔ اس بار شیر دل چپ نہیں رہ سکا تھا۔

"تم نے کچھ زیادہ ہنسنا شروع نہیں کر دیا؟"

"تمہیں کوئی مسئلہ ہے اس سے؟" جواب اسی انداز میں ملا تھا۔

"یار پوچھ رہا ہوں۔" شیر دل نے کچھ مدافعانہ انداز میں کہا۔

"تم ہمیشہ الٹے سوال ہی پوچھا کرو مجھ سے۔"

"خیر ہر سوال تو الٹا نہیں کیا میں نے...... کچھ سیدھے بھی تھے۔" شیر دل نے بے ساختہ کہا۔

"ان سیدھے سوالوں کے بھی جواب الٹے تھے۔"

"تم نے تو سیدھے سیدھے ہی دیے۔" وہ اس بار کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ دونوں دوسرے کی بات کے Context کو سمجھ گئے تھے۔ شیر دل بھی ہنس دیا۔

"کسی مدد وغیرہ کی ضرورت ہے؟" اس نے عکس سے کہا۔

"نو تھینکس۔" شیر دل کو اسی جواب کی توقع تھی۔ وہ خوشی سے مر جاتا اگر وہ کسی کام کے لیے کہہ دیتی۔ وہ اب اس سے امریکا میں اس کے Stay کے حوالے سے بات کرنے لگا تھا۔ عجیب بات تھی لیکن وہ جب بھی ایک دوسرے سے بات کرنا شروع ہوتے کرتے ہی چلے جاتے، انہیں خود پر بند باندھنا مشکل ہو جاتا تھا۔ پتا نہیں کیا، کیا تھا جو انہیں ایک دوسرے سے شیئر کرنا یاد آجاتا تھا اور یہ اکیڈمی کے دنوں سے تھا۔ وہ Argument کرنا بھی شروع کرتے تو وہ بھی لمبا ہوتا جاتا تھا اور اتنا لمبا ہوتا کہ اس کا اختتام کسی اور ڈسکشن پر ہوتا۔ اب بھی یہی ہوا تھا۔

شیر دل اب اس کو اپنے ڈویژن کے حوالے سے انفارمیشن دے رہا تھا۔ دو سال پاکستان سے باہر رہنے کے باوجود وہ ill informed نہیں تھی اور پاکستان میں آئے ایک ہفتہ ہونے کے باوجود اسے اس ڈسٹرکٹ کے بارے میں تمام بنیادی معلومات تھیں جہاں اس کی پوسٹنگ ہوئی تھی۔ شیر دل سے وہ بس اپنے نوٹس Tall y کر رہی تھی۔

"Oh...... السلام علیکم۔" بات کرتے کرتے شیر دل نے اسے کسی سے کہتے سنا تھا پھر اس نے کسی مرد کی آواز سنی جو بڑی بے تکلفی سے عکس سے بات کر رہا تھا۔

"اچھا شیر دل...... تم سے دوبارہ بات ہوگی...... مجھے لنچ پر جانا ہے...... خدا حافظ۔" اس نے شیر دل کے ساتھ بات کرتے کرتے یک دم بہت عجلت کے عالم میں فون بند کیا تھا۔ وہ سیل فون ہاتھ میں لیے بیٹھا رہ گیا تھا۔ چند لمحے اسی طرح بیٹھے رہنے کے بعد اس نے جیسے کچھ بے چینی اور خفگی کے عالم میں عکس کو ایک Text کیا تھا۔ چند منٹوں میں اس Text کا جواب آگیا تھا۔

"Shut up" شیر دل کا رنگ ہمیشہ کی طرح سرخ ہوا تھا۔ اس کے سیل فون میں عکس کی طرف سے پچھلے تمام سالوں میں آنے والے 131 Shut up کے میسجز محفوظ تھے۔ اور شیر دل ان 131 میسجز کو تاریخ پڑھے بغیر بھی پہلی Shut up کال سے موجودہ تک کی ہسٹری، سیاق و سباق، تاریخ اور لوکیشن بتا سکتا تھا۔ زندگی میں شیر دل نے عکس کے علاوہ کسی اور سے یہ لفظ نہ سنا تھا اور نہ وہ برداشت کر سکتا تھا۔ زندگی میں عکس صرف ایک شخص سے Rude ہوتی تھی۔ صرف ایک شخص تھا جس کو وہ دھڑلے سے Shut up کال دیتی تھی اور وہ شیر دل تھا۔ شیر دل نے اس 132 ویں شٹ اپ کال کو msg folder میں Save کیا اور پھر اس نے سرخ چہرے اور بے حد خفگی کے عالم میں لان سے اٹھتے ہوئے عکس کو ایک طویل Text کیا۔

☆☆☆

نیند میں وہ ہڑبڑا کر کسی کی چیخوں اور رونے کی آواز سے اٹھا تھا۔ چند سیکنڈز میں اس نے وہ آواز پہچانی تھی۔ وہ چڑیا کی آواز تھی۔ ایک نیم خوابیدگی کے عالم میں جیسے بستر سے نکل کر باہر بھاگا تھا۔ وہ تقریباً آدھی رات کا وقت تھا۔ نیم خوابیدہ آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرے کے دروازے سے باہر نکلنے پر اس نے وہ منظر دیکھا تھا جو اگلے کئی سال اس کے ذہن کے ساتھ ایک آسیب کی صورت میں چپکا رہا تھا۔ وہ اوپر والی منزل پر اپنے کمرے کے دروازے سے آگے نہیں جا سکا تھا۔ ہذیانی انداز میں چیخیں مارتی ہوئی چڑیا بھاگتے ہوئے ناہموار قدموں سے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔

"نانا...... نانا" وہ چلاتے ہوئے خیر دین کو آوازیں دے رہی تھی۔

وہ سیڑھیوں کے وسط میں تھی اور سیڑھیوں کے بالکل اوپر اس نے اپنے انکل کو بے حد تیز رفتاری کے عالم میں اس کے پیچھے بھاگتے اور سیڑھیاں اترتے دیکھا تھا۔ ریلنگ کے پاس کھڑا ایبک لرزنے لگا تھا، اس نے زندگی میں اس سے زیادہ خوف کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ چڑیا کی ہذیانی چیخیں نہیں تھیں جس نے اس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑائی تھی۔ یہ اس کا برہنہ جسم تھا جس نے ایبک کو دہشت زدہ کیا تھا۔ ریلنگ کو پکڑے، تھر تھر کانپتے ہوئے کسی مجسمے کی طرح کھڑا رہا۔ اس کے انکل نے چند جستوں میں نیچے کے زینوں پر پہنچ جانے والی چڑیا کو پکڑ لیا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں چلاتے ہوئے خیر دین کو پکار رہی تھی۔ پھر ایبک نے اپنے انکل کو یکے بعد دیگرے چڑیا کے چہرے پر تھپڑ مارتے دیکھا پھر اس نے اپنے انکل کو دونوں ہاتھوں سے چڑیا کا منہ اور گلا دباتے ہوئے دیکھا۔ وہ اب زمین پر گری ہوئی تڑپ رہی تھی۔ اس کی وہ ہذیانی چیخیں بند ہو چکی تھیں۔ اس کے انکل فرش پر چڑیا کے اوپر جھکے اپنا ایک ہاتھ چڑیا کے منہ پر سختی سے جمائے دوسرے ہاتھ سے اس کا گلا دبا رہے تھے۔ ڈی سی ہاؤس میں اب ایک بار پھر وہی سناٹا تھا جو ہمیشہ رات کے اس پہر ہوتا تھا اور جسے یا تو باہر درختوں سے الوؤں کی آواز توڑتی تھی یا جھینگروں کی...... یا باہر رات کو لان میں کھلے چھوڑے جانے والے گارڈز کے کتوں کی۔

ریلنگ کو دونوں ہاتھوں سے تھامے پتے کی طرح کانپتے ایبک نے سب کچھ نیم خوابیدہ ذہن کے ساتھ کھلی آنکھوں اور پلکیں جھپکائے اور سانس لیے بغیر دیکھا تھا اور دیکھ رہا تھا۔ فرش پر گری چڑیا کا تڑپتا ہوا وجود آہستہ آہستہ ہلنا بند ہوتا جا رہا تھا۔ وہاں اس کی آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہو رہا تھا ایبک اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا، اپنے ماؤف نیم خوابیدہ ذہن اور کانپتے ہوئے جسم کے ساتھ۔ چڑیا رات کے وقت وہاں کیوں آئی تھی؟ ایبک کو یاد آگیا۔

"Magnetic chess board دیکھا ہے کبھی؟" اس نے تین دن پہلے لان میں ایک خرگوش کو

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پکڑنے کی کوشش میں اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے یک دم پلٹ کر چڑیا سے کہا۔ جو اسی کی طرح اس خرگوش کو پکڑنے کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی۔

''نہیں تو...... تمہارے پاس ہے کیا؟'' چڑیا بھاگتے بھاگتے رک گئی۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی، اس نے رک کر جیسے اپنی بے قابو ہوتی ہوئی سانس کو بحال کرنے کی کوشش کی۔

''میرے پاس نہیں ہے، انکل کے پاس ہے۔ اتنا بڑا اور بہت خوب صورت۔'' ایبک نے ہاتھوں کے اشارے سے اس کا سائز بتایا۔ چڑیا بے اختیار امپریس ہوئی۔

''کہاں ہے؟''

''وہ جو اوپر ان کی لائبریری ہے نا، اس میں رکھا ہے۔'' ایبک نے لوکیشن بتائی۔

''مجھے لا کر دکھاؤ نا۔'' چڑیا نے بے ساختہ فرمائش کی۔ ایبک چند لمحے سوچ میں پڑ گیا۔ یہ ذرا مشکل اور ناممکن سا کام تھا۔ وہ بہت وزنی چیس بورڈ تھا اور اس کا سائز اتنا تھا کہ وہ اس کو کسی طرح بھی چھپا کر اوپر والی منزل سے نیچے والی منزل پر گھر میں موجود نوکروں اور دوسرے افراد کو دھوکا دے کر نہیں لا سکتا تھا۔ سر کھجاتے ہوئے اس نے چڑیا کو یہ بتایا۔ چڑیا کا چہرہ بجھ گیا۔

''او کے۔'' اور اس بجھے چہرے اور او کے نے ایبک کو بے چین کر دیا۔

''اچھا میں کوئی راستہ تلاش کرتا ہوں۔'' اور وہ راستہ اس نے بالآخر دو دن کے بعد تلاش کر لیا تھا۔

اس کی ممی اور آنٹی ویک اینڈ پر کسی فیملی فنکشن میں شرکت کے لیے لاہور چلی گئی تھیں۔ اس کے انکل ساتھ نہیں گئے تھے اور ایبک بھی ماں کے اصرار اور خفگی کے باوجود ساتھ نہیں گیا تھا۔ وہ ماں کو کیسے یہ بتا دیتا کہ اس کے پاس چڑیا کو Magnetic board دکھانے کا ایک سنہری موقع آیا تھا اور وہ اسے کسی قیمت پر ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

ویک اینڈ پر دونوں فیملیز کے گھر سے چلے جانے کے بعد گھر پر صرف ایبک اور اس کے انکل تھے۔ وہ دونوں بہت دیر تک ان کے گھر سے چلے جانے کا انتظار کرتے رہے اور پھر بالآخر مایوس ہو گئے۔ وہ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ہال کمرے میں بیٹھے تھے جہاں سے گزر کر ہی وہ اوپر والی منزل پر جا سکتے تھے۔ شام ہو جانے پر بھی جب اس کے انکل گھر پر ہی رہے تو ایبک نے جیسے ایک اور منصوبہ بنایا۔ ان دونوں نے طے کیا تھا کہ ایبک کچن کا عقبی دروازہ جو نوکروں کے جانے کے بعد بند ہو جاتا تھا وہ رات کو اسے کھول دے گا۔ چڑیا، خیر دین اور حلیمہ کے سونے کے بعد اپنے کوارٹر سے نکل کر کچن میں آ جائے گی اور پھر وہ دونوں اوپر لائبریری میں جا کر نہ صرف وہ Magnetic chess دیکھیں گے بلکہ چیس کھیلیں گے بھی۔ وہ یہ پلان بنانے کے بعد شام کو ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے تھے۔ ایبک نے نوکروں کے جانے کے بعد دروازہ کھول دیا تھا اور بہت دیر وہ چڑیا کے انتظار میں نیچے ٹہلتا بھی رہا پھر وہ اوپر جا کر ویڈیو گیم کھیلنے لگا اور اسے نہیں پتا وہ گیم کھیلتے کھیلتے کب سو گیا تھا۔

''ہم نے تو چیس کھیلنی تھی۔'' ایبک کو جیسے کرنٹ لگا۔ ''اور چڑیا تو چیس کھیلنے آئی تھی...... تو پھر...... انکل...... اور چڑیا کے کپڑے...... اور چڑیا کی چیخیں...... وہ اس کو کیوں مار رہے تھے؟'' ایبک نے ریلنگ کو پکڑے پکڑے کچھ آگے جھک کر دہشت زدہ ذہن کے ساتھ چڑیا کے تڑپتے ہوئے جسم کو دیکھنے کی کوشش کی۔ چڑیا کا جسم اب آہستہ آہستہ حرکت کرنا چھوڑ رہا تھا...... ایبک اس لمحے بھی کچھ اور نہیں سمجھ پایا تھا...... ایک چیز کے سوا...... چڑیا مر رہی تھی یا شاید مر گئی تھی۔

(باقی آئندہ)

ہوتا ہے شب و روز

قرۃ العین رائے

''بیٹا پیکنگ مکمل ہو گئی ہے ناں؟''

''جی امی!'' اس نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھی طرح سے یاد کر لو کوئی چیز بھول مت جانا اب تو تمہارا شاید چار، پانچ مہینے بعد ہی چکر لگ پائے۔'' شزا کی والدہ نے یاد دہانی کروائی۔

''اپنی طرف سے تو سب چیزیں رکھ لی ہیں، آپ کے ہاتھ کا ڈلا اچار بھی ایک بوتل میں اچھی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

طرح سے بند کر کے پیک کر لیا ہے، کیا ہے امی آپ لوگوں نے بھی ناں مجھے اتنی دور بیاہ دیا ہے کہ میکے آنے کو ترس جاؤ بہت بوجھ تھی ناں میں آپ پر۔'' کافی دنوں سے مچلتا شکوہ اس کے لبوں پر آ گیا۔

''پگلی! بیٹی دور بیاہی جائے یا نزدیک جب میکے سے رخصت ہو جائے تو پھر پرائی ہے چاہے روز میکے آئے یا عرصے بعد آخر کار واپس تو اپنے گھر ہی جانا ہوتا ہے اسے۔ اب ردا کو دیکھ لو اسی شہر میں شادی ہوئی ہے اس کی مگر کب روز روز آ پائے گی، تم چڑیا تو بس ماں باپ کا آنگن اور دل سونا کر کے اپنے گھروں میں چہکنے چلی جاتی ہو۔'' انہوں نے کافی دلگرفتگی اور نم آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔

شزا کی شادی کو ابھی چھ ماہ ہوئے تھے اس کی کمی گھر میں اتنی محسوس ہو رہی تھی کہ ردا کی آناً فاناً شادی کرنی پڑی.... ردا کے سسر کافی بیمار تھے ہارٹ اٹیک ہوا تھا انہیں، اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے ردا کی شادی یوں ایک دم جلدی میں کرنی پڑی اور اب رقیہ بیگم اپنی دونوں بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہو کر ان کی کمی کو خاصا محسوس کر رہی تھیں جبھی آج شزا کے اپنے گھر روانہ ہونے پر صبح سے ہی ان کا دل بار بار بھر آ رہا تھا۔

''اچھا پلیز، اب ایسے مت کہیے اور یوں افسردہ مت ہوں ورنہ مجھ سے سفر کرنا دوبھر ہو جائے گا۔'' شزا نے نم آنکھوں کے ساتھ انہیں ٹوکتے ان کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے کہا۔

''اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ کہ ٹرین کی روانگی کا وقت کیا ہے اور یہ عادل، ثاقب وغیرہ کب تک آئیں گے بھئی وقت پر اسٹیشن پہنچ جانا مجھے اس چیز کی بڑی ٹینشن ہوتی ہے۔'' انہوں نے بیٹی کی دل آزاری کے خیال سے اپنے موڈ کو بحال کرتے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کرائی۔

''ٹائم تو شام سوا سات بجے کا ہے اور عادل، ثاقب بھائی اور نور کے ساتھ ذرا انارکلی تک گئے ہیں کہہ رہے تھے اپنی کچھ شاپنگ کرنی ہے یا پھر شاید یونہی گھومنے نکل گئے ہیں۔ انارکلی کی فوڈ اسٹریٹ کے دیوانے جو ٹھہرے وہ لوگ، اچھا چلیں اٹھیں باہر صحن میں چلتے ہیں۔'' اس نے جواب دیتے ہوئے امی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھنے میں مدد دی وہ دونوں باہر کشادہ صحن میں چلی آئیں جہاں پر ابا میاں اخبار دیکھنے میں اور بھابی کچن میں مصروف تھیں، امی تو قریبی کرسی پر بیٹھ گئیں اور شزا نے ایک طائرانہ اداس سی نظر اپنے بابل کے گھر میں لگے گھنے درختوں اور پھولوں سے سجے چھوٹے سے لان پر ڈالی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دائیں جانب بنے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''لائیں بھابی، میں آپ کی کچھ ہیلپ کرا دوں۔'' شزا نے کچن میں مصروف بھابی کو پیش کش کی جو نہ جانے کب سے اکیلے ہی کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھیں بغیر ماتھے پر شکن ڈالے۔

''ارے نہیں جانو! کھانا تو بس تیار ہو گیا ہے۔ تمہارے سفر کے لیے میں نے مرغ پلاؤ، قیمہ مٹر اور شامی کباب تیار کر دیے ہیں ذرا ٹھنڈا ہو جائے تو پھر ٹفن میں ڈال کر رکھنا خراب نہیں ہوگا اور چونکہ ردا بھی آ رہی ہے تو قورمہ اور فیرنی کا اضافہ کر لیا ہے میں نے بس اب قورمہ ہی رہ گیا ہے، وہ میں بھون رہی ہوں تم بس میرے پاس کھڑی ہو کر مجھ سے باتیں کرتی رہو۔ پہلے تمہاری کمی اس گھر میں ہم محسوس کر رہے تھے اور اب ردا کی بھی اچانک شادی ہو گئی تم دونوں تو گویا ہمارے گھر کی رونق ہی ساتھ لے گئیں اب سارا دن ہم ساس بہو ایک دوسرے کا منہ دیکھا کرتے ہیں اور کوئی بعید نہیں کہ گھر میں رونق پیدا کرنے کے لیے روایتی ساس بہو والا جھگڑا شروع کر دیں۔'' ندا بھابی نے محبت مگر مصروفیت بھرے انداز میں شزا سے تفصیلاً کہا۔

''معلوم ہے مجھے کتنا لڑیں گی آپ...... آپ کی خوش مزاج طبیعت کے ساتھ بھلا کون جھگڑا کر سکتا ہے۔ سچ بھابی آپ بہت اچھی ہیں۔'' شزا نے محبت اور لاڈ سے بھابی کے قریب کھڑے ہو کر جواب دیا۔

''ہائے تھینک یو جانی! کاش اس کا اعتراف تمہارے بھائی جان بھی کر لیا کریں......!'' ندا بھابی نے خوش مزاجی سے جواب دیا۔

''توبہ ہے بھابی، بھائی کو خوامخواہ بدنام نہ کریں، ہر وقت تو آپ کی محبت کا دم بھرتے رہتے ہیں۔'' شزا نے سلاد بناتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا عادل کو سلاد بے حد پسند تھا اس کا کھانا سلاد کے بغیر نامکمل تھا لہٰذا سفر میں سلاد لے جانا لازمی تھا۔

''بس جانی، اب تو ایسی باتیں کر کے ہی ہم رونق لگائیں گے ناں، سچ تم دونوں کے جانے سے گھر بہت سونا سونا لگ رہا ہے۔'' ندا بھابی نے قدرے سنجیدگی سے کہا.... ندا شزا کی بڑی اور اکلوتی بھابی تھیں بے حد ملنسار، صلح جو اور خوش مزاج خاتون تھیں، شزا کے گھر والے تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے تھے جو اللہ نے انہیں اتنی اچھی بہو عطا کی تھی۔

''خیر ردا تو آپ کے قریب ہی ہے آتی جاتی رہے گی، مجھ ہی سے بیر تھا آپ لوگوں کو جو کالے پانی کی سزا دے ڈالی، ہول اٹھ رہا ہے اب وہاں جانے سے ہی مجھے...... عادل تو اپنے کام پر چلے جایا کریں گے اور میں تن تنہا اس فلیٹ میں سب کو یاد کر کے رویا کروں گی۔'' شزا نے روٹھے پن سے کہا۔

''ارے نہیں جان، ایسا نہیں کہتے جس کا جو نصیب اسے وہیں ملنا ہے، تمہیں تو معلوم ہے کہ عادل کی امی نے تمہارے رشتے کے لیے گویا چوکھٹ ہی پکڑ لی تھی اور عادل کے ابو بھی ابا میاں کے بہت اچھے دوست تھے اتنی دور رہنے کے باوجود جب بھی لاہور آئے ابا میاں سے ضرور ملنے آئے اسی وجہ سے عادل بھی دیکھا بھالا تھا لہٰذا اس رشتے سے انکار کفرانِ نعمت ہوتا اور بس کچھ مہینوں کی بات ہے تمہارے ساس، سسر کینیڈا سے واپس آ جائیں گے پھر تمہیں اکیلے پن کا احساس نہیں ہوگا ویسے تمہاری نند کا اب کیا حال ہے؟'' ندا بھابی نے چولہا بند کر کے شزا کی جانب مڑتے ہوئے سنجیدگی سے اس کے دل سے شکوے کی گرد کو جھاڑنا چاہا۔

''ٹھیک ہے، بڑے آپریشن سے بیٹا ہوا ہے۔ بازو میں ابھی پلاسٹر چڑھا ہوا ہے، فریکچر بھی ہے۔ ریسٹ ہی کر رہی ہیں امی فون پر بتا رہی تھیں۔ اصل میں بھابی پہلے تو امی ابو فلیٹ میں میرے ساتھ تھے لہٰذا نئے ماحول میں ان کا ساتھ کافی اچھا محسوس ہوتا تھا اور وہ ہیں بھی کافی جولی اور اچھی نیچر کے، سارا دن دونوں میاں بیوی کی نوک جھوک چلتی رہتی تھی، شام کو عادل آ جاتے تو رہی سہی کسر پوری ہو جاتی اب ان دونوں کے کینیڈا جانے کے بعد سارا دن فلیٹ میں گزارنا اُف توبہ بے حد بور ہو جاتی ہوں۔'' شزا نے کھیرا کاٹتے ہوئے بتایا۔

''ہوں، یہ تو ہے، تم خود کو کسی نہ کسی کام میں مصروف رکھا کرو اور میری دعا ہے کہ ایک چھوٹا سا گپلو بپلو آ جائے تاکہ پھر تمہیں پکا پتا چلے گا کہ فرصت کے یہ دن کتنے حسین تھے۔'' ندا بھابی نے شرارت سے کہا اور شزا ان کی بات سن کر بلش کر گئی ندا بھابی کا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

یہی مقصد تھا وہ اس کی اداسی دور کرنا چاہتی تھیں۔

عادل اپنے والدین اور دو بڑی بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ دونوں بہنیں کینیڈا میں اپنے بال بچوں سمیت رہائش پذیر تھیں پچھلے دنوں شزا کی بڑی نند کا کار ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا، اللہ نے کافی بچت کردی تھی کچھ چوٹوں کے ساتھ بازو میں فریکچر تھا وہ ان دنوں ایکسپیکٹ کررہی تھیں شکر ہے بچہ محفوظ رہا تھا لیکن ڈلیوری تک ڈاکٹر نے سختی سے بیڈ ریسٹ کی ہدایت جاری کردی تھی اسی وجہ سے شزا کے ساس، سسر ان کی دیکھ بھال کے لیے کینیڈا گئے ہوئے تھے اور شزا اپنے گھر والوں کی دوری کو محسوس کرنے لگی تھی۔

''شزا بیٹا یہ لوگ کہاں رہ گئے ہیں، فون کر کے معلوم کرو، چھ بجنے والے ہیں اب تک آجانا چاہیے۔'' ابا میاں نے باہر سے شزا کو پکارا تھا۔

''جی اچھا ابا۔'' شزا نے کچن سے باہر نکلتے ہوئے جواب دیا۔ ''واقعی ٹائم تو ہورہا ہے۔'' یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے موبائل سے عادل کا نمبر ملایا جب ہی گیٹ کھلنے اور تینوں کی باتیں کرنے کی آواز آئی لیکن ان تینوں کی آواز کے ساتھ ایک نئی آواز بھی شامل تھی۔

''میں...... میں...... میں!''

''یہ کیا ہے؟'' شزا نے حیرانی کے ساتھ تینوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور ایسے ہی تاثرات امی ابا کے چہرے پر بھی پائے جاتے تھے۔ وہ تینوں یوں سینہ پھلائے کھڑے تھے جیسے پاکستانی کرکٹ ٹیم کبھی کبھار میچ جیتنے کے بعد کھڑی ہوتی ہے۔

''یہ کیا ہے؟'' شزا نے دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے حیرت سے اپنا سوال دُہرایا۔

''بکرا ہے اور کیا ہے؟'' عادل نے اسی کے انداز میں جواب دیا۔

''لو پھپو جانی آپ مجھ سے اتنی بڑی ہیں اور آپ کو پتا ہی نہیں کہ یہ بکرا ہے۔'' چار سالہ نور نے گویا اس کی کم عقلی پر اظہارِ افسوس کیا۔ ابھی وہ سب لوگ اس نئے مہمان کے بارے میں تفصیل جاننا ہی چاہ رہے تھے جو شانِ بے نیازی سے کھڑا سب کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ''پتا نہیں میرا تم لوگوں کے ساتھ گزارہ ہوگا کہ نہیں۔'' ردا اپنے نئے نویلے شوہر کے ساتھ خوب بجی سنوری چلی آئی اور سب کی توجہ کچھ دیر کے لیے نئے مہمان سے ہٹ گئی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔'' سب نے ان دونوں کا پُرتپاک استقبال کیا۔

''اتنی لیٹ آئی ہو۔'' شزا نے بہن کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''ہائے شزا کیا بتاؤں، صبح سے کوئی نہ کوئی ان کے رشتے داروں میں سے ہمیں ملنے اور کھانے کی دعوت دیتے چلا آرہا تھا بس اب تو ہم لوگ بائیک پر اڑتے ہوئے آئے ہیں لیکن یہ بکرا کہاں سے آیا؟'' ردا نے ایک ہی سانس میں شزا کے گلے کو نبٹایا اور پلٹ کر بکرے کی جانب دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''یہ بے چارہ بے یارو مددگار گھوم رہا تھا تو ہم لوگ پکڑ کر لے آئے، عید پر قربان کرنے کے لیے۔'' ثاقب بھائی نے نیم سنجیدگی سے جواب دیا۔

''افوہ! سیدھی طرح سے بتاؤ کہ یہ بکرے کا کیا ماجرا ہے بقرعید آنے میں ابھی ڈیڑھ مہینہ باقی ہے اور ہمارے گھر میں عید سے ایک دن قبل ہی بکرا لایا

جاتا ہے وہ بھی شام کو۔'' شزا نے قدرے جھلاتے ہوئے پوچھا۔

''بھئی بکرا ہمارا ہے، میں نے خریدا ہے۔'' عادل نے شزا کے گھورنے پر سادہ اور آسان لفظوں میں جواب دیا۔

''کیا...... لیکن کیوں؟ میرا مطلب ہے آج ہم کراچی جارہے ہیں تو اسے کیسے؟'' شزا نے حیرت اور صدمے سے دوچار لہجے میں استفسار کیا۔

''بھئی شزا ہوا یوں کہ ہم لوگ انارکلی سے چکن تکہ اڑا کر نکل رہے تھے جب ایک مسکین سے آدمی نے ہمیں روک لیا اس بے چارے کو پیسوں کی اشد ضرورت تھی شاید اس کا بچہ اسپتال میں ایڈمٹ تھا س نے یہ کہا کہ گھر کا پالا پوسا بکرا ہے آٹھ ہزار میں خریدلیں، اس کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اس کی ہتر اور اچھی قیمت کا انتظار کرسکے فوری طور پر اسے آٹھ ہزار کی رقم درکار ہے لہٰذا ہم نے بلکہ عادل نے خوب اچھی طرح سے بکرے کا معائنہ کرکے اسے ریدلیا کہ قربانی کے کام آئے گا۔'' ثاقب بھائی نے ب سب کو تفصیل سے آگاہ کرکے حاضرین کے بجسس کا خاتمہ کیا۔

''کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ بھلا بکرا کیسے مارے ساتھ ٹرین میں کراچی تک جائے گا، کیا کراچی میں بکرے نہیں ملتے جو سارے راستے اس صیبت کو اٹھا کر لے جائیں گے۔'' بکرے نے زا کے ناگوار لہجے پر احتجاجاً میں...... میں...... کی مدا بلند کی۔

''بکرا ہمارے ساتھ ٹرین میں جائے گا اور ین ہی سارے راستے اسے اٹھائے گی ویسے بھی ب مہنگائی کے منہ زور طوفان میں بیس پچیس ہزار ے کم کوئی بکرا ملنے کا امکان نہیں، وہ بھی ایسا جس کا گوشت بانٹ کر بھی شرمندہ اور شوربے میں پکا کر بھی شرمندہ شوربے میں تیرتے ہوئے ہی بوٹی مل سکتی ہے۔ اسی لیے میں نے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھالیا ہے۔'' عادل نے نرمی اور اطمینان سے شزا کو سمجھایا اور کبھی اس کی بات سے متفق نظر آئے۔

''مجھے تو آپ لوگوں کی بالکل سمجھ نہیں آرہی، اب بھلا بکرے کو اتنی دور کیسے لے جاسکتے ہیں؟''

''بالکل ویسے ہی جیسے میں تمہیں اتنی دور لے کر جارہا ہوں۔'' عادل نے خود پر بے چارگی طاری کرتے ہوئے جواب دیا اور سب اس کی بات پر مسکرا اٹھے۔

''بھئی ختم کریں اس بحث کو...... میں نے ٹیبل پر کھانا لگادیا ہے جلدی سے آجائیں تاکہ کھانے کے بعد آپ لوگ اسٹیشن کی طرف چلنے کی تیاری کریں، وقت کافی ہورہا ہے۔ ندا بھابی نے جلدی سے سب کو آکر متوجہ کیا۔

''دیکھا امی، آپ کی بہو میری بہن کو گھر سے رخصت کرنے میں کتنی جلدی اور پھرتی دکھا رہی ہے۔'' ثاقب نے امی کو اکسایا جو اُن کی شرارت جان کر مسکرا اٹھیں اور آخر کار شزا سب سے مل کر آنسو بہاتی عادل کے ساتھ سامان سمیت ثاقب بھائی کی گاڑی میں آبیٹھی۔ انور نے جگہ کی تنگی کے باعث اپنی خدمات پیش کردی تھیں۔ عادل اور انور بائیک پر بہ مشکل بکرے کو سنبھالے ان کے پیچھے چلے آرہے تھے بکرنے کو گاڑی کے بجائے بائیک پر اپنی سواری پر کافی اعتراض ہوا تھا جبھی سارے راستے وہ میں...... میں کرتا رہا۔

☆☆☆

اسٹیشن پر پہنچ کر وہ لوگ بکرے کا ٹکٹ وغیرہ بنوانے ٹکٹ روم کی جانب بڑھ گئے اور شزا کو سامان

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سمیت بکرے کے پاس چھوڑ گئے (کم از کم عادل کی اس بات سے کہ ”بکرے میاں میری بیگم کا خیال رکھنا“ سے شزا کو یہی محسوس ہوا تھا) شزا نے بینچ پر بیٹھتے ہوئے بکرے کا بغور جائزہ لینا شروع کیا کہ ایک درمیانے قد (انسانی قد سے اس کی پیائش کو نہ ناپا جائے بلکہ بکروں کے حساب سے قد کو تصور میں رکھا جائے) کا موٹا تازہ بکرا تھا (شاید اپنی جنس میں باڈی بلڈر تھا یا پھر سلمان خان کے نام سے تو ضرور مشہور ہوگا) رنگ سفید (واحد خوبی جس پر ہر پاکستانی جان دیتا نظر آتا ہے سفید رنگ چاہے اپنی جلد کا یا پھر کسی میم کا) اور کہیں کہیں بھورے رنگ کے دھبے یعنی ڈب کھڑابا، سینگ نارمل اور کان لمبے تھے، آنکھیں......(اب آنکھوں کے لیے تشبیہ غزالی ہوسکتی ہے نہ شرابی) آنکھیں کالی سی بے خوب صورت تھیں یعنی مجموعی طور پر یہ ایک ہینڈسم بکرا تھا جو یقیناً بکریوں میں سلمان خان کے نام سے مشہور ہوگا اور بہت سی کنواری چھیل چھبیلی بکریاں اس پر جان دیتی ہوں گی (حالانکہ قصاب ان کی جان لے لیتے ہوں گے) شزا نے بکرے کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا اور پھر ایک دم اپنا سر جھٹکا۔

”اوہ خدا، یہ میں کس انداز میں سوچ رہی ہوں؟ کوئی میرے خیالات پڑھ لے تو مجھے پاگل ہی قرار دے دے۔“ (اس بات سے قطعی بے خبر کے بہت سے قارئین اس کے خیالات پڑھ چکے ہیں) شزا دھیرے سے بڑبڑائی۔

”یہ بکریوں کے لیے ہینڈسم ہوگا لیکن میرے لیے تو عذاب ہے اب بھلا اس کے ساتھ ٹرین کا سفر کیونکر حسین ہوسکتا ہے۔“ شزا نے خود کو لتاڑتے ہوئے بکرے کو گھورا اور اسے محسوس ہوا جیسے بکرا بھی اس کا بغور جائزہ لے رہا ہو اور سوچ رہا ہو کہ شزا کو

اپنی مالکن کے عہدے پر فائز کرے یا نہیں اور چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ شزا کو مالکن کے طور پر قبول کرنے پر ہچکچاہٹ کا شکار ہے، نہ جانے یہ شزا کے ذہن کی اختراع تھی یا واقعی ایسا تھا اسے چپ چاپ یا اپنی زبان میں ’میں......میں‘ کرتا بکرا بھی منہ توڑ جواب دیتا محسوس ہوا تھا۔

”لو بھئی بکرے کا ٹکٹ بن گیا ہے، اب یہ آرام سے تمہارے ساتھ ٹرین میں جاسکتا ہے۔“ ثاقب بھائی نے شزا کے قریب آتے ہی خبر دی اور شزا کی آخری امید بھی ٹوٹ گئی۔

”چلو بھئی، سامان وغیرہ پکڑو ٹرین کے ڈبے لگ چکے ہیں۔“ ثاقب بھائی کے جلدی مچانے پر و سب سامان سمیت اپنے سلیپر کے ڈبے میں سوار ہوگئے، یہ چھ سیٹوں والا سلیپر تھا جس کے اندر ہی واش روم بنا ہوا تھا گویا ٹرین میں ایک چھوٹا سا کمر تھا شزا اور عادل کی کھڑکی کے پاس اوپر نیچے کی د سیٹیں تھیں چونکہ یہ عید وغیرہ کا موقع نہیں تھا اس لیے رش بھی نہیں تھا تو وہ لوگ آرام سے اپنے سامان ایڈجسٹ کر کے بیٹھ گئے کھانے کی ٹوکری عادل نے اوپر والی برتھ پر دیوار کے ساتھ رکھ دی اور بکرے سیڑھی کی راڈ کے ساتھ باندھ دیا یہ چھوٹی سی سیڑھ اوپر والی برتھ تک پہنچنے کا ذریعہ تھی ان لوگوں کے ساتھ ہی دو میاں بیوی اور ان کے دو بچے ایک لڑ اور ایک لڑکی اس ڈبے میں داخل ہوئے دونو دیکھنے میں سنجیدہ مزاج کے لگے تھے البتہ بشمول سات سال کی عمر کے بچے شرارتی نظر آ رہے تھے فو ہی بکرے سے دوستی گانٹھنے کے چکر میں تھے اپنی ما کی گھرکی اور ڈانٹ سن کر اپنی سیٹ پر جا کر اچھا لگے۔

”ابو کیا انسان اور جانور اکٹھے ٹرین میں س

کر سکتے ہیں؟“ لڑکی نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے پوچھا لیکن اس سے قبل کہ لڑکی کے والدین اسے جواب دیتے ٹرین نے پیچھے کی جانب دھیرے سے کھسکنا شروع کر دیا جو اس بات کا اشارہ تھا کہ کچھ ہی دیر میں ٹرین اپنی منزل کی جانب روانہ ہونے والی ہے۔ ثاقب اور انور بھائی، نور سمیت شزا اور عادل سے مل کر نیچے اسٹیشن پر آ تر آئے۔ شزا پلیٹ فارم کی جانب لگی کھڑکی میں جھٹ آن کھڑی ہوئی اس وقت س کا دل بھر آ رہا تھا ثاقب بھائی بھی نور کو اٹھائے س کے قریب چلے آئے۔

”گڑیا اپنا خیال رکھنا اور کسی بھی چیز کی ضرورت ہو یا دل چاہے فون کر دینا، کوریئر سروس کے ذریعے بھجوا دیں گے۔“ ثاقب بھائی نے وداعی طور پر ہاتھ اٹھایا نور بھی ہاتھ اٹھا کر بائے ئے کرنے لگا ٹرین نے وسل دی اور گاڑی قدرے بزی سے آگے کی جانب چلنا شروع ہوگئی۔

شزا کھڑکی میں سے سر نکالے ثاقب اور نور کو نھ ہلا کر بائے بائے کر رہی تھی کہ پیچھے سے اچانک کی نے اسے دھکا دیا اور چونکہ وہ اپنی ہی ترنگ ں کافی بے فکری سے کھڑکی میں سے جھانک رہی ی اس لیے اپنی ہی جھونک میں اس کا تقریباً آدھا ڑ کھڑکی سے باہر تھا اگر بروقت خود کو نہ سنبھالتی تو ید گر ہی پڑتی اس لیے وہ فوراً اندر کی جانب خود کو ڑتے غصے سے مڑی اور بولی۔

”کیا بدتمیزی ہے یہ؟“ اس کا خیال تھا کہ ان شرارتی بچوں میں سے کسی ایک کی شرارت تھی۔ کم م ان کی کھی کھی کی ہنستی آواز سے اسے یہی لگا تھا ن جب مڑ کر دیکھا تو اپنے پیچھے بکرے صاحب کو ڑے پایا اور اسے یوں لگا جیسے بکرا کہہ رہا ہو۔

”کھڑکی تمہارے ابا نے نہیں لگوا کر دی، مجھے بھی ہوا آنے دو۔“ وہ کھولتی نظروں کے ساتھ بکرے کو گھورتی اپنی سیٹ پر آ بیٹھی جواب بے نیاز بنا باہر کے نظاروں کو دیکھنے میں محو تھا اس کی عادل پر نظر پڑی جو اپنی ہنسی دبائے سنجیدہ صورت بنانے کی ناکام کوشش کرتا ایف، ایم سن رہا تھا اسے شرمندگی کے ساتھ ایک بار پھر غصہ آ گیا۔

”بھئی اس کی صفائی کا بھی خیال رکھیے گا ورنہ بعد میں بیٹھنا محال ہو جائے گا آپ کا بھی اور ہمارا بھی۔“ مسافر خاتون نے سنجیدگی سے شزا سے کہا اور ڈائجسٹ پڑھنے میں مگن ہوگئیں شوہر صاحب کی آنکھوں کے آگے سے تو اخبار ہٹ ہی نہیں رہا تھا اور بچے دونوں اپنی سیٹ پر بیٹھے لڈو گیم کھیل کم رہے تھے اور لڑ زیادہ رہے تھے شزا ان کی بات سن کر گھبرا اٹھی اور بہرے بنے عادل کا کندھا جھنجوڑا۔

”کیا ہے؟“ اتنے اچھے گانے کو انجوائے کرتے عادل نے الجھ کر پوچھا۔

”ایک میں ہی اس پورے ڈبے میں ویلی بیٹھی ہوئی ہوں نا!“ شزا نے دل میں سوچتے اور کلستے ہوئے عادل کو گھبرائے ہوئے انداز میں بتایا۔

”عادل، یہ گندگی کر رہا ہے۔“

”ہاں تو یہ اس کا قدرتی حق ہے، ہم اس سے یہ حق ہرگز چھین نہیں سکتے کیونکہ ہم خود......“

”عادل......! اس کے گند کو کون سمیٹے گا؟“ عادل کی چلتی زبان کو وقت پر بریک لگاتے ہوئے اس نے دانت کچکچاتے ہوئے پوچھا۔

”تم اور کون......ایسا کرو کہ چادر اس کے نیچے بچھا دو جب خراب ہوجائے گی باہر پھینک دیں گے۔“ عادل نے جھٹ تجویز پیش کی۔

”چادریں میں نے اس کے نیچے بچھانے کے لیے نہیں رات کو اوڑھنے کے لیے رکھی ہیں۔“ شزا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی جانب سے تڑ سے جواب موصول ہوا اور عادل بے پروائی سے کندھے اچکا کر رہ گیا۔

اور پھر یہ سفر شزا کا بکرے کی ہمراہی میں خاصا پھیکا، بدمزہ اور ان رومینٹک گزرا تھا عادل تو کب کا اوپر والی برتھ پر جا کر خوابِ خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا بس نیچے شزا اور بکرے میاں ہی تھے جو موقع ملتے ہی ایک دوسرے کو کینہ توز نظروں سے گھورنے لگتے تھے۔

☆☆☆

''اُف جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے' ریل گاڑی کی چھک چھک سے۔'' شزا نے لاؤنج کے صوفے پر قدرے دراز ہو کر خود کلامی کی اور ساتھ ہی ہلکے سے اپنے کندھے دبائے۔ ان کا فلیٹ دوسری منزل پر تھا اور وہ عادل سے پہلے اپنے فلیٹ میں داخل ہو کر سامنے پڑے صوفے پر ڈھے چکی تھی۔

''جو لفٹ بنانے والے جیو یقیناً تمہیں میری جیسی سچویشن سے دوچار ہونا پڑا ہوگا جو اس ایجاد کا خیال آیا۔ اُف توبہ، سامان وہ بھی دو جانداروں سمیت فلیٹ تک لانا کس قدر مشکل ہے خوب اندازہ ہو گیا اور وہ بھی قسمت اچھی تھی جو بجلی نہیں گئی۔''

عادل نے فلیٹ میں داخل ہوتے دہائی دی اور دو عدد بھاری بھرکم بیگ بیرونی دروازے کے قریب رکھتے ہوئے شزا کے قریب چلا آیا۔

''بھئی بیگم اپنے دلدار صاحب کے بارے میں کیا حکم ہے؟'' عادل نے پھولی سانس کو قابو کرتے شزا سے استفسار کیا۔

''دلدار صاحب کے بارے میں یہ حکم ہے کہ انہیں میرے قریب صوفے پر بٹھایا جائے تاکہ میں ان کی گود میں سر رکھ کر دو گھڑی سکون اور پیار کو محسوس کرسکوں۔'' شزا نے آنکھیں موندے عادل کو خاصے رومینٹک انداز میں جواب دیا اور اگر جواب دیتے ہوئے وہ عادل کے بدلتے چہرے کے تاثرات دیکھ لیتی تو شاید اتنا رومینٹک جواب ہرگز نہیں دیتی یا راستے میں ہی بریک لگا دیتی (آف کورس اپنی زبان کو بھی)

''کیا مطلب ہے، تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' عادل نے جھٹ غصے میں آتے پوچھا۔

''ہیں! عادل اس میں دماغ ٹھیک ہونے والی کیا بات ہے میں نے کون سا غلط یا انوکھا مطالبہ کر دیا ہے حد ہو گئی لگتا ہے سامان ڈھوتے ڈھوتے آپ کا دماغ ٹھکانے پر نہیں رہا۔'' عادل کے یوں بلاوجہ غصے میں آنے پر شزا نے حیرت اور قدرے خفگی سے غصے میں جواب دیا اسے تو ویسے بھی سارے راستے عادل کے طوطا چشم بنے رہنے پر غصہ تھا۔ وہ شاید اپنی لڑائی میں مصروف ہو کر بکرے بے چارے کو یکسر فراموش کر ڈالتے کہ بیرونی دروازے کے ہینڈل سے بندھے بکرے نے اپنی موجودگی کا احساس میں...... میں کر کے دلایا گویا کہہ رہا ہو۔

''ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں''

''لو...... اسے بھی اعتراض ہے تمہاری اس انوکھی' بے ہودہ اور فضول فرمائش پر۔'' عادل نے آنکھیں اور ہاتھ دونوں نچاتے ہوئے کہا۔

''یہ کون ہوتا ہے اعتراض کرنے والا...... سیدھی طرح سے کہیں کہ آپ کا دل بھر گیا ہے مجھ سے۔ غضب خدا کا صرف چھ مہینے ہوئے ہیں ہماری شادی کو اور آپ مجھ سے اس قدر اکتا گئے کہ میری جائز اور معصوم خواہش کو بے ہودہ اور فضول کہہ جا رہے ہیں اگر اتنے ہی مجھ سے بے پروا ہو گئے ہیں تو رہنے دیتے مجھے ابا کے ہی گھر...... کیوں لے آئے ساتھ؟ نئے شہر، نئے لوگوں میں اس صابن دانی میں

صرف آپ کی محبت کے سہارے ہی تو زندگی کو اچھے طریقے سے گزارنے کی کوشش کر رہی ہوں اور آپ نے بھی آنکھیں پھیر لیں۔'' شزا نے خاصے جذباتی انداز میں بات کرتے اور آخری جملے پر چھم چھم نین برساتے ہوئے کہا۔ اس کا دل تو سفر کے آغاز سے ہی بجھا بجھا سا تھا ردا کی شادی پر اپنے میکے میں خوب رونق میلے کو انجوائے کیا تھا اس نے فلیٹ کی زندگی سے پہلی بار شادی کے بعد واسطہ پڑا تھا کہاں بابل کے آنگن میں سکھ چین، املتاس اور آموں کے پیڑوں کی ٹھنڈی، فرحت بخش ہوا دار چھاؤں اور کہاں ایک چھوٹی سی بالکونی سے آتی محدود ہوا، عادل کے یوں اچانک بگڑنے پر گویا دکھے دل کو آنسو بہانے کا موقع مل گیا اور اسی وجہ سے اس نے ہچکیوں کے ساتھ رونا شروع کر دیا تھا۔ بکرا اور عادل دونوں اس نئی صورت حال سے گھبرا اٹھے تھے' عادل نے جھٹ شزا کے قریب بیٹھ کر اسے بہلانا چاہا اور غلط فہمی دور کرنی چاہی اور بکرے صاحب نے اندر باہر چکر لگانے شروع کر دیے جس سے دروازہ بھی اس کے ساتھ ساتھ آ جا رہا تھا۔

''ارے! ارے شزا جان تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو، میں بھلا تم سے کیوں اکتانے لگا تمہارے بغیر تو سانس لینی دشوار محسوس ہوتی ہے بس میری جگہ پر بکرے کو صوفے پر بٹھانے اور وہ بھی اپنے قریب بٹھانے اور اس کی گود میں اپنا سر رکھنے کی فرمائش نے مجھے تاؤ دلا دیا بھلا تم ہی بتاؤ کیا تمہارا یہ مطالبہ یا فرمائش مناسب تھی؟''

''ہیں، یہ کیا کہہ رہے ہیں، دماغ تو ٹھیک ہے آپ کا میں بھلا کیوں اس نامراد، نامعقول اور فضول سے جانور کے بارے میں ایسی بے ہودہ فرمائش کرنے لگی حد ہو گئی۔'' شزا نے عادل کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں...... میں...... میں'' بکرے نے عادل کی جانب دیکھتے ہوئے گویا احتجاجاً صدا بلند کی جیسے کہہ رہا ہو ۔''اپنی بیوی کو مجھے ایسے القابات سے پکارنے پر باز کرو، میں نہایت شریف اور معصوم جانور ہوں۔''

''لو تم نے ہی خود ہی تو کہا تھا کہ دلدار کو میرے قریب صوفے پر بٹھا دو وغیرہ...''

''تو دلدار کون ہے میرا آپ ہیں ناں؟'' شزا نے اپنی چھوٹی سی سرخ ہوتی ناک سے سوں سوں کی آواز نکالتے ہوئے تیزی سے کہا۔

''اوہ نہیں بھئی، میں تو بکرے کو دلدار کہہ رہا تھا' ابھی دروازے سے باندھتے ہوئے میں نے اس کا نام رکھا ہے، اوہ مجھے لگتا ہے ہم دونوں کو کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے اصل میں تم نے سمجھا کہ میں اپنے بارے میں کہہ رہا ہوں اور میں سمجھا کہ تم دلدار یعنی بکرے کے بارے میں کہہ رہی ہو لیکن اصل میں ہم دونوں نے غلط سمجھا اور اب میں تمہیں سمجھاتا......''

''پلیز عادل یہ سمجھ، سمجھا کی گردان بند کریں اور اس منحوس دلدار کو سامنے بالکونی میں جا کر باندھیں ورنہ یہ یہیں پر گند مچا دے گا اور اتنے اچھے اور قیمتی کارپٹ کا ستیاناس مار دے گا جلدی سے اٹھیں ناں باندھیں اسے جلدی سے...... مجھے اس کے ارادے کچھ اچھے نہیں لگ رہے۔'' شزا نے عادل کی بات کاٹتے ہوئے جلدی جلدی کا شور مچایا اور عادل بھی بکرے کو جلدی سے گھسیٹتا ہوا بالکنی کی جانب بڑھ گیا۔

''لو بھئی بیگم، بکرا تو میں نے باندھ دیا ہے اور وہ جگہ اس کے لیے بے حد موزوں ہے۔ بہت درست جگہ کا انتخاب کیا ہے تم نے۔'' شزا نے عادل

www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی بات پر فرضی کالر جھاڑے۔

”مگر جانِ من ایک چھوٹا سا مسئلہ ہوگیا ہے۔“ عادل نے چھوٹا سا کو لمبا کرتے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا!“ شزا چونکی۔

”جورِ کے تو کوہِ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا“

عادل کا پڑھا شعر حسبِ معمول شزا کے سر پر سے گزر گیا اور اس نے عادل کو گھور کر دیکھا۔

”میرا مطلب ہے کہ ذرا صوفے کے پیچھے بالکونی تک اپنی قاتل میرا مطلب ہے حسین نگاہ دوڑائیں، میرے شعر کا مفہوم واضح ہوجائے گا۔“ عادل نے جلدی سے کہا اور شزا نے جھٹ صوفے کی بیک سے پیچھے کی جانب قدرے اٹھ کر دیکھا تو پورے راستے میں بکرے نے اپنے گزرنے کا ثبوت چھوڑ رکھا تھا۔

”عادل!“ شزا کے لہجے سے غراہٹ نما آواز سن کر عادل نے حفظِ ماتقدم کے طور پر جھٹ کشن آگے کیا اور یقیناً فیض صاحب زندہ ہوتے تو اتنے خوب صورت شعر کو ایسی سچویشن پر استعمال کرنے پر عادل کا گلا ہی دبا دیتے۔

☆☆☆

”عادل!“ عادل جو شزا کو لاؤنج کی صفائی کرتے دیکھ کر صوفے پر ہی نیم دراز ہو کر نیند کی وادی کی سیر پر جانے۔ لگا تھا شزا کی چیخ نما آواز سن کر گھبرا کر اٹھا۔

”ک.....کیا ہوا؟“ صوفے پر بیٹھ کر اس نے سر اِدھر اُدھر گھماتے ہوئے پوچھا اور شزا کو بالکونی کے پاس ہاتھ میں جھاڑو لیے دیکھ کر قدرے سکھ کی سانس لی اور شزا۔ کے پاس پہنچا آواز سے وہ سمجھا تھا کہ شزا کو کرنٹ لگا ہے۔

”کیا ہوا؟ بیگم صاحبہ تمہاری آواز نے تو میری جان ہی نکال لی تھی۔“ سکتے کی حالت میں کھڑی شزا کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھتے عادل نے پوچھا اور پھر شزا کی ایک ہی سمت میں دیکھتی ٹھہری نگاہوں کے ساتھ اپنی نظریں سامنے دوڑائیں۔

”ہائے اللہ!“ سامنے کی صورتِ حال دیکھ کر وہ خالصتاً زنانہ انداز میں اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا تھا۔

”میری رانی! میرا راجا.....اور میری..... جوہی.....“ شزا کے حلق سے الفاظ صدمے کے مارے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوئے تھے۔

”دراصل جانِ من غلطی تو ہم دونوں کی ہے نا، تمہیں یہ جگہ بتاتے یاد رہا اور نہ مجھے دلدار کو یہاں باندھتے کہ میں اسے جلدی سے باندھ کر اندر چلا آیا، دھیان ہی نہیں رہا کہ تم نے بڑی محنت اور محبت سے رات کی رانی، دن کا راجا، جوہی اور کچھ ایسے ہی عجیب و غریب نام کے پودے گملوں میں لگا رکھے ہیں بلکہ اب تو بے چارے دلدار کو پیارے ہوگئے، اللہ ان کے جنت میں درجات بلند فرمائے یقیناً یہ جنت میں خوب پھلے پھولیں گے اور ہم جنت میں ان کی چھاؤں میں جا کر بیٹھیں گے، تم غم نہ کرو پلیز۔“ عادل نے تھوک نگلتے ہوئے شزا کو صدمے اور غصے کی کیفیت سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔

”خبیث، سارے ہی پودے چٹ کر گیا ایک پتا تک نہیں چھوڑا۔“ شزا نے دانت پیستے اور بکرے کو غصے سے گھورتے ہوئے کہا جواب بے حد آرام سے بالکونی کے فرش پر بیٹھا شاید جوہی یا رات کی رانی کی جگالی فرما رہا تھا، شزا کی بات پر اس نے شزا کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔

”تو کیا بھوکا مر جاتا۔“

”شیزی جان!“ عادل نے شزا کو پچکارا۔

”رات کے کھانے کا خود ہی انتظام کرلینا، میں سونے جارہی ہوں مجھے مت جگانا۔“ شزا نے غصے سے جھاڑو وہیں پر پٹختے ہوئے عادل سے کہا اور پیر پٹختے اپنے بیڈروم کی جانب بڑھ گئی۔

”مروادیا یار.....“ عادل نے بے چارگی سے بکرے سے کہا۔

☆☆☆

”چلو دلدار چلو، چاند کے پار چلو.....“

عادل نے گنگناتے ہوئے دلدار کی رسی پکڑی اور دلدار خوشی سے اپنی بے سُری آواز میں گنگنایا جیسے جواب دینے لگا۔

”ہم ہیں تیار چلو.....“

کچن میں شزا سالن بھونتی، اس یگانگت، دوستانہ اور والہانہ مظاہرے پر جل بھن کر رہ گئی۔

”ہونہہ، مجھے تو کبھی اتنی محبت سے باہر لے جانے کی آفر نہیں کی گئی۔“ شزا محض سر جھٹک کر رہ گئی۔ ابھی وہ کچن میں مصروف تھی کہ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی، شزا نے دروازہ کھولا تو سامنے فلیٹ کے دو شرارتی بچے کھڑے تھے۔

”آنٹی دلدار کہاں ہے؟“ انہوں نے دروازے سے اندر کی جانب جھانکتے ہوئے دریافت کیا۔

”وہ اپنے شوہر.....میرا مطلب ہے کہ میرے شوہر کے ساتھ سامنے پارک میں گیا ہے۔“ شزا نے زبان سے پھسلتے جملے کو قابو کرتے جلدی سے جواب دیا چولھے پر رکھی ہنڈیا کی اسے فکر تھی۔

”آپ کا مطلب ہے عادل انکل کے ساتھ؟“ دوسرے بچے نے سنجیدگی سے پوچھا اور اس کے بردبار اسٹائل پر شزا کو ہنسی آگئی۔

”جی فلاسفر صاحب، آپ کے انکل عادل کے ساتھ۔“

”او کے تو پھر ہم بھی پارک چلتے ہیں، ٹائم ویسٹ ہورہا ہے۔“ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھتے کہا اور ساتھ ہی بھاگ گئے۔ شزا جلدی سے کچن میں آئی ... ہنڈیا چولھے کی تیز آنچ کے ناروا سلوک پر تقریباً جل بھن چکی تھی۔

”دلدار کے بچے!“ شزا نے جھٹ چولھا بند کیا اور بقایا سالن کو بچانے کی فکر میں ہوئی تبھی دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر گنگنا اٹھی۔

دروازہ کھولنے پر نیچے کی منزل کے تین چار بچے تھے جو دلدار کے بارے میں پوچھنے آئے تھے وہ دلدار کے فینز کو پہلے والا جواب دے کر اور قدرے جھلاتے ہوئے پھر کچن میں آئی اور فون کی بیل پر اکتائے انداز میں فون سننے چلی آئی۔

”اس وقت عادل گھر پر موجود رہیں تو ان بیلوں سے تو میری جان چھوٹی رہے۔“ ریسور اٹھاتے وہ بڑبڑائی اور اکتائے انداز میں ہیلو کہا لیکن دوسری جانب سے ساس جی کی آواز سن کر اس نے اپنے لہجے پر قابو پایا اور سب ٹھیک ہے کا بیان داغا چند لمحے ساس سسر اور نند سے بات کرنے کے بعد وہ دوبارہ کچن میں قدرے خوشگوار موڈ میں داخل ہوئی۔ اس کی اکتاہٹ اور بیزاری کی اصل وجہ تو یوں اچانک تنہا ہو جانا تھا اوپر سے عادل بھی دلدار کی سیوا میں اسے قدرے اگنور کر دیتا تھا۔

اصل میں عادل کے والد اپنی نوکری کے باعث کافی عرصے سے کراچی میں مقیم تھے لیکن بنیادی طور پر ان کا تعلق لاہور سے تھا اور ان کے تمام عزیز و اقارب لاہور ہی میں بستے تھے۔ عادل کی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

والدہ بھی لاہور کی رہنے والی تھیں اور شزا کی والدہ کی دور پرے کی ان سے رشتے داری بنتی تھی لہٰذا ہر سال چھ مہینے بعد وہ سب لوگ کسی خاندان کی شادی وغیرہ کو اٹینڈ کرنے آتے رہتے تھے اور شزا کے والدین کے ساتھ بھی ان کا بہت اچھا میل جول تھا۔ شزا کی ساس کو شزا شروع سے ہی اپنے عادل کے لیے پسند تھی نازک، خوب صورت مگر قدرے سنجیدہ مزاج والی شزا کو ہمیشہ انہوں نے اپنے خوبرو مگر قدرے لاابالی اور بے پروا بیٹے کی ہمراہی میں دیکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر میاں بیوی میں کچھ خصوصیات میں ایک دوسرے سے فرق ہو تو محبت کے میزان کا پلڑا برابر رہتا ہے لہٰذا جب عادل کے والدین نے باقاعدہ شزا کا رشتہ عادل کے لیے مانگا تو یہاں پر کسی کو اس رشتے پر اعتراض نہ ہوا ماسوائے شزا کی امی کے وہ ہاں کرنے میں تامل کر رہی تھیں کہ بیٹی کو اتنی دور بیاہ دیں اور عادل کی والدہ کی طرح ہر سال چھ مہینے بعد ہی اس کی صورت دیکھ پائیں اتنی دور کا سفر ہر مہینے کرنا تو ممکن نہیں تھا لیکن عادل جو ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا سب ہی کا دیکھا بھالا تھا اور سبھی کو پسند تھا پھر خود عادل کی والدہ نے شزا کی امی کو سمجھایا کہ بیٹیوں کے جہاں نصیب ہوانہیں وہیں جانا ہوتا ہے خود ان کی اپنی دونوں بیٹیاں کراچی میں ہی بیاہی گئیں اور ان کے دل کو سکون تھا کہ چلو بیٹیاں ان کے قریب ہیں لیکن ہوا کیا اب وہ اپنے شوہر حضرات کے ساتھ کینیڈا میں ایک اچھی زندگی گزار رہی تھیں شزا تو پھر بیاہ کر لاہور سے کراچی جا رہی تھی جب موقع ملا آرام سے مہینے دو مہینے بعد لاہور آ جا سکتی ہے مگر خود ان کی بیٹیاں تو دوسرے دیس جا بسی تھیں اور چونکہ رشتہ ہر لحاظ سے اچھا تھا لہٰذا چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کے مصداق شزا عادل کے گھر کو پُررونق کرنے چلی آئی۔

شروع شروع میں تو شزا کو کراچی کا گرم اور نم آلود سا موسم سمجھنا بہت مشکل لگا اور اوپر سے فلیٹ کی زندگی چونکہ ان لوگوں نے بھی پچھلا فلیٹ فروخت کر کے یہ نیا اور کشادہ فلیٹ خریدا تھا لہٰذا اردگرد کے لوگوں سے بھی کوئی خاص واقفیت نہ تھی اور شزا تو ویسے بھی بہت زیادہ سوشل نہ تھی دوسری منزل پر بنا اچھا بھلا کشادہ اور خوب صورت انداز میں سجا فلیٹ اسے صابن دانی ہی لگتا تھا کم از کم ابا کے دس مرلے کے کھلے گھر کا نعم البدل تو نہیں تھا ناں یہ...... اور اوپر سے اسے لگتا کہ فلیٹ میں رہتے وہ ہوا میں معلق ہے گھر تو زمین پر ہی اچھا لگتا ہے جس کے آنگن میں لگے پودوں اور پیڑوں کی جڑیں زمین کے اندر تک جا کر پیوست ہوئی ہوں۔

بہرحال اب اسے ایڈجسٹ کرنا تھا اور وہ نہایت نیک نیتی کے ساتھ عادل کے دوستانہ اور محبت بھرے انداز کے ساتھ مل کر کوشش بھی کر رہی تھی پھر ماشاء اللہ اس کے ساس سسر اس کے ساتھ خوب رونق لگائے رکھتے، اس کے سسر تو حال ہی میں ریٹائر ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود باعمل زندگی گزارنے کے عادی تھے کبھی کیرم اور شطرنج کی بازی لگتی کبھی ٹی وی کے کسی کوکنگ شو سے دیکھی ریسیپی ٹرائی کرتے نظر آتے۔ عادل اور عادل کی والدہ بھی ایسے کاموں میں ان کا خوب ساتھ دیتے۔ فلیٹ کے اردگرد فلیٹوں میں ورکنگ ویمن ہی اپنے بچوں اور شوہر حضرات کے ساتھ مقیم تھیں بقول عادل کی والدہ بے چاریاں سارا دن باہر سر کھپا کر آئی ہوتی ہیں اب بھلا ان کے پاس ہمسائیوں کے ساتھ در سری کا وقت تو ہرگز نہیں ہوتا بس اردگرد کے گھروں میں سوائے پکی پکائی چیزوں کے تبادلے کے علاوہ زیادہ روابط قائم نہیں ہوئے تھے پھر شزا کے ساس، سسر کو اچانک اپنی بڑی بیٹی کے ایکسیڈنٹ کا سن کر کینیڈا جانا پڑا تھا، ان کی دیکھ بھال والا وہاں کوئی نہیں تھا لہٰذا اب تقریباً تین ماہ سے شزا سارا دن گھر میں اکیلی بوریت اور بیزاری کی بنسی بجاتی نظر آتی تھی البتہ عادل روز شام پانچ چھ بجے گھر آ جاتا اور پھر فلیٹ میں ایک ہلچل اور رونق ابھر آتی تھی کبھی کبھار وہ اپنے خاص دوستوں اور جاننے والوں کی فیملی کے ہاں ملانے لے جاتا یونہی آؤٹنگ پر لے جاتا مگر جب سے دلدار صاحب ان کی زندگی میں آئے تھے عادل نے گویا شزا کو نظر انداز ہی کر دیا تھا ہر وقت دلدار کے لاڈ اور نخرے اٹھائے جاتے اور شزا جو گلہ کرتی تو جواب موصول ہوتا۔ ”بیگم اس کی سیوا کا بہت ثواب ہے۔“

اصل میں شزا کے میکے میں قربانی کا جانور عین عید سے ایک روز قبل وہ بھی شام یا رات کو لایا جاتا اور صبح سویرے ذبح کر دیا جاتا بقر عید کی مصروفیت ان کے نزدیک گوشت سنبھالنے، بانٹنے، پکانے اور پھر دعوت پر بلانے اور آنے تک ہی محدود ہوتی۔ گھر کا کوئی بھی فرد اپنے کسی پیارے کے بچھڑنے یا یوں قربان کیے جانے کے درد اور غم سے آشنا نہ ہو پاتا۔ شزا لوگوں نے ایک دو بار بچپن میں شاید ضد کر کے ابا میاں سے ایک دو ہفتے قبل عید کا بکرا لیا ہو مگر اسے سنبھالنا انہیں تب بھی بڑا مشکل لگا تھا اور اب تو ثاقب بھائی کے پاس ہرگز اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ شام کے تھکے ہارے گھر آ کر وہ پالتو جانور کی سیوا میں لگیں ندا بھابی بھی ان کی حامی تھیں لہٰذا اب عادل کے یوں ڈیڑھ مہینے قبل لیے قربانی کے جانور کی سیوا دیکھ کر شزا کو بڑی کوفت ہوتی اور پھر اس کی صفائی وغیرہ سے بھی کافی الجھن ہوتی، انہی بکھیڑوں کی وجہ سے تو ان کے گھر قربانی کا جانور عید سے ایک دن قبل آتا تھا اور سب سکون سے بڑی عید کو انجوائے کرتے تھے۔

☆☆☆

”دلدار کے بچے ہٹ یہاں سے!“ شزا نے بالکونی کے فرش کو دھوتے ہوئے دلدار کو ٹہوکا لگایا جو بار بار جھاڑو دینے کے دوران شزا کے آگے آ رہا تھا ابھی وہ جھک کر دوپٹا ناک منہ پر چڑھائے فرش رگڑنے میں مصروف تھی جب اچانک دوپٹے کا اس کے گلے میں پھندا سا پڑ گیا۔ شزا کی تو اس اچانک افتاد سے آنکھیں باہر ابل آئی تھیں اور دم گھٹ سا گیا تھا بہ مشکل دوپٹے کو ناک اور گلے سے ڈھیلا کرتے ہوئے شزا نے پیچھے مڑ کر کسی چیز میں پھنسے دوپٹے کو نکالنا چاہا...... جب سامنے کی سچویشن دیکھ کر اس کا نازک دل بہ مشکل خود کو ہارٹ اٹیک سے روک پایا کیونکہ ہرے رنگ کا دوپٹا دلدار صاحب اپنے کھاجے کی کوئی اٹالین ڈش سمجھ کر چبائے جا رہے تھے اور ڈش میں کمی آنے کے باعث یقیناً انہوں نے ہی زور سے جھٹکا لگا کر شزا کے گلے کا پھندا تیار کیا تھا۔ دلدار کا انداز یوں تھا۔

”نہ چھڑا سکو گے دامن نہ نظر بچا سکو گے“

”ہائے! میرا اتنا پیارا اور نیا دوپٹا...... ٹھہر جا دلدار کے بچے آج تو میرے ہاتھوں نہیں بچے گا، آج تو میں ذرا دیکھ ہی لوں۔“ امریکا اور ایران کی فوجیں ابھی آمنے سامنے ہی ہوئی تھیں کہ لاؤنج میں سے اقوام متحدہ یعنی فون کی کمزور سی بیل نے صلح کی صدا بلند کی اور شزا، دلدار کو گھورتے ہوئے لاؤنج میں فون سننے چلی آئی چونکہ وہ پیچھے دلدار کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتی چلی آ رہی تھی لہٰذا سامنے پڑے بے زبان صوفے کو دیکھ نہ پائی اور اس سے ٹکرا کر صوفے پر گر پڑی اسی وقت دلدار نے ’میں‘ کی جیسے کہہ رہا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو۔

''لو مجھے دیکھ لو۔'' صوفے سے خود کو اٹھا کر اور دل ہی دل میں دلدار کو برا بھلا کہتے وہ مسلسل بیل بجاتے فون تک پہنچی۔

''السلام علیکم بھابی جی! کیا حال ہے؟'' ریسیور میں سے بھابی کی چہکتی آواز سن کر اس نے جھٹ پوچھا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میں...... میں......''

''دو گھنٹے پار...... اب چل دلدار آرام سے بیٹھ۔'' دلدار گویا اپنی زبان میں یہ کہہ کر بالکونی میں ایک سائڈ پر بیٹھ گیا اور شزا جو اس کے انداز کو اب سمجھنے لگی تھی بس اسے گھور کر رہ گئی۔

''امی، ابو کا کیا حال ہے؟'' شزا نے ایک اور سوال داغا۔

''سب ٹھیک ہیں، تم سناؤ کیا ہو رہا ہے، عید کی شاپنگ مکمل ہو گئی عید آنے میں بس آٹھ دن ہی رہ گئے ہیں۔ میرے تو روز پھیرے لگ رہے ہیں بازار کے، ردا بھی اپنے سسر کی تیمارداری میں مصروف ہے تو اس کی شاپنگ بھی میں ہی کر رہی ہوں کیونکہ انور کو کوئی لیڈیز شاپنگ کا تجربہ نہیں لہٰذا ان دونوں نے یہ کام مجھے سونپ رکھا ہے، میں نے سوچا تم سے بھی پوچھ لوں عید کی شاپنگ کر لی یا ابھی کر رہی ہو۔'' بھابی نے ایک ہی سانس میں اس کا سوال نبٹاتے اور اپنے فون کرنے کی وجہ بتاتی تھی۔

''میرے اتنے اچھے نصیب کہاں؟'' شزا نے بھابی کی بات سن کر سنجیدہ اور دکھی سے انداز میں جواب دیا۔ دوپٹے کا غم ابھی کم نہیں ہوا تھا۔

''ارے خیر ہے جانی، کیا ہوا عادل سے کوئی نوک جھوک؟'' بھابی نے شزا کے اتنے سنجیدہ جواب پر گھبراتے اور فکر مندانہ انداز میں پوچھا۔

''خیر ہے، اب آپ سے اتنی دور ہوں یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ میری شاپنگ بھی کر لیجیے گا۔ شادی سے پہلے بھی ہم دونوں بہنیں آپ ہی پر یہ ذمے داری ڈال دیا کرتی تھیں اور عادل کے پاس کہاں ہے میرے لیے اتنا فالتو وقت جو وہ مجھ سے نوک جھوک کر سکیں۔''

''اوہ تو یہ بات ہے، تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ آفس کے کام میں بزی ہے عادل...... پر جانو یہ سب بھی تو بہت ضروری ہے ثاقب کو دیکھ لو آج کل اپنے بزنس کے سلسلے میں بے حد مصروف ہیں گھر کو مکمل طور پر بھلائے ہوئے ہیں اور انور بھائی پر بھی آفس کا برڈن ہے جبھی تو میں ردا اور اپنی شاپنگ اکیلے نمٹا رہی ہوں لیکن جانی یہ سب وہ ہمارے آرام اور عیش کی خاطر ہی تو کر رہے ہیں خود بھی تو بے چارے مصروف رہتے ہیں اور اتنی محنت کرتے ہیں' ندا بھابی نے رسانیت سے شزا کو سمجھانا چاہا۔

''افوہ بھابی، یہ بات نہیں آفس کے کام کا کوئی لوڈ نہیں بلکہ موصوف روزانہ شام پانچ، چھ بجے تک گھر میں پائے جاتے ہیں، میری زندگی تو اس سوکن نے عذاب کر رکھی ہے۔'' شزا نے اپنے مسئلے کی وضاحت کی شزا کے اپنی بھابی کے ساتھ بڑی بہن والے دوستانہ مراسم تھے جبھی وہ امی سے دل کی بات کرنے کے بجائے ہمیشہ ندا بھابی سے کرتی امی تو جھٹ ڈانٹنے پر آ جاتی تھیں جبکہ ندا بھابی بہت نرمی سے بات کو ڈیل کرنے کی عادی تھیں۔

''اوہ! اچھا، اچھا دلدار کی وجہ سے پریشان ہو گئی ہو لیکن جانو آٹھ دن کی تو بات ہے پھر تمہاری یہ سوکن خود تمہارا شوہر اپنے ہاتھوں قربان کر وا کے تمہیں اس کا گوشت کھلائے گا، شزا جانو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں گھبرا مت جایا کرو اور نہ اتنا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شدید ردِعمل دیا کرو، مانا عادل بہت صلح جو اور نرم مزاج کا ہے مگر ہے تو تمہارا شوہر، اپنے رویے کو اسی کی طرح نرم اور محبت سے گوندھا بنالو تاکہ ایک ہی گاڑی کے یہ دونوں پہیے زندگی کے ہر نشیب و فراز پر سکون سے گامزن رہیں۔'' ندا جو جانتی تھی کہ شزا دلدار کو سوکن کے نام سے پکارتی ہے ہلکا سا قہقہہ لگایا...اور پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے شزا کو سمجھانا اپنا فرض سمجھا۔

''یہ بات نہیں بھابی، آپ تو جانتی ہیں ہم لوگ قربانی کا جانور اس کے شور شرابے اور سنبھالنے کی کوفت سے بچنے کے لیے عید سے ایک دن قبل ہی لیتے اور میں موصوف کو ڈیڑھ ماہ سے برداشت کررہی ہوں۔''

''میں......میں............ میں بھی۔'' دلدار کی جھٹ آواز سنائی دی۔

''اور عادل اس کے ناز نخرے اور سیوا کرنے میں مجھے بالکل بھلائے ہوئے ہیں، عید کی شاپنگ بھی ہم دونوں نے مل کر نہیں کی کہ پیچھے اکیلے اس کو کیسے چھوڑ کر جائیں گے کوئی اسے اٹھا کر لے گیا تو...... عادل خود ہی اپنی پسند کی کچھ شاپنگ کر چکے ہیں اور مجھے اس نواب زادے کی حفاظت کے لیے چھوڑ جاتے ہیں کیونکہ میرا تو ابھی اکیلے یہاں کے بازاروں میں آنا جانا ممکن نہیں اور اگر میں کوئی اعتراض کروں تو جواب موصول ہوتا ہے کہ بیگم ثواب کا کام ہے۔ روز شام کو موصوف گردن اکڑائے میرے شوہر کے ساتھ سامنے پارک میں چہل قدمی فرمانے جاتے ہیں۔'' شزا نے اپنا دکھڑا رویا۔

''ارے......تو تم بھی دونوں کے ساتھ پارک چلی جایا کرو ناں!'' ندا بھابی نے حل بیان کیا۔

''گئی ہوں ایک دو دفعہ میں دونوں کے ساتھ جتنا وقت ہم پارک میں رہے صاحب بہادر دلدار کی فکر میں ہی مبتلا رہے ہیں۔''

''عادل آج موسم کتنا اچھا ہورہا ہے۔'' میں نے کہا تو جواب آیا۔

''یہاں پر اتنی گھاس ہی نہیں، دلدار کیا کھائے گا۔'' میں کہوں۔

''وہ سامنے سرخ گلابوں کی باڑ کتنی خوب صورت بنی ہوئی ہے۔'' خیال تھا کہ موصوف یہ بات جان کر ضرور کوئی نہ کوئی گلاب تو توڑ کر لاکر محبت سے پیش کریں گے مگر آگے سے جواب آیا۔

''کہیں دلدار ہی اس پر منہ نہ مارلے بے چارے کی زبان میں کانٹے چبھ جائیں گے ہمیں کسی اور جگہ جاکر بیٹھنا چاہیے۔'' بس اس دن سے میں نے ان کے ساتھ پارک جانا چھوڑ دیا۔ اگر جو کوئی پسندیدہ گانا بلند آواز میں ٹی وی پر سنوں تو دلدار اس کے ساتھ اپنی بے سُری آواز میں تانیں ملانے لگتا ہے اور ابھی پرسوں جب رات کو اچانک بارش شروع ہوگئی تو جھٹ دلدار کے بھیگنے کی فکر میں مبتلا عادل صاحب نے اسے ساتھ والے امی ابو کے کمرے کے واش روم میں لاکر باندھ دیا بس پھر ساری رات دلدار نے باتھ روم سنگنگ کی اور جو بارش سے ماحول اس قدر رومینٹک سا ہوگیا تھا دلدار کے بے سُرے الاپ میں غارت ہوکر رہ گیا قسم سے ساری رات میں سو نہ پائی اور یہی نہیں بھابی، کل گھر آتے ہی چلانے لگے۔

''بیگم دیکھو تو میں کیا لایا ہوں؟'' اخبار میں لپٹی چیز دیکھ کر میں دل میں بے حد خوش ہوئی کہ چلو میں انہیں یاد تو ہوں جبھی تو راستے میں سے میرے پسندیدہ گجرے اور ہار لے کر آئے ہیں خوشی سے

اخبار کی تہہ کھولی تو نیلے پیلے رنگوں والا دلدار صاحب کا گلوبند اور اس کے پاؤں کی جھانجریں برآمد ہوئیں، میں سمجھی شاید میرے لیے پازیبیں ہیں جن کے گھنگروں کی آواز آرہی ہے لیکن جب اخبار کھولا...... قسم سے بھابی بہت زیادتی ہورہی ہے میرے ساتھ۔'' شزا نے گلے شکووں کا دفتر کھولا جسے سن سن کر بھابی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہورہی تھیں۔

''ہی......ہی ہی...... توبہ ہے شزا تم نے تو میرے پیٹ میں بل ڈال دیے ہنسا ہنسا کر۔''

''ہاں، ہاں ہنسیں خوب ہنسیں لیکن واقعی میری جگہ پر آپ ہوں تو میں جانو اور پتا ہے ابھی ابھی صفائی کے دوران میرا اتنا پیارا سبز رنگ کا دوپٹا چبا چکے ہیں چارا سمجھ کر۔'' شزا بسوری۔

''اوہ، یہ تو برا ہوا لیکن خیر کوئی بات نہیں بس تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے تمہاری یہ پریشانی کچھ ہی دنوں کی مہمان ہے پھر عادل دلدار سے جدا ہوکر تمہیں ہی روز باہر آؤٹنگ پر لے جایا کرے گا اور تمہارے لیے ہی گجرے لایا کرے گا ....اور ویسے بھی مجھے یقین ہے عادل کی چوائس بہت اچھی ہے وہ تمہارے لیے عید کی شاپنگ بہت اچھی کرے گا کم از کم تم سے بے پروا تو نہیں ہے ناں، اوکے شزا نور جاگ گیا ہے میں ذرا اسے دیکھ لوں پھر بات ہوگی انشاءاللہ۔''

''اوکے امی ابو کو میرا اسلام کہیے گا، اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔'' شزا فون پر ریسور رکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی دل کا بوجھ جو ہلکا ہوگیا تھا لیکن دوپٹے پر نظر پڑی تو اس کی مسکان مدھم پڑگئی۔

☆☆☆

''عادل! عدی!''

''ہوں، کیا ہے؟''

''بھئی مجھے مہندی لگوانی ہے۔''

''اچھا پہلے دلدار کو لگالوں پھر تمہیں لگاتا ہوں۔'' عادل جو ایک بڑے سے پیالے میں مہندی گھولے دلدار کے جسم پر چاند تارے بنارہا تھا مصروفیت بھرے انداز میں بولا۔

''اوں ہوں! ایسے نہیں۔'' شزا بدکی۔

''ایسے کیوں لگاؤں گا، تمہارے ہاتھوں پر ہی لگاؤں گا، پاگل سمجھ رکھا ہے کیا!'' جواب اب بھی مصروفیت بھرے انداز میں آیا اور دلدار بڑے آرام سے اپنے مالک سے شزا کو چڑاتا مہندی لگوا رہا تھا۔

''عادل کے بچے مجھے پارلر سے کون مہندی لگوانی ہے، آج چاند رات ہے۔'' شزا نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''چاند رات تو ہر مہینے آتی ہے تم ہر مہینے تو پارلر سے کون مہندی نہیں لگواتیں اب بھی رہنے دو۔'' عادل نے شرارتی انداز میں اسے چھیڑا۔

''عادل تنگ مت کرو، تمہیں پتا ہے کہ یہ عید صرف ہم دونوں یہاں اکیلے منا رہے ہیں چھوٹی عید پر تو امی ابو تھے، چاند رات کو کتنی رونق لگائی تھی ہم سب نے ابو نے امی کے ہاتھوں پر اور تم نے میرے ہاتھ پر شرط لگا کر مہندی لگائی تھی۔ جس میں ابو جیت گئے تھے کتنا مس کررہی ہوں میں انہیں، امی کا تھوڑی دیر پہلے فون آیا تھا خاص طور پر مجھے کہنے لگیں کہ میں مہندی ضرور لگوا آؤں لاہور میں بھی اس وقت خوب رونق ہوگی میرا دل تو ویسے ہی بھر آرہا ہے یہ سب یاد کر کے اور تم مجھے ستارہے ہو۔'' شزا کے لہجے میں آزردگی تھی۔

''ارے، ارے میری پیاری سی بیگم اداس ہوگئی ہے، جانِ من کیا میرا ساتھ تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ تمہاری اسی تنہائی کا احساس کرتے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئے ہی تو میں نے کل شام کی عید ملن پارٹی کا اہتمام کیا ہے، میرے دوستوں کے ساتھ ان کی بیگمات آجائیں گی خوب رونق لگے گی تمہارے ارد گرد۔'' عادل نے زبان سے پھسلتے جملے کی جلدی سے اصلاح کی ۔''اور ہماری عید بھی مصروف گزر جائے گی اور پھر اگلے دن ہم آنٹی روبینہ کے ہاں انوائٹڈ ہیں۔'' عادل نے مہندی کا پیالہ جھٹ ایک سائڈ پر رکھتے اپنی پیاری سی اداس بیوی کا دل بہلاتے ہوئے اسے کندھوں سے تھام کر کہا۔

''آپ کے ساتھ ہی کی وجہ سے تو عید کی خوشیاں محسوس کر رہی ہوں اور اسی وجہ سے تو کہہ رہی ہوں کہ کل کی پارٹی کے لیے مجھے مہندی لگوادیں، کپڑے وغیرہ میں نے پریس کردیے ہیں، ادرک لہسن کا پیسٹ بھی تیار کر کے فریج میں رکھ دیا، فیرنی بھی پک چکی ہے، اب فارغ ہوں مجھے مہندی لگوادیں میری شادی کو ابھی عرصہ ہی کتنا ہوا ہے آپ کے دوستوں کی بیگمات میرے ہاتھوں پر مہندی لگی نہ دیکھ کر نہ جانے کیا غلط سلط اندازے لگائیں۔''

''ہوں، بات تو تمہاری درست ہے پر جانِ عادل! دلدار کو بھی تو اکیلے چھوڑ کر نہیں جاسکتے ناں آج کی رات تو چور حضرات نے بھی اپنی بیگمات کے مطالبات پورے کرنے ہیں، تم سمجھ رہی ہوناں میری بات اور دیکھو ناں مہندی تو میں بھی بڑی خوب صورت لگا رہا ہوں پچھلی عید پر بھی خود اپنے ہاتھوں سے ہی لگائی۔ دلدار کے جسم پر کتنے اچھے چاند تارے کے ڈیزائن بنائے ہیں میں نے مہندی سے۔''

''میں...... میں......اور نہیں تو کیا۔'' دلدار نے تصدیق کی۔

''میں اپنے ہاتھوں سے خود تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگاتا ہوں اور کل تم میرے دوستوں کی بیگمات کو بتاؤ گی کہ میرے شوہر نے خود محبت اور چاؤ سے میرے ہاتھوں پر مہندی لگائی ہے تو وہ رشک کریں گی تمہاری قسمت پر اور ویسے بھی مجھے تو تمہارے ہاتھوں پر لگی سہاگ رات کی مہندی کی خوشبو ابھی تک نہیں بھولی ذرا اس کی بھی یاد تازہ ہوجائے۔

ہماری سانسوں میں آج تک وہ
حنا کی خوشبو مہک رہی ہے''

اور شزا عادل کے بہکے انداز کو دیکھ کر شپٹا کر بیڈروم کی جانب بھاگی۔

''ابھی آیا یار!'' عادل نے مہندی کا پیالا ہاتھ میں پکڑے دلدار سے کہا اور گنگناتا ہوا بیڈروم کی جانب بڑھ گیا اس کی گنگناہٹ بے حد واضح تھی۔

''ہماری سانسوں میں آج تک وہ
حنا کی خوشبو مہک رہی ہے''

☆☆☆

عید کی روشن صبح طلوع ہوچکی تھی عادل تیار ہو کر عید کی نماز پڑھنے جاچکا تھا اور وہ عادل کے آنے سے پہلے جلدی جلدی تیار ہورہی تھی ریڈ اور بلیک کنٹراس کا جارجٹ کا سوٹ جس پر ہلکا سا گولڈن نقشی دبکے کا کام تھا خالصتاً عادل کی پسند شزا پر خوب اٹھ رہا تھا، کانوں میں بلیک اور گولڈن لمبے لمبے جھمکے پہنے اور کمر تک لمبے، گھنے بالوں کو کھولے لائٹ سے میک اپ میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔

صبح سویرے ہی اسے کینیڈا سے ساس، سسر کا عید مبارک کا فون آچکا تھا، وہ سن کر ابھی وہ میکے فون کرنے کا سوچ رہی تھی کہ ان کی طرف سے خود فون آگیا۔ ان کی طرف سے عید مبارک، خیر خیریت کا تبادلہ مساوی طور پہ ہوچکا تھا اور اب وہ تیار ہو کر ردا کے سیل فون پر فون کرنے کا سوچ رہی تھی کہ ڈور بیل بجی۔ صبح سے چار پانچ مرتبہ یہ بیل بج چکی تھی کچھ تو ہمسائیوں کی طرف سے اور ان کی طرف سے سویّوں کا تبادلہ ہوا تھا اور کچھ دلدار کے ننھے فین اسے دیکھنے اور ملنے چلے آرہے تھے۔ ردا کو فون کر کے فارغ ہوئی تو اس کی دوسری نند کا فون آگیا۔ اس کے لب اپنے پیاروں کے اس پیار پر مسکرا اٹھے تھے اتنی دور ہونے کے باوجود دلوں میں فاصلہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے کو اپنے ہونے اور اس کے خاص ہونے کا احساس دلا رہے تھے شزا کو بے رونقی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا انہوں نے اور ویسے بھی وہ طے کرچکی تھی کہ آج کا دن بھلے وہ دونوں ہی عید سیلیبریٹ کر رہے ہیں بے حد خوش اور اچھے موڈ میں رہے گی ویسے بھی رات کو ان کے ہاں عید پارٹی تھی تاکہ عادل بھی اسے خوش اور مطمئن دیکھ کر پُرسکون رہے۔

☆☆☆

''لو بھئی شزا قسائی آنے ہی والا ہے، تم ذرا پانی کا پائپ کچن سے لگا کر بالکونی میں رکھ دو ساتھ ہی بڑا تسلا اور چھری چاقو وغیرہ بھی آج کے دن قسائی کی بادشاہی ہے آتے ہی اس نے جانے کی جلدی مچانی ہے اور میں ذرا چینج کر آؤں' مجھے تو اس کے ساتھ قربانی کرانے میں مدد کرنی ہے۔'' عید ملنے اور تعریف و توصیف کے بعد عادل نے بیڈروم کی جانب بڑھتے ہوئے شزا کو ہدایات جاری کی تھیں۔

شزا جو پہلے ہی چینج کر کے سادہ حلیے میں آچکی تھی تاکہ شام کی پارٹی میں اس کے کپڑے خراب نہ ہوں بالوں کو کیچر لگائے جھٹ عادل کی ہدایت پر عمل پیرا ہوگئی۔ کچن کے نل میں پائپ لگا کر وہ دوسرا سرا بالکونی میں رکھنے چلی آئی تھی جہاں دلدار خاموش فرش پر سر نیہوڑائے یوں بیٹھا تھا جیسے دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہا ہو آج صبح سے ہی اس نے کچھ کھایا تھا اور نہ ہی شزا کی کسی بات کا اپنی زبان میں جواب دیا تھا بس افسردہ اور غمگین صورت لیے چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ شزا کے ابو بتایا کرتے تھے کہ قربانی کے جانوروں کو رات ہی سے چھریاں نظر آنا شروع ہوجاتی ہیں اور اپنے ہونے والے متوقع انجام سے باخبر ہوکر وہ افسردہ اور ڈر کر چپ ہوجاتے ہیں۔ شزا جو پائپ اور ٹب رکھنے آئی تھی دلدار کو یوں بیٹھے دیکھ کر نہ جانے اس کے دل کو کیا ہوا کہ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

''تو آج دلدار قربان ہوجائے گا اور اتنے دنوں سے جو اس کے دم سے رونق اور ہماری مصروفیت تھی وہ بھی ختم ہوجائے گی۔'' شزا کو عادل کی غیر موجودگی میں بھی دلدار کی ڈھارس رہتی تھی آخر تھا تو جاندار" اب یہ بالکونی بالکل سنسان ہوجائے گی۔'' شزا کے دل نے درد بھرے انداز میں سوچا اور شزا اس وقت نظر آتے معصوم اور بے ضرر دلدار کے گلے پر چھری چلنے کا تصور کر کے ہی کپکپا اٹھی اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی صوفے پر آن بیٹھی، ایک دم ہی افسردگی نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ لاشعوری طور پر شزا' دلدار کی عادی ہوگئی تھی اور ایک مانوسیت سی بھی اس سے قائم ہوچکی تھی اور وہ مانوسیت کب انسیت میں ڈھلی اسے پتا ہی نہیں چلا اور اب خود اپنے ہی ہاتھوں سے پیارے اور لاڈلے سے دلدار کو قربان کرنے کا خیال اسے بے حد پریشان کیے دے رہا تھا۔

''ارے بھئی شزا، کیا ہوا' میں تمہیں کب سے آوازیں دے رہا ہوں، ابو جی کا فون دوبارہ آیا تھا وہ اگلے ہفتے آرہے ہیں' سیٹیں کنفرم ہوگئی ہیں ان کی،

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ان سے یہ سرپرائز سنبھالا نہیں گیا اس لیے لیک آؤٹ کردیا۔'' عادل کپڑے تبدیل کر کے بے حد خوشگوار احساس کے ساتھ شزا کے پاس آ کر بولا تھا۔

''ارے تمہیں کیا ہوا، میرے امی، ابو اتنے برے تو نہیں تم جو اس بات پر افسردہ ہو گئیں۔'' شزا کو صوفے پر بے حد رنجیدہ دیکھ کر عادل نے پوچھا اور شرارتی انداز میں چھیڑا۔

''ایسی کوئی بات نہیں، یہ تو بے حد خوشی کی بات ہے۔'' شزا نے سنجیدہ لہجے اور روہانسی آواز میں جلدی سے وضاحت کرنی چاہی۔

''آئی نو، مذاق کر رہا ہوں پر تم کیوں اتنی افسردہ ہو رہی ہو پر اس اگلی عید ہم سب لاہور جا کر کریں گے اس عید پر تو صرف تین چھٹیاں ہیں اگلی بار میں آفس سے دس پندرہ چھٹیاں لے لوں گا اور ہم خوب وہاں انجوائے کریں گے پلیز تمہارے اس طرح بیٹھنے سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔'' عادل نے اسے بہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں، نہیں...... عادل یہ بات نہیں، میں آپ کے سنگ ہر حال میں بے حد خوش ہوں۔'' شزا نے جھٹ سے وضاحت دینی چاہی۔

''تو پھر؟'' عادل حیران ہوا۔

''عادل آپ دوسرا بکرا خرید لائیں، میرے پاس ہیں پیسے آپ قربانی کے لیے کوئی اور بکرا خرید لائیں پلیز۔'' شزا نے کہا۔

''ہیں! دلدار کو کیا ہوا؟'' عادل نے جھٹ مڑ کر بالکونی کی جانب دیکھا اور دلدار کو صحیح سالم دیکھ کر اپنی سانس بحال کی۔

''دلدار کو ذبح ہوتے دیکھنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں، اتنا پیارا اور معصوم سا جانور ہے اور میں اس کی شرارتوں کی عادی ہو گئی ہوں پھر مجھ سے زیادہ تو آپ کو اس سے پیار ہوگا۔ آپ کا بھلا دل کیسے چاہ رہا ہے اس کے گلے پر چھری چلانے کو اسی لیے کہہ رہی ہوں کوئی اور بکرا خرید لائیں، ہم دلدار کو اپنے ہی پاس رکھیں گے۔'' شزا نے اپنی رنجیدگی کی وضاحت کی۔

''اوہ...... تو یہ بات ہے تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا لیکن شزا جان یہی تو اس عید کو منانے سنتِ ابراہیمیؑ کی یاد کو تازہ کرنے کی اصل وجہ ہے، اللہ تعالیٰ کو بھلا اپنے ہی بنائے بھیڑ بکریوں کی کیا ضرورت ہے وہ تو انسان کے جذبات کی قربانی مانگتا ہے کہ تمہارے پیارے میری محبت سے بڑھ کر تو نہیں خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں آیت نمبر 37 میں فرمایا ہے کہ:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى ۔

ترجمہ:

اللہ کو ہرگز نہ ان کے گوشت پہنچیں گے اور نہ ان کے خون ولیکن اسے تمہاری پرہیز گاری پہنچے گی۔''

عادل جو ہمیشہ سے قرآن پاک کو ترجمے سمیت پڑھتا تھا قرآن کی سورۂ حج کی آیت نمبر 37 کی مثال دیتے ہوئے سمجھایا اسے بہت سی آیات ترجمے سمیت ازبر تھیں۔

''معلوم ہے مجھے لیکن آپ کا دل مان رہا ہے دلدار کی قربانی کرنے کو... بتائیں مجھے اور اللہ تعالیٰ کو تو ہماری نیت ہی پہنچتی ہے ناں تو ہم اچھی نیک نیتی کے ساتھ ہی تو قربانی کریں گے۔'' شزا نے اپنی بات پر اڑتے ہوئے کہا۔

''دل کی یہی تکلیف اور تڑپ جو اپنی پیاری اور عزیز شے کو اس کی راہ میں قربان کرنے کی وجہ سے ہوگی میرے رب کو پسند آئے گی ہم خود ہی سوچو ہم اپنے کسی عزیز کے لیے کوئی گفٹ خریدیں اور کچھ عرصے اپنے پاس امانتاً رکھے رکھے ہمارا دل اس پر آجائے تو ہم کوئی اور کیسا بھی گفٹ خرید کر اسے دے دیں تو لیکن کیا یہ امانت میں خیانت نہیں ہوگی۔ دیکھو شزا بہت سے لوگ صرف چاند رات کو قربانی کا جانور خرید کر اور اگلے دن اس کی قربانی دے کر گویا فرض پورا کر لیتے ہیں ایک طرح سے اس فرض سے جان چھڑا لیتے ہیں قربانی تو ان کی بھی ہو جاتی ہوگی، پسندیدہ ترین ہوگی یا نہیں میں کچھ کہہ نہیں سکتا البتہ چند روز قبل لیے جانے والے قربانی کے جانور کی دیکھ بھال کرنا اپنی بے حد مصروف زندگی میں سے اس کے لیے خاص طور پر وقت نکالنا، اسے پیار محبت سے رکھنا اور پھر دل کی تڑپ پر قابو پاتے ہوئے اسے اللہ کی راہ میں قربان کرنا یہی اصل میں عیدِ قرباں کا مقصد پورا کرنا ہے ورنہ ہم کبھی بھی خلیل اللہ یعنی حضرت ابراہیمؑ کی پدرانہ محبت کی قربانی کو نہیں سمجھ سکتے۔'' عادل نے سنجیدگی سے شزا کو سمجھایا اور پھر بات آگے بڑھائی۔

''ہمارے گھر میں شروع سے ہی قربانی کا جانور کم از کم دو تین ہفتے قبل خریدا جاتا رہا ہے، ابو نے بچپن سے ہی ہم سب کو عیدِ قرباں کے اصل مفہوم سے آشنا کرایا ہے، آج کل کے نفسانفسی کے دور میں جب انسان دوسرے انسان کے لیے وقت نہیں نکال پاتا اور قربانی کے جانور ایک روز چند روز قبل محض اسٹیٹس سمبل کے طور پر اور قربانی کے جانوروں کی قیمتیں بڑھ چڑھ کر بیان کرنے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی سادگی کے ساتھ اصل مفہوم کی جانب پلٹنا ہوگا دیکھو یہ قربانی ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جہاد کی راہ میں قربان ہونا کیا ہے جب فوجی بیٹوں کی مائیں انہیں وردی میں کسی محاذ پر بھیجتی ہیں تو وہ بھی سنتِ ابراہیمیؑ کو ہی دہراتی ہیں، ہم ان کے جذبات سے کیسے آشنا ہو پائیں گے، اچھی سنت اور اللہ کی راہ میں اپنے پیارے کی قربانی میرے رب کو بے حد بھاتی ہے جب ہم اپنے پیارے جانوروں کو اس کی راہ میں کروٹ کے بل لٹا کر قربان کرتے ہیں تو ہمارے دل کی تڑپ کو جانتے ہوئے وہ بھی اپنے رحمت کے دروازے ہم پر وا کر دیتا ہے اور ہمارے وطنِ عزیز کو ایسے ہی دلوں کی تڑپ سے بھرپور قربانی کی ضرورت ہے تاکہ اس بقرعید پر وہ ہم پر اپنی رحمت کے دروازے مکمل طور پر کھول دے اور ہم پر سے قدرتی آفات اور مصیبتیں ٹل سکیں۔'' شزا عادل کی پُراثر تقریر سن کر حیرانی سے منہ کھولے اسے سنے جا رہی تھی بظاہر بے پروا اور لاابالی سا نظر آتا عادل کتنی اچھی اور گہری سوچ کا مالک تھا اسے آج بہ خوبی اندازہ ہوا تھا۔ ڈور بیل کی آواز پر عادل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ قسائی آگیا ہے تم بقیہ سامان وغیرہ رکھو میں دیکھتا ہوں۔'' عادل کے الفاظ گویا شزا کے دل کو روشن کر گئے تھے اور وہ ایک انوکھے جذبے سے سرشار دلدار پر آخری اور محبت بھری نظر ڈالتی کچن کی جانب بڑھ گئی اور اس کے لبوں پر یہ دعا تھی۔

''مالک، میرے اللہ میرے ملک میں بہت سے انسان تیری مرضی اور تیری رضا کے مطابق آج قربانی کریں گے تو اس کے بدلے ہمارے ملک پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے، آمین ثم آمین۔'' یقیناً آپ سب بھی اسی دعا اور اسی نیت سے قربانی کریں گے اپنا وطنِ عزیز آخر کسے نہیں عزیز!

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں

شیریں حیدر

قسط 8

تم ناحق ٹکڑے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
کیا آس لگائے بیٹھے ہو

اس ناول میں شیشوں سے مراد صنفِ نازک ہی ہے کہ جس کے ساتھ مرد نے کبھی بھی اور کسی بھی دور میں ایسا سلوک روا نہیں رکھا، جیسا کہ رکھا جانا چاہیے تھا۔ تخلیقِ کائنات سے لے کر اب تک مرد اور عورت کے مابین نت نئے رشتے قائم ہوتے رہے ہیں، یہ رشتے جو محبت اور احترام کے متقاضی بھی ہوتے ہیں، کبھی انہیں یہ محبت اور احترام میسر آتا ہے اور کبھی نہیں... ان دونوں کے مابین ایک ازلی رشتہ ہوس کا ہے، عورت ہمیشہ مرد کا پسندیدہ شکار رہی ہے اور رہے گی۔ عورت کا احترام عموماً مرد نے جن رشتوں میں کیا ہے وہ ماں، بہن یا بیٹی ہیں... بیوی کم کم ہی احترام کی حقدار ٹھہرتی ہے، وہاں بھی جہاں محبت کے بلند و بانگ دعوے کیے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے بہت سی ایسی صورتِ حال بھی آ جاتی ہیں، جب عورت کا احترام بالکل ہی نہیں کیا جاتا، خواہ وہ ماں ہو، بہن یا بیٹی... مرد پر جب غصہ سوار ہو یا اس کی انا اور حسد کا معاملہ ہو تو سبھی رشتے ناتے پس پشت ڈال دیتا ہے۔ غصہ مرد کے دماغ پر حکمرانی کرتا ہے تو وہ عورت کو اپنی چٹکیوں میں مسل کر اپنی مردانہ حس کی تسکین کرتا ہے۔

آئیں دیکھتے ہیں کہ مرد وزن کے اس تعلق میں کون کیا کھوتا ہے اور کیا پاتا ہے

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

مرادنگر نامی گاؤں میں تقسیم ہندوستان سے قبل ہر مذہب اور عقیدے کے لوگ اکٹھے رہتے تھے، جس طرح پاکستان کے باقی سب حصوں میں تھے۔ چوہدری مرادعلی اور نورعلی دو بھائی تھے، جن کے دادا کے نام پر اس گاؤں کا نام رکھا گیا تھا۔ فطرتاً دونوں بھائی بالکل مختلف ہیں، مرادعلی شریف النفس اور نورعلی عیاش طبع۔ مرادعلی کی بیوی عابدہ اور تین بیٹے جہانگیر، شجاع اور شیرعلی ہیں۔ شجاع عادات میں اپنے چچا پر ہے حتیٰ کہ ایک رات اپنی بھابی رابعہ کی عزت پر ہاتھ ڈالتا ہے، مرادعلی بیٹوں میں فساد پڑ جانے کے باعث رابعہ کو یہ بات جہانگیر سے چھپانے کو کہتے ہیں اور جہانگیر، رابعہ اور شیرعلی کو شہر منتقل کر دیتے ہیں۔ شہر جا کر رابعہ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوتی ہے جس کا نام عمران رکھا جاتا ہے۔ نورعلی کی بدمزاج بیوی شکیلہ ہے اور بیٹے اکبر اور بابر ہیں۔ دونوں بیٹے باپ کا پرتو ہیں، نورعلی بیٹیاں بیاہ چکے ہیں۔ نورعلی کا بڑا بیٹا اکبرعلی ہے جس کے ہاں دو بیٹیوں کے بعد دو جڑواں بیٹیوں کی ولادت ہوتی ہے تو اس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کی ماں شکیلہ بیگم، ان بچیوں کے قتل کا حکم ملازماؤں کو صادر کرتی ہے۔ معراج، چوہدری مراد علی کے مرحوم منشی قائم علی کی بیوہ۔ منشی قائم علی چند برس پہلے اپنے گاؤں خوشحال نگر سے اسی گاؤں میں آ گیا تھا۔ اپنے گاؤں سے وہ تجارت کے لئے شہر جاتا تھا، وہیں اس کی ملاقات موجی یعنی معراج سے ہوئی تو وہ دل ہار بیٹھی اور وہ اس سے شادی پر آمادہ ہوگئی۔ پھر ایک حادثے نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا۔ معراج جس نے نرسنگ کی تعلیم حاصل کر رکھی تھی، گاؤں میں عورتوں کے لئے ڈسپنسری بنائی اور اپنے تجربے سے ان کی مدد کرنے لگی۔ زرتاج سب سے بڑی بیٹی تھی۔ اس سے چھوٹی ماہ تاج کسی درندے کی زیادتی کا شکار ہوگئی اور چھوٹی دو جو کہ جڑواں تھیں، گم ہو گئیں۔ بچیوں کی گمشدگی کو معراج کی غفلت جان کر قائم علی نے اس کو شہر بھیج دیا۔ قائم علی سکون کی تلاش میں ایک کوٹھے پر جا پہنچا۔ ماہ تاج سے زیادتی کرنے والا سہیل ایک آوارہ اور بدکردار نوجوان ہے جو ماں باپ کے باہمی اختلافات کے باعث ذہنی انتشار کا شکار ہے۔ اس نے اپنے ساتھ زبردستی اپنے دوست سلیم کو شریک جرم کرلیا۔ وہ اس گناہ پر خود کو معاف نہیں کرسکا اور خودکشی کرلیتا ہے۔ اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور وہ ہر وقت خوفزدہ رہتا ہے۔ اس کی ماں نسرین عرف نینا بیٹے کی حالت سے پریشان ہے۔ سہیل کا باپ اسلم کردار کا کمزور آدمی ہے۔ قائم علی کی جڑواں بیٹیوں میں سے ایک، جہاں آرا نامی طوائف کے ہاتھ لگتی ہے جس کے پاس اس سے قبل ہر عمر کی چھ لڑکیاں پہلے سے موجود ہیں۔ الماس سب سے بڑی ہے اور اس کا نام فیروزہ رکھا جاتا ہے۔ جہاں آرا کا اپنا سگا بیٹا، دلاور ہے، جسے عرف عام میں دلی کہتے ہیں۔ جہاں آرا اسے پڑھا لکھا کر بڑا آدمی بنانا چاہتی ہے۔ مریم ایک استانی ہے، جس کا آگا پیچھا اس کے محلے میں کسی کو معلوم نہیں۔ اس کی ایک دور پار کی رشتہ دار سائرہ ہے جس کے ہاں وہ پشاور جاتی ہے تو واپسی پر ایک گمنام، چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کے لیٹرین میں ایک بچی اسے بے ہوش ملتی ہے، یہی قائم علی کی دوسری بیٹی ہے۔ اپنی ملازمہ جینا کو وہ یہ بتاتی ہے کہ اس کی کزن سائرہ نے اسے یہ بیٹی دے دی ہے۔ یوں قائم علی کی بیٹیاں، حسن آرا، ستارہ بن کر مریم کے گھر میں اور نین تارا، فیروزہ بن کر جہاں آرا کے گھر میں پروان چڑھ رہی ہیں۔ زرتاج جب چوہدرانی شکیلہ کا حکم سنتی ہے تو خوف زدہ ہوجاتی ہے۔ اسی اثنا میں خبر آتی ہے کہ چوہدری اکبر علی کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ پیدا ہونے والی بچیوں میں سے ایک تھوڑی دیر کے بعد مرجاتی ہے اور اکبر علی کی بیوی فاخرہ کی حالت بھی خراب ہوجاتی ہے۔ زرتاج بے اختیاری میں اس بچی کو اٹھا کر شاکر کے پاس جاتی ہے۔ شاکر گاؤں کا نوجوان سنار ہے اور اس کی بات زرتاج سے تقریباً طے ہے۔ زرتاج شاکر سے کہتی ہے کہ اس بچی کو چھپا لے۔ زرتاج کے علم میں لائے بغیر وہ نور کے تڑکے اس بچی اور اپنا سارا سونا وغیرہ لے کر گاؤں سے شہر کی طرف روانہ ہوجاتا ہے۔ راستے میں بس میں اس کی ملاقات ناہید نامی ایک نوجوان خاتون سے ہوتی ہے۔ اسے بتاتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے پاس شہر جارہی ہے۔ بس میں وہ بچی کو سنبھال لیتی ہے اور جب شاکر بس سے اتر کر کچھ لینے کو باہر جاتا ہے تو واپسی پر وہ لڑکی غائب ہوتی ہے۔ بی بی جی گاؤں کی بچیوں کو قرآن کی تعلیم دیتی ہیں۔ ان کا بیٹا عباس اور بیٹی کلثوم...... دو ہی اولادیں ہیں۔ عباس ہندو گھرانے کی ایک لڑکی سے دوستی قائم کرلیتا ہے۔ عباس، دیا کو لے کر بھاگ جاتا ہے تو پنچایت کے فیصلے کلثوم کی شادی ہندوؤں کے نوکر گھوٹو سے کرنے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی رات کلثوم کی سہیلی کا جل خودکشی کرلیتی ہے کیونکہ وہ دیا کے بھائی ششیکھر کی منگیتر ہے اور گھر والوں کو شک ہے کہ کاجل دیا کی شریک راز تھی، حقیقت بھی یہی تھی۔ اسی رات کی سحر کو بی بی جی فجر کی نماز پڑھتے ہوئے ایسی سجدے میں گئیں کہ اٹھ ہی نہ سکیں۔ کلثوم بھری دنیا میں تنہا رہ گئی۔ سہیل کے قتل ہونے پر اس کا باپ اسے برا بھلا کہتا ہے۔ فاخرہ کا انتقال ہوجاتا ہے۔ دیا نے اسلام قبول کر کے عباس سے شادی کرلی۔ اس کا نام زہرہ ہے اس کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ شجاع کے آدمی معراج کے گھر میں گھس کر زرتاج کو لے جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر کامیاب نہیں ہوتے۔ موجی، قائم علی سے طلاق کا مطالبہ کردیتی ہے اور دوسری طرف الماس قائم سے شادی پر زور دیتی ہے۔ ناہید کو اس کا شوہر طلاق دے دیتا ہے۔ کلثوم ماں بننے والی ہے لیکن گھوٹو یعنی جہاندا نہیں چاہتا کیونکہ اگر کلثوم ماں بن گئی تو اس کو کام کرنا پڑے گا۔ اکبر علی کی ملاقات رانی سے ڈیرے پر ہوتی ہے اور وہ اس کو دوبارہ آنے کے لیے کہتا ہے۔ رانی تلی سے کہتی ہے تو تلی جانے سے انکار کردیتی ہے۔ (اب آگے پڑھیں)

''کیا عباس کو خوشی نہیں ہوئی کہ بیٹی ہوئی ہے......'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ''کبھی عباس نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ اسے بیٹے کا شوق ہے۔ وہ تو ہمیشہ یہی کہتا تھا کہ بچہ ہوگا تو وہ بی بی جی کے پاس جائے گا، بچے کو دیکھ کر اُن کا دل موم ہوجائے گا...... تو کیا بچے سے اس کی مراد لڑکا ہوتا تھا؟ ممکن ہے کہ وہ تھکا ہوا ہو یا باہر سے کسی پریشانی کا سامنا کر کے آیا ہو۔'' اس نے خود کو تسلی دینے کے لیے ایک اندازہ لگایا۔

عباس روٹی لے کر آیا اور ہمسائی کا بنایا ہوا سالن ٹھنڈا ہی پلیٹ میں ڈال کر زہرہ کے لیے یخنی گرم کرنے کے لیے چولھے پر رکھ دی۔ ایک ٹرے میں اس نے اپنا کھانا رکھا، یخنی لے کر وہیں آ گیا جہاں زہرہ بچی کو گود میں لیے بیٹھی تھی، اس نے یخنی اس کے آگے رکھتے ہوئے سرسری سی نظر بچی پر بھی ڈالی۔

''بیٹی کو نہیں دیکھو گے عباس؟'' اس نے کہا۔

''دیکھا ہے!''

''کیسی ہے؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''پیاری ہے...... جیسے سارے بچے ہوتے ہیں!''

''تمہاری طرح ہے یا میری طرح؟''

''بھئی نہ میں نے تمہیں اس عمر میں دیکھا ہے نہ خود کو...... مجھے کیا پتا، کس پر ہے!'' وہ ہنسا تھا۔

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی باپ بن کر؟''

''میں نے ایسا کیا کہا ہے؟'' وہ حیران ہوا۔

''تم باپ بن کر خوش نہیں ہوئے یا بیٹی کے باپ بن کر نا خوش ہو؟'' اس نے انوکھا سوال کیا تھا۔

''تم عجیب باتیں کر رہی ہو......'' اس نے ٹالا۔ ''یخنی پیو، ٹھنڈی ہو رہی ہے!''

''مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے عباس!''

''عورتوں کی سوچ جانے بعض اوقات اتنی فضول اور چھوٹی کیوں ہوتی ہے!'' وہ جھنجلایا۔

''مجھے اور عورتوں کا تو علم نہیں مگر میرے سوال کا جواب دو عباس!''

''میں خوش ہوں زہرہ! یقین کرو میں خوش ہوں۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے یقین دلایا۔

''اگر تم خوش ہو تو تم خوش نظر کیوں نہیں آتے؟'' اس نے سوال کیا۔

''پتا نہیں کیوں زہرہ...... میں ڈر سا گیا ہوں!''

''کیوں، کیا ہوا...... کیا کسی کو دیکھ لیا ہے تم نے؟'' پکڑے جانے کا خوف ان کا پیچھا چھوڑتا ہی نہ تھا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے......''

''تو پھر کس بات کا ڈر ہے؟'' اس نے حیرت سے کہا۔

''پتا نہیں زہرہ، میں نے اپنی بیٹی کو دیکھا اور میں ڈر گیا!''

''بیٹی کو دیکھ کر ڈر گئے...... مگر کیوں؟''

''بس یونہی ذہن میں خیال آیا کہ اگر میری بیٹی بھی میرے ساتھ وہی کرے جو تم نے......'' وہ رکا۔ ''اماں کہتی تھیں کہ بیٹی ماں کی اور بیٹا باپ کی خصلت لے کر پیدا ہوتا ہے!''

اہم انتباہ

جملہ اشتہارات (جن کے مندرجات سے ادارے کا کوئی تعلق نہیں ہوتا) نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ مشتہرین کے لیے ادارے کی معرفت آنے والی ڈاک ضائع کردی جاتی ہے، قارئین رابطے یا معلومات کے لیے براہ راست مشتہرین سے رجوع کریں۔ اس ضمن میں کسی نقصان یا شکایت کی صورت میں جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کی کوئی اخلاقی یا قانونی ذمے داری نہیں ہوگی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

”صرف میں ہی بری ٹھہری عباس...... ذرا سوچو تو اگر ہمارا بیٹا ہوتا اور وہ تمہاری خصلت لے کر پیدا ہوتا، کسی کی معصوم بیٹی کو ورغلا کر اپنے گھر والوں سے بغاوت پر آمادہ کرتا اور اسے بھگا کر لے جاتا تو؟“ اس نے اس کے تھپڑ کے جواب میں وہ تھپڑ مارا تھا جس نے اس کے بولنے کی صلاحیت کو وقتی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔

☆☆☆

”کس کی اتنی جرأت کہ وہ میرے گھر پر نقب لگانے کو آئے، میں بات کروں گی مراد علی اور نور علی دونوں سے!“ معراج نے کہا۔

”اور اگر چور اُن کے گھر میں ہی ہوا تو؟“ زرتاج نے نکتہ بجھایا۔

”اگر چور اُن میں سے کسی کے گھر میں ہوا تو میں پنچایت بلاؤں گی، یہاں کسی غریب کی عزت محفوظ ہے کہ نہیں؟“ انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

”آہستہ بولیں اماں، محلے والوں کو تو یوں بھی باتیں سننے کا بہت شوق ہوتا ہے......“ اس نے ماں کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ ”اور جو فیصلے پنچایت کرتی ہے وہ ہم سے کیا ڈھکے چھپے ہیں، دیکھا نہیں بیچاری کلثوم کے ساتھ کیا ہوا ہے......“

”کلثوم کی ماں زندہ رہتی تو دنیا دیکھتی کہ کیسے وہ پنچایت کے فیصلے کے خلاف ڈٹ جاتی......“ انہوں نے کہا۔ ”زرتاج جب تک تیری ماں زندہ ہے کوئی تجھ پر بری نظر تو ڈال کر دکھائے!“

”اماں دنیا میں جینے کا حق صرف طاقتوروں کو ہے، ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے اگر ہماری قسمت میں کچھ برا لکھا ہوگا تو اسے کوئی نہیں روک سکے گا۔ سارے چوہدری ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں، اگر خیر مانگنی ہے تو اپنے اللہ سے مانگو کہ وہ ہمیں مزید کسی آزمائش سے بچائے۔“

”بس فیصلہ کر لیا ہے میں نے کہ اس کے بعد تجھے کبھی بھی اکیلا نہیں چھوڑ کر جاؤں گی، چاہے کہیں بھی جانا ہو!“

”ٹھیک ہے، بس اب آپ بے فکر ہو جائیں......“ اس نے ماں کا کندھا دبا کر انہیں تسلی دی تھی۔

”یہ شاکر جانے کہاں رہ گیا ہے، اب کی بار تو کتنے ہی دن ہو گئے ہیں، شاید مہینہ بھر ہونے کو آیا ہے!“

”شاکر بیچ میں کہاں سے آ گیا؟“ وہ ہنسی۔

”بس اسے آنے دے، میں نہیں کسی بھی چیز کا انتظار کرنے والی......“ انہوں نے عزم سے کہا۔ ”جس دن وہ آئے گا، اس سے اگلے دن میں تجھے اس کے سنگ رخصت کر دوں گی!“

”اسی دن کیوں نہیں اماں؟“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”اگر تو اتنی اتاؤلی ہو رہی ہے تو اسی دن کر دوں گی!“ ماں کے مصنوعی غصے پر وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ تصور میں وہ دن آنے لگا تھا، جب وہ رخصت ہو کر شاکر کے ہاں جائے گی۔ اس سے شاکر کی بے چینیاں بھی نہ چھپی تھیں مگر اماں نے خود ہی تو اس کے سامنے گھر میں دو کمرے بنانے کی بیخ ڈال دی تھی۔ انہیں تو ایک کمرا ہی کافی تھا اور جوں جوں خاندان بڑھتا، گھر میں کمروں کا اضافہ بھی ہو جاتا تھا۔

”روٹی ڈال دے، مجھے بھوک لگ رہی ہے، آتے ہی پریشانی نے بھوک بھی اڑا ڈالی......“ کچھ سوچ کر مسکراتی زرتاج کے سپنوں کے محل کو اماں کی آواز نے گرا دیا تھا۔

☆☆☆

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ اس نے حیرت سے اس کا منہ دیکھا۔

”وہی کہہ رہی ہوں جو کہ حقیقت ہے، یہ تو ہونا ہی تھا!“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”مگر یہ کیسے ممکن ہے......“ اسے شک تھا کہ وہ غلط بیانی کر رہی ہے۔

”عورت اور مرد کے مابین تعلقات کا یہ قدرتی نتیجہ ہے، اس میں اتنی ناقابلِ یقین کیا بات ہے؟“ اس نے ابرو اچکا کر کہا۔

”مگر میں تو ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا......“ وہ ہکلایا۔ اس سے جو کچھ سرزرد ہو گیا تھا، وہ ناقابلِ یقین بھی تھا اور باعث شرمندگی بھی۔ ”کیا اس کا کچھ ہو نہیں سکتا؟“

”صاحب! یہ تو بڑی ہی عجیب بات کی آپ نے۔ اگر اس تعلق کا بوجھ اٹھانا آپ کے لیے مشکل تھا تو نہ آتے آپ یہاں اور نہ ہم سے محبت اور انسیت کا اظہار کرتے...... اس میں ہمارا کیا قصور ہے کہ ہم اپنی زندگی داؤ پر لگا دیں؟“ اس کے لہجے میں غرور تھا۔

”مگر میں اس کا متحمل نہیں ہو سکتا......“ اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

”آپ نے کیا متحمل ہونا ہے......“ وہ ہنسی۔ ”یہ بوجھ تو ہم نے اٹھانا ہے، مرد کا کیا ہے، وہ تو سب کچھ کر کے بھی آزاد پھرتا ہے......“

”تو پھر کیا چاہتی ہو تم؟“

”میری ماں کا اس عرصے میں کتنا نقصان ہو جائے گا، اس کا کچھ اندازہ کریں، میری خاطر اس کوٹھے پر آنے والوں کا ہجوم گھٹ جائے گا!“ اس نے ادا سے اپنے بال اس کے شانوں پر ڈالے۔ ”اور ایک عورت کی کیا مانگ ہو سکتی ہے، اپنے ہونے والے بچے کے باپ سے کہ وہ اسے اپنا نام دے دے...... میرے بچے کو جائز اولاد بنا دیں، اپنی اور میری!“

”مجھے کیسے یقین ہو کہ یہ بچہ میرا ہی ہے؟“ اس نے نکتہ اٹھایا۔

”کیا مطلب؟“ اس نے چتون چڑھائے۔

”ابھی تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ اس کوٹھے پر ہجوم تمہاری وجہ سے ہوتا ہے تو کیا معلوم اس ہجوم میں سے یہ کسی اور کا بھی تو ہو سکتا ہے......“

”صاحب......“ وہ غصے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ”کیا سمجھ رکھا ہے آپ نے مجھے، بکاؤ مال؟“ واپس مڑ کر وہ ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ”یہ دل صرف آپ کو دیا ہے، جو کچھ آپ ہیں اور کوئی بھی نہیں...... میرا کسی اور سے کوئی تعلق نہیں، وہ لوگ صرف میری آواز اور ایک جھلک دیکھنے کے دیوانے ہوتے ہیں اور میں...... میں آپ کی دیوانی!“ اس نے لگاوٹ سے کہا مگر قائم کے دل میں ایک گرہ سی پڑ گئی تھی۔

ایک طرف معراج نے طلاق کا مطالبہ کر رکھا تھا اور دوسری طرف یہ مسئلہ ہو گیا۔ لے دے کے اس سارے معاملے میں متاثر ہوئی تو وہ زرتاج تھی، اس کی بیٹی، جس سے اسے بہت پیار تھا، اس کی خاطر وہ سب کچھ کر سکتا تھا۔ ”اب اگر میں معراج کو طلاق دیتا ہوں تو اس صورت میں زرتاج کو معراج یا مجھ میں سے کسی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ اگر وہ معراج کے پاس چلی جائے گی تو میں اس سے کس طرح مل پاؤں گا۔ اگر میرے الماس سے تعلق کی خبر زرتاج تک پہنچی تو وہ میرے بارے میں کیا سوچے گی۔ اس بچے کو میں کس طرح اپنا نام دے سکتا ہوں...... کیا میں الماس سے شادی کرلوں مگر کیسے...... کیسے نبھاؤں گا میں اس شادی کو!'' وہ تو عجیب سی صورتِ حال میں پھنس گیا تھا، نہ تو یہ چاہتا تھا کہ زرتاج کی ماں طلاق یافتہ کہلائے اور نہ ہی وہ چاہتا تھا کہ کوئی یہ کہے کہ زرتاج کے باپ نے ایک طوائف سے تعلق کے نتیجے میں ناجائز اولاد پیدا کی ہے، نہ ہی وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ کہیں کہ زرتاج کے باپ نے کسی طوائف سے بیاہ کیا۔ ''آج تو شاید ان چیزوں یا باتوں کی کوئی اہمیت نہ ہو لیکن آنے والے وقت میں جب زرتاج بیاہے جانے کے قابل ہوگی تو یہ سوالات اس سے بار بار پوچھے جائیں گے۔ اگر میں معراج کو طلاق دوں اور زرتاج کو اس کی تحویل میں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ معراج عقدِ ثانی نہیں کرے گی تو سوتیلا باپ زرتاج کو کس نظر سے دیکھے گا۔'' ان سب باتوں نے اسے نیم پاگل سا کر دیا تھا، اس پر مستزاد الماس کا شادی کا مطالبہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، اس کی ماں بھی اس شادی اور اس بچے کو پیدا کرنے کی مخالف تھی مگر الماس کے سر پر سوار بھوت کو اتارنا مشکل تھا۔

☆☆☆

''زرتاج اگر تو تیار ہو جا تو چلتے ہیں، رابعہ بی بی شہر سے عید کرنے کے لیے آئی ہوئی ہیں، چل کر اُن کا بچہ بھی دیکھ لیتے ہیں، کوئی کام کاج ہو تو وہ بھی پوچھ لیتے ہیں اور بڑی چوہدرانی کو مبارک باد بھی تو دینی ہے......'' معراج نے اس سے کہا تو اس نے منہ بسورا، وہ اپنی چادر پر آخری آخری پھول کاڑھ رہی تھی اور چاہ رہی تھی کہ وہ جلد از جلد مکمل ہو جائے۔ ''جانے کس وقت شا کر آ جائے......'' وہ کچھ سوچ کر مسکرائی۔

''اماں آج آپ اکیلی چلی جائیں......''

''پاگل ہوئی ہے کیا...... پھر تجھے اکیلے چھوڑ کر نہیں جانے والی میں...... اور وہ جو رابعہ بی بی پوچھیں گی کہ تم کہاں ہو، کیوں نہیں آئیں تو کیا کہوں گی میں اُن سے؟'' معراج بی بی نے ناراضی سے کہا۔

''ٹھہر کر چلتے ہیں اماں پھر۔'' اس نے حامی بھری۔

''تھوڑی دیر میں شام ہو جائے گی اور اس وقت جائیں گے تو کھانے کا وقت ہو جائے گا!'' معراج نے کہا۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ بڑی چوہدرانی کسی کو کھانے کے وقت کھانا کھائے بغیر نہیں لوٹاتیں۔''

''اماں......'' وہ جز بز تو ہوئی مگر اٹھ بیٹھی۔ اس کی ماں کے جو اصول تھے وہ بھی انہی کی تقلید کرتی تھی اور بلا مقصد کسی کے گھر اس وقت نہیں جاتی تھی کہ جب کھانے کا وقت ہوتا کہ انہیں کہیں کھانا نہ کھانا پڑے اور لوگ یہ سمجھیں کہ لالچی ہیں جو عین کھانے کے وقت آ ٹپکتی ہیں۔ یوں بھی اخلاقیات کا تقاضا تو یہی ہوتا ہے کہ کسی کے گھر اس وقت نہ ٹپکا جائے، ممکن ہے کہ کسی کے پاس پیش کرنے کو اپنی ضرورت سے زائد کھانا بھی نہ ہو اور اسے بھی احساسِ کمتری ہو۔

دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ وہ اس چادر کے پھول مکمل کر لیتی تو اسے اوڑھ کر جاتی مگر اماں اسے اب اس سے زائد رعایت دینے کو تیار نہ تھیں۔ اس نے چادر کو سمیٹ کر ایک طرف رکھا، سوئیاں دھاگے وغیرہ بھی احتیاط سے اٹھا کر سنبھالے اور تیار ہونے کو چل دی۔ دھلا ہوا جوڑا پہنا، آنکھوں میں سرمے کی ایک ایک سلائی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹاکر بالوں کی چٹیا بنا کر وہ تیار تھی۔ اتنی سے تیاری سے ہی وہ اتنی خوب صورت لگنا شروع ہو گئی تھی کہ عام لڑکی رسنگھار کر کے بھی نہیں لگتی۔

بڑی سی چادروں میں خود کو لپیٹے، دونوں ماں بیٹیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی حویلی پہنچیں۔ حویلی کے باہر ہی عراج کسی سے بات کرنے کو رک گئی اور اس نے زرتاج کو اشارہ کیا کہ وہ گلی میں نہ کھڑی ہو بلکہ اندر چلی بائے، اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور چل دی۔ دروازے سے داخل ہوتے ہوئے وہ کسی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی، وہ جو کوئی بھی تھا، بہت جلدی میں تھا، اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور دیکھتی رہ گئی، کالی پگڑی والے س شخص کو وہ اتنی آسانی سے کیسے بھول سکتی تھی...... بلاشبہ وہی تھا جسے اس کے ساتھی فیضی کہہ کر بلا رہے تھے۔

وہ سیدھی رابعہ کے کمرے کی طرف چلی، عابدہ بیگم بھی وہیں تھیں۔ اس نے دونوں کو سلام کیا اور ٹلقاریاں مارتے عمران کو اُن کی گود سے اٹھالیا۔ ''بہت پیارا ہے ماشاءاللہ......'' اس نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔ ''آپ ٹھیک ہیں آپی؟'' اس نے رابعہ سے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، تم سناؤ......؟'' وہ مسکرائی۔

''آپ کی صحت تو شہر جا کر بہت اچھی ہو گئی ہے!'' زرتاج نے کہا۔ ''لگتا ہے کہ شہر کی آب و ہوا آپ کو اس آ گئی ہے، میں تو جب بھی شہر جاتی ہوں بیمار ہو جاتی ہوں اور دل بھی نہیں لگتا۔''

''مجھے تو شہر بالکل پسند نہیں آیا، مجبوری سے رہ رہی ہوں...... اور صحت تو......'' وہ کچھ کہتے کہتے رکی، رتاج نے استفہامیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ ''پھر سے خوش خبری کی وجہ سے ہے!''

''ابھی تو یہ بہت چھوٹا ہے آپا......'' زرتاج کے منہ سے نکل گیا۔

''مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ تمہاری اماں سے ڈانٹ پڑے گی مگر مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم بھی اب استاد وچکی ہو!'' وہ ہنسی۔

''میں کب استاد ہو سکتی ہوں، ابھی تو سیکھنے کے مراحل ہیں البتہ اس خیال سے کہا کہ عورت کی صحت اور ادھیڑ مری کی بہت سی تکالیف سے بچنے کے لیے بچوں کی پیدائش میں وقفہ ضروری ہے!'' اس نے سمجھ داری سے کہا۔

''ارے میں تو خود کہتی تھی کہ ذرا وقفہ ہوتا، اس غریب کو پیٹ بھر کر ماں کا دودھ پینا نصیب ہوتا مگر جو اللہ کی رضا!'' عابدہ بیگم نے بھی کہا۔ ''اچھا تم دونوں بیٹھو، میں ذرا باقی کام دیکھ لوں۔ اور ہاں زرتاج، یہ معراج بی کہاں رہ گئیں؟''

''اماں باہر ہی کسی کے پاس کھڑی ہیں......'' اس نے ہولے سے کہا۔ عابدہ بیگم باہر نکل گئیں۔

''اور تم سناؤ، گاؤں کی کوئی نئی تازہ......'' رابعہ نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''گاؤں کی ساری نئی تازہ تو آپ نے سن ہی لی ہوں گی اب تک!'' اس نے مسکرا کر کہا، یکدم وہ خاموش ہوئی اور بیرونی دروازے کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے زرتاج، کوئی بھی بات ہے تو کہو، اس طرف کوئی نہیں آتا!''

''آپ سے کچھ پوچھنا تھا؟'' اس نے کہا۔

''ہاں، ہاں بے فکری سے پوچھو......''

www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''آپ کے ہاں یہ فیضی کون ہے؟'' اس نے دل کڑا کر کے پوچھا۔

''فیضی...... وہ ہمارا ملازم ہے، شجاع کے ڈیرے پر ہوتا ہے......'' رابعہ نے بتایا۔ ''مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو، کچھ کہا اس نے تم سے یا کسی نے کوئی بات کی ہے؟''

''نہیں بس یونہی پوچھ رہی تھی......'' اس نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔

''کچھ تو ہے زرتاج کہ جس کی پردہ داری ہے......'' رابعہ کو تجسس ہوا۔

''کوئی ایسی خاص بات نہیں، بس یونہی ہی پوچھا ہے!'' زرتاج نے ٹالنا چاہا مگر وہ رابعہ ہی کیا جو اس کی جان چھوڑ دیتی، بار بار اصرار کر رہی تھی مگر اس سے پہلے کہ وہ زرتاج سے کچھ اگلواتی، معراج بی بی آگئیں اور انہوں نے اندر آتے ہی بلند آواز سے مبارک باد دے کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔ زرتاج نے سکھ کی سانس لی کہ اس کے منہ سے بات نکلی تھی تو جان چھڑانا محال ہو رہا تھا اور رابعہ دل ہی دل میں جز بز ہوئی کہ معراج بی بی کچھ دیر اور نہ آئیں تو وہ زرتاج سے وہ بات اگلوا لیتی جو وہ چھپا رہی تھی۔

☆☆☆☆

ناہید اور اس کی بیٹی، دونوں ہی بہت کمزور تھیں، ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ ناہید کو خون کی کمی بھی تھی اور بچی پیدائشی طور پر یرقان میں مبتلا، اس لیے ان دونوں کو کچھ دن کے لیے اسپتال میں رکھنا پڑا۔ بچی کمزور تھی اور اسے دودھ پینے میں بھی دقت ہوتی تھی۔ اسپتال میں ہی ایک آیا نے بتایا کہ کوئی بچہ مل جائے جو کہ اتنا بڑا ہو کہ دودھ ٹھیک ٹھاک پی سکتا ہو اور اسے ناہید دودھ پلائے تو ناہید کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور بچی بھی دودھ پینا شروع کر دے گی۔ سلمیٰ نے اسی آیا کی مٹھی میں ایک نوٹ دبایا اور اسے کہا کہ اسپتال میں ہی اسے اگر کوئی ایسا بچہ مل جائے تو اسے ذرا کی ذرا لے آئے۔ شام تک آیا واپس نہ لوٹی، ناہید کی تکلیف حد سے بڑھ گئی۔ ڈھونڈتی ڈھانڈتی سلمیٰ جب آیا کے پاس پہنچی اور اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا۔

''کافی لوگوں سے پوچھا ہے باجی...... مگر کوئی اپنا بچہ دینے کو تیار ہی نہیں، انہیں لگتا ہے کہ کسی کا دودھ پی کر اُن کا بچہ بیمار نہ ہو جائے......'' آیا نے بتایا۔

''لو بھلا، بچہ کیوں بیمار ہوگا؟'' سلمیٰ حیران ہوئی۔

''میں اور آپ بھی اُن کی جگہ ہوتے باجی تو شاید یہی سوچتے!'' آیا نے کہا۔

''مگر اب کیا ہوگا، ناہید کی تکلیف تو ناقابلِ برداشت ہو گئی ہے''۔ سلمیٰ کے لہجے میں فکرمندی تھی۔

''میں دیکھتی ہوں، جب سب لوگ سو جائیں گے تو کسی کا بچہ اٹھا کر لے آؤں گی!'' آیا نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''اس طرح تو یہ چوری ہوئی اور پکڑ لیے جانے کا خوف بھی رہے گا......'' سلمیٰ کو یہ تجویز پسند نہیں آئی تھی۔

''تو پھر اپنے خاندان، گلی، محلے یا آس پڑوس میں کہیں پتا کرواؤ!'' آیا نے تجویز دی تو سلمیٰ کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ تب سلمیٰ نے سعید سے کہا کہ وہ گھر جا کر شاکر سے بات کرے اور اگر وہ مان جائے تو شاکر کی بچی کو لے آئے۔ سعید متذبذب تھا، سلمیٰ نے اسے اصرار کر کے بھیجا اور واپسی پر شاکر اور وہ بچی کو لے آ گیا، سعید بچی کو خود تو نہیں لا سکتا تھا اسی لیے شاکر ہمراہ آیا تھا اور اسے اس بات پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔

وہ بچی جس کا ابھی کوئی نام تھا نہ پتا...... اسے اپنی زندگی میں پہلی بار اتنی فراوانی سے تحفے کی صورت میں دودھ ملا تھا۔ اس کا پیٹ بھر گیا، ناہید کی تکلیف دور ہوئی اور ناہید کی نوزائیدہ کی مشکل بھی حل ہو گئی۔

☆☆☆

کلثوم کو کام پر بھیج کر اس کا سازشی ذہن منصوبہ بندی کرنے لگا کہ کس طرح وہ اس نئی مصیبت سے جان چھڑوائے۔ اچھی بھلی اسے مفت کی نوکرانی مل گئی تھی، جو نہ صرف اس کا کام کاج کرتی تھی بلکہ اس کا مفت میں روٹیاں توڑنے کا شغل بھی پورا ہو جاتا تھا۔ نشے کی عادت پوری کرنے کے لیے تو وہ چوہدریوں کی جوتیاں سیدھی کر کے بخشش بنا لیتا اور اس سے اپنی لت پوری کر لیتا تھا مگر پکی پکائی روٹی، آرام دہ بستر اور بیوی کا سکون...... یہ سب تو اسے مفت میں ہی ملا تھا۔ سر جھکائے دن بھر وہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتی تھی، چوہدریوں کے گھر کے کام کر کے آنے کے بعد اپنے گھر کا کام بھی وہ دل جمعی سے کرتی تھی۔

اب اس کی باتوں سے اسے بغاوت کی بو آ رہی تھی، وہ چاہ رہی تھی کہ اب اس کا شوہر کام کرے اور وہ بستر پر آرام کرے، بچے پیدا کرے۔ کام کرنے کے نام سے ہی اسے موت پڑتی تھی اور اگر یہ بستر پر پڑ گئی تو ورنہ اسے کام کرنا پڑے گا۔ نہ یہ بچے کا جھنجھٹ ہو، نہ یہ بستر پر پڑے اور نہ ہی اس کی زندگی مشکل ہو...... کہیں سے کچھ ایسا مل جائے کہ یہ بچہ دنیا میں آنے سے بہت پہلے ہی ختم ہو جائے!''

''اگر میں اسے طلاق دے دوں تو......'' اس نے حقے کا گہرا سا کش لگایا۔'' اس صورت میں تو میں ہی کھانے سے محروم ہو جاؤں گا۔'' اس نے خود ہی اپنے خیال کی نفی کی۔ ''ٹھکانے کا کیا ہے، کہیں بھی پڑ کر سو جاؤں گا، کم از کم مجھ پر کوئی بوجھ تو نہ ہوگا......'' اس نے خود ہی جواب سوچ لیا۔ ''مگر روٹی کہاں سے کھاؤں گا؟'' اگلا خیال اس سے بڑھ کر پریشان کن تھا۔ ''میرا خیال ہے کہ خالی خولی طلاق کی دھمکی سے بھی کام بن جائے گا......'' اس نے خود کو تسلی دی۔

''بچے کا وجود نہ ہوگا تو سب کچھ اسی طرح ٹھیک چلتا رہے گا......'' اس نے سوچا۔ ''مجھے اس بچے کا کچھ کرنا ہوگا، جو ابھی دنیا میں آیا بھی نہیں اور میرے لیے مسائل کھڑے کر دیے ہیں۔'' یہی سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا، اپنے گاؤں کی دائی تو اس طرح کے کام کرتی ہی نہ تھی، اس کے لیے اسے کس کے پاس جانا ہوگا، اسے معلوم تھا۔ اپنے کام کے لیے تو اسے پہلی بار اس کا خیال آیا تھا مگر دوسروں کے اس طرح کی خدمات اس نے زندگی میں بہت دفعہ کی تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ دوا کی پانچ خوراکیں اس کا کام کرنے کو کافی ہوں گی!

☆☆☆☆

ایک بار ذرا سا پاؤں پھسلے تو انسان کنویں میں جا گرتا ہے اور پھر سو چھلانگیں لگائے تو باہر نہیں نکل سکتا...... یہی معاملہ قائم علی کے ساتھ ہوا تھا، وہ جس کنویں میں گر گیا تھا اس میں سے نکلنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ اس نے سکون کی تلاش میں جہاں پناہ ڈھونڈی تھی، وہاں اس کے لیے عذاب تیار تھا۔ اس سے کتنا بڑا گناہ سرزد ہو گیا تھا، وہ وہاں جانے سے کترانے لگا مگر اسے یہ پریشانی بھی لاحق تھی کہ اس کی اولاد ایک طوائف کے بطن سے جنم لے گی۔ اگرچہ اس کے دل میں شک کا ناگ کلبلاتا رہتا تھا مگر الماس نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر اسے یقین دہانی کروائی تھی کہ اسے قائم علی کے سوا آج تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

قائم علی کو خود پر شرمساری محسوس ہوتی کہ وہ اس حد تک گر گیا تھا...... اگر وہ الماس سے نکاح کر بھی لیتا تو کیا وہ بچہ جائز کہلاتا؟ یہ سوال اسے پریشان کرتا، وہ ایسا انسان تو نہ تھا تو پھر کیوں اس دلدل میں گر گیا۔ اس کا ذہن الماس سے شادی کرنے کو نہیں مانتا تھا اور اس کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ جہاں آرا بھی بیٹی کو سمجھا سمجھا کر تھک ہار چکی تھیں کہ اس بچے کو ختم کر دے جو اس کے پیشے کی راہ میں رکاوٹ ہے اور شادی کا خیال دل سے نکال دے۔

''اگر تم زیادہ مجبور کرو گی اماں تو میں اپنے آپ کو ختم کر لوں گی، سن لو میری بات اور جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ کر کے بھی دکھاؤں گی!'' اس نے صاف الفاظ میں ماں سے کہہ دیا۔ ''اور اگر تم مجھے شادی کی اجازت نہیں دو گی تو بھی میں کہیں چلی جاؤں گی...... تم پچھتاؤ گی ماں اس وقت کو!''

''یہ جادو جب چڑھتا ہے تو اسی طرح سر چڑھ کر بولتا ہے......'' جہاں آرا نے کہا۔ ''جب یہ غبار اترے گا تو میں بتا رہی ہوں کہ تم بہت پچھتاؤ گی۔''

''بس اماں اور کچھ ہو نہ ہو میرے پاس اپنے بڑھاپے کے لیے کوئی آسرا تو ہوگا......'' اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔ ''تم نے بھی تو مجھے تیار کر رکھا ہے نا۔ آخر اپنے بڑھاپے کے سہارے کے لیے!''

''بدبخت میں نے تیری طرح گلے میں شادی کا طوق نہیں ڈالا تھا، یہ طوق طوائف کو جچتا ہے نہ قائم رہتا ہے!'' جہاں آرا نے اس کے لتے لیے، اس کے یوں کہنے سے اسے غصہ آ گیا۔

''رہے گا قائم اماں، رکھنا چاہو تو سب قائم رہتا ہے اور نہ رکھنا چاہو تو......''

''بک بک کیے جائے گی مسلسل...... سمجھنے کی کوشش نہیں کرے گی!'' جہاں آرا نے آہستہ آہستہ اپنے لہجے کے غصے پر قابو پایا کہ اسے سمجھانے میں غصہ کیا تو وہ بالکل ہی الف ہو جائے گی۔ ''تیرے بڑھاپے کے آسرے کو ہی یہ ساری لڑکیاں بھانت بھانت کی اکٹھی کی ہیں میں نے، ساری تجھے ہی بڑا سمجھتی ہیں......''

''بس رہنے دے اماں تو ان لڑکیوں کو......'' اس نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ ''میں اپنی اولاد پیدا کروں گی!'' اس کا لہجہ اٹل تھا، جہاں آرا کے پاس سر پکڑ کر بیٹھنے کے سوا چارا کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں...... ہر وقت خیالوں میں اسی پیکر کو دیکھتی اور اس سے ملنے کو تڑپتی، ملنے کو بھی نہیں، ایک جھلک دیکھنے کو۔ اب وہ اچانک سامنے آ گیا تو وہ پوری کی پوری لرز رہی تھی۔

''سلام چوہدری صاحب!'' اس نے ہمت کر کے کہا تھا۔

''وعلیکم......'' اس نے جواب دیا۔ ''کون ہو تم؟'' وہ بھی اس کے ان چھوئے حسن کو دیکھ کر پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

''مم...... میں، وہ میں رانی ہوں جی!'' وہ ہکلا کر بولی۔

''کس کی بیٹی ہو اور یہاں کس لیے آئی ہو؟'' اکبر نے پوچھا۔

''میں جی اقبال ترکھان کی بیٹی ہوں!'' اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

''کس گاؤں کی ہو......؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''جی ہم مہاجر ہیں...... ابھی تھوڑا عرصہ پہلے ہی اس گاؤں میں آئے ہیں، بھٹے پر کام کرتے ہیں اور کبھی کبھار کھیتوں میں بھی!'' اس نے بتایا۔

''کس کے کھیتوں پر کام کرتی ہو؟'' اکبر علی نے فوراً پوچھا۔

''آپ کے کھیتوں پر جی...... اس روز آپ کو سانپ نے ڈسا تو میں وہیں پر تھی، میں نے ہی چیخ چیخ کر سب کو بلایا تھا اور......'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''اِدھر کیا کر رہی ہو؟'' یہ جگہ گاؤں سے ذرا ہٹ کر تھی اور اسی طرف اکبر اور اس کے بھائیوں کے ڈیرے تھے۔

''وہ میں......'' وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کہے۔ ''میں آپ کو دیکھنا چاہتی تھی، آپ کی خیریت معلوم کرنا چاہتی تھی!''

''اوہ! بہت شکریہ تمہارا......'' اکبر علی سمجھ گیا تھا کہ یہ وہی لڑکی تھی جس نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا تھا اور پریشانی میں چیخ چیخ کر سب کو خبردار کیا تھا۔ ''تم وہی ہو جس نے میری جان بچائی تھی؟''

''جان بچانے والا تو اللہ ہے، میں کون جی! ہم تو آپ کے خادم ہیں......''

''لیکن اللہ نے کوئی نہ کوئی وسیلہ تو بنانا ہوتا ہے اور میری زندگی تو اللہ کے بعد تمہاری دی ہوئی ہے، میں اس کے لیے تمہارا ممنون ہوں......'' اکبر علی نے کہا۔

''نہیں نہیں...... چوہدری صاحب!'' اس نے فوراً کہا۔ ''یوں نہ کہیں، ہم چھوٹے لوگ ہیں جی، ہم آپ کے احسان مند ہیں، آپ کا دیا کھاتے ہیں......''

''بھئی میں نے تو کتنے دن سے منشی صاحب سے کہہ رکھا تھا کہ تمہارا پتا کروائے۔ میں خود تم سے مل کر تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا بلکہ تمہیں شکریے کا کوئی تحفہ دینا چاہتا تھا......'' اس نے چارا پھینکنا شروع کیا۔

''سب کچھ آپ ہی کا تو دیا ہوا ہے، تحفے کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اسے چوہدری صاحب مل گئے تھے، نگی نے تو اس کے ساتھ آنے سے صاف انکار کر دیا تھا، ایک لحاظ سے اچھا ہی ہوا کہ وہ ہوتی تو اس طرف آنے کو ہرگز نہ مانتی۔ اس روز اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ اس طرف آ گئی تھی، راستے بھر وہ دعائیں مانگتی ہوئی آئی تھی کہ چوہدری اکبر علی اسے مل جائیں۔

''تحفہ دینا تو احسان مندی کا اظہار ہوتا ہے اور ہمیں اس سے محروم نہ کرو......'' اس نے لجاجت سے کہا۔

''میں اس قابل کہاں سرکار......'' اسے لگا کہ اس کے پاؤں زمین سے بلند ہو گئے ہیں اور وہ دوسروں سے کہیں اونچی ہو گئی ہے۔ ''آپ نے کہہ دیا، سمجھیں ہو گیا!''

''تو کیا تم سمجھ رہی ہو کہ ہم یونہی جھوٹی بات کر رہے ہیں یا ہماری سکت نہیں کہ تمہیں تحفہ دے سکیں؟'' اکبر علی کے لہجے میں برہمی تھی۔

''نہیں سرکار...... میری اتنی مجال کہاں کہ ایسی بات سوچوں!''

''تو بس پھر ہمیں اپنے گھر کا پتا بتاؤ، ہم وہاں تحفہ لے کر آئیں گے تمہارے لیے......''

''میرے گھر پر؟'' اس نے خوف زدہ ہو کر کہا۔ ''نہیں سرکار، وہاں آپ کیا آئیں گے، وہ تو آپ کے لائق ہی نہیں!''

''تو پھر تم حویلی آ جانا، ہم سے اپنا تحفہ وصول کرنے!'' اکبر علی نے کہا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''حویلی؟'' وہ سوچ میں گم ہوگئی۔

''کیوں، کیا مسئلہ ہے حویلی آنے میں؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں تو آج بھی چوری چھپے آئی ہوں سرکار...... حویلی جانے کے لیے اماں سے کیا کہہ کر اجازت لوں گی؟'' اس نے اپنے دماغ میں آنے والا خیال اسے بتادیا۔

''کچھ نہ کچھ تو حل ہوگا نا، کیا تم یہاں آسکتی ہو دوبارہ؟'' اکبر علی نے جھنجلا کر پوچھا۔

''ہے تو بہت دور اور آج بھی مشکل سے آئی ہوں مگر آپ کا حکم ہو سرکار تو آجاؤں گی!'' اس نے لاچاری سے کہا، وہ اس سے ناراض ہوجائے، اسے کب گوارا تھا۔

''تو پھر کب انتظار کروں تمہارا؟'' اس نے لگاوٹ سے کہا۔

''آپ مجھے شرمندہ کررہے ہیں، میں جب بھی موقع ملا تو آجاؤں گی!'' اکبر علی نے چارا ڈال دیا تھا اور اب اپنی کامیابی پر خوش ہو رہا تھا، اسے اپنے شکار کو پھانسنے کا بھی ہنر تھا اور کب شکار کو قابو کرنا ہے، یہ مہارت بھی تھی۔ اپنی نظروں کی پیاس بجھا کر لوٹ کر جانے والی رانی واپس جاتے وقت مڑ مڑ کر اکبر علی کو دیکھ رہی تھی، جو اس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔

☆☆☆

حویلی میں اس روز عمران کی پیدائش کی خوشی میں تقریب کا سا سماں تھا، مٹھائیاں بٹ رہی تھیں، چوہدری نور علی کے گھر کے لوگوں کے سوا سارا گاؤں امڈ آیا تھا۔ لوگ مبارک بادوں کے پیغامات کے ساتھ ساتھ مختلف سوغاتیں لا رہے تھے اور جواب میں انہیں تحفے، تحائف اور مٹھائیاں وغیرہ دے کر لوٹایا جا رہا تھا۔ رابعہ کے میکے والے بھی بے شمار تحائف کے ساتھ آئے تھے۔ اپنے ننھیال اور ددھیال کا پہلا پہلا بچہ تھا اس لیے دونوں طرف کی خوشی دیدنی تھی۔

ننھا سا عمران ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا تھا، گھر کی ملازمائیں بھی ان سے لاڈ کر کر کے نہ تھک رہی تھیں، وہی ہوا جس کا ڈر تھا کہ وہ تھکاوٹ سے بیمار پڑ گیا۔ روئے ہی جا رہا تھا، چپ نہیں ہو رہا تھا۔ کسی نے کوئی مشورہ دیا کسی نے کوئی مگر عابدہ بیگم نے پیغام بھیج کر معراج دائی کو بلوا بھیجا۔ وہ نہ صرف زچہ بلکہ بچوں کے امراض کا علم بھی رکھتی تھیں۔ پیغام ملتے ہی معراج دوڑی ہوئی آئیں، زرتاج بھی ان کے ہمراہ تھی، جونہی زرتاج پر نظر پڑی رابعہ کو پھر الجھن ہونے لگی۔ معراج نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا تھا اور اسے سنبھال رہی تھیں۔ بچہ اس کی گود میں جاتے ہی چپ ہوگیا۔

رابعہ کو یاد آیا کہ دوپہر کو جب زرتاج اور معراج آئی تھیں تو اس وقت زرتاج نے کوئی ادھوری سی بات کی تھی، اس نے فیضی کا پوچھا تو رابعہ کو لگا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔ اب اسے موقع مل گیا تھا کہ وہ فارغ ہوتی اور تنہا تو اس سے پوچھ سکتی تھی کہ اس نے اس سے فیضی کا کیوں پوچھا تھا۔ رابعہ جانتی تھی کہ فیضی، شجاع کا خاص الخاص آدمی ہے۔ ممکن ہے کہ اس نے کوئی بدتمیزی کی ہو، شجاع کا سر چڑھا ملازم تھا، کچھ بھی کر سکتا تھا......

لیکن رابعہ اس حق میں نہ تھی کہ اگر اس نے زرتاج سے کوئی بدتمیزی کی ہے تو اسے نظر انداز کر دیا جائے۔

جونہی عمران سویا، معراج نے اسے رابعہ کے حوالے کیا اور جانے کی اجازت چاہی۔ عابدہ بیگم بھلا اس وقت جبکہ کھانے کی دیگیں تیار ہو چکی تھیں اور کچھ ہی دیر میں کھانا پیش کیا جانے والا تھا، انہیں کب جانے دیتیں۔ انہوں نے اصرار کر کے انہیں روک لیا۔ معراج تو کمرے سے خود بھی باہر نکل گئیں اور سب سے یہی کہا کہ وہ عمران کو تھوڑی دیر سکون سے سو لینے دیں۔ ساری عورتوں نے کمرا خالی کر دیا، زرتاج بھی اپنی چادر اوڑھتے ہوئے باہر نکلنے لگی تو رابعہ کی آواز نے اس کے قدم پکڑ لیے رابعہ نے اسے کہا کہ وہ اس کے کندھے دبا دے۔

زرتاج کو ذرا سا بھی شک نہیں ہوا کہ چھوٹی چوہدرانی کے دماغ میں کیا بات مچھلی کے کانٹے کی طرح اٹکی ہوئی ہے، جس کو دریافت کرنے کو وہ اتنی بے چین ہے کہ کچھ دن انتظار بھی نہیں کر سکتی۔ یوں بھی رابعہ کو چند ہی دن میں واپس چلے جانا تھا اور اس طرح کی بے چینی لے کر وہ شہر کس طرح جا سکتی تھی۔ زرتاج نے اپنی چادر تہہ کر کے رکھی اور رابعہ کے عقب میں کھڑی ہو کر اس کے کندھے ہولے ہولے دبانے لگی۔

''زرتاج تم سے کوئی بات پوچھنا تھی؟'' رابعہ نے سوال کیا۔

''جی پوچھیں!'' زرتاج کا لہجہ مؤدب تھا۔

''زرتاج دن کو تم نے مجھ سے فیضی کے بارے میں کیوں پوچھا تھا؟''

''یونہی......'' زرتاج نے کہا۔ ''مجھے لگا کہ میں نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے!''

''کہاں دیکھا ہے تم نے اسے، وہ تو گھر پر کم ہی آتا ہے؟'' رابعہ نے پوچھا۔

''جانے کہاں دیکھا ہے...... اور آپ کے گھر پر تو میں بھی کم کم ہی آئی ہوں، یہاں کیسے دیکھوں گی!''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

زرتاج نے کہا، وہ حیرت سے رابعہ کا منہ دیکھ رہی تھی کہ کچھ بھی نہ جانتے ہوئے وہ اس معاملے میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہی تھی۔

''اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو......'' رابعہ نے کہا۔ ''اصل میں یہ شجاع کا خاص آدمی ہے اور انتہائی خطرناک بھی، یونہی میرے ذہن میں آیا کہ کہیں اس نے اپنی طاقت کے نشے میں تم سے کوئی بدتمیزی نہ کردی ہو......''

''شجاع......؟'' زرتاج نے سوالیہ انداز میں کہا اور رابعہ کا منہ دیکھا۔

''جہانگیر سے چھوٹا چوہدری...... میرا دیور!'' اس نے بتایا۔

''تو کیا یہ اُن کا خاص آدمی ہے؟'' اس کے لہجے میں خوف کی پرچھائی تھی۔ ''پھر تو میرا خیال ہے کہ مجھے آپ کو اصل بات بتادینی چاہیے......''

☆☆☆

''امی، ہم اس کا کیا نام رکھیں گے؟'' ہاجرہ نے گود میں لی ہوئی ناہید کی نومولود بیٹی کو دیکھ کر پوچھا۔

''پھپو سے پوچھو، وہی اس کا نام رکھیں گی!'' سلمیٰ نے مسکرا کر کہا تھا۔

''پھپو کی تو مت ہی ماری گئی ہے......'' ناہید نے کہا...... ''آپ ہی رکھ دیں کوئی نام!''

''سب ٹھیک ہوجائے گا ناہید، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو!'' سلمیٰ نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

اس وقت ناہید گود میں شاکر کی بیٹی کو لیے بیٹھی تھی، جسے اس نے ایک بار دودھ پلایا تو پھر چھڑوایا نہیں کیونکہ اس کی اپنی بچی اتنی کمزور تھی کہ دودھ اس کی ضرورت سے بہت زیادہ تھا۔ بچی اتنا کم پیتی تھی کہ اگر شاکر کی بیٹی دودھ نہ پی رہی ہوتی تو اسے مزید تکلیف کا سامنا ہوتا۔

''پھر بھی پھپو، آپ نے کوئی نہ کوئی نام تو سوچا ہوگا؟'' زلیخا نے پوچھا۔

''واقعی، میں نے کوئی نام نہیں سوچا تھا......'' ناہید نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی تھی۔

''تو پھپو کیا آپ نے بیٹے کا نام سوچا تھا؟'' ہاجرہ نے معصومیت سے پوچھا۔

''نہیں چندا...... میں نے کوئی نام نہیں سوچا تھا۔''

''امی ابھی تو ماموں شاکر کی بیٹی کا کوئی نام بھی نہیں رکھا کسی نے!'' ہاجرہ نے اُن کی توجہ ایک اہم مسئلے کی طرف دلائی۔

''چلو آج ابو اور شاکر ماموں گھر لوٹ کر آتے ہیں تو کوئی نہ کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔'' سلمیٰ نے بچیوں کو تسلی دی۔ وہ دونوں تو اپنے گھر میں ان نئی گڑیاؤں کو دیکھ کر خوش ہوگئی تھیں۔ لڑکے تو اپنے کھیلوں میں مگن رہنے والے تھے، یہ لڑکیاں ہی تھیں جو اسکول سے گھر اور اس کے بعد سارا وقت گھر پر ہی گزارتیں، انہیں اللہ نے کھیلنے کے لیے کھلونے بھیج دیے تھے۔

''امی ہم اس کا نام سیما رکھ لیتے ہیں......'' زلیخا نے کہا۔ ''مجھے یہ نام بہت اچھا لگتا ہے!''

''کس کا؟'' سلمیٰ نے ہنس کر پوچھا۔

''دونوں میں سے کسی ایک کا......''

''چلو آج کچھ نہ کچھ فیصلہ کر ہی لیں، یوں بھی کافی دن ہوگئے ہیں ان دونوں کو کاکی اور ننگی کہتے ہوئے،

یسا نہ ہو کہ ان کے نام رکھ بھی لیے جائیں تو انہیں کاکی اور نکی کے ناموں سے نجات ہی نہ ملے۔'' ناہید نے کہا۔

''ہاں، آج تو ہم کچھ نہ کچھ کر کے ہی رہیں گے!'' سلمیٰ نے بھی مسکرا کر کہا۔ ''ویسے مجھے تو ربیعہ نام بھی ہت اچھا لگتا ہے......''

''واقعی بہت پیارا نام ہے!'' ناہید نے کہا۔

''چلو نام تو دونوں فائنل ہوگئے، اب شام کو دونوں مردوں سے بھی پوچھ لیں گے اور اگر انہیں بھی کوئی عتراض نہ ہوا تو پھر پرچیاں نکال کر حتمی فیصلہ کرلیں گے کہ کون سا نام کس کا ہے......''

''ٹھیک ہے امی!'' ہاجرہ اور زلیخا نے اِک آواز ہو کر کہا تھا۔

ہاجرہ اور زلیخا کے بہلانے کو تو وہ کچھ نہ کچھ ان کی گفتگو میں حصہ لیتی رہی تھی مگر وہ خود کو بھی طفل تسلیاں ے رہی تھی اور ناہید کو بھی...... وہ ان دونوں بچیوں کو دیکھتی تو اس کا دل کٹ کٹ جاتا اور وہ سوچتی کہ ان بے پاریوں کے نصیب کیسے ہیں۔ ایک کی ماں چل بسی تھی اور دوسرے کے باپ کو اس سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ خود ھی دکھ آشنا تھی، سلیم کی جواں موت کا دکھ اس کی ہڈیوں میں سرایت کر گیا تھا۔

ایک بیٹے اور دو بیٹیوں پر مشتمل ان کا مکمل خاندان تھا، پھر جانے کس کی نظر کھا گئی ان کے آشیانے کو کہ ن کے بیٹے نے حرام موت سے خود کو ہمکنار کر کے انہیں ہمیشہ کے لیے دکھ میں مبتلا کر دیا۔ وہ اس کی موت کا لھ فرید اور ولید کو پا کر بھی نہیں بھول پائی تھیں۔ دونوں میاں بیوی اکثر تنہائی میں اس دکھ کو پھپولتے اور ایک وسرے سے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے مگر کوئی جواب نہ پاتے۔

دل کی بند شریانوں کو کھولنے کا نسخہ

دو عدد گلاب سرخ جو دیسی ہوں وہ لیں۔ تین یا چار سیاہ مرچ، ایک عدد چھوٹی الائچی۔ گلاب کی پتیاں الگ کرلیں اور دھو کر فریج میں رکھ دیں۔ صبح فجر کی نماز کے بعد ان پتیوں پر اول و آخر تین بار درود شریف، سات بار سورۂ فاتحہ اور ایک سو پندرہ مرتبہ یاسلام پڑھ کر پتیوں پر دم کردیں اور بسم اللہ پڑھ کر ان پتیوں کو کالی مرچ اور چھوٹی الائچی کے ساتھ چبائیں۔ یہ عمل نہار منہ کرنا ہے۔ گلاب کی پتیوں کو اسی طرح چبائیں جیسے پان کھاتے ہیں۔ تھوکیں نہیں اور جس طرح پان کھالیتے ہیں اسی طرح اس کو بھی کھالیں۔ یہ عمل پورے ایک ماہ کرنا ہے۔ یعنی روزانہ صبح نہار منہ دو دیسی گلاب کی پتیاں، تین سیاہ مرچ اور ایک چھوٹی الائچی کے ہمراہ چبا کر کھانا ہے۔ اس کے کھانے سے کسی قسم کا کوئی نقصان ہرگز نہیں ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کے سائڈ افیکٹ...... انشاءاللہ بند شریانیں کھل جائیں گی اور دل کے آپریشن سے نجات مل جائے گی۔

ایک ماہ بعد ڈاکٹر سے مکمل چیک اپ کروالیں اور تمام ٹیسٹ کرواکے دیکھ لیں کہ شریانیں بند ہیں یا کھلی ہوئی ہیں۔ صحت یابی کی سند ملنے کے بعد شکرانے کے نفل ضرور پڑھ لیں۔ جتنے پیسے آپ کے آپریشن میں خرچ ہونے تھے اس کے آدھے پیسے سے کسی غریب کی مدد کردیں۔ آپ کو دلی طمانیت بھی محسوس ہوگی۔

مرسلہ: مسز محمد طارق، نیو کراچی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسی لیے اس نے شاکر کی بیٹی کو دیکھ کر منہ برا بنایا تھا نہ اس کی آمد پر ناگواری کا اظہار کیا تھا، اگر وہ کسی کے دکھ کا درماں کر سکتی تو اسے ہی سکون ملتا۔ اسی لیے اس نے آہستہ آہستہ اس بچی کی ذمے داری خود اٹھالی تھی اور ناہید کے ہاں بیٹی کی ولادت کے دوران ہونے والے مسئلے کی وجہ سے اس معصوم کو ماں کے وجود کی حرارت نصیب ہوگئی تھی۔

پہلی بار انور سے مل کر آنے کے بعد تو سعید بہت مایوس تھے کہ اس کے گھر میں اس کی بھاوج کا سکہ چلتا تھا اور اس نے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ قطعی ناہید کو واپس نہیں لانا چاہتے۔ پھر بھی موقع پا کر سعید نے انور پر واضح کر دیا تھا کہ اس حالت میں طلاق موثر نہیں ہوتی جبکہ انور کا کہنا تھا کہ اس نے اپنے مولوی صاحب سے معلوم کیا تھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ طلاق موثر ہو جاتی ہے اور اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ تاہم اس مسئلے کو اختلافی جان کر زیادہ بحث نہیں کی گئی اور سعید نے انور کو سوچنے کا کہا تھا۔

ناہید کے گھر آنے کے بعد سعید نے دوبارہ انور کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو سلمیٰ نے لاکھ دعائیں ان کے ہمراہ کیں کہ وہ خیر کی خبر لے کر لوٹے، دن بھر وہ بے چینی سے اس کا انتظار کرتی رہی شام ڈھلے وہ لوٹا تو چپ چپ سا تھا۔ شاکر کی موجودگی کے باعث وہ کچھ نہ پوچھ سکی مگر بے چینی اس کی رگوں میں لہو کے سنگ گردش کر رہی تھی۔ صبر سے وہ رات کا انتظار کرنے لگی اور جب بچوں کو لٹا کر بچی کو سلا کر شاکر کے حوالے کر کے وہ اپنے کمرے میں آئی تو سعید بستر پر ہی بیٹھا تھا۔

''کیا رہا؟'' اس نے اس کے قریب بیٹھ کر بے تابی سے سوال کیا تو سعید کی آنکھوں کے گوشے جگمگانے لگے، سلمیٰ پریشان ہوگئی۔ ''کچھ تو بتائیں آخر بات کیا ہوئی ہے؟''

''کوئی امید نہیں رہی......'' اس نے ایک بھاری سا لفافہ سلمیٰ کی طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''اس نے پہلے سے طلاق نامہ تیار کروا رکھا تھا!'' سعید نے جی کڑا کے کہا تو سلمیٰ کا دل دھڑ دھڑانے لگا۔

''آپ نے بتایا اسے کہ اس کی بیٹی پیدا ہوئی ہے؟''

''اس سے کیا فرق پڑنا تھا، وہ میرے سامنے ہی نہیں آیا اور اس کی بھاوج نے مجھے شربت دیا تو ساتھ ہی ٹرے میں رکھ کر یہ لفافہ بھی رکھ دیا، میں تو حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا!''

''پھر؟'' اس نے فوراً سوال کیا اس سے سعید کا سانس لینے کو رکنا بھی برداشت نہ ہوا۔

''کہنے لگی، انور کہیں گیا ہے اور یہ لفافہ اس نے ڈاک سے بھجوانا تھا اب تم آگئے ہو تو خود ہی لیتے جاؤ۔'' سعید نے کتنی تکلیف سے اتنی سی بات کی تھی۔ ''میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو کہنے لگی، طلاق نامہ۔ بسانا ہی نہیں ناہید کو......'' اس کی آواز بھرانے لگی، سلمیٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اس کے قریب ہو بیٹھ گئی، اس کی دل جوئی کرنے کو۔

''ہمت سے کام لیں آپ...... اگر آپ اس طرح کریں گے تو ناہید کو کون سنبھالے گا؟''

''میری بہن کا کوئی قصور تو بتاتے......'' اس کی آواز روہانسی ہو رہی تھی۔

''ہم ایک دفعہ جا کر خود انور سے بات کریں گے، اس کی بھاوج تو یوں ہی بدزبان سی عورت ہے، ا

www.paksociety.com

تو بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے......'' سلمیٰ نے اسے دلاسا دیا۔

''میں شربت پیے بغیر اٹھا اور باہر نکلا، جانے کیوں میں نے اس گھر کے دروازے سے باہر نکلتے وقت مڑ کر دیکھ لیا......'' سعید نے بتایا۔ ''مڑ کر دیکھنے سے تو انسان پتھر کا ہو جاتا ہے نا، قصے کہانیوں میں؟''

''کیا مطلب؟'' سلمیٰ سمجھی کہ پریشانی میں اس کا شوہر بہکی بہکی باتیں کرنا شروع ہو گیا ہے۔

''نہ میں مڑ کر دیکھتا، نہ میں پتھر کا ہوتا......'' سعید کے آنسو اس کی آنکھوں کے بند توڑ کر بہہ نکلے۔ ''وہ بد... بیٹھک کے ساتھ والے کمرے کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا، مجھے باہر نکلتے دیکھ کر وہ سمجھا کہ اب ... مزید چھپنے کی ضرورت نہیں......'' سلمیٰ نے اسے تسلی دی مگر اس کا اپنا دل یہ سب سن کر کٹ رہا تھا۔ ناہید ... کی بہت لاڈلی نند تھی اور سلمیٰ کے لیے اس کا وجود بالکل بہنوں کی طرح تھا۔ ناہید نے بھی اس کی خدمت کی ... اچھے برے وقتوں میں اسے سنبھالا دیا تھا، اس کے بچوں کو ماں کی طرح سنبھالا تھا۔ اس کے دکھ پر اسے ... سے تکلیف تھی، اسے ناہید اپنی ہاجرہ اور زلیخا جیسی ہی لگتی تھی، اس کے ساتھ اس طرح کا حادثہ ہونا ان سب ... لیے تکلیف دہ تھا...... مگر اس نے ابھی تک ناہید سے یہ بات چھپا رکھی تھی اور سعید کو بھی منع کر دیا تھا۔

ناہید کو اپنے بھائی کے چہرے پر پریشانی تو نظر آ رہی تھی... مگر یہ بھی اچھا تھا کہ اسے یہ علم ہی نہیں تھا کہ ... کا بھائی اس کے شوہر کے پاس جھولی پھیلا کر اپنی بہن کی خوشیوں کی بھیک مانگنے گیا تھا اور خالی دامن بھی ... لوٹا تھا، اپنے ساتھ اپنی بہن کی شادی شدہ زندگی کے خاتمے کا بھیانک انجام لے کر آیا تھا۔

☆☆☆

''خالہ، میری طبیعت سویرے سویرے بہت خراب رہتی ہے، اس کا کوئی علاج بتائیں......'' جہانداد کو ... ناخواستہ ناشتا دے کر گھر سے نکلی تو سوچا کہ معراج سے پوچھتی جائے گی اور اگر کوئی دوا ہوئی تو لے لے گی ... کل صبح پھر اس کی طبیعت ٹھیک نہ ہو تو لے لے گی۔

''اللہ تعالیٰ عورت کو جب اتنے بڑے مرتبے پر فائز کر رہا ہوتا ہے اور جنت اس کے قدموں تلے لا رہا ہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ تھوڑی بہت تکلیف کو ہنس کر جھیل لے اور اس کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے مرتبے کے قابل سمجھا......'' معراج بی بی نے حسبِ عادت اسے تفصیل سے سمجھایا۔

''مگر سویرے سویرے اٹھ کر گھر کا کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے خالہ!'' اس نے بتایا۔

''اگر کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تو نہ کیا کرو کام، ذرا طبیعت سنبھل جائے تو کام کر لیا کرو!''

''مگر میرا دل عجیب عجیب چیزیں کھانے کو چاہتا ہے......''

''بعض عورتیں اس حالت میں طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر فضول عادتیں اپنا لیتی ہیں مثلاً مٹی چاٹنا، ... کلے کھانا اور املی وغیرہ...... یہ سب چیزیں آنے والے بچے کے لیے نقصان دہ ہیں!''

''توبہ ہے خالہ، اس طرح کی چیزیں کیسے کوئی کھا سکتا ہے؟'' اسے تو یہ سب سن کر ہی کراہت آئی تھی۔

''ارے بیٹا، میں کون سا اپنے پاس سے بات بنا رہی ہوں، جو دیکھا اور سنا ہے، وہی بتا رہی ہوں!'' ... ج بی بی نے برا منایا۔

''نہیں خالہ، میں یہ تو نہیں کہہ رہی، میں تو یہ سوچ کر ہی متلی محسوس کر رہی ہوں کہ اس طرح کی چیز کیسے کھا

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکتا ہے کوئی؟'' اس نے فوراً گھبرا کر وضاحت کی۔

''اماں آپ نے تو اس بے چاری کو ڈرا ہی دیا ہے......'' زرتاج نے دخل اندازی کی۔ ''اچھا تو بتا کلثوم، جب تو نے گھوٹو......'' اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ ''میرا مطلب ہے جہانداد کو علم ہوا کہ وہ باپ بننے والا ہے تو وہ خوش تو ہوا ہوگا؟''

''خوش......'' اس نے سینے کی گہرائی سے ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ''وہ تو اس بات پر غصے میں آ گیا اور کہنے لگا کہ اس کو ختم کرواؤ......''

''دماغ ٹھیک ہے اس کا؟'' معراج بی بی کو غصہ آنا لازم تھا۔ ''شکر نہیں کرتا کہ ایسی چاند جیسی بیوی ملی اور پھر اس بدبخت کو منہ بھی لگاتی ہے، گھر بیٹھے روٹیاں توڑنے کا چسکا بھی پورا کرتا ہے اور نشے کی عادت بھی، اس کے باوجود اگر اسے اللہ تعالیٰ اولاد دے رہا ہے تو ناشکری کرتا ہے وہ!''

''میں نے اس سے کہا کہ میں کام نہیں کر سکتی تو اس نے کہا کہ پھر اس سے نجات حاصل کرلو......''

''تم نے اس سے کہا نہیں کہ کام کرنا اور کما کر کھلانا مرد کا کام ہے؟'' زرتاج نے بھڑ کر کہا۔

''کہا تھا......اور اسی بات پر تو اس کو اتنا غصہ آیا، اسے بھلا کب کام کرنے کی عادت ہے!'' کلثوم نے مایوسی سے کہا۔ ''اس لیے میں نے تو یہی سوچا ہے کہ اسے کام کرنے کا نہ کہوں، خود ہی کام کرلوں جب تک ہمت ہے۔ آخر جس جی نے آنا ہے اس کی بھی تو کئی ضرورتیں ہوں گی، جہانداد تو اس قابل نہیں ہے کہ......''

''کس قدر گھٹیا اور ناقدرا انسان ہے، میرا تو دل چاہتا ہے کہ میرے سامنے آئے تو میں اس کو جوتے ماروں، لاؤ کبھی اس کو میرے سامنے......''

''رہنے بھی دیں اماں، آپ کیوں اتنے غصے میں آ رہی ہیں......'' زرتاج نے اماں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ ''پھر کلثوم مان گیا وہ؟'' اسے کلثوم سے معلومات لینے کا شوق ہو رہا تھا حالانکہ اس کی عادت نہ تھی یوں کن سوئیاں لینے کی۔

''ہاں پھر چپ تو کر گیا تھا!'' کلثوم نے کہا۔ ''میں نے مقابلہ بھی تو خوب دوبدو کیا تھا......''

''وہ باز آنے والا نہیں ہے، اسے جو لت پڑی ہے وہ کہاں چھوٹنے والی ہے......'' معراج نے کہا۔ ''کچھ نہ کچھ سوچ کر ہی چپ کیا ہوگا وہ اور کان دھر کر بات سنو میری، ایسا ناکارہ آدمی اپنے مفاد کے لیے دوسروں کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے، ذرا احتیاط ہی رہنا۔''

''اب آپ اسے ڈرا دیں اماں، پہلے ہی بے چاری پریشان ہے!'' معراج بی بی نے اسے دوا کی پڑیا پکڑائی اور ہدایت کی کہ رات کو سونے سے پہلے پانی میں ملا کر پی لیا کرے اور طبیعت سنبھل جائے تو اس کا استعمال چھوڑ دے۔

''اور ہاں ذرا ہوش سے اور سنبھل کر رہنا، کہیں وہ تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے!'' معراج دائی اسے نصیحت کرنا نہ بھولی تھیں اور وہ حویلی کی طرف جاتے ہوئے راستے میں سوچ رہی تھی کہ وہ اتنی خدمت کرتی ہے جہانداد کی، اسے کما کر بھی کھلاتی ہے اور اب اس کے بچے کی ماں بھی بننے والی ہے تو پھر وہ اسے کیوں نقصان پہنچائے گا، اگر اسے شکایت ہو بھی تو اس سے ہو، اس کے لیے بچے کو ختم کرنے کی کوشش کیوں کرے گا وہ؟

☆☆☆

''کاش میں نے زرتاج کو مجبور نہ کیا ہوتا اور وہ مجھے نہ بتاتی تو مجھے اس حالت میں اتنی پریشانی نہ ہوتی۔'' رابعہ یہی سوچ سوچ کر خود کو نڈھال کیے ہوئے تھی کہ شجاع کی سرگرمیاں روز بروز خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھیں اور اس کی بری نظر سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا تھا۔ گاؤں کی کوئی بھی نوجوان اور جوان لڑکی اس کا شکار ہو سکتی تھی اور ان کے خاندان کے لیے مسائل کھڑے ہو سکتے تھے۔ کہاں باؤ جی اور جہانگیر کی شرافت اور نیک فطرت کے گن گانے والے لوگ اور کہاں شجاع کی بدنظروں سے اپنی بیٹیوں کو بچانے کے لیے کوشاں......

''اگر اس طوفان کو نہ روکا گیا تو یہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔'' زرتاج کے خاندان کی بابت وہ جانتی تھی کہ وہ کہیں سے ہجرت کر کے گاؤں...... پہنچے تھے تو ان پر کسمپرسی کا عالم تھا، باؤ جی نے اس خاندان کو پناہ دی، آسرا دیا اور انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد دی تھی، ان کو اپنے پاس منشی کے طور پر ملازم بھی رکھ لیا، قائم علی بہت ایماندار منشی ثابت ہوئے تھے۔ اتنے کہ ان کے ہوتے ہوئے باؤ جی اور جہانگیر کو کسی قسم کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ وہ ان کا گاؤں کا کام بھی سنبھالتے تھے اور شہر میں کاروبار کی نگرانی بھی کرتے تھے۔

معراج بی بی ایک خاموش طبع اور اپنے کام سے کام رکھنے والی عورت تھیں، اپنے شوہر کی زندگی تک کوئی کام نہ کیا تھا اور نہ ہی گاؤں کے گھروں میں زیادہ آنا جانا تھا۔ زرتاج کو تو جیسے گاؤں میں کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ معراج بی بی اسے چھپا کر رکھتی تھیں مبادہ...... کسی کی نظر بھی اس پر نہ پڑے۔ قائم علی کا جانا تھا کہ ان کے حالات ویسے نہ رہے، چوہدری مراد علی نے تو کہا کہ وہ ان کا وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں، گھر بیٹھے ہر ماہ ان کو مخصوص رقم مل جایا کرے گی اور اناج وغیرہ اس کے علاوہ...... مگر معراج بی بی کو یہ لگا کہ انہیں بھیک دی جا رہی ہے، حالانکہ منشی قائم علی کی خدمات اس خاندان کے لیے اتنی تھیں کہ اس کا صلہ اس کی موت کے بعد بھی ادا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تب معراج نے اس ہنر کو آزمانے کا سوچا جو کہ اس کے پاس تھا۔ کچھ رقم قرض کے طور پر چوہدری مراد علی سے لی اور شہر سے اپنی ضرورت کا سامان منگوا کر اس نے کام شروع کر دیا۔ اپنی تعلیم اور تربیت کے دوران اس نے سیکڑوں زچگیاں کروائی تھیں، جن میں سے کئی پیچیدہ نوعیت کی ہوتی تھیں۔ اسے تجربہ بھی تھا اور یوں بھی اسپتالوں میں نام ڈاکٹروں کا ہوتا ہے مگر کام تو سارا نرسیں ہی کرتی ہیں۔

اس کے ہاتھ میں اللہ نے شفا بھی رکھی تھی اور اب اسے کتنے ہی برس ہو گئے تھے یہ کام کرتے ہوئے، یہی ہنر اس نے آگے زرتاج میں منتقل کیا تھا اور ساتھ ساتھ اسے پرائیویٹ طور پر تعلیم بھی دلوا رہی تھی۔ اس کے حالات موافق رہتے تو وہ اپنی بیٹی کو ڈاکٹر بناتی مگر قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے اسے کون ٹال سکتا ہے۔ زرتاج ابھی ذرتی بھی تھی اور اس نے کوئی کام ماں کے بغیر کیا بھی نہ تھا مگر معراج کو اعتماد تھا کہ اگر کوئی ایسی صورتِ حال اچانک آن پڑی تو اس کی بیٹی اس کا کام سنبھال لے گی۔ اب تو اسے بس اس کی شادی کی خواہش تھی۔

تھی تو وہ اتنی پیاری کہ اس سے شادی کے کئی امیدوار ہوتے مگر معراج بی بی اپنی بیٹی کو ایک مضبوط مستقبل دینا چاہتی تھی۔ اسے اس گاؤں میں آوارہ مزاجوں کے ٹولوں کا بھی علم تھا اور ان سے بچانے کی کوشش میں رہتی۔ شاکر اسے اچھا لگا تھا کہ اکیلا تھا اور ان کی بیٹی کے قابل بھی تھا، اس کے ساتھ سے زرتاج کو مضبوط مالی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضمانت بھی حاصل ہوتی۔ یہ سب باتیں رابعہ کے سامنے خود معراج بی بی نے بتائی تھیں۔ وہی معراج بی بی جسے کسی نے کبھی بولتے ہوئے بھی نہ دیکھا تھا، جب اپنی مجبوری سے گھر سے نکلی تو بولنا اس کی عادت بن گئی۔ شاید اس طرح وہ اس غم کو بھلانے کی کوشش کرتی تھیں جو ان کا اور زرتاج کا ایسا راز تھا، جس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ کبھی کبھار دونوں ماں بیٹیاں اس کو روتیں تو کئی راتوں کی نیند اڑ جاتی تھی معراج کی۔

☆☆☆

''لعنت ہے تم لوگوں پر......'' وہ غصے میں منہ سے کف نکالتے ہوئے بات کر رہا تھا۔ ''تین مردود گئے تھے اور اس ایک چڑیا ہی کو نہ لا سکے، مجھے تو لگتا ہے کہ تم زنخے ہو سارے کے سارے......''

''سرکار......'' فیضی گھگیایا تھا۔ ''بیچ آبادی کے دروازہ توڑ سکتے تھے نہ اسے زبردستی اٹھا کر لا سکتے تھے، ورنہ سارا گاؤں اکٹھا ہو جاتا اور ہمیں وہاں سے جان بچا کر نکلنا بھی مشکل ہو جاتا!''

''بس اپنی جان کی پڑی ہے تمہیں...... بزدل کہیں کا!'' اس نے زمین پر تھوکا۔

''سرکار میری جان تو آپ کے قدموں پر نثار......'' فیضی نے سر جھکا کر مودب انداز سے کہا۔ ''میرے سرکار کے نام پر حرف نہ آئے۔ سارا گاؤں جانتا ہے سرکار کہ فیضی آپ کی چوکھٹ کا کتا ہے، آپ کے قدموں میں بیٹھنے والا اور آپ کے ٹکڑوں پر پلنے والا......''

''بس بند کرو یہ بک بک اور خوشامد...... کتا تو دوسرے کتے کے منہ سے بھی ہڈی چھین کر لے آتا ہے اور مالک کے حکم کی تابعداری کرتا ہے!'' شجاع نے ہنکارا بھرا اور تمسخر سے اسے کہا۔

''میں ایک بار پھر کوشش کر کے دیکھ لوں گا سرکار......'' فیضی نے کہا۔ ''ورنہ سمجھیے گا کہ فیضی آپ کا کتا کہلانے کے بھی قابل نہیں!''

''رہنے دے فیضی...... نہ اتنے بڑے بڑے دعوے کر۔ بعض اوقات انسان ایسے کتوں کو بھی پال لیتا ہے جن سے اسے کوئی فائدہ نہ ہو......'' شجاع نے اس کی اتنی بے عزتی کر لی تھی کہ کوئی اور ہوتا تو ایسی نوکری پر لات مار کر دفع ہو جاتا مگر فیضی بھی ایسا گرگا تھا کہ اس کے بغیر شجاع کا گزارہ نہ تھا۔ فیضی کو اپنی اوقات کا بھی علم تھا اور اپنی حیثیت کا بھی اور وہ جانتا تھا کہ جب شجاع کا غصہ ٹھنڈا ہو گا تو وہ اس کی زبانی اور مالی تلافی کر دے گا اور فیضی اپنی ہتک عزت بھول جائے گا۔

☆☆☆

اپنے سینے میں دکھ چھپائے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے، سلمیٰ اس طرح سے ناہید کی دل جوئی کرنے میں مصروف رہتی کہ ناہید کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ اس پر کیا بیت چکی ہے۔ سعید کا خیال تھا کہ انہیں ناہید کو بتا دینا چاہیے چونکہ شرعی مسئلہ تھا اس لیے ناہید کا جاننا بہت اہم تھا کہ اسے طلاق ہو چکی تھی۔ سعید نے کچھ لوگوں سے پوچھا تھا تو ہر دو کی رائے متضاد تھیں، کچھ کا کہنا تھا کہ چونکہ وضع حمل سے قبل اس نے طلاق دے دی تھی اس لیے بیٹی کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو گئی جبکہ دوسرے مکتب کا کہنا تھا کہ طلاق کی عدت کی مدت اس وقت سے شمار کی جائے گی جب اس نے بعد میں طلاق دی ہے اور اگر اس مدت سے لے کر دوسرے فریق کی طرف سے رجوع کی کوشش نہ کی گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ تو سمجھ رہے تھے کہ جوں ہی ناہید کو بتائیں گے وہ غم اور غصے سے پھٹ پڑے گی مگر وہ پُر سکون رہی اور اس نے واضح الفاظ میں کہا کہ وہ اسے دوبارہ طلاق نہ بھجواتا تو وہ خود خلع کے لیے کوشش کرتی۔ الٹا وہ تو سعید سے اس بات پر ناراض ہوئی کہ وہ وہاں بے عزتی کروانے کیوں گیا تھا۔ ابھی تو سعید نے اسے بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ گھر میں موجود ہو کر بھی اس سے چھپا ہوا تھا اور اس سے ملا نہ تھا اور وہ بھی نہ بھائی کو بتا سکتی تھی کہ وہ اور اس کی بھاوج کیا تھے اور ان کے آپس میں کیا تعلقات تھے کہ پورا محلہ باتیں کرتا تھا۔

''اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے کوئی بہتری ہوگی ناہید!'' سلمٰی نے اسے تسلی دی۔ ''اور تمہارے بھائی کو تو جانا ہی تھا اس بچی کی خاطر کہ اسے باپ کی محرومی میں عمر نہ گزارنا پڑے۔ تم ہماری بیٹی جیسی ہو اور بیٹی کا گھر بچانے کی تو دنیا میں سارے والدین کوشش کرتے ہیں......'' سلمٰی نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''بس اب تم پریشان نہ ہو، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے!'' سلمٰی کی شفقت پا کر تو وہ بہت مطمئن تھی، اسے سلمٰی سے بڑی بہنوں اور ماں جیسی محبت ملتی تھی۔ اس وقت تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس بات پر پریشان ہوگی مگر رات کی تنہائی میں وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی...... کیا نصیب ہوتے ہیں عورت کے بھی کہ اسے ایک عورت ہی برباد کر دیتی ہے، اسے انور سے کبھی محبت ملی تھی نہ اس نے محبت ہوئی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بنے ہی نہ تھے مگر یہ دل میں کیا کسک جاگ اٹھی تھی کہ آنسو بھل بھل کر کے آنکھوں میں آ گئے تھے۔ وہ اس معصوم بچی کی قسمت پر رو رہی تھی، جس کے باپ نے اس سے ملنے، اسے دیکھنے کی تمنا کرنا تو درکنار، اس کی پیدائش کی خبر کو شاید ڈھنگ سے سنا بھی نہیں تھا۔

اپنی بیٹی کی قسمت پر آنسو بہاتے بہاتے، اس کی سوچوں میں شاکر کی بیٹی بھی در آئی، جسے وہ ماں بن کر دودھ پلا رہی تھی۔ اس کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے ماں سے محرومی لکھ دی تھی...... اسی روز ان دونوں بچیوں کے نام رکھے گئے تھے...... سیما، ماں سے محروم اور ربیعہ باپ سے......

☆☆☆

''بڑی خوش نظر آ رہی ہو رانی؟'' اگرچہ رانی اس کے ساتھ روکھا سا سلوک کر رہی تھی مگر وہ اس کے ساتھ کھیتوں پر کام کرنے کو آئی تو پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ بے دھیانی میں بات بے بات مسکراتی، یہ تو کوئی اور ہی رانی تھی، نگی کو کیا معلوم کہ اس نے اپنا سفر کن راہوں پر شروع کر رکھا ہے۔

''کیوں، خوش ہونا کوئی گناہ ہے کیا؟'' اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''ارے میری پیاری سکھی، کیوں غصے میں تپ گئی ہو؟'' وہ ہنسی۔ ''کچھ تو ہے جو مجھ سے چھپا رہی ہو......''

''اچھا، چھپا رہی ہوں تو کر لو تم جو کچھ کرنا ہے......'' اس نے اترا کر کہا۔

''چلو نہ بتاؤ، اگر تم نہیں بتانا چاہتی ہو تو......'' اس نے برا منایا۔ ''خود ہی جب پیٹ میں درد ہوگا تو مجھے بتانے کی بے چینی ہوگی!'' نگی نے کہہ کر منہ موڑا اور اپنے کام میں لگ گئی، رانی نے بھی کندھے جھٹک کر اپنا کام کرنا شروع کر دیا مگر دونوں کا دھیان کام میں نہیں تھا۔ نگی جانتی تھی کہ دنیا بھر سے بیزار رہنے والی رانی اگر خوش ہے تو ضرور اس کے پیچھے کوئی راز ہے۔ وہ دونوں تو ایک دوسرے سے کچھ بھی نہیں چھپاتی تھیں، اُن کی دانت کاٹے کی دوستی تھی، بچپن سے ساتھ تھا اور بن کہے ایک دوسرے کی بات بھی سمجھ جاتیں۔

''بوجھو تو جانیں......'' رانی بھی اس بھید کو زیادہ دیر کے لیے اپنے پیٹ میں نہیں چھپا سکتی تھی، جلد یا بدیر خود ہی پھوٹ پڑتی مگر تب تک نگی انتظار کرتی رہ جاتی؟

رانی نے بھی سوچا کہ پہلی بار تو نگی نے جانے سے انکار کر دیا تھا مگر اب کی بار وہ زبردستی اسے ساتھ لے کر جائے گی تاکہ اسے دکھا سکے کہ جسے دیکھنے کو اس کی آنکھیں تڑپتی تھیں، وہ کیسا بھلا انسان تھا اور کتنی قدر کرتا تھا اس کے احسان کی...... اتنی کہ اس سے کہا۔ ''یہ زندگی اللہ کے بعد تمہارے احسان کی وجہ سے ہے!'' ابھی وہ نگی کو اتنی باریک تفصیل نہیں بتانا چاہتی تھی مگر اشارہ دینے کو بھی بے قرار تھی۔

''میں کیا بوجھوں، کوئی اشارہ تو دے......'' وہ چڑ کر بولی۔

''تم اندازہ لگاؤ، میں بتاؤں گی کہ یہ ٹھیک ہے کہ نہیں......!'' وہ ہنسی، اس کی ہنسی آج ابل ابل کر باہر آ رہی تھی۔

''کوئی رشتہ آیا ہے تمہارا؟'' اس نے پہلا قیافہ لگایا۔

''اونہوں!'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کوئی اور اندازہ؟''

''مجھے کام کرنے دے رانی، میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں کہ اندازے لگاتی پھروں اور نہ ہی میرا دماغ پہیلیوں میں زیادہ کام کرتا ہے......'' اس نے بے پروائی سے کہا۔

''اچھا چل تجھے اشارہ دیتی ہوں۔'' رانی نے نگی کے غصے سے بھی حظ اٹھایا۔ ''میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کر کے آئی ہوں دو دن پہلے......''

''کیا، کہاں، کیسے......؟'' نگی نے یکدم کئی سوال داغے۔

''ایک ایک کر کے سوال پوچھ......'' رانی نے مسکرا کر کہا۔ ''تو بتا میں کس چیز کے لیے مری جا رہی تھی؟''

''تو ملی ہے، چوہدری اکبر علی کو رانی؟'' وہ چیخی۔ ''کہاں اور کیسے؟''

''یونہی راہ چلتے......'' وہ اصل بات چھپا گئی۔

''پھر؟'' اب نگی کے لہجے میں تجسس تھا۔ ''تو نے بتایا اس کو کہ تو کس طرح اسے دیکھنے کو مر رہی تھی؟''

''عقل کو ہاتھ مار نگی! یہ بھی کوئی بات ہے کسی سے کہنے کی؟'' اس نے اسے ڈانٹا۔

''تو پھر...... کیا ہوا ملاقات میں؟''

''اس نے پوچھا کہ میں کون ہوں، میں نے بتایا...... اور پھر یہ بھی بتایا کہ میں نے ہی اس دن چیخ چیخ کر لوگوں کو اس کی جان بچانے کے لیے بلایا تھا......''

''پھر تو اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کے نوٹ انعام میں دے دیے ہوں گے؟'' نگی نے طنز کیا۔

''نہیں، ایسا گھٹیا بھی نہیں ہے وہ......'' رانی نے اپنا غصہ قابو میں رکھا۔ ''ہاں البتہ یہ کہا کہ وہ مجھے اس روز سے ڈھونڈ رہا تھا اور......'' وہ رکی تو نگی کی سوالیہ نظروں نے اسے بات مکمل کرنے پر مجبور کر دیا۔ ''اور پھر بلایا ہے مجھے انعام دینے کے لیے......'' وہ اترائی۔

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا، اب تم حویلی جاؤ گی انعام کے لالچ میں؟''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اوہنوں...... حویلی نہیں، جمعے کو اس نے اپنے ڈیرے پر بلایا ہے اور اس دن میں اکیلے نہیں جاؤں گی، میرے ساتھ جائے گی، میری پیاری سی نگی!''

''ہرگز نہیں......'' نگی کو جیسے کسی چیز نے ڈس لیا تھا۔ ''نہ میں جاؤں گی تمہارے ساتھ اور نہ تمہیں اکیلے جانے دوں گی، باز آجا رانی...... نہ شکار ہو جانا اس چکر میں، تم نہیں جانتیں کہ چوہدری نور علی کے بیٹوں کی گاؤں میں کیا شہرت ہے......''

''لوگوں کو تو عادت ہوتی ہے، مارے حسد کے باتیں پھیلانے کی......'' رانی نے کہا تو نگی اسے دیکھ کر رہ گئی، اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ اسے ہرگز نہیں جانے دے گی اور اگر اس نے ضد کی تو وہ اس کی اماں کو بتا دے گی تاکہ وہ اسے روک لے۔ اپنی سہیلی کو وہ کیونکر کسی گڑھے میں گرتا ہوا دیکھ سکتی تھی۔

☆☆☆☆

سہیل کتاب کھولتا تو اس پر سلیم کا معصوم چہرہ ابھر آتا، وہ معصوم چہرہ جس کی معصومیت اس نے پامال کر دی اور وہ اپنے ضمیر پر اس بھیانک جرم کا بوجھ نہ اٹھا سکا۔ وہ اس کی ہر شرارت میں شریک رہتا تھا مگر اپنی جماعت میں کارکردگی کے حساب سے سب سے اوپر تھا، سہیل خود حیران ہوتا کہ وہ کس وقت اتنا پڑھ لیتا ہے کہ پہلی پوزیشن ہر بار اس کی ملکیت ہوتی ہے۔ سلیم ایک ذہین اور محنتی طالب علم تھا، سال کے آخر میں امتحانوں کے نزدیک جاکر رٹے لگانے کے بجائے وہ سال بھر ہر روز کا سبق دُہرانے اور اسے سمجھنے کا عادی تھا۔

اپنے کورس کی کتابوں کے علاوہ وہ انہی موضوعات پر کتابیں پڑھتا اور ان میں سے اپنے جوابات کے لیے حوالے ڈھونڈتا اور پرچے میں جواب میں ایسے ایسے حوالے لکھتا کہ جو اس کے استادوں نے بھی نہ بتائے ہوتے تھے۔ جماعت میں بھی وہ استاد سے کچھ بھی پوچھنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا تھا، پوری توجہ سے لیکچر سنتا اور ہاسٹل پہنچ کر یونی فارم تبدیل کرتا، کھانا کھاتا اور اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتا اور پھر اٹھ کر اس روز کے لیکچر کے اہم نکات کو اپنی کتابوں پر تحریر کرلیتا۔ اس کی کتاب دیکھنے پر اس طرح لگتی تھی جیسے دو دفعہ اس کی طباعت ہوئی ہو، کوئی دوسرا اس کو پڑھ بھی نہیں سکتا تھا، البتہ سلیم خود اسے سہولت سے پڑھ لیتا تھا۔

آہ...... کتنا پیارا سلیم...... جو اپنے خاندان اور دوستوں کو کبھی مدھم نہ ہونے والا صدمہ دے گیا، اس کے ماں باپ کا تو نقصان ہوا ہی اس کے ساتھی طالب علم اسے نہیں بھول پائے تھے اور اساتذہ اب تک اس کا ذکر بار بار کرتے تھے، انہیں اس جیسا طالب علم ہی کبھی ایسے نہیں ملا تھا استاد کو بھی اسی طالب علم کو پڑھانے کا مزہ آتا ہے جو صحیح معنوں میں علم کا پیاسا ہو، استاد کی بات کو سمجھے، جہاں سمجھ میں نہ آئے وہاں پوچھے اور سمجھ کر اپنے انداز میں بیان کرے۔

''سلیم سعید بھٹی، ایک ہی تھا......'' اس روز بھی ایک لیکچر کے دوران ان کے انگریزی کے لیکچرار نے کہا تو جماعت میں ہوتے ہوئے بھی سہیل کہیں گم ہوگیا۔ اس کے بعد استاد نے کیا کہا اسے کچھ علم نہ تھا اور گھر پہنچ کر اس نے فائنل امتحان کی تیاری کے لیے کتاب کھولی تو وہ کتاب کے صفحات پر موجود تھا، مسکراتا ہوا۔

''تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟'' وہ انجانے میں ہی بلند آواز میں چلایا تھا، اس کے کمرے کے باہر سے گزرتی اس کی ماں حیران ہو کر اس کے کمرے میں داخل ہوئیں، وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑے بیٹھا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا، کس مضمون سے اتنے تنگ ہو تم؟'' وہ اس کے پاس کھڑی تھیں۔ ''لاؤ میں سمجھاتی ہوں، جو کچھ تمہیں سمجھ میں نہیں آرہا...... پڑھائی سے یوں جان نہیں چھڑاتے بیٹا!'' اور وہ ہونقوں کی طرح اپنی ماں کا منہ دیکھ رہا تھا۔ ''چلو شاباش میرا بیٹا بہت اچھا ہے، بہت لائق اور محنتی......''

☆☆☆

''باجی مریم...... مشکل نہیں لگتا آپ کو یوں سارا دن اسکول میں ملازمت کرنا، گھر آکر بچی کو دیکھنا...... آپ کو تو جو پہلے تھوڑا بہت وقت آرام کرنے کو مل جاتا تھا، اب وہ بھی نہیں رہا!'' جینا نے پوچھا تو مریم مسکرائی۔

''واقعی، ہے تو ایسا ہی مگر...... یقین کرو کہ کبھی تھکاوٹ یا بے آرامی کا احساس ہی نہیں ہوتا!'' مریم نے ایمانداری سے کہا۔

''خوش قسمت ہیں آپ کہ آپ کی بہن نے آپ کو یہ بچی دے دی اور یہ بچی اس سے بڑھ کر خوش قسمت ہے کہ جسے اللہ نے آپ جیسی ماں عطا کردی......'' جینا نے کہا۔ ''اپنے گھر میں تو شاید اس بچی کو اتنی توجہ اور اتنا پیار نہ مل سکتا، سائرہ کے تو آپ نے بتایا تھا کہ اور بھی بچے ہیں!''

''ہاں سائرہ باجی کے اور بچے تو ہیں لیکن اس بچی کے وجود کو میں اپنے لیے خوش قسمتی کا باعث سمجھتی ہوں!'' مریم نے گود میں سوئی ہوئی گڑیا کا ماتھا چوما۔ ''اس کے آجانے سے مجھے اپنی زندگی کا کوئی مقصد نظر آنا شروع ہوگیا ہے، پہلے تو میں سوچتی تھی کہ میری زندگی کا مقصد کیا تھا، کس کے لیے میں کماتی تھی اور کس کے لیے یہ میرا گھر بار تھا...... اب یہ آگئی ہے تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے مجھے اسی کے لیے پیدا کیا تھا شاید......''

''صحیح کہہ رہی ہیں باجی!'' جینا نے حسبِ عادت کہا۔ ''بچہ تو اللہ کی نعمت ہوتا ہے اور اس کے ہونے سے زندگی کا لطف آتا ہے۔ پیدا کرنے والے سے پالنے والے کا حق زیادہ کہا جاتا ہے، اسی لیے کہ پیدا کرنے والی تو ایک ہی بار تکلیف اٹھاتی ہے مگر پالنے والی عمر بھر......''

''لاکھ دفعہ کہا ہے جینا کہ جب یہ سو رہی ہوتی ہے تو اس وقت ذرا کم بات کیا کرو اور اگر کرنا بھی ہو تو آہستہ سے مگر تمہیں اس بات کی سمجھ آئے بھی تو کیوں کر......'' مریم کو بچی کے جاگ کر رونے پر غصہ آرہا تھا، وہ اسے اپنے کندھے کے ساتھ لگائے تھپک رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ گنگنا رہی تھی، یوں جیسے اسی نے اس کو پیدا بھی کیا ہو۔

''امی کی پیاری پیاری سی گڑیا...... سو جا، سو جا!''

''لائیں مجھے دیں، میں اس کو سلاتی ہوں......'' جینا نے ہاتھ بڑھایا، اس کے ہاتھ میں جاتے ہی بچی چپ ہوگئی۔

''تم نے تو لگتا ہے کہ اس پر کچھ جادو کردیا ہے...... ایک دم سے چپ ہوگئی ہے!'' مریم مسکرائی۔

''سارا دن میرے پاس ہی ہوتی ہے، اس لیے میرے ہاتھوں کی عادی ہے......''

''چلو سنبھالو پھر اس کو ذرا دیر کے لیے، میں اس کی دودھ کی بوتلیں ابال لوں تو پھر تم چلی جانا!'' مریم اٹھی۔ ''آج تو تمہیں دیر بھی ہوگئی ہوگی......''

''کوئی بات نہیں باجی جی، میرے کون سا چھوٹے چھوٹے بچے گھر پر رو رہے ہیں!'' جینا نے باچھیں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پھیلا کر کہا۔

☆☆☆☆

''تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی، اتنے دن تم شہر آنے کا انتظار کرتی رہیں؟'' جہانگیر اتنے غصے میں آ گئے کہ اس سے قبل رابعہ نے کبھی نہ دیکھا تھا، ننھے عمران کو وہ گود میں لیے بیٹھی تھی کیونکہ جب سے وہ گاؤں سے لوٹی تھی اسے گود کی عادت ہو گئی تھی اور دودھ چھڑوانے کی وجہ سے وہ چڑچڑا بھی ہو گیا، باپ کے یوں غصے میں بولنے سے وہ نیند سے جاگ گیا۔ اس نے اسے تھپکا تاکہ وہ سو جائے۔

''وہاں بتا دیتی آپ کو تو اس سے کیا فرق پڑ جاتا؟'' اس نے نرمی سے سوال کیا، غصے میں آ کر وہ جہانگیر کے غصے کو مزید ہوا نہیں دینا چاہتی تھی۔

''یہاں بتا رہی ہو تو اس میں، میں کیا کر سکتا ہوں؟'' اب کی بار اس کا لہجہ دھیما تھا، بچے کے رونے سے اسے احساس ہوا... کہ وہ زیادہ ہی بلند آواز سے بولا تھا۔ ''وہاں کم از کم میں بابو جی سے تو بات کر سکتا تھا اور انہیں کہہ سکتا تھا کہ اس پر نظر رکھیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا غلط کام وہ کرے اور اس کے نتیجے میں ہمارے خاندان کے نام پر دھبا لگے......'' اس کے کہنے پر رابعہ اس کی طرف دیکھ کر ہی رہ گئی، اسے یہ بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ کس حد تک بڑھا ہوا تھا اور اس کی دسترس سے اس کے گھر کی عزت بھی محفوظ نہیں رہی تھی۔

''بابو جی بے چارے اسے کیا کہہ سکتے ہیں، آپ بڑے بھائی ہیں، آپ کا کام ہے کہ اسے سمجھائیں!'' رابعہ نے کہا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''چند دنوں تک جاؤں گا تو اسے بٹھا کر سمجھاؤں گا بلکہ میرے ذہن میں تو آ رہا ہے کہ اگر میں اسے شہر لے آؤں؟'' جہانگیر کا لہجہ استفسارانہ تھا۔ ''یہاں آ کر شاید وہ گاؤں کے ماحول سے مختلف ماحول میں رہے گا تو اس کے اندر بھی تبدیلی آ جائے......''

''شجاع کو شہر......'' وہ ہکلائی۔ ''شجاع شہر آ کر کیا کرے گا؟''

''کیا بات ہے رابعہ......'' جہانگیر نے حیرت سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگ کو دیکھا۔ ''میں تمہیں اتنا تنگ دل تو نہیں سمجھتا تھا کہ تمہارے لیے اپنے گھر میں ایک آدمی کا وجود بوجھ ہو جائے گا......اور وہ آدمی بھی کوئی اور نہیں، میرا سگا بھائی...... مجھے افسوس ہے رابعہ، میں تو سمجھتا تھا کہ تم شجاع اور شیر علی کو اپنے بھائیوں کی طرح سمجھتی ہو......''

رابعہ کے چہرے پر رنگ آ جا رہے تھے، وہ اسے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ تو انہیں بھائی سمجھتی تھی مگر ان کے بھائی کی نیت میں فتور تھا، اسی کی سزا کے طور پر انہیں گاؤں سے شہر بھجوا دیا گیا تھا تاکہ وہ محفوظ رہے، اب وہ شہر آ جائے گا تو وہ کہاں جائے گی...... دل ہی دل میں سوچتے ہوئے اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے اپنے شوہر کے چہرے کو دیکھا، اجنبی سا چہرہ، اسے وہ چہرہ کسی ایسے شخص کا لگا جسے وہ جانتی بھی نہ تھی اور نہ وہ وہ اسے جانتا تھا جیسے، کوئی ایسا شخص جس کے چہرے پر اس کے لیے محبت کی پرچھائی بھی نہ تھی۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

www.paksociety.com

''وہاب تیرا بکرا کب آئے گا؟'' جاسم نے
سامہ کو آنکھ مار کر اس سے پوچھا۔ اسامہ مسکرانے لگا
ہ جانتا تھا کہ جاسم اسے تنگ کر رہا ہے مگر وہاب کا
ہرہ ایک دم بجھ سا گیا... جو بڑے پیار سے ذیشان
کے بکرے کو مہندی لگا رہا تھا۔ وہ چاروں دوست ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ جاسم، اسامہ اور ذیشان بچپن کے دوست تھے۔ وہاب پچھلے سال ہی اس محلے میں شفٹ ہوا تھا۔ جاسم اور اسامہ نے تو

سچا دوست

عنیقہ رانا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پہلے پہل اس کے ساتھ دوستی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ وہ غریب گھرانے سے وابستہ تھا مگر ذیشان کے ابا ہیڈ ماسٹر تھے ان کے نزدیک غربت کوئی مسئلہ نہ تھا۔ یوں ذیشان نے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ جس پر جاسم اور اسامہ کو بھی دوستی کرنا پڑی مگر وہ دل ہی دل میں اس سے جلنے لگے۔ وہ کلاس کا ذہین طالب علم ثابت ہوا۔ ذیشان کا لگاؤ وہاب کی طرف بڑھنے لگا تو جاسم حسد کی آگ میں جلنے لگا۔ جس کا ذیشان گہرا دوست تھا مگر اب وہ وہاب میں زیادہ دلچسپی لینے لگا تھا۔ جاسم کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی اور وہ وہاب کو ذیشان سے دور کرنے کے لیے منصوبے بناتا رہتا۔ بڑی عید قریب آنے لگی تو جاسم کے ہاتھ وہاب کو ذلیل کرنے کا موقع لگ گیا۔

جب سب نے اپنے اپنے بکرے خریدے تو جاسم کا روز کا معمول ہو گیا کہ وہاب سے بکرے کے متعلق پوچھتا تو...... وہ بات کو ٹال مٹول کر دیتا۔ آج پھر سب اپنے اپنے بکرے لے کر پارک آئے تھے تو جاسم نے وہاب سے پھر بکرے کی بات چھیڑ دی۔

''شاید ابا کل لے آئیں۔'' اس نے نظریں چرا کر بکرے کو مہندی لگاتے لگاتے جواب دیا۔

''ہاہاہا...... یار کب تک جھوٹ بولے گا۔ بقر عید سے ایک دن قبل تو بکرا ہم جیسے امیر بھی خریدنے سے گھبراتے ہیں، تم تو......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اسے گھورنے لگا، وہاب نے اپنا سر جھکا لیا تو ذیشان گھبرا سا گیا۔

''یہ بکرا نہیں...... بلکہ کل مرغی کو رسی باندھے گا۔'' اسامہ ہنس کر بولا۔ ''کیوں وہاب میں نے درست فرمایا کیا......؟'' اسامہ نے جاسم کا ساتھ دے کر اس پر دوسرا حملہ کیا تو اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی مگر اس نے نظریں نہ اٹھائیں۔ ذیشان نے اپنے بکرے کی رسی وہاب کے ہاتھ میں تھما د اور خفگی سے بولا۔

''یار تم لوگ کیسے دوست ہو، کیوں اس بات وہاب کو روز تنگ کر رہے ہو۔ یہ ہمارا دوست ہے او ہمارا جو کچھ بھی ہے وہ اس کا بھی ہو چاہیے۔'' ذیشان نے وہاب کے کندھے پر ہاتھ رک کر ان دونوں کو جواب دیا جو دونوں اکڑ کر کھڑ تھے۔ ذیشان کی بات پر اسامہ نے منہ بسور لیا جبکہ جاسم نے خفگی سے کہا۔

''اچھا...... ہمارا دوست ہے تو ہم سے جھو کیوں بولتا ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتا یہ بکرا نہیں خرید سکتا۔ ہمیں کیوں بے وقوف بنا ہے؟'' جاسم نے لفظ چبا چبا کر اپنی بات مکمل کی جب پر اسامہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

وہاب شرمندہ سا ہو گیا اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا وہ وہاں سے چل دیا۔ ذیشان اسے پیچھے آوازیں دینے لگا مگر اس نے پلٹ کر نہ دیکھا کے آنسو اس کے گال پر گر رہے تھے، وہ اپنی غربت تماشا لگا کر دوسروں کو تالیاں بجاتا دیکھنے کے حق نہیں تھا۔ یہ اس نے اپنی ماں سے سیکھا تھا کہ دوسروں کے سامنے خود کو چھوٹا مت کہو۔ انسا دولت کی وجہ سے چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ عمل کی وجہ ہوتا ہے۔ وہ گھر روتے روتے پہنچا، ماہ نور کا وہ اک لاڈلا بیٹا تھا۔ وہ جو ہنڈیا بھون رہی تھی اس رونے پر گھبرا سی گئی۔ اس نے چولھا بند کیا اور ا کمرے میں لے آئی اور پیار سے پوچھنے لگی۔

''بیٹا کیوں رو رہے ہو...... کسی نے مارا کیا؟''

''نہیں امی جان، کسی نے نہیں مارا۔'' اس روتے روتے جواب دیا اور ماں کے سینے سے لپ

یا۔ ماہ نور اس کے ردِ عمل پر گھبرا سی گئی۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' ماہ نور نے وہاب کا ماتھا ما، وہ پریشان سی ہو گئی۔ وہ اسے کافی سنجیدہ سا لگ ہا تھا۔ وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولا۔

''امی جان، ابا جان بکرا کب گھر لائیں گے۔ میرے دوست مجھے چھیڑتے ہیں، مجھے جھوٹا کہتے یں۔ آپ مجھے بتائیں کیا ابا جان سچ میں بکرا لے کر ئیں گے؟'' اس نے تڑپ کر پوچھا۔ وہ جو روز سے بکرے کی آس دیتی تھی اس کی آنکھوں میں نمی برنے لگی۔ ماہ نور تو اپنے گھر کے حالات سے قف تھی کیا جواب دے سکتی تھی۔ بجلی کا بل پچھلے و ماہ سے اس نے ادا نہیں کیا تھا، گھر کا راشن ختم تھا۔ کرایہ مکان کا بھی تین ماہ سے ادا نہیں ہوا تھا۔ ایسے ں بکرا کیسے آ سکتا تھا۔ اس نے اپنے آنسوؤں پر بط کیا اور اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

''ہاں ضرور تمہارے لیے بکرا آئے گا مگر اس کے لیے رونے کی ضرورت نہیں بلکہ تمہیں اِک کام کرنا ہو گا پھر شاید......'' وہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر لی جبکہ اس کا دل آنسو بہا رہا تھا۔

''جی اماں جان آپ مجھے کام بتائیں جلدی سے...... میں بکرے کی خاطر ہر کام کر لوں گا۔'' اس نے بے تابی سے کہا...... وہ جو دس سال کا ھا۔ ماں سنجیدگی سے بولی۔

''بیٹا وہاب اس کے لیے تمہیں نماز پڑھنا ہو گی ور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی ہو گی پھر شاید بکرا تمہیں مل سکتا ہے۔'' اس نے اپنے گھر کی حالت اپنے اللہ عالیٰ پر چھوڑ کر اسے نماز کا حکم دیا۔

''سچ اماں جانی، کیا نماز پڑھنے سے بکرا گھر آ جائے گا؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں، تم خدا تعالیٰ سے دعا مانگو کہ تمہارے ابا جان کی کمائی میں برکت دے۔'' اس نے وہاب کے سر پر پیار کر کے کہا۔

''اماں تو عصر کی نماز کب ہو گی؟'' اس نے آنسو پونچھ کر پوچھا۔

''بیٹا ابھی آدھا گھنٹا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اماں جانی میں مسجد چلا جاتا ہوں۔ مجھے جاتے جاتے دیر نہ ہو جائے۔'' اس نے گھبرا کر کہا اور دروازے کی طرف لپکا۔ وہ ماں کو خدا حافظ کہہ کر نکل گیا۔ ماہ نور نے بجھے دل سے دروازہ بند کیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

امجد پیشے سے مزدور تھا جس دن کام ملتا اس کے گھر کا چولھا جلتا، وہ خود بھوکی رہ کر اپنے بیٹے کا پیٹ پال رہی تھی۔ ایسے میں بکرا خریدنے کی کہاں ان کی حیثیت تھی۔ وہ روز بکرے کا اصرار کرتا اور وہ آج کل کر کے اسے بہلا رہی تھی مگر وہ اسے سچ نہیں بتاتی تھی کہ اس کے ابا اسے بکرا نہیں خرید کر دے سکتے۔

☆☆☆

وہ مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔ مسجد میں ابھی کوئی نمازی نہیں پہنچا تھا۔ مسجد کے موذن اصغر صاحب اپنے کمرے سے نکلے اسے ایک طرف خاموشی سے بیٹھا دیکھا تو اس کے پاس چلے آئے۔

''بیٹا کون ہو تم اور یہاں اس وقت......؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''نماز کے لیے آیا ہوں' مجھے نماز پڑھنی ہے۔'' وہاب نے گرم جوشی سے جواب دیا۔ اصغر صاحب اس کے جواب پر مسکرائے اور بولے۔

''بیٹا خدا سے کوئی چیز مانگنے آئے ہو؟'' انہیں اس کی نماز پڑھنے کے لیے بے قراری سے اندازہ ہو گیا تھا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جی ہاں، خدا تعالیٰ سے بکرا مانگنا ہے۔" اس نے خود اعتمادی سے جواب دیا تو اصغر صاحب بوکھلا سے گئے۔

"کیا خدا تعالیٰ میری دعا قبول کرلیں گے؟" ان کی حیرانی پر.... اس نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں.... ہاں کیوں نہیں۔ اللہ اپنے بندوں کی دعائیں ہی تو قبول کرتا ہے۔" اصغر صاحب نے اس کے سر پر پیار دیا۔ وہ خوش سا ہوگیا۔

"اے اللہ اس بچے کی مراد پوری کردے۔" اصغر صاحب نے آنکھیں بند کر اس کے لیے دعا کی۔ "بہت سچے دل سے تیرے گھر میں کھڑا ہے۔"

"آپ منہ میں کیا پڑھ رہے ہیں؟" اصغر صاحب کی آنکھیں بند اور ہونٹ ہلتے دیکھ کر اس نے تجسس سے پوچھا۔ وہ مسکرائے اور بولے۔

"تمہارے لیے دعا.... چلو اٹھو نماز کا وقت ہونے والا ہے وضو کرتے ہیں۔"

"میں نے تو وضو کرلیا ہے۔" وہاب نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا تم بیٹھو میں وضو کر کے آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر چلے گئے پھر اصغر صاحب نے اسے اپنے ساتھ کھڑا کر کے اذان دی اور اس کے ساتھ نماز کا حق ادا کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اسے بکرا دلا دے تاکہ اس کے دوست اسے پریشان نہ کریں۔ اصغر صاحب کے کانوں میں اس کی آواز پڑ رہی تھی وہ بہت افسردہ ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ ان لوگوں کو ہدایت بخش جو دوسروں کے دلوں کو توڑتے ہیں۔ وہاب دعا سے فارغ ہو کر اصغر صاحب سے مغرب کی نماز میں آنے کا کہہ کر گھر چلا آیا مگر اصغر صاحب کافی دیر تک اس کے لیے سجدے میں گرے رہے۔

☆☆☆......☆☆☆

امجد تھکا ہارا گھر پہنچا آج بھی اسے کہیں کام نہیں ملا تھا۔ وہ خالی جیب کے ساتھ گھر لوٹا تھا۔ مغرب کی اذان ہونے لگی تو وہاب اپنے کمرے سے باہر نکلا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ امجد صحن میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا، وہاب کے مغرب کے وقت گھر سے باہر نکلنے پر حیران سا ہوگیا اور اسے پکارا جو دروازے کی کنڈی کھول رہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو اس وقت؟" احمد نے خفگی سے پوچھا۔

"نماز پڑھنے جا رہا ہوں۔" اس نے باپ کو جواب دیا.... اور باہر نکلنے لگا.... اس کی بے تابی کو دیکھ کر امجد کو شک سا ہوا.... اس نے وہاب کو اپنے پاس بلوایا۔

"اِدھر آؤ.... مجھ سے جھوٹ بول کر اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے جا رہے ہو۔" امجد نے خفگی سے دروازے پر کنڈی لگائی.... اور اس کا بازو جکڑ کا پوچھا۔

"نہیں ابا جان.... مجھے نماز پڑھنی ہے.... پلیز مجھے جانے دیں...." وہ روتے ہوئے بے تابی سے بولا اور اپنا ہاتھ چھڑانے لگا۔

امجد اس کے ردِعمل پر حیران سا ہوگیا.... ماہ نور باپ بیٹے کی آواز پر.... جو روٹیاں پکا رہی تھی کچن سے باہر نکل آئی۔

"دیکھو تو.... تمہارا لاڈلا.... جھوٹ بھی بولنے لگا ہے.... کھیلنے کے بہانے کو نماز کا نام دے رہا ہے.... وہ بھی اپنے باپ سے....." امجد نے غصے میں ماہ نور کو مخاطب کرکے کہا۔

"نہیں.... نہیں آپ اسے غلط سمجھ رہے ہیں.... میں نے ہی اسے نماز پڑھنے کی تاکید کی ہے....." اس نے وہاب کو اپنے سینے سے لگالیا کہ کہیں وہ امجد کو نماز پڑھنے کے پیچھے جو راز ہے.... وہ نہ بتا دے۔ امجد تھوڑا سنبھلا.... اور سنجیدگی سے بولا۔

"چلو گھر پر میرے ساتھ نماز پڑھ لو۔" وہ وضو کے لیے واش روم کی طرف بڑھا.... تو وہاب نے بے تابی سے کہا۔

"نہیں.... ابا جان.... مجھے مسجد میں جانا ہے.... مجھے خدا تعالیٰ سے بکرا مانگنا ہے۔"

اس کے منہ سے سچ نکل گیا.... امجد اس کی بات پر بوکھلا سا گیا.... اور ماہ نور نے نظریں جھکالیں۔

"اچھا.... تو بکرے کے لیے تو مسجد جانا چاہتا ہے.... صرف بکرے کی خاطر....؟" انہوں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... ابا جان.... اماں جانی نے بتایا ہے.... کہ خدا تعالیٰ سے دعا کروں گا.... تو ہمارے گھر بھی بکرا آجائے گا...." اس نے معصومیت سے سب کچھ سچ بتا دیا۔

اذان ہونے لگی.... تو وہ پھر دروازے کی طرف بڑھا.... امجد نے غصے سے اس کا بازو جکڑا.... اور بولا۔

"تجھے بکرا چاہیے.... ٹھہر.... ایک منٹ۔" وہ غصے سے کچن کی طرف چلا گیا.... اور کچن سے رسی اٹھا لایا۔

ماہ نور اس کے رسی لانے پر گھبرا سی گئی.... اور فکرمندی سے بولی۔

"کیا کرنے لگے، بچہ ہے.... اور پھر میں نے ہی اسے یہ سب کہا ہے۔" وہ امجد کے غصے پر بول پڑی وہ جو غربت کے ہاتھوں تنگ آچکا تھا.... اس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نے غصے سے رسی اپنے گلے میں باندھی اور رسی کا دوسرا سرا اپنے بیٹے کے ہاتھ میں تھما دیا......اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر میں میں کرنے لگا۔

ماہ نور کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے...... وہاب رونے لگا۔

امجد کی آنکھوں میں بھی نمی تیرنے لگی......مگر وہ غصے سے بولتا چلا گیا۔

”میری جیب میں ایک پیسہ نہیں......کل پیٹ بھرے گا بھی یا نہیں...... اس کے پیسے بھی نہیں ہیں...... اور تجھے بکرا لے کر دوں...... بکرا تو ہم غریبوں کے لیے آسمان سے ہی اتر سکتا ہے......یوں لالچ میں آ کر نماز پڑھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا...... ہم سے خدا اور خفا ہو جائے گا......“ امجد کی آواز آخری بات پر لرز سی گئی۔

”بچہ ہے......آپ بھی بچے کے ساتھ بچہ بن رہے ہیں......“ ماہ نور، امجد کے گلے سے رسی کھول کر بولی تھی۔ وہ جانتی تھی......کہ اس کا شوہر غربت سے بے بس ہو چکا ہے......وہاب روتا ہوا کمرے میں جا گھسا۔

”اس کا دل دکھانے کی کیا ضرورت تھی...... کیوں اسے حقیقت سے آگاہ کیا؟“

ماہ نور کے گال پر آنسو ٹپک رہے تھے......وہ امجد کے پاس زمین پر بیٹھ گئی......اور سنجیدگی سے بولی۔

”ماہ نور اس کا ذہن معصوم ہے...... میں نہیں چاہتا کہ وہ اسلام سے دور ہو جائے......“ اس نے ماہ نور کا ہاتھ تھام کر اسے جواب دیا......اور پھر وضو کے لیے واش روم میں چلا گیا...... تاکہ وہ اپنے بیٹے کا سکون خدا تعالیٰ سے مانگ سکے۔

وہ وہاب کے کمرے کی طرف بڑھی......تو وہ روتے روتے نماز ادا کر رہا تھا...... اس کا جسم لرز اٹھا......اور وہ وہاں سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆..................☆☆☆

اس رات وہاب نے کھانا نہیں کھایا......اور روتے روتے سو گیا...... عشا کی نماز بھی نہ پڑھ سکا......اور صبح جب آنکھ کھلی......تو فجر کی نماز کا بھی وقت گزر گیا تھا۔ وہ بہت افسردہ سا ہو گیا...... پھر ماہ نور کے بار بار کہنے پر اس نے تھوڑا سا ناشتا کیا...... ماہ نور اس کی خاموشی پر بولی۔

”ہم اگلے سال ضرور بکرا خریدیں گے۔ شاید اس سال نہیں“ اس نے ماں کو کوئی جواب نہ دیا......اور چپ چاپ صحن میں سائیکل چلانے لگا...... ماہ نور اس کے ردِعمل پر افسردہ سی ہوگئی ......اور اپنے بیٹے سے آنسو چھپانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔ وہ سائیکل چلاتے چلاتے اپنے دوستوں کے متعلق سوچنے لگا...... کہ آج اگر وہ گھر سے باہر نکلا تو وہ اس کا خوب مذاق اڑائیں گے...... اس نے باہر نہ نکلنے کا خود سے وعدہ کیا......اس سے پہلے کہ وہ کچھ مزید سوچتا...... دروازے پر دستک ہوئی تو وہ گھبرا سا گیا...... اس نے سائیکل چھوڑی ......اور اپنے کمرے کی طرف بھاگا کہ شاید اسامہ اور جاسم اس سے ملنے گھر تک آگئے ہیں...... بے دھیانی میں وہ ماں سے ٹکرایا اور گر پڑا...... جو دروازے کی دستک پر باہر نکلی تھی۔

”کیا ہوا......وہاب کیوں ڈر رہے ہو......؟“ وہ اس کے یوں ڈرنے پر حیرت زدہ سی ہوگئی۔

”اماں جانی...... میرے دوست ہوں؟......تو آپ ان سے جھوٹ بول دینا...... کہ مجھے بخار ہے...... میں کھیلنے نہیں آ سکتا...... پلیز! ماں جانی۔“ وہ لرزتی آواز میں یہ کہہ کر کمرے میں جا گھسا اور دروازہ بند کر دیا...... ماہ نور اپنے بیٹے کی بات پر سن ہو کر رہ گئی......اور پھر بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف بڑھی۔ اس نے اپنے آنسوؤں پر قابو رکھ کر دروازہ کھولا تو اس نے سامنے اپنی پڑوسن حفصہ کو پایا......جو رو رہی تھی۔

”کیا ہوا؟......حفصہ کیوں رو رہی ہو؟“ ماہ نور نے حیرت سے پوچھا۔ وہ اس کے گلے سے لگ گئی ......اور روتے روتے بولی۔

”میری اماں کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے...... وہ اسپتال میں ہیں...... مجھے اپنے میکے جانا ہوگا...... بس یہ اطلاع دینے آئی ہوں...... کہ گھر کا خیال رکھنا“ اس نے مکان چابی کی ماہ نور کو تھما کر کہا۔

”خدا سب ٹھیک کر دے گا...... تم فکر نہ کرو ......بس خدا تعالیٰ سے دعا مانگو......“ ماہ نور نے اسے تسلی دی۔

”ہاں...... ضرور...... مجھے چلنا چاہیے......“ اس نے ماہ نور کو پھر سے گلے لگایا......جس کا پنڈی میں اپنا کوئی رشتے دار نہیں تھا......اور وہ ماہ نور کو اپنی بہن سمجھتی تھی۔

”مشتاق بھائی...... یہ کیا......؟“ حفصہ کے میاں گھسیٹ کر بکرا ان کے صحن میں لے آئے تو وہ گھبرا کر بولی۔ حفصہ نے سر پر ہاتھ مارا......اور فکر مندی سے بولی۔

”یار جس مقصد سے آئی تھی...... وہ تو کہنا بھول گئی...... ماہ نور یہ ہمارے نام کی قربانی تم کل کر دینا......اب اس بکرے کو تو اپنے ساتھ میکے نہیں لے جا سکتی......“ اس نے ماہ نور کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی مجبوری بتائی۔

”میں...... میں...... یہ ذمے داری......“ ماہ نور نے حیرت سے کہا، اس کی زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ مشتاق صاحب بولے۔

”ماہ نور اگر آپ نے یہ قربانی نہ کی...تو آپ خدا تعالیٰ کی نظر میں گنہگار بن جائیں گی...... ہمیں اجازت دیجیے...... ورنہ ٹرین چھوٹ جائے گی۔“ انہوں نے فکر مندی سے کہا تھا......حفصہ اور وہ خدا حافظ کہہ کر چلے گئے......اور اسے یوں لگا......جیسے خدا تعالیٰ نے دو فرشتوں کے ذریعے اس کے گھر بکرا بھیجا ہے۔

☆☆☆..........☆☆☆

وہ خوشی خوشی بکرے کی رسی تھامے پارک میں پہنچا......تو جاسم اور اسامہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... اس کا بکرا ان کے بکروں کی جسامت سے کافی بڑا تھا۔ ذیشان اس کے بکرے کو پیار کرنے لگا......وہ وہاب کو بکرے کے ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہوا...... جو پہلے اس کے نہ ہونے پر دل ہی دل میں اداس تھا۔ اسامہ اپنے بکرے کو بھول کر اس کے بکرے کی تعریفیں کرنے لگا...... جاسم کے پاس کوئی بات نہ بچی......تو اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”یار تو نے یہ بکرا کہاں سے خریدا ہے، بہت مہنگا لگ رہا ہے“ اسامہ اور ذیشان اس کے چہرے کی طرف تکنے لگے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے، اس نے صرف انہیں مسکرا کر دیکھا......اور بولا۔

”یہ سب باتیں چھوڑو......اور میرے بکرے کے سر پر مہندی لگانے کا انتظام کرو۔“

”ہاں......ہاں...... کیوں نہیں......“ وہ تینوں خوشی سے بولے......اور اس کے بکرے کو پیار کرنے لگے......اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا...... کہ اس نے اس کے لیے خود بکرا بھیجا تھا......اور شاید وہ یہ بات دوستوں کو بتاتا......تو وہ نہ مانتے...... کہ خدا تعالیٰ ہی انسان کا سچا دوست ہے...... جو مصیبت میں اس کا ساتھ دیتا ہے...... جبکہ باقی رشتے سب ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ ●●●

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

قسط 8

ناول

ایک تھی نیناں

راحت وفا

کچھ کھٹی سی، کچھ میٹھی سی ... کبھی شعلہ سی ... کبھی شبنم سی ... تھوڑی بھولی سی ... تھوڑی نادان سی ... محبت، نفرت اور اعتبار کے تکون میں سرگرداں ... رشتوں کے ٹکراؤ اور الجھاؤ کی داستان ... جس میں بھول اور نادانی کی کسک اور گناہِ بے لذت کی حقیقت کا اسرار ہر قدم پر کچوکے لگاتا ہے۔

ایک نابغۂ روزگار، پرتجسس، نفسیاتی اور رومانوی ناول جو آپ کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا

www.paksociety.com
www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

خان جی کی اکلوتی لاڈلی بیٹی ڈاکٹر مہ جبیں کو لاکھ خواہش اور فرمائش کے باوجود نہ ملازمت کی اجازت ملی اور نہ ذاتی کلینک او اسپتال بنانے کی اجازت ملی۔ راجا صاحب متوسط طبقے کے بیروزگار نوجوان تھے۔ خان صاحب نے جانے کیا سوچ کر اکلوتی بیٹی ا ار سے بیاہ دی تجوریوں کے منہ کھول کے جہیز اور بنگلا، گاڑی، خدمت کے لیے مہ جبیں کی ہم عمر ملازمہ سکھاں بھی ساتھ میں رخصت کردی۔ سکھاں کے والدین نے رقم لے کر بیٹی ساتھ بھیج دی۔ بیٹی کے ارمانوں کا ذرا خیال نہیں کیا۔ ڈاکٹر مہ جبیں کو راجا صاحب۔ میٹھی زبان سے رام کیا ان کی خواہش پر بنگلے کے وسیع کشادہ لان میں چھوٹا سا اسپتال نما کلینک بنا دیا یوں مہ جبیں کی خواہش کو را صاحب نے ناجائز کمائی کا ذریعہ بنا دیا۔ دولت بڑھتی گئی مگر مہ جبیں بستر سے لگ گئیں۔ وسیمہ باپ کی دی ہوئی آزادی اور نا جا دولت کی ریل پیل سے مادر پدر آزاد ہوگئی۔ بیٹا ریحان اختر بھی اپنی ڈگر پر چل پڑا۔ وسیمہ نے گھر سے بھاگ کر شادی کی حادثے شکار ہوئی اپنا بیٹا لاوارث چھوڑا۔ پولیس نے بچہ راجا صاحب تک پہنچایا۔ جس کا نام طلال رکھا گیا۔ مہ جبیں کے والدین اور سکھاں کے والدین اپنے آبائی علاقے میں خان جی کے سوتیلے بھائی کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ راجا صاحب اور ڈاکٹر مہ جبیں کے انتقا کے بعد ریحان اختر نے بھانجے کی بہت لاڈ پیار سے پرورش کی مگر سقم رہ گئے۔ طلال ایک ضدی، ہٹ دھرم نوجوان تھا۔ ریحان اخ نے امیر کبیر گھرانے کی رابعہ سے محبت کی شادی کی، اس سے بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام نیناں رکھا گیا۔ نیناں میں ریحان اختر کی جا تھی۔ اچانک رابعہ کو کچھ ایسا ثبوت دیکھنے کو ملا کہ وہ ریحان اختر سے نفرت کرنے لگی۔ دونوں کے درمیان فصیل قائم ہوگئی۔ نیند گولیوں اور اعصابی تناؤ سے کمی کے لیے رابعہ تقریباً ذہنی مریضہ بن گئی مگر ریحان نے وہ ثبوت غائب کر دیے۔ طلال کی نیناں پر نظ تھی جبکہ رابعہ کی بڑی بہن عارفہ کا اکلوتا بیٹا رمان احمر جو کہ ملٹی نیشنل کمپنی میں ریجنل منیجر ہے وہ اور نیناں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہ مگر رمان کی پھپو کی بیٹی دعا فاطمہ، رمان سے جنون کی حد تک عشق کرتی ہے لیکن وہ اسے صرف دوست سمجھتا ہے۔ دعا بار بار رمان۔ کھلم کھلا نیناں کی وجہ سے دوبدو ہوتی ہے مگر رمان کے دل میں صرف نیناں ہے۔ عارفہ، رابعہ ان کی دادی زیتون بیگم بار ہا موضوع پر بات کرچکی ہیں۔ عارفہ کو نیناں پیاری ہے تو دعا بھی عزیز ہے مگر رمان نہیں مانتا۔ نیناں کی سہیلی مدیحہ جو کہ اس کی کالج ف ہے اس کا تعلق غریب گھرانے سے اس کے گھر میں بڑا بھائی زلفی، اماں اکبری اور پھپو موجود ہیں پھپو کو وہ آپا کہتے ہیں آپا کی زند سنگین حادثے کا شکار ہے اس لیے مدیحہ اور زلفی ان سے بہت پیار کرتے ہیں۔ آپا مدیحہ کو امیر سہیلی سے دور رہنے کی تاکید کرتی ہ ، سبحان رابعہ کے بہترین دوست ہیں مگر ان سے انہوں نے محبت نہیں کی جبکہ سبحان نے اپنی پیاری دوست کے بعد نہ شادی کی نہ ا۔ تایا ابا کی بات مانی۔ بیرون ملک ملازمت کرلی اب وہ واپس آئے ہیں یہاں سے سب کچھ وائنڈ اپ کر کے باہر ہی مستقل سیہ ہونے کے لیے...... جس پر تایا ابا راضی نہیں ان کے خیال میں سبحان کو سعدیہ سے شادی کرلینی چاہیے۔ جس کے لیے وہ راضی نہیں کہانی میں نیا موڑ آیا ہے کہ رابعہ کی ملاقات میڈیکل اسٹور پر سیلز مین ذوالفقار سے ہوئی ہے جس نے دواؤں کے شارٹ ہونے ا نہ کھانے کا مشورہ دیا۔ رابعہ نے اس ہمدرد کی بات مان لی۔ رابعہ میں آنے والی خوش آئند تبدیلی سے نیناں بوا بہت خوش ہیں۔ ریحا اور طلال متحیر ہیں۔ طلال کی اور نیناں کی تلخ کلامی ہوتی ہے۔ طلال، نیناں پر ہاتھ اٹھا لیتا ہے جس پر رابعہ بہت غصہ ہوتی ہیں ا ایمان اختر کو بتاتی ہیں لیکن ایمان اختر کوئی رسپانس نہیں دیتے۔ رابعہ کی ذوالفقار سے اچھی دوستی ہو جاتی ہے جس پر ریحان ا جیلس ہوتے ہیں۔ رمان، رابعہ کے کہنے پر نیناں کو مدیحہ کے گھر لے کر جاتا ہے بائیک پر جو دعا کو اچھا نہیں لگتا۔ ریحان اختر، رمان آفس ملنے کے لیے بلاتے ہیں تو وہ آنے کا وعدہ کرتا ہے۔ ایک ایگزیبیشن میں رابعہ کی ملاقات سبحان سے ہوتی ہے تو سبحان رابعہ پہلے والے انداز میں دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ رشتے کرانے والی کے مشورے پر اکبری بیگم، ذوالفقار سے گھر تبدیل کرنے کو ہیں۔ طلال اور ریحان اختر چاہتے ہیں کہ نیناں آفس جوائن کرے لیکن وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے۔ نیناں رمان کو فو کرتی ہے لیکن دعا اس سے بات نہیں کراتی۔ (اب آگے پڑھیں)

سگار کے کش لگاتے وہ جانے کس جہاں میں گم تھے...... ڈھلتی شام میں لان کی سرسبز مخملی گھاس پر ننگے پاؤں چلنا اچھا لگ رہا تھا۔ چلتے ذہن کو شاید سکون مل رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا کے جھونکے پھولوں کی خوشبو اڑا رہے تھے مگر بعد مدتوں وہ گہری جامد خاموشی کی قید میں تھے...... نیناں یونیورسٹی کی بات کرگئی، بوا نے گھر کے راشن لسٹ تھما دی، طلال کو گاڑی کی خرابی کے باعث ان کی گاڑی کی چابی چاہیے تھی...... رابعہ کو ان سے ویسے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی، وہ گاڑی نکال کر جانے کہاں گئی تھیں؟

اس سے تو خاص کیفیت اور خاص حالت تھی...... چلتے چلتے تھک گئے تو کین کی صوفہ کم کرسی پر بیٹھ

www.paksociety.com

ئے...... پلکیں موند کر خود سے ہمکلام ہوئے۔

''ہر ایک لمحہ شبِ غم ہے، امیدِ صبح بھی بہت کم ہے کیا کروں؟ کسی کی یاد میں سب گنوا دیا ہے، گناہ گارِ محبت ہی مگر گناہِ محبت کون نہیں کرتا یہ تو فطرتِ آدم ہے، ریحان اختر......! لیکن یہ تقصیرِ اکبر بھی ہے۔'' اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑتے ہوئے اپنے آپ کو ہی جواب دیا...... عین اس وقت گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا اور چوکیدار نے گیٹ کھول دیا...... رمان کی گاڑی اندر داخل ہوئی...... اسے دیکھ کر وہ نارمل ہوگئے...... وہ گاڑی سے اتر کر سیدھا ان کے پاس آگیا حالانکہ آیا تو نیناں سے ملنے تھا۔

''السلام علیکم!'' رمان نے کہا اور ہاتھ ملایا۔

''وعلیکم السلام......'' وہ متانت سے بولے، وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''آج خلافِ توقع آپ شام انجوائے کر رہے ہیں۔''

''بس بہت دنوں بعد ایسے بیٹھنے کا موقع ملا ہے۔'' وہ اندر کا اضطراب چھپا کر مسکرائے۔

''آپ نے بلایا تھا، فرمائیں......'' رمان نے یاد دہانی کرائی۔

''ہوں، بات کرتے ہیں، پہلے یہ بتاؤ کیا پیو گے؟'' ریحان اختر یکدم ہشاش بشاش سے ہوگئے۔

''چائے...... لیکن باقی سب بھی آجائیں۔''

''باقی سب میں میرے لیے تو نیناں ہی سب ہے وہ شاید کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہے۔''

''اور رابی خالہ......؟'' اس نے دانستہ ان کا ذکر کیا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے کہیں گئی ہیں شاید کسی سے ملنے۔'' عجب سا طنز تھا ان کے جملے میں جس پر وہ چبھتا ہوا سوال کر بیٹھا۔

''آپ رابی خالہ کا ذکر ایسے کیوں کرتے ہیں جیسے وہ قابلِ ذکر ہی نہ ہوں؟''

''یار! میں اور کیا کہوں وہ فائیو اسٹار ہوٹل میں رہتی ہیں، نہ میں کچھ پوچھتا ہوں اور نہ وہ کچھ بتانے کی ضرورت سمجھتی ہیں...... ویسے بھی آج کل وہاں رہتی ہیں جہاں اپنی خبر نہیں آتی......'' انہوں نے مفصل جواب دیا لیکن اسے قطعاً اُن کا جواب اچھا نہیں لگا۔

''کچھ تو زندگی پر اُن کا بھی حق ہے۔''

''اس حق کا وہ خوب استعمال کر رہی ہیں، آپ فکر نہ کرو، اپنی سناؤ۔''

''جی بس اللہ کا شکر ہے۔'' انہوں نے اس کا مختصر جواب سن کر اندازہ لگالیا کہ وہ انہیں اچھا نہیں سمجھ رہا۔

''یار! یہ آپ کی کمپنی آپ کو کیا دے رہی ہے، آئی مین جو آپ کی صلاحیت ہے اس کے مقابلے میں......؟''

''اچھا ہے بلکہ بہت اچھا ہے۔''

''دیکھو نا! اتنی محنت کے بعد چھوٹی گاڑی ہے اسی سے سیلری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔'' وہ بولے اور پورچ میں کھڑی اس کی گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

''انکل! میری پروموشن ڈیو ہے، ویسے میں بہت خوش اور مطمئن ہوں۔'' اس کے نزدیک ریحان اختر کی یہ باتیں فضول تھیں۔

''لیکن آپ بہت زیادہ ڈیزرو کرتے ہو، چھوڑو اس کمپنی کو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اور پھر نئی جگہ، نئے لوگوں کو متاثر کرنے کی جدوجہد شروع کردوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔
''بھئی ہم آپ سے متاثر ہی متاثر ہیں، ہمارے پاس آجاؤ، ہمارے کاروبار کا حصہ بنو۔''
''سوری انکل! کاروبار جس کا ہوتا ہے اسی کو مبارک ہو، میں کارکن کی حیثیت سے ہی وابستہ رہنا پسند کرتا ہوں۔''
''چلو یونہی سہی، ہمارے لیے کام کرو۔''
''لیکن کیوں......؟''
''تاکہ آپ کو آپ کی محنت کا درست صلہ ملے۔''
''وہ مجھے مل رہا ہے، میں بہت مطمئن ہوں۔''
''ارے مطمئن ہوں تو گیٹ پر کھڑا چوکیدار بھی کہتا ہے مگر ہم سمجھتے ہیں اس کی ضرورت کیا ہے؟''
''اچھی بات ہے آپ اس کی ضرورت سمجھیں، مجھے اجازت دیجیے میں چلتا ہوں۔'' وہ خاصی بیزاری کا شکار ہو گیا تھا۔
''رمان! ایکچولی کاروبار نیناں کے نام منتقل کر کے ہمیں کوئی اچھا اور دیانتدار آدمی چاہیے جو میری نیناں کو کبھی دھوکا نہ دے۔'' وہ خاصے کمزور سے پڑ گئے۔
''دھوکے سے ڈرتے ہیں آپ......؟'' اس نے پوچھا۔
''نہیں، نیناں کی وجہ سے کہہ رہا ہوں......'' انہوں نے نرمی سے کہا۔
''فی الحال تو میں آپ کی آفر پر غور نہیں کر سکتا۔'' اس نے سادگی سے کہا۔
''مگر ہم تو مستقبل میں کچھ اور دیکھ رہے ہیں۔''
''مستقبل کی مستقبل میں دیکھیں گے، ابھی میں ذرا نیناں سے مل لوں۔''
''ہاں، ہاں! بلکہ اندر چلو وہیں چائے پیتے ہیں، میں تو بھول ہی گیا...... وہ اٹھ کھڑے ہوئے...... نیناں کو دیکھنے کی خواہش نے اسے اندر جانے پر مجبور کر دیا ورنہ وہ اچھا خاصا بور ہو چکا تھا...... اسے ریحان انکل کی گفتگو سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوا تھا...... جانے وہ کیا چاہتے تھے......؟ ایک طرف وہ ڈرے ہوئے تھے، دوسری طرف اسے لالچ دے رہے تھے...... جانے کیوں؟

☆☆☆

اس نے ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اپنے مخصوص انداز میں ہانک لگائی ''نیناں، نیناں!'' مگر جواب میں ایک چیخ سنائی دی...... ریحان صاحب کال سننے شاید کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں گئے تھے...... وہ حواس باختہ ہو کر کچن کی طرف بھاگا، کیونکہ وہیں سے کانچ کے برتن ٹوٹنے اور اسٹیل کے برتن گرنے کی آواز آئی تھی...... ساتھ میں نیناں کے چلانے کی آواز تھی۔
کچن جنگ کا میدان بنا ہوا تھا...... وہ آنکھیں بند کیے مسلسل چلا رہی تھی، اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ باریک شیفون کے دوپٹے میں آگ لگی ہوئی ہے اور نرم و نازک دوپٹا تیزی سے جل رہا ہے وہ تو جانے اور کس خوف سے تھرتھرا رہی تھی...... رمان نے جلدی سے دوپٹا کھینچ کر دور پھینکا تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں اور دہاڑی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

”تم نے میرا دوپٹا اتارا؟“

”ہاں..... اگر مجبوری ہوتی تو یہ کُرتہ بھی نوچ پھینکتا...“ وہ سنک کے ساتھ دیوار سے چپکی نیناں پر آنکھیں نکال کر غرایا۔

”وہاٹ؟ آپ نکل جاؤ.....“ سینے پر بارِ حیا کے باعث دونوں بازو پھیلا کر وہ اور دیوار سے چپک گئی۔

”اے! زیادہ انڈر راسٹی میٹ کرنے کی ضرورت نہیں، دوپٹے کو دیکھو اگر نہ اتارتا تو اب تک روسٹ بن چکی ہوتیں اور پھر یہ رمان بے چارہ کیا کرتا؟“

”آگ، اوہ مائی گاڈ.....!“ اب کی بار سچ مچ خوف سے اس کی پتلیاں پھیل گئیں۔

”جی ہاں آگ، ویسے یہ تم کو ہوا کیا تھا، یہ ساس پین، ٹوٹے ہوئے کپ.....؟“

”وہ، وہاں کوکنگ رینج میں ایک چوہا ہے بس میرے ہاتھ سے چائے کا ساس پین گرا، ٹرے الٹی.....“ اس نے شرمندگی سے بتایا۔

”واہ! نیناں نے چائے بنائی یہ تو کہانی بن گئی، ویسے جو کام آپ کو آتا نہیں وہ کرتی کیوں ہیں؟“

”بوا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، فیضو بازار گیا ہے، میں آپ کے لیے چائے بنانے آئی تھی۔“

”کیا ہوا بھئی؟“ ریحان اختر بھی وہیں آ گئے۔

”شکر ادا کریں انکل نیناں محفوظ ہیں۔“ رمان نے کہا تو وہ متفکر سے ہو گئے۔

”کیا مطلب.....؟“ انہوں نے نیناں کو بازوؤں میں بھر لیا۔

”کچھ نہیں..... بس چوہا دیکھ کر ڈر گئیں، ابلتی چائے گر گئی، برتن ٹوٹ گئے اور دوپٹے کو آگ لگ گئی۔“ رمان نے دلچسپ سے انداز میں منظر کشی کی۔

”لاحول ولا، آپ کو کیا ضرورت تھی، اوہ میرے خدا!“ ریحان اختر تو دیوانوں کے مانند اس کی پیشانی چومنے لگے، ٹٹول ٹٹول کر اس کی خیریت کا یقین خود کو دلاتے رہے..... رمان کچن سے باہر نکل آیا..... وہ بھی اسے لیے باہر آ گئے۔

”اس عورت کو بیٹی کی بھی فکر نہیں، بوا اب بوڑھی ہو گئی ہیں، رابعہ کو خود سب کچھ دیکھنا چاہیے مگر جی۔ انہیں تو عشق سے فرصت نہیں۔“ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھتے ہوئے وہ رمان کو سنانے کے لیے بولتے چلے گئے۔

”بابا!“

”انکل.....“ رمان اور نیناں ایک ساتھ بول اٹھے۔

”چپ رہو نیناں، آپ پر بھی ماں کا اثر آئے گا۔“ انہوں نے دانستہ نیناں کو خلافِ معمول سنجیدگی سے کہا جس کا مقصد رمان کو جتلانا تھا..... وہ ضبط نہ کر سکا تو بدتمیزی کے ساتھ اٹھ کر باہر نکل گیا..... ریحان اختر نے ایک آواز دی وہ نہ رکا تو وہ خاموش ہو گئے..... نیناں کی آنکھیں بھر آئیں..... رمان کا جانا تڑپا سا گیا۔

”کوئی بات نہیں میری جان..... یہ پھر آ جائے گا۔“ ریحان اختر نے اس کی آنکھیں اپنے ہاتھ سے صاف کر کے نہایت پیار سے کہا تو وہ دھیرے سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چل دی..... ریحان اختر کو اچھی طرح یقین آ گیا کہ نیناں کے دل میں رمان کی کیا حیثیت ہے؟ رمان تو انہیں خود بھی اچھا لگتا تھا، اس میں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شادی میرے بھتیجے کی

عمران ہمراہ مشال

بہت عرصے بعد ہمارے خاندان میں کلوز شادی تھی اور مزے دار بات یہ تھی کہ دلہن ہماری اکلوتی بھانجی تھی دونوں طرف ہی پہلی شادی تھی سو ہم کچھ زیادہ ہی ایکسائٹڈ تھے۔ ایک طرف دلہن کی آنٹی اور دوسری طرف دولھا کی پھپو بن کر سب کام ہمیں ہی کرنے تھے۔ پہلے تو باجی کے ساتھ چکر لگاتے رہے مشال کے جہیز کے لیے پھر باری تھی بری وغیرہ کی۔ بھائی جان نے فون کیا کہ ساری تیاری یہاں بھی آپ دونوں بہنوں نے کرنی ہے سو میں اور چھوٹی بہن زیبا میکے پہنچے۔ دو مہینے تک تو ہمارا ایک پاؤں اِدھر ہوتا اور دوسرا میکے۔ دلہن کی مہندی کی رسم ہم نے دو دن پہلے رکھی کہ دولھے کی مہندی بھی ہمارے بغیر ادھوری تھی۔ مشال یلو کلر کے شرارے میں بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اگلے دن عمران کی مہندی کی رسم شام کو شروع ہوئی۔ عمران میرون کلر کے کُرتے وائٹ شلوار گلے میں میرون دوپٹا ڈالے بہت نائس لگ رہا تھا۔ مہندی میں بہت ہلا گلا ہوا، بہت مزہ آیا۔ اگلے دن 25 نومبر 2010ء بھیا نے بتایا کہ برات دو بجے نکلے گی سو ہم دونوں بہنیں اور چھوٹی بھابی پارلر کے لیے نکل گئیں۔ تینوں نے آج فش لہنگے پہنے تھے جلدی سے تیار ہوئے ہماری بدقسمتی کہ اس دن رب جانے یہ کم بخت نیٹ ورک میں کیا پرابلم ہوگئی ہم فون پر فون کر رہے تھے کہ کوئی گاڑی لے کر ہمیں لینے آ جائے مگر افسوس کہ کسی کا فون لگ ہی نہیں رہا تھا۔ مرتے کیا نہ کرتے غصہ کھا کر باہر سڑک پر آ گئے اب تو ٹینشن نے چاروں طرف سے گھیرا ڈالا ہوا تھا پاس ہی ایک گاڑی کھڑی نظر آئی' بھابی نے لفٹ مانگی بلکہ منت ساجت کی کہ ہمیں تھوڑی دور ہی جانا ہے چھوڑ آئے۔ اللہ نے اس بندے کے دل میں رحم ڈالا تو شکر کا کلمہ ابھی پڑھا ہی تھا کہ اس کا کوئی فون آ گیا اور اس نے ہمیں بیچ راستے ہی اتار دیا۔ یہاں کھڑے ہو کر انتظار کرنا فضول ہے کہ آج تو ہماری قسمت کے ستارے ڈوبے ہوئے ہیں، میں نے دل میں سوچا اور اپنا لہنگا اوپر اٹھایا اور دوڑ لگا دی۔ کیا ہی عجیب منظر تھا تین

لڑکیاں لہنگے ہاتھوں میں پکڑے سڑک کے کنارے دوڑ رہی تھیں سب آتے جاتے لوگ ہماری طرف کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے اور ہم تو اس وقت لوگوں کی جانب متوجہ ہونے کی پوزیشن میں بالکل نہیں تھے۔ وہاں جا کے پتا چلا کہ برات تو نکل چکی ہے۔ بھائی جان ہمارے لیے گاڑی چھوڑ گئے تھے دھڑام سے گاڑی میں گرے سکھ کی سانس لی کہ چلو جان بچی سو لاکھوں پائے لیکن ہاں اس بات کا ہمیشہ افسوس رہے گا کہ پارلر کے چکر میں ہم نے اپنے پیارے بھتیجے کی سہرا بندی مس کر دی۔ راستے میں ہی ہم نے دولھے کو دیکھا اس پر براؤن کلر کی شیروانی خوب سج رہی تھی۔ استقبال برات بہت اچھا تھا وہاں بھی سب اپنے ہی لوگ تھے سب کو پھولوں کے گجرے پہنائے۔ مشال کے پاس پہنچے وہ میرج ہال کے روم میں بیٹھی تھی ہماری نازو پلی لاڈو رانی ماشاء اللہ سے دلہن کے روپ میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ دل میں دعا مانگی اللہ نظرِ بد سے بچائے کھانا کھانے اور بری دکھانے سے فارغ ہوئے لیکن ابھی ہمیں سالیوں کا رول بھی نبھانا تھا سو جلدی سے کپڑے چینج کیے اور دودھ پلائی کی رسم شروع ہوئی نیگ وصول کرنے کے بعد رخصتی کا مرحلہ آیا ڈھیروں دعاؤں اور بہتے آنسو کے ساتھ رخصتی ہوئی دلہن کو لے کر اس کے پیا دیس آ گئے۔ اگلے دن ولیمہ تھا میرج ہال میں جانا تھا مشال ٹی پنک اور زنک کلر کے لہنگے اور عمران بلیک کلر کے ٹو پیس میں دونوں ہی بہت پیارے لگ رہے تھے، دل سے دعا نکل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس جوڑے کو ہمیشہ خوش اور آباد رکھے اور ہمارے پیارے بھائی جان اور دلہن کو اسی طرح اپنی باقی اولاد کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے اور خدا تعالیٰ ہمارے ماں باپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے اور وہ اسی طرح ہماری خوشیوں میں شامل رہیں، آمین .... (رابعہ انجم۔ پتوکی)

وہ سب خوبیاں موجود تھیں جو وہ اپنی پیاری بیٹی کے شوہر میں دیکھنا چاہتے تھے۔

☆☆☆..................☆☆☆

گھر پہنچنے تک اس کا دماغ الاؤ کی طرح پک چکا تھا، چہرہ تنا ہوا تھا، ٹی وی لاؤنج میں سے گزرا مگر نہ اسے ماں دکھائی دیں اور نہ دعا پر نگاہ ڈالی...... جتنے خوشگوار موڈ میں گیا تھا، اس کے بدلے غصہ' اضطراب لے کر لوٹا تھا...... کمرے کا دروازہ کھٹ سے بند کر کے بیڈ پر آڑا تر چھا لیٹ کر ریحان انکل کے دہکتے ہوئے جملوں پر غور کرنے لگا۔

''شٹ! کتنے گندے خیالات ہیں آپ کے اپنی بیوی کے لیے۔'' وہ شدید غصے میں بڑبڑایا، اس کے سامنے دانستہ ریحان اختر نے رابعہ کے کردار پر کیچڑ اچھالا تھا۔ اس کی پیاری رابی خالہ جنھوں نے طویل عرصے کے بعد مسکرانا شروع کیا تھا...... ایک دم ہی اس نے موبائل فون اٹھا کر رابی خالہ کا نمبر ملا لیا...... دوسری گھنٹی پر فون ریسیو ہو گیا۔

''ہیلو جان......'' رابعہ نے پیار سے پکارا۔

''رابی خالہ! آپ کہاں ہیں......؟'' اس نے ذہن میں کلبلاتا سوال ہی پوچھا۔

''اس وقت ایک دوست کے ساتھ۔'' بڑے نارمل اور سادہ سے انداز میں جواب آیا۔

''دوست......'' وہ دھیرے سے دُہرا کے رہ گیا۔

''زمان خیریت تو ہے؟'' وہ پریشان سی ہو گئیں۔

''ہوں، ارے نہیں، بس ویسے ہی۔'' وہ گومگو کی سی کیفیت میں ٹال گیا مگر کچھ عجیب سی بات تھی۔

''او کے! میں گھر جا کر بات کرتی ہوں، عارفہ آپی تو ٹھیک ہیں؟''

''جی بالکل ٹھیک ہیں، آپ اپنا خیال رکھیے، اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر بے دلی سے فون بند کر دیا۔

''کتنے گھامڑ ہو، پوچھ لیتے کون سے دوست کے ساتھ۔''

''پاجی! سبحان انکل کے علاوہ کون ہو سکتا ہے؟'' خود سے تکرار کر کے کچھ بے چینی کم ہوئی۔

''سبحان انکل تو بہت نائس ہیں، ریحان انکل ان سے جیلس ہیں، سیدھی سی بات ہے...... فکر کی کوئی بات نہیں۔'' یہ بات سوچ کر اسے شدید بھوک کا احساس ہوا۔ بیڈ سے اٹھا تو عارفہ وہیں آ گئیں۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

’’کہاں سے آئے ہو......؟‘‘

’’آپ کو دعا نے بتا دیا ہوگا۔‘‘

’’مگر اتنے عجیب سے موڈ میں وہاں سے تو نہیں آسکتے۔‘‘

’’چھتیس سو مسائل ہوتے ہیں، کسی بھی وجہ سے موڈ خراب ہوسکتا ہے۔‘‘ وہ پہلی بار ماں سے نظریں چراتے ہوئے بولا۔

’’کھانا کھانا ہے یا......؟‘‘

’’کھانا ہے بلکہ بہت بھوک لگی ہے۔‘‘

’’پھر ایسا کرو طاہرہ پھپو کے پاس آجاؤ وہیں کھاؤ۔‘‘

’’وہ کیوں......؟‘‘

’’پھپو نے لاڈلے بھتیجے کے لیے کشمیری پلاؤ اور ہرے بھرے کباب بنائے ہیں۔‘‘

’’تو یہاں لے آئیں نا......!‘‘

’’بھئی طاہرہ کی طبیعت بھی کچھ ناساز ہے وہاں چل کر خیریت پوچھو، ایک ہی پھپو ہیں اُن کا تو خیال رکھا کرو۔‘‘ عارفہ نے اچھا خاصا لیکچر دے ڈالا۔

’’جی ہاں! اور ایک ہی بیٹی ہیں ان کی بانس جیسی انہیں سمجھانا مشکل ہوتا ہے۔‘‘ وہ شرارت سے ہنستے ہوئے بولا۔

’’بکومت فوراً آجاؤ......‘‘ عارفہ نے ڈپٹ کر کہا اور چلی گئیں...... مجبوراً وہ بھی ہاتھ منہ دھو کر ان کے پیچھے ہی باہر نکل آیا...... اس میں کوئی شک وشبے کی بات ہی نہیں تھی کہ اپنی پھپو سے اسے بے حد پیار تھا، دعا بھی اسے بہت پیاری تھی، ظاہر ہے ایک گھر میں کھیل کود کر جوان ہوئے تھے...... بس دعا نے اس انس اور پیار کو دوسرے معنی دے دیے جبکہ اس کے لیے وہ بہت پیاری دوست اور اچھی سی بہن تھی اس کے علاوہ کچھ نہیں...... وہ کبھی ایسا اس کے لیے سوچ ہی نہیں سکا، ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی وہ من کی میت نہیں تھی، من میں اس کے صرف اور صرف نیناں ہی بسی تھی...... آج بھی ڈری سہمی، روتی چلاتی کس قدر معصوم اور پیاری لگ رہی تھی کہ دل نے گستاخی پر اکسایا مگر موقع مناسب نہیں تھا...... اس لیے ضبط کر گیا۔

☆☆☆......☆☆☆

بڑی بڑی ہرے نیلے نوٹوں کی گڈیاں دیکھ کر... جا نماز پر بیٹھی اکبری بیگم کو حیرت و مسرت کے احساس نے چھولیا، انہیں شاید اتنا قوی یقین اب تک دعاؤں کی قبولیت پر نہیں آیا تھا...... اس وقت تو ایسا لگا جیسے اللہ پاک نے کان لگا کر دعا سنی اور وہیں بیٹھے بیٹھے جھولی بھر دی...... انہوں نے نوٹ رکھنے کے بعد شانِ بے نیازی سے کرسی پر بیٹھے پاؤں ہلاتے زلفی کو دیکھا اس کے چہرے پر فاتحانہ سی مسکراہٹ تھی۔

’’اماں! یقین کرلیں یہ پیسے آپ کے ہی ہیں۔‘‘

’’یقین ہی تو نہیں آرہا......‘‘ وہ نوٹوں کی گڈیاں اٹھا کر.... جا نماز تہہ کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر اس کے قریب آبیٹھیں۔

www.paksociety.com

’’کیوں، اللہ ہم پر مہربان نہیں ہوسکتا......؟‘‘

’’ارے وہ تو مہربان ہی مہربان ہے، اس کی مہربانی کے سہارے ہی تو وقت گزرا ہے۔‘‘ اکبری بیگم کو شوہر کی وفات کے بعد سے لے کر اب تک گزرا وقت یاد آگیا...... پلکیں نم سی ہوگئیں۔

’’اب سامان باندھ لیں، ہم نئے خوشیوں بھرے گھر میں رہیں گے۔‘‘

’’یہ پیسے کہاں سے آئے......؟‘‘ اکبری بیگم نے پوچھا۔

’’اس، اس گھر کا بیانہ ہے، پورے پانچ لاکھ ہیں۔‘‘

’’بیانہ بھی مل گیا اور نیا گھر......؟‘‘ اکبری بیگم خوش ہوگئیں۔

’’ہاں، ہاں سب کچھ مل جاتا ہے...... بس جلد نئے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے......‘‘ وہ بڑے وثوق سے کہہ کر اٹھنے لگا، عین اسی وقت آپا باہر آگئیں...... وہ ان کے گلے کا ہار بن گیا۔

’’اب ہماری آپا ٹھاٹھ سے زندگی بسر کریں گی۔‘‘

’’زلفی! میری زندگی تو بسر ہوگئی، بس اللہ تمہیں خوش آباد رکھے۔‘‘ انہوں نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

’’مدیحہ کہاں ہے......؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’سو رہی ہے؟‘‘ آپا نے بتایا۔

’’ہیں! یہ اس کے سونے کا وقت تو نہیں ہے۔‘‘ وہ متفکر سا ہوگیا۔

’’اسے یونیورسٹی بھیجنے کا یقین دلا دو۔‘‘ آپا نے وجہ بیان کی۔

’’تو ٹھیک ہے...... لیکن پہلے جو پیپر رہ گیا ہے وہ تو دینا ہے۔‘‘

’’اس کو پرچے کی تیاری کے لیے سہیلی کی مدد چاہیے، اس کا کیا کروں......؟‘‘ اکبری بیگم نے دوسری وجہ بھی بیان کردی۔

’’یقیناً راجا ریحان کی بیٹی کے پاس...... یہ ذرا مشکل کام ہے۔‘‘ وہ ہچکچاہٹ کے ساتھ بولا۔

’’ہاں! میں نے سمجھایا ہے مگر وہ سمجھتی ہے کہ اسے اچھا کمپیوٹر آتا ہے۔‘‘ آپا نے بھی ٹکڑا لگایا۔

’’تو اسے یہاں بلا لیا کرے۔‘‘

’’یہاں وہ بے چاری اس دن ہی موٹر بائیک پر مشکل سے آئی تھی...... پھر نہ اچھا ماحول اور نہ کمپیوٹر......‘‘ آپا نے لے جانے پر دباؤ ڈالا۔

’’آپا...... وہ......‘‘ وہ ہکلایا۔

’’میرے خیال میں کچھ دیر کے لیے چھوڑ دیا کرو۔‘‘ آپا کی آواز کسی سناٹے سے آئی۔

’’چلیں ٹھیک ہے، گیٹ پر چھوڑ دیا کروں گا، واپسی پر لے لیا کروں گا...... دیر سویر ہوسکتی ہے۔‘‘ وہ بولا۔

’’بس کوشش کرنی ہے کہ جلد واپس لے لو۔‘‘ آپا بولیں۔

’’ویسے بھی چند دن کی بات ہے۔‘‘ اکبری بیگم نے کہا۔

’’چلیں، اب مجبوری ہے، اسے بتا دیجیے گا، مجھے کام ہے۔‘‘ وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اور رشتے والیوں کو ہاں، نہ کرنی ہے۔'' اکبری بیگم کو یاد آیا۔

''اماں! پہلے گھر شفٹ کر لیں اس موضوع پر پھر بات کریں گے۔'' وہ یہ کہہ کر باہر نکل گیا......اور آپا اپنے چہرے پر آئے فکر کے سائے دور کر کے وضو کرنے کے لیے صحن میں لگی ٹونٹی کے پاس چلی گئیں۔

☆☆☆

جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا کبھی بوا کو یوں بستر سے لگا نہیں دیکھا تھا...... نیناں تو بالکل تنہا سی ہوگئی تھی' مما کی روزانہ کی مصروفیت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔ رزلٹ آنے تک اس کے پاس کوئی مصروفیت تھی نہیں بس وہ بوا کے اردگرد تھی...... وہ اسے نیم وا آنکھوں سے دیکھتی رہتیں...... کمزوری کے باعث پوری طرح آنکھیں بھی نہیں کھول پاتی تھیں...... رابعہ نے دھیرے دھیرے ان سے بھی عدم توجہی کا برتاؤ کر لیا تھا۔ سب کام کاج پہلے ان کی نگرانی میں ہوتے تھے، اب صرف اور صرف ملازمین کے ہاتھ میں تھے...... بوا اس پر بھی بستر پر پڑی کڑھ رہی تھیں۔

''بوا آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، میں بور ہوگئی ہوں۔'' اس نے پکارا اور دل کی بات کہہ دی۔

''بالکل یہی کہا تھا میں نے بھی۔'' بوا نے دھیرے سے کہا۔

''کیا......؟'' نیناں کچھ نہ سمجھی۔

''تمہاری دادی کی پٹی سے لگ کر۔'' وہ اداس ہوگئیں۔

''پھر......''

''پھر وہ بولیں کہ عادت بنالو اکیلے رہنے کی۔'' بوا کی آنکھوں سے اشک ٹوٹے اور تکیے میں جذب ہو گئے۔

''اچھا آپ اداس نہ ہوں، میں ہوں آپ کے پاس......'' نیناں نے پیار سے ان کے ہاتھ چوم لیے۔

''اللہ تمہیں نظر بد سے بچائے، خوش رکھے۔''

''بوا، مما کو کیا ہوگیا ہے؟'' پہلے یہی سوال وہ بابا کے لیے کیا کرتی تھی۔

''بدلاؤ ہے، ٹھیک ہے یا غلط یہ نہیں پتا......'' انہوں نے جواب دیا۔

''بوا! بوا...... یہ میرے کمرے میں ہر چیز بے ترتیب ہے، نہ جرابیں مل رہی ہیں، جانے ساری شرٹ کہاں الٹ پلٹ ہیں۔'' اسی اثنا میں طلال چیختا چلاتا ان کے کمرے میں آگیا۔

''طلال بھائی، آپ دیکھ نہیں رہے بوا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' نیناں کو اس کے طرز تخاطب پر غصہ آگیا۔

''آپ اپنی چونچ بند رکھو، یہ بیمار ہیں تو یہاں کیا کر رہی ہیں؟'' طلال نے اچھی خاصی بدتہذیبی کا مظاہرہ کیا۔

''تو کیا کریں، باہر نکال دیں۔'' نیناں کو جیسے پتنگے لگ گئے۔

''اوہ ہو! چڑیا کے بھی پر نکل آئے ہیں۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

''طلال! طلال......!'' بوا نے کچھ کہنا چاہا۔

''کچھ تو خیال کیا کریں، بوا نے ہی آپ کو اتنا بڑا کیا ہے۔'' نیناں نے احساس دلایا۔

''میرا تو خیال ہے کہ یہ کام اللہ کرتا ہے۔'' وہ بڑی ادا سے مدمقابل آتے ہوئے بولا۔

''اچھا بس جائیں یہاں سے۔'' وہ کترا کر پرے ہوگئی۔

''دیکھ لوں گا چڑیا تمہیں۔''

''ارے جائیں، جائیں......'' جانے کہاں سے اس کے نازک سے بدن میں اتنی ہمت آگئی تھی کہ سینہ تان کر کھڑی ہوگئی...... طلال کو بہت اچھی لگی چند ساعت دیکھتا رہا پھر مسکرا کر باہر نکلا تو ٹی وی لاؤنج میں ٹھٹکا۔

''وہ، نیناں ہیں......؟'' دبلی پتلی سانولی سی مدیحہ نے گھبرا کر اسی سے پوچھ لیا۔

''آپ کی تعریف......؟'' اس نے پوچھا۔

''جی، مدیحہ' میں نیناں کی فرینڈ ہوں۔''

''اچھا بیٹھیں۔'' وہ یہ کہہ کر دوسری طرف چلا گیا۔ اسموک گرے پینٹ اور وائٹ گرے لائننگ شرٹ میں ملبوس دراز قامت طلال کو وہ تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوگیا۔ کچھ دیر بعد احساس ہوا کہ گھر میں تو شاید کوئی نہیں...... مگر کچن سے فیقو برآمد ہوا اور جینا، ریحان اختر کے کمرے کا واش روم دھو کر باہر نکلی تو اس کو انہیں نیناں کے لیے کہنا پڑا۔

''آپ بیٹھیں، میں نیناں بی بی کو بلاتا ہوں۔'' فیقو نے کہا اور بوا کے کمرے میں چلا گیا کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ وہیں ہے۔

''ہائے مدیحہ! یہ سچ ہے کہ تم میرے گھر آگئیں۔'' نیناں خوشی اور حیرت سے بھاگ کر اس سے لپٹ گئی۔

''گھر یا محل میں...... کتنا خوب صورت اور بڑا گھر ہے تمہارا۔'' مدیحہ ٹی وی لاؤنج کی سجاوٹی اشیا اور فرنیچر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''سچ......'' نیناں نے کہا۔

''ہاں، میں تو حیران ہوں کہ تم اتنے بڑے بنگلے میں رہتی ہو۔''

''بس یہ میری دادی کو جہیز میں ملا تھا......'' نیناں اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے میں لائی اور دیوار گیر دادی کی تصویر کے سامنے کھڑا کر دیا۔

''بہت حسین تھیں تمہاری دادی۔'' مدیحہ تصویر کے حسن میں کھو سی گئی۔

''میرے بابا بھی دادی جیسے ہیں۔'' نیناں نے معصومیت سے کہا۔

''اور وہ کون تھے؟'' مدیحہ نے غالباً طلال کی بابت پوچھا تھا، وہ نہ سمجھ سکی۔

''کون......؟''

''وہی جو ابھی مجھے ملے تھے۔''

''اچھا، وہ طلال بھائی ہیں۔'' اس نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہی طلال ہیں جنہیں تم برا بھلا کہتی ہو؟''

''ہاں، ہیں ہی بہت برے۔''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

”اتنے ڈیشنگ اور ہینڈسم شخص کو برا کہنا بہت بری بات ہے۔“ مدیحہ نے طلال کی تعریف میں انتہا پسندی کی حد کردی۔

”کیا ڈیشنگ اور ہینڈسم ہونا خوبی ہے، تمہیں اندازہ ہی نہیں یہ کیا ہیں!“ نیناں نے تعجب اور حیرت کے ملے جلے تاثرات دیے۔

”خیر، پسند اپنی، اپنی خیال اپنا اپنا......“ مدیحہ کے دل نے نیناں کی رائے مسترد کردی۔

”اب یہ بتاؤ، کیا کھاؤ، کیا پیو گی؟“ نیناں نے مہمان نوازی کے لیے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”جو تم چاہو......لیکن مجھے بوا سے ملواؤ اور تمہاری مما.؟“ وہ اپنے مخصوص تیز رفتار انداز میں بولتی گئی۔

”مما باہر گئی ہیں اور بوا کی طبیعت کچھ خراب رہتی ہے وہ اپنے کمرے میں ہیں۔“ نیناں نے کہا۔

”تمہاری مما تو یقیناً ہوں گی ہی خوب صورت......“ مدیحہ نے نیناں کو اس طرح کے سوالوں سے زچ کردیا تو اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔

”سب حسین ہیں، سب خوب صورت ہیں یار، اب جان چھوڑ دو۔“

”ہا......ہا......ہا......“ مدیحہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

”تم بیٹھو میں کچھ لانے کا فیضو کو کہہ کر آتی ہوں۔“ نیناں یہ کہتے ہوئے باہر چلی گئی۔ تو وہ سیدھی اس کی کمپیوٹر ٹیبل کی طرف آ گئی۔ نئے ماڈل کا کمپیوٹر فل ایسسریز کے ساتھ رکھا تھا، ڈیل کا لیپ ٹاپ رکھا تھا، پین، کاغذ، ڈائری سب کچھ ٹیبل پر موجود تھا۔ وہ دیکھنے میں محو تھی کہ پشت سے کسی کے کھنکھارنے کی آواز آئی۔ وہ چونک کر پلٹی تو بوکھلا گئی۔

”کمپیوٹر دیکھنے میں دلچسپی ہے یا چلانا بھی آتا ہے.؟“ طلال نے خاصی بے تکلفی سے بات کی۔

”وہ، جی آتا ہے لیکن پرچے کی تیاری کے ساتھ کچھ نیناں سے سیکھنا ہے۔“ وہ بولی۔

”واہ! نیناں چڑیا کسی کو سکھا بھی سکتی ہے؟“ وہ کندھے اچکا کر بولا۔

”نیناں آپ کی بہت تعریف کرتی ہے۔“ بوکھلاہٹ میں وہ یہ کہہ گئی تو طلال کی آنکھیں آخری حد تک پھیلیں اور پھر وہ قہقہہ لگا کر ہنستا چلا گیا۔ وہ شرمندہ سی ہوگئی، یہ تھا تو سفید جھوٹ جو وہ بول گئی تھی...... نیناں کی جگہ خود اس کی تعریف کرنا چاہ رہی تھی۔

”آپ تو بہت جھوٹ بولتی ہیں۔“ وہ بے باکی سے کہہ گیا۔

”یہ جھوٹ نہیں ہے۔“ وہ جز بز سی منمنائی۔

”وہ میری تعریف کبھی نہیں کرسکتی۔“ وہ اڑ گیا۔

”ہاں! میں نے کبھی طلال بھائی آپ کی تعریف نہیں کی۔“ پیچھے سے نیناں نے آ کر بہت تلخ لہجے میں کہا۔

”یہی تو میں مس مدیحہ سے کہہ رہا ہوں، یہ مانتی ہی نہیں۔“ وہ بڑی معصوم سی ادا کے ساتھ گھوم کر بولا۔ نیناں کے چہرے پر سخت ناگواری کے تاثرات تھے۔

”آپ پلیز جائیں...... کسی بے تکلفی کی ضرورت نہیں ہے۔“ نیناں نے رخ موڑ کر کہا تو وہ واپسی کے لیے ایڑیوں کے بل گھوم گیا۔ اس کے جاتے ہی نیناں مدیحہ سے بولی۔

www.paksociety.com

”میں کب تعریف کرتی ہوں؟“

”تو کیا کرو ناں، اتنے اچھے تو ہیں۔“ مدیحہ نے شوخی سے کہا۔

”پلیز! چھوڑو اس فضول بات کو، بیٹھو کام کرتے ہیں۔“ نیناں نے کمپیوٹر کا تار الیکٹرک سپلائی بورڈ میں لگایا اور بیٹھ کر اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا...... مگر مدیحہ کا دل اور دماغ تو جیسے اس کے پاس تھا ہی نہیں۔

☆☆☆

جب سے وہ نیناں کے گھر سے لوٹی تھی زبان مسلسل تعریفوں میں مصروف تھی۔ اس کی باتوں سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی خواب بیان کررہی ہو...... جب رات تک یہ سلسلہ جاری رہا تو آپا نے عشا کی نماز پڑھتے ہی ٹوکا۔

”بس کرو مدیحہ...... وہ باتیں کررہی ہو جو دوسروں کی ہیں۔“

”نہ یہ بتاؤ تم وہاں کمپیوٹر کے پیپر کی تیاری کرنے گئی تھیں یا راجا صاحب کا بنگلا دیکھنے۔“ ٹی وی پر نظریں جمائے جمائے زلفی نے بھی طنز اور مذاق کو اکٹھا کردیا۔

”بھائی! تیاری اپنی جگہ مگر کسی کے گھر کی تعریف کرنے میں حرج ہی کیا ہے......؟“ مدیحہ نے جواب دیا۔

”ہے حرج...... کسی کا گھر جو ٹھہرا، اپنے گھر آنگن تک نگاہ رکھتے ہیں۔“ اکبری بیگم رات کا کھانا ٹرے میں رکھے وہیں آ گئیں۔

”جانے آپ سب کیسی باتیں کرتے ہیں......؟“ وہ جھلا اٹھی۔

”بھئی سیدھی سی بات ہے، بڑے دروازوں سے ہم جیسے لوگ گزریں تو بونے دکھائی دیتے ہیں۔“ اکبری بیگم نے فلسفیانہ انداز اختیار کیا تو مدیحہ اچھل ہی پڑی۔

”اوہو اماں! میری سہیلی بہت اچھی ہے، وہ مغرور نہیں ہے۔“

”اب چپ کر جاؤ...... پہلے سب اچھے ہی لگتے ہیں، چلو کھانا کھاؤ اور کمرے میں آ جاؤ۔“

”بھائی! ہمارا گھر؟“ اس کا جملہ سوالیہ تھا۔

”جلدی خریدیں گے مگر سہیلی کے بنگلے جیسے گھر کے خواب نہ دیکھ لینا۔“ زلفی نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

”بس ذرا کشادہ ہو، گلیاں تنگ نہ ہوں۔“ اماں نے مشورہ دیا۔

”ایسا ضرور ہو جہاں گاڑی آ سکے۔“ مدیحہ نے ہانک لگائی تو اندر سے آپا کی آواز آئی۔

”مدیحہ! عشا کی نماز ضرور پڑھنی ہے۔“

”سن لیا، آپا کا اشارہ اس طرف ہے کہ خواب سے حقیقت میں آ جاؤ۔“ زلفی نے ٹکڑا لگایا۔

”اچھا آپا جی......“ زلفی کی بات نظر انداز کرکے اس نے اونچی آواز میں جواب دیا۔

”زلفی! لڑکی دیکھنے جاؤں......؟“ اماں نے اپنے مطلب کی بات کی۔

”اماں! کیا ہوگیا آپ کو، گاؤں تو بسنے دیں، گھر تو پہلے لے لیں۔“ وہ بولا۔

”دراصل لڑکی کی ماں نے بارہا کہلوایا ہے، انہیں جلدی ہے۔“ وہ بولا۔

”تو پھر انہیں کہیں لڑکی بھیج دیں۔“ اس نے تمسخر اڑایا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

’’بہت بری بات کی تم نے۔‘‘

’’تو اور کیا کہوں؟‘‘ بھئی ان کی لڑکی بھاگی جارہی ہے کیا......؟‘‘ پانی پینے کے بعد وہ بڑے تحمل سے بولا۔

’’حمیدہ بتارہی تھی لڑکی خوب صورت ہے، اکلوتی ہے، کھاتے پیتے لوگ ہیں۔‘‘

’’آپ حمیدہ سے کہہ دیں جب ہم چاہیں گے تب بات ہوگی۔‘‘ وہ لاتعلق سا ہوکر پھر سے ٹی وی دیکھنے میں محو ہوگیا...... مدیحہ نے آپا کے کہنے کے مطابق وضو کا ارادہ کرکے صحن کا رخ کیا...... آپا صرف اس سے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ہی ناراض ہوتی تھیں۔ انہیں ناراض کرنے کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی اور ہوش سنبھالنے سے اب تک کبھی آپا کو نماز قضا کرتے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کی دنیا صرف اور صرف باقاعدگی سے نماز کی ادائیگی تک محدود تھی...... یہی تاکید وہ مدیحہ اور زلفی کو کرتی تھیں مگر زلفی تو کبھی اس پر عمل پیرا نہ ہوسکا البتہ مدیحہ پوری کوشش کرتی تھی، بس کبھی کبھار عشا کی نماز سستی کی نذر ہوجاتی جس پر آپا خفا ہوکر اتنا کہتیں۔

’’رات کو نئی زندگی لے کر سونا اچھی بات ہے، عشا کے بعد انسان نیا ہوکر سوتا ہے۔‘‘

’’آپ تو پرانی کی پرانی ہی رہتی ہیں، وہی بال، وہی ایک طرح کے کپڑے۔‘‘ وہ دانستہ شرارت سے کہہ دیتی تو گھنٹوں کی چپ ان پر طاری ہوجاتی...... مدیحہ شرمسار ہوکر انہیں بہلانے کی کوشش کرتی مگر شاید چپ توڑنے پر ان کو اختیار نہیں تھا، تب وہ لاڈ سے ان کے گلے میں بازو ڈال کر سوجاتی...... وہ سوجاتی اور وہ جانے رات کے کس پہر مان جاتیں...... اس کی پیشانی چوم کر ڈھیروں دعائیں دیتیں۔

وہ عشا کی نماز پڑھ کر سیدھی بستر پر گر گئی...... لیکن طلال پوری وجاہت کے ساتھ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا...... مدیحہ نے اس کے تصور میں کروٹ لے کر آنکھیں موند لیں تو آپا نے اس کے سامنے کی طرف آکر پیشانی چوم کر دھیرے سے کہا۔

’’اپنے کمرے میں سما جانے والے خواب دیکھنا......‘‘ انہوں نے جانے کیسے اس کی بند آنکھوں میں بھی سب کچھ پڑھ لیا...... وہ ٹھٹکی مگر بند آنکھیں نہ کھول سکی۔

☆☆☆

کمرے کی مدھم روشنی میں وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے نائٹ کریم چہرے پر لگانے میں محو تھیں کہ اچانک پشت سے دیکھتے ریحان اختر پر نظر پڑی تو چونکیں.... وہ جب کمرے میں آئی تھیں ریحان سوئے ہوئے تھے، واش روم میں چینج کے لیے گئیں، باہر نکلیں تب بھی وہ سوئے ہوئے تھے...... لیکن اب وہ پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہے تھے۔

’’کیا بات ہے رابعہ بیگم تمہاری اداؤں میں......‘‘ انہیں متوجہ پا کر زہر خند جملہ کہا گیا...... وہ ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرکے ہیئر برش سے بال سنوارتے ہوئے بیڈ کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

’’اچھا تو آپ کو یاد ہیں۔‘‘

’’کیا......؟‘‘ ناسمجھی سے پوچھا گیا۔

’’ادائیں......؟‘‘ وہ ادا سے بولیں۔

’’مجھے کبھی یہ ضرورت نہیں پڑی، تمہاری ادائیں تو دوسروں کے لیے تھیں اور اب بھی ہیں۔‘‘

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ٹھیک کہا آپ نے، آپ نے تو جھوٹ بولا تھا، کسی پری وش سے محبت کرتے تھے۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں چبا چبا کر بولیں۔

''تھے تو غلط خیال ہے تمہارا.....'' وہ طنزیہ مسکرائے۔

''میری بلا سے، کرتے رہیں۔''

''بوا بہت کمزور اور ضعیف ہوگئی ہیں، انہیں توجہ چاہیے، نیناں کو بھی نظر انداز کرنے لگی ہو۔'' وہ یکسر موضوع بدل گئے۔

''نیناں آپ کی جان ہے، بوا کو آپ کی توجہ بھی چاہیے۔''

''پھر دستبردار ہو کر جاؤ نیناں سے۔'' وہ چڑ گئے۔

''میں بیکار بحث کے موڈ میں نہیں۔''

''میں نے رمان سے کچھ کہا تھا۔'' وہ پھر نئے موضوع کے ساتھ مخاطب ہوئے۔

''تو پھر.....''

''اس نے کچھ بتایا نہیں؟''

''تو پوچھ لیں۔''

''پوچھ کر بتاؤ۔''

''اس نے مجھے کچھ بتانا ہوتا تو آج بتا دیتا، میں دادی سے مل کر آرہی ہوں، وہ بھی وہیں تھا۔''

''مجھے وضاحت مت دو کہ کس سے مل کر آرہی ہو.....؟''

''مجھے کیا ضرورت ہے وضاحت دینے کی.....'' وہ بہت سنجیدگی سے بولیں۔

''مجھے ویسے ہی سب کچھ معلوم ہے، عورت کی ایسی تبدیلی کا بڑا مشہور نام ہے مگر میں وہ کہنا نہیں چاہتا۔''

''پلیز! مجھے نیند آرہی ہے۔'' وہ بیڈ پر اپنی سائیڈ پر کروٹ لے کر لیٹ گئیں۔

''غلط کہا رابعہ بیگم! اب تو تم سوتے میں بھی جاگ رہی ہوتی ہو، اب تمہیں نیند کی گولیاں بھی نہیں کھانی پڑتیں۔'' وہ طنز بھرے تیر چلا کر خود بھی کروٹ لے کر لیٹ گئے۔ رابعہ نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا..... بس ہلکا سا تبسم لبوں پر مچل گیا..... ریحان کے طنز سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ جیلس ہو رہے ہیں۔

''چلو کسی بھی وجہ سے تمہیں تکلیف تو ہونے لگی ہے ریحان اختر!'' وہ ہولے سے زیرِ لب بڑبڑائیں۔ ان کا خیال کچھ بھی تھا، ریحان اختر بخوبی جانتے تھے ان میں انقلابی تبدیلی آچکی تھی۔

☆☆☆

رمان ایک ہفتے کے لیے ریجن کے ٹور پر چلا گیا تو عارفہ تنہائی سے بچنے کے لیے اور موقع غنیمت جان کر دادی سے ملنے چلی آئیں..... دادی گلو کی مدد سے اسٹور سیٹ کرا رہی تھیں..... شہناز اور صفو بھی دونوں تیزی سے سامان ان کے کہنے کے مطابق دائیں بائیں رکھ رہی تھیں۔

''دادی! ہماری زوجہ ماجدہ کہتی تھیں کہ اسٹور کے کام تو عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔'' گلو نے موقع پاتے ہی عرض فرمایا تو شہناز اور صفو جل گئیں۔

''اسی لیے وہ جلدی اوپر چلی گئیں۔''

''ارے، ایسے نہیں کہتے۔'' زیتون بیگم نے ان دونوں کو ڈپٹا..... اسی وقت آٹو رکشا گیٹ پر رکا تو وہ سمجھ گئیں کہ عارفہ یا رابعہ ہیں لیکن زیادہ گمان عارفہ کا ہی تھا، رابعہ تو اب گاڑی خود ہی چلاتی تھیں، عارفہ رمان کی محتاج تھیں۔ عارفہ ہی تھیں..... وہ خوش ہو کر وہاں سے ٹی وی لاؤنج کی طرف آگئیں۔

''السلام علیکم!'' عارفہ نے گلے لگ کر کہا۔

''وعلیکم السلام! جیتی رہو، اپنے بچے کی ہزاروں خوشیاں دیکھو۔'' انہوں نے پیشانی چوم کر دعا دی۔

''آمین ثم آمین، اللہ وہ وقت تو لائے۔'' عارفہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں بھئی، وقت کو کیا کہیں سے لا کر لانا ہے، ماشاء اللہ فرمانبردار برسرِ روزگار بیٹا ہے بس جب چاہو سہرا سجا دو۔'' زیتون بیگم نے بڑی سادگی سے کہا تو عارفہ خاموش ہوگئیں۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں ہے۔''

''مشکل کیا ہے؟''

''آپ نہیں سمجھ سکتیں، دُہری الجھنیں ہیں۔'' عارفہ نے گول مول کہہ کر ٹالا۔

''کیسی الجھنیں.....؟'' وہ متفکر سی ہوگئیں۔

''بس کچھ سمجھ میں نہیں آتا، دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔''

''پہیلیاں بھجوا رہی ہو؟''

''دادی! دعا، رمان کو جی جان سے چاہتی ہے اور رمان، نیناں کو پسند کرتا ہے۔''

''اور تم کیا چاہتی ہو.....؟''

''میں دعا کا دل نہیں دکھانا چاہتی اور میں رمان کو بھی دکھی نہیں کر سکتی، طاہرہ بہت اچھی اور پیاری نند بن کر رہیں، ان کا چہرہ دیکھتی ہوں تو شرمندگی ہوتی ہے۔'' عارفہ نے الجھن واضح کردی۔

''یعنی ایک انار سو بیمار والی بات ہے۔''

''ہاں، اب آپ ہی بتائیں میں کیا کروں.....؟''

''دیکھو! کرنا تو وہی پڑے گا جو رمان چاہتا ہے۔''

''نیناں مجھے بہت عزیز ہے لیکن دعا رات دن میری نظروں کے سامنے رہتی ہے۔'' عارفہ بہت پریشان تھیں۔

''کیا، کیا جائے.....؟''

''یہی تو فکر دامن گیر ہے، دعا کے لیے رشتے آتے ہیں تو وہ دوڑا دیتی ہے۔''

''اسے سمجھاؤ کہ جب رمان ایسا نہیں چاہتا تو یہ خیال چھوڑ دے۔''

''دادی! یہ دل کی لگی یوں کب بجھتی ہے؟ مجھے دعا پر ترس آتا ہے۔''

''اور نیناں کی مرضی معلوم ہے.....؟''

''یقیناً وہ بھی رمان کو پسند کرتی ہے..... بس کبھی ظاہر نہیں ہونے دیتی.....'' عارفہ نے اپنی دور رس نگاہوں سے جہاں تک دیکھا تھا کہہ دیا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہمارا خیال ہے پھر نیناں کے لیے رابعہ سے بات کرلو۔''

''رابعہ سے یا ریحان سے؟''

''ایک ہی بات ہے۔'' انہوں نے تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں' ان دونوں میں تو ویسے ہی معاملات سرد ہیں، یہ بھی الجھن ہے، رابعہ سے ہی مشورہ کروں گی کہ کیا کرنا چاہیے؟'' عارفہ بیگم نے خود ہی فیصلہ کیا۔ اسی وقت گلو چائے کی ٹرے لے آیا۔

''میں ہفتہ بھر رہنے آئی ہوں گلو صاحب......'' عارفہ نے گلو کو واضح کیا کہ کمرا صاف کروائے۔

''اچھا زہے ماجدہ کہتی تھیں بیٹیوں کا گھر میں آنا جانا رحمت ہوتا ہے جی۔'' گلو خوش ہو کر بولا۔

ان دونوں کو ہنسی آگئی...... اتنے بڑے گھر میں گلو کا وجود بہت غنیمت تھا، اسی کی وجہ سے زندگی کا احساس ہوتا تھا۔ وہ کام کاج سے فارغ ہو کر گھنٹوں زیتون بیگم کے پاس بیٹھ کر دکھ سکھ بانٹتا تھا۔

☆☆☆

بے ترتیب دھڑکنوں اور بہکے بہکے جذبات کے ساتھ سُبک روی سے اندرونی داخلی دروازے سے اندر داخل ہوئی تو دلی طور پر اسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی، جی چاہا کہ کسی کو اس کے آنے کی خبر نہ ہو، نیناں بھی نہ دیکھ سکے، پہلے وہ کہیں سے آجائے، ٹکرا جائے...... اس کی یہ خواہش پوری ضرور ہوئی مگر ایک طرف سے طلال آیا اور دوسری طرف سے بوا آگئیں، ان کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی تو چلنے پھرنے لگی تھیں۔

''آپ! آئیں بیٹھیں......'' طلال نے بے تکلفی سے کہا...... مگر مدیحہ جز بز سی تھی کہ کیا کرے؟ بوا نے اس کی مشکل حل کی۔

''مدیحہ ہو۔''

''جی جی ہاں۔'' وہ بولی۔

''تو آؤ نیناں ٹیرس پر ہے۔'' انہوں نے طلال کو نظر انداز کر دیا۔

''بوا! نیناں کو اطلاع دے دیں۔'' مگر وہ مصر ہوگئیں۔

''نہیں، نیناں نے وہیں بھیجنے کو کہا تھا۔''

''جی، چلیے۔'' مدیحہ کو بادلِ ناخواستہ بوا کی ہم رکابی اختیار کرنی پڑی مگر دل پھر سفید کڑ کڑاتے شلوار سوٹ میں ملبوس طلال پر اٹکا رہ گیا...... بس اتنا قرار دلِ بے قرار کو مل گیا کہ وہ دکھائی دے گیا۔ ٹیرس پر نیناں خود کو پُرسکون محسوس کرتی تھی...... احمد فراز کی کتاب اس کے ہاتھ میں تھی...... وہ محو تھی۔

''ہیلو!'' مدیحہ نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ چونکی...... نظریں اٹھائیں تو اسے غور سے دیکھنے لگی...... سوفٹ پنک شلوار سوٹ میں بہت لائٹ سی لپ اسٹک لگائے، بالوں کو سلیقے سے باندھے سانولی سلونی سی مدیحہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''واؤ! بیوٹی فل یار۔'' نیناں بولی۔

''کون، میں یا یہ احمد فراز کی کتاب......'' مدیحہ نے بن کر پوچھا۔

''یار! تم، احمد فراز تو احمد فراز تھا...... اس کی شاعری کی تو میں تمہارے جیسی بدذوق سے بات نہیں کرسکتی۔''

''نہیں آج کرو، اچھی سی کوئی غزل سناؤ...... کوئی نظم سناؤ......'' مدیحہ چہکی تو نیناں کو حیرت نے آگھیرا۔

''ہیں، ہیں! خیریت تو ہے نا؟''

''بس سناؤ، دل چاہ رہا ہے۔''

''یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے
وہ بت ہے یا خدا دیکھا نہ جائے''

نیناں نے لہک لہک کر شعر پڑھا۔

''واہ!'' مدیحہ جھوم اٹھی۔

''ویسے تمہیں کیا ہوگیا ہے......؟'' نیناں نے کریدا۔

''کچھ نہیں بس تمہیں وہم ہوگیا ہے۔''

''کیسا وہم......؟''

''میرا مطلب ہے، میرا مطلب کہ تم غلط سوچ رہی ہو۔'' مدیحہ کچھ سے کچھ بول گئی۔

''اس کو کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا...... بھئی میں تو کچھ نہیں سوچ رہی۔'' نیناں نے حیران ہو کر کہا تو وہ خفت سے بولی۔

''اچھا چلو، اب مجھے چیپٹر ون کی باقی ایکسرسائز کرادو۔'' مدیحہ نے بات کا رخ بدلا۔ نیناں اٹھ کھڑی ہوئی مگر اسی وقت طلال کافی کے بھاپ اڑاتے دو مگ لیے وہیں آگیا۔ نینا کا ماتھا ٹھنکا جبکہ مدیحہ کے دل کی کلی کھل اٹھی۔

''طلال بھائی! میرا خیال ہے مدیحہ میری فرینڈ ہے۔'' نیناں نے جل کر کہا۔

''تو ایسا کہاں کوئی ہوگا جو تمہاری فرینڈ کا بھی اتنا ہی خیال رکھے۔'' وہ چہکا۔

''پلیز! آپ صرف اپنا خیال رکھیں، آؤ مدیحہ......'' نیناں نے کہا اور مدیحہ کا ہاتھ پکڑ کر چل دی۔

''چڑیا! یہ کافی میں نے بنائی ہے، یہ تو پینے دو۔''

''آپ پئیں......''

''نیناں! بری بات ہے۔'' مدیحہ نے کہا۔

''کوئی بری بات نہیں ہے......'' نیناں یہ کہہ کر اسے کھینچے لیے چلی گئی۔

''نیناں! تمہاری اپنے کزن سے لڑائی کیا ہے؟'' مدیحہ نے اس کے کمرے میں پہنچ کر پوچھا۔

''چھوڑو، بیٹھو اور کمپیوٹر آن کرو۔'' نیناں نے ٹال دیا۔

''مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔''

''تمہیں کیوں اچھا نہیں لگ رہا، وہ میرے کزن ہیں مجھے معلوم ہے کیسے ہیں......؟'' نیناں نے اچھے خاصے کڑک انداز میں کہا...... مدیحہ چپ ہوگئی لیکن اس کے دل اور دماغ دونوں نے نیناں کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

گھر کا بیانہ وصول کرنے کے بعد انہوں نے ضروری ساتھ لے جانے والا سامان الگ کر کے پیک کرنا شروع کر دیا تھا...... باقی موٹے موٹے سامان سمیت گھر کا سودا کیا تھا۔ اس وقت وہ اپنی بک شیلف سے کتابیں نکال کر میز پر رکھ رہے تھے...... رابعہ نے ہولے سے دروازے پر دستک دی تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا...... رابعہ کو خلافِ توقع اپنے سامنے دیکھ کر وہ خوش ہو گئے۔

''زہے نصیب......!''

''کیا کر رہے ہو، کمرے میں کیسے سامان پھیلا رکھا ہے؟'' انہوں نے کمرے میں چاروں طرف پھیلے سامان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بے ترتیب زندگی کو ترتیب دینے کی تیاری ہے۔'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب میز پر رکھ کر جواب دیا۔

''یہ ترتیب تو بہت پہلے دے لینی چاہیے تھی۔''

''ہاں! لیکن دل نے پسند نہیں کیا۔''

''سبحان! آج یہ بتاؤ کہ کیوں تم نے خود کو ادھورا اور نامکمل رکھا۔'' صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے پوچھ لیا۔ وہ چند لمحے رابعہ کو غور سے دیکھتے رہے پھر بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''تمہارے ہوتے ہوئے میں کب ادھورا ہوں؟''

''میں...... میں تو تمہاری مخلص دوست ہوں، محسوس کر کے پوچھ رہی ہوں۔'' وہ گڑبڑائیں پھر سنبھل کر بولیں۔

''چھوڑو دوست! یہ گزرے وقت کی باتیں ہیں، تم سناؤ کیا ہو رہا ہے؟'' وہ یکسر ٹال گئے تو وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر بولیں۔

''بس رنگوں اور رونقوں کے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔''

''یعنی سراب کے پیچھے ؟''

''شاید۔''

''لیکن کیوں کیوں حقیقت پسندی کا راستہ چھوڑ دیا ؟''

''سبحان! میری زندگی میں صرف نیناں ہے، باقی کچھ نہیں...... ریحان اور میرے بیچ صرف طویل اور تاریک فاصلہ ہے۔''

''تو ختم کرو فاصلہ، نیناں کی خاطر ہی سہی۔''

''پلیز! سبحان! سب نیناں کی خاطر ہی سہہ رہی ہوں، اس موضوع پر بات مت کرو۔'' وہ بیزار سی ہو گئیں۔

''اور اس موضوع پر......؟'' وہ دانستہ جملہ روک کر دیکھنے لگے۔

''وہ ٹھیک ہے، اس کا وجود خوشگوار احساس ہے۔'' انہوں نے سمجھ کر کہا۔

''مجھ سے زیادہ......'' انہوں نے بے ساختہ پوچھا تو وہ بھڑک اٹھیں۔

''یہ کیا بات کی تم نے، کمپیریزن، تم کیا ہو، نہیں جانتے، وہ کچھ اور ہے، سب ایک جگہ کیسے قیام کر سکتے ہیں۔''

''مجھے اپنے بارے میں پتا ہے، بات تو اس کی ہے۔'' کچھ اور طرح کے رنگ اکٹھے ہو کر ان کی آنکھوں

www.paksociety.com

میں بکھر گئے۔

''کافی پلواؤ، تم سب کچھ بھول گئے ہو۔'' انہوں نے فرمائش کی تو وہ مسکرا کر کافی بنانے باہر چلے گئے۔ وہ اٹھیں اور ان کی الماری کھول کر دیکھنے لگیں...... کارڈز، کی رنگز، خشک پھول، پرفیومز کی خالی بوتلیں سب محفوظ تھیں، سب ان کے دیے ہوئے تحفے تھے جنہیں زمانے گزرنے کے بعد بھی سبحان نے محفوظ رکھا تھا۔ اس کے دل میں کچھ ارتعاش سا پیدا ہوا۔ وہ گزرے دن یاد آ گئے۔ آزادی کے، بے فکری کے اور دوستی کے دن۔ سارے زمانے سے بھاگ کر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے میں لطف آتا تھا اور پھر جانے کیوں وہ ریحان اختر کی فریب زدہ محبت کا شکار ہو گئیں۔

''سبحان! تم میرا قیمتی سرمایہ ہو، مجھے فخر ہے تمہاری دوستی پر...... خدا کرے کہ تم کو خوشیاں ملیں۔'' وہ سوچ رہی تھیں کہ وہ آ گئے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''سبحان! تم جا رہے ہو؟''

''ہم جا رہے ہیں، یعنی میں اور بڑے ابا......'' انہوں نے کافی کا مگ انہیں پکڑایا۔

''خوشی سے؟''

''نہیں۔''

''تو پھر......''

''پھر یہ کہ جانا تو ہے۔''

''پلیز مت جاؤ۔'' وہ بے ساختہ کہہ گئیں۔

''کیا؟''

''سبحان! مجھے دوستوں کی ضرورت ہے۔'' وہ بے بس سی دکھائی دیں۔

''رابعہ! سب دوست ہیں، مجھے تو جانا ہے۔'' وہ بولے۔

''اچھا، ٹھیک ہے۔'' کافی کی چسکی لیتے ہوئے لہجہ مدھم تھا۔

پھر بہت سا وقت دبے قدموں سرک گیا۔ سبحان سوچتے رہے کہ زندگی کیسے بنا عنوان کے گزر گئی...... رابعہ کے لیے وہ اب سراپا دعا تھے۔

☆☆☆

''نیناں! نیناں!'' رمان آوازیں دیتا ہوا اس کے کمرے میں آ گیا...... وہاں ریحان اختر پہلے سے موجود تھے...... وہ اسے قائل کر رہے تھے کہ آفس آیا کرے لیکن اس نے اپنی عدم دلچسپی واضح کر دی تھی۔ اسے صرف یونیورسٹی کے داخلے سے دلچسپی تھی۔ ریحان اختر بیٹی سے ضد تو نہیں کر سکتے تھے۔

''السلام علیکم!'' ارمان نے سنبھل کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام آؤ جوان کیسے ہو؟'' وہ بہت اپنائیت سے بولے۔

''جی میں بالکل ٹھیک، آپ کیسے ہیں؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''یار! ہم تو ٹھیک ہیں لیکن آپ نے لفٹ ہی نہیں کرائی۔''

''دراصل مصروفیت بہت رہی، آج رات کمپنی نے میوزیکل شو ارینج کرایا ہے، اس کے لیے نیناں کو کہنا تھا۔''

''سچ، کون سا گروپ ہوگا؟'' نیناں نے خوش ہو کر پوچھا۔

''پتا نہیں۔''

''آپ نے جانا ہے؟'' ریحان اختر نے براہِ راست نیناں سے پوچھا۔

''جی۔''

''رمان! بھئی ہماری بیٹی کو خود لے کر جانا۔'' وہ بولے۔

''جی، میں اسی لیے حاضر ہوا ہوں، ابھی لے جاؤں گا پھر رات کو گھر سے تیار ہو کر چلے جائیں گے۔'' اس نے تفصیل بتائی۔

''ٹھیک ہے، نیناں! فیضو سے کہو کہ جوس لے کر آئے۔''

''اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔'' رمان نے کہا مگر وہ مصر تھے، نیناں باہر چلی گئی تو وہ پھر اسی موضوع پر آگئے۔

''رمان! آپ نے سوچ کر بتانا تھا۔''

''انکل! میں نے پہلے بھی عرض کی تھی کہ میں الحمدللہ سیٹ ہوں۔''

''خاک سیٹ ہو یار! رات دن مارا ماری کرتے ہو۔'' انہوں نے استہزائیہ سا انداز اختیار کیا۔

''وہ تو میری تعلیم اور ملازمت کی ضرورت ہے۔''

''ہاں تو اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ اچھے مقام پر ہونا چاہیے۔''

''سوری! اچھے مقام سے کیا مراد ہے آپ کی؟'' اس نے ناپسندیدگی کے ساتھ کہا۔

''میرا مطلب ہے آپ کو اور اچھا عہدہ ملنا چاہیے، ہمارے ساتھ۔'' وہ بولے۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''رمان! ہمارے کاروبار کا بوجھ بانٹ لو تاکہ ہم نیناں کے لیے فیصلہ کریں۔'' دانستہ ذومعنی بات کر کے وہ موبائل فون میں مصروف ہو گئے۔ وہ کچھ نہ کچھ سمجھ گیا لیکن چاہتے ہوئے بھی خوشی اس سے دور رہی...... کچھ بھی کہے بغیر معذرت کر کے باہر آگیا۔ ریحان اختر کو یہ معذرت بالکل پسند نہ آئی...... ان کا خیال تھا کہ وہ خوش ہو کر رضامند ہو جائے گا مگر اس نے جانے میں بڑی عجلت اختیار کی...... موبائل فون مٹھی میں دبائے وہ اپنے کمرے میں آگئے۔ رابعہ کے پاس رمان کو دیکھ کر وہ پیشانی پر چند سلوٹیں ڈال کر الٹے قدموں باہر نکل گئے۔

''رابی خالہ! نیناں سے کہیں کہ جلدی آجائے، مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ ریحان انکل کے ساتھ ہونے والی گفتگو پر پردہ ڈال گیا۔

''میں بلاتی ہوں مگر تم بیٹھو ابھی کہاں جانا ہے۔'' رابعہ یہ کہہ کر نیناں کو بلانے چلی گئیں...... تو وہ تنہائی پاتے ہی خود الجھن کا شکار ہو گیا۔ اسے ریحان انکل کی سوچ اچھی نہیں لگی بھلا کوئی ایسے بھی سوچتا ہے...... رشتوں کی بنیاد میں سوداگری کہاں سے آگئی؟ وہ سوچ میں گم تھا کہ نیناں نے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا ہاتھ لہرا کر متوجہ کیا۔

www.paksociety.com

''ہیلو! ہیلو!'' وہ چونکا تو نظریں اس کے خوب صورت چہرے پر ٹک گئیں۔

''کیا دیکھ رہے ہیں......؟''

''میں حسن کی معصوم ادا دیکھ رہا ہوں۔'' وہ شوخ ہو گیا تو وہ پرے ہو گئی۔

''چلیں......''

''رابی خالہ؟''

''ان کا فون آیا ہے، وہ مصروف ہیں۔''

''اور ریحان انکل؟''

''وہ چلے گئے ہیں۔''

''نیناں! تمہارے بابا عجیب و غریب باتیں کرتے ہیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا، وہ کچھ نہ بولی اپنا مختصر سا سامان والا بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔ البتہ ذہن میں اس کے جملے نے کافی ہلچل مچا دی...... عین اسی وقت رابعہ سامنے آگئیں۔

''واپسی کتنے بجے ہوگی؟''

''رات لیٹ ہو جائیں گے، صبح چھوڑ دوں گا۔''

''کہاں جانا ہے؟'' انہوں نے پوچھا تو اس نے تفصیل سے بتا دیا۔

''مما! آپ بھی چلیں؟'' نیناں نے کہا۔

''نہیں، مجھے کہیں جانا ہے بلکہ بوا کے دو ٹیسٹ ڈاکٹر صاحب نے لکھے ہیں؛ وہ بھی کرانے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''میں کرا دیتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''ارے نہیں، آپ لوگ جائیں۔'' رابعہ نے مسترد کر دیا۔

''آپ کچھ پریشان ہیں۔''

''نہیں، ایسی خاص بات نہیں، میں دادی کی طرف رات ٹھہروں گی۔''

''مما! بوا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' نیناں نے یاد دلایا۔

''ہاں، بالکل بس میں گھر پر ہی ہوں۔'' انہوں نے پروگرام بدلا۔

''اوکے، اللہ حافظ......'' رمان نے کہا اور باہر نکل گیا، کچھ بھی بتائے بنا۔

''بائے مما!'' نیناں نے ان کی پیشانی پر لب رکھ کر کہا اور باہر نکلی...... رابعہ تذبذب کا شکار بنی کچھ دیر وہیں کھڑی رہیں پھر کچھ سوچ کر اپنے کمرے میں آئیں اور تیار ہونے لگیں۔

☆☆☆☆

جانے کیسی اداس اور خاموش سی شام ڈھلی تھی کہ وہ اپنے اندر اور باہر گہرا جامد سناٹا سا محسوس کر رہے تھے۔ آج گئے دنوں کا سراغ لے کر چاند ابھرا تھا، تاروں کی ضیا پر بھی حسرت و یاس کے عکس قابض تھے...... وہ اکیلے تنہا ریوالونگ چیئر پر بیٹھے پیپر ویٹ سے کھیلتے کھیلتے تھک گئے تو کھڑکی کا شیشہ سرکا کر باہر دیکھنے لگے۔ بلند

عمارت کی تیسری منزل سے شہر کی رونقیں صاف نظر آتی تھیں مگر جانے کیوں ایسا لگ رہا تھا کہ سب کہر میں دھندلا گئی ہیں...... تا حدِ نظر خوفناک بے نوری ہے...... دل پھڑ پھڑایا، قفس میں بند بےبس پرندے کے مانند تو لبوں پر اپنے لیے تازیانے بیدار ہو گئے۔

''واہ ریحان اختر! کیسی جابرانہ حکومت ہے تمہاری کہ تم تنہا قفس میں ہو، تمہارے ساتھ احساسِ ندامت' احساسِ شرمندگی کے سوا کوئی نہیں...... تمہاری حکومت کے منہ پر تھوک کر جس نے تم پر حکومت کی وہ تمہاری یادوں کا حصہ ہے...... تم ناکام اور بزدل انسان ہو۔''

''نہیں، شاید میں ناکام تو ہوا ہوں مگر اپنی مرضی سے نہیں، کوئی نہیں جانتا دل کو ریزہ ریزہ کر دینا حسرت تھی کسی کی...... یہ تم کیا جانو کہ کیا فطرت تھی کسی کی، مجھے تو ان آنکھوں میں آنسو دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ پر ہم کو رُلا دینا یہ عادت تھی کسی کی۔ اس کی ضد نے ہمیں ناکام بنا دیا...... دلِ وحشی کی یہ حسرت بھی نکل گئی کہ چاندنی جتنی بھی ممکن ہو چرا لی جائے، عشق تو نام ہے آدابِ پزیرائی کا، حسن کے سامنے بس آنکھ جھکا لی جائے، محبت کے تقاضے معلوم تھے ہمیں کیسے اس در پر کوئی بن کے سوالی جائے، ہمیں معلوم نہیں تھا۔ اب تو اسے یاد کرنا ہماری مجبوری ہے حبس میں کیوں نا ذرا تازہ ہوا کھا لی جائے...... وقت نے دکھلا دیا کہ وہ خود ہی بکھر گیا۔ ایسے پھول کے مانند جس کی خوشبو نہ سنبھالی جائے وہ پھول بکھر گیا، ریحان اختر کی ضد پر، محبت پر نہیں کیونکہ محبت پر شاید ضد غالب آ گئی۔''

ریحان اختر کی بند آنکھوں سے دو موتی ٹوٹے اور کوٹ کے کالر میں سما گئے وہ کھڑکی سے ہٹ کر دوبارہ کرسی پر آ کر گر سے گئے...... آنکھیں موند لیں...... جانے کتنی دیر اسی حالت میں رہتے کہ موبائل فون بج اٹھا تو ان کی سوچ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

''ہیلو جی۔'' وہ بولے دوسری طرف سے کسی نے ایسا کچھ کہا کہ وہ خوشی سے اچھل پڑے۔

''تھینک یو، تھینک گاڈ۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے فون بند کر دیا...... گاڑی کی چابی نکالنے کے لیے ٹیبل کی پہلی دراز کھولی تو نظر کپکپا اٹھی...... یادیں پھر دامن گیر ہو گئیں...... دل پھر کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

یادیں بھی ہیں کچھ ایسی
ترے نام سے وابستہ
لاکھوں ہیں تمنائیں
پر یہ میری دعا ہے
بس نام رہے میرا
ترے نام سے وابستہ!

وہ دراز بند کر کے باہر نکل رہے تھے تو چاروں طرف موجود رونقوں نے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا...... ایک دم ہی سب کچھ اپنی اصلی حالت میں دکھائی دینے لگا تھا۔

''نیناں! مائی ڈیئر، مائی لو......'' بے اختیار اُن کے لبوں سے نکلا۔

بقیہ اگلے ماہ پڑھیں

کس کی جیت کس کی مات

مدیحہ عدنان

سخت گرمیوں کے دن تھے۔ آنگن میں چھڑکاؤ کیا گیا تھا، فضا میں گیلی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ مہر بانو بڑے طمطراق سے رنگین پایوں والے جہازی سائز پلنگ پر بیٹھی نوکروں کو حکم دے رہی تھیں کلائیوں میں باریک ڈیزائن والے بھاری کڑے پہن رکھے تھے، گلے میں سونے کی موٹی سی چین پہنی ہوئی تھی اگر موسم کا لحاظ نہ ہوتا تو لان کے سوٹ کی جگہ ریشمی جوڑا زیب تن کیا ہوتا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

انگلیوں میں قیمتی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔

”زاہد کو گودام کی صفائی پر لگاؤ اور شوکت سے کہو نالے پر بھینسوں کو نہلانے لے جائے۔ گرمی بھی غضب کی پڑ رہی ہے۔“ سرخ ریشمی، غلاف والے گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے مہر بانو نے حکمیہ لہجے میں سامنے کھڑی زرمینے سے کہا۔ ان کی آواز میں مخصوص قسم کا رعب و دبدبہ جھلکتا تھا۔

”جو حکم بی بی جی! وہ مختاراں بھی چار چکر لگا کر جا چکی ہے، کہتی ہے اس کا بچہ بیمار ہے حکیم نے کہا ہے کہ دوائی دودھ کے ساتھ کھانی ہے، آپ کہیں تو پاؤ دودھ اسے دے دوں؟“ زرمینے نے ہچکچاتے ہوئے کہا، مختاراں کی منت سماجت نے اس کا دل موم کر دیا تھا۔ غریب مختاراں بچے کے لیے دودھ خریدنے کی بھی سکت نہ رکھتی تھی اور یوں بھی بازار گاؤں سے کافی دور تھا۔

”تم سے کتنی دفعہ کہا ہے کہ ان بھوکے ننگے لوگوں کی سفارش لے کر مت آیا کرو۔ آج یہ دے دو، کل وہ دے دو ان مفت خوروں کا پیٹ تو کبھی بھرنے والا نہیں ہے۔ اِدھر کوئی لنگر نہیں کھلا ہوا جس کو دیکھو بھکاری بن کر منہ اٹھائے چلا آتا ہے، اب دوبارہ آئے تو بے عزت کر کے نکال دینا۔“ مہر بانو نے تنفر سے کہا۔

زرمینے نے ایک نظر بائیں طرف بنے باڑے پر ڈالی اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ مہر بانو کے نزدیک ایک پاؤ دودھ کی حیثیت ہی کیا تھی۔ اسے رہ رہ کر مختاراں کے بیمار بچے کا خیال آ رہا تھا جو خون کی کمی اور کمزوری کے باعث مرجھائے ہوئے پھول کے مانند کملا گیا تھا۔ مہر بانو سے کسی قسم کی رحم دلی کی توقع ہی عبث تھی۔ اس نے التجائیہ نظروں سے مہر بانو کی طرف دیکھا کہ شاید ان کے دل میں نیکی کا خیال آ جائے۔ مہر بانو اپنے پلنگ پر یوں بیٹھی تھیں گویا کہیں کی مہارانی ہوں شاندار مگر بے رحم...... زرمینے مایوس چہرے کے ساتھ باہر نکل آئی۔

”یہ امیر لوگ بھی بڑے بدقسمت ہوتے ہیں۔ زندگی انہیں بار بار نیکی کرنے کا موقع دیتی ہے لیکن انہیں توفیق ہی نہیں ہوتی، کیا تھا جو مہر بانو اپنا دل بڑا کر لیتیں، اتنا تو انسان صدقہ خیرات ہی نکال لیتا ہے۔ بے چاری مختاراں پہ کیسا برا وقت آ گیا ہے۔ ایک تو غربت، اوپر سے بچے کی بیماری، حکیم کہہ رہا تھا کہ اگر دوا سے آرام نہ آیا تو شہر لے جانا پڑے گا۔ مختاراں کے پاس ایسے وسائل کہاں؟ اس کے گھر میں تو فاقوں تک کی نوبت آ گئی ہے لیکن مختاراں فاقے تو برداشت کر سکتی ہے مگر اپنے بیٹے کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔“ زرمینے نے دکھ سے سوچا، اس کی نظریں وسیع و عریض آنگن میں چکرانے لگیں، مہر بانو کا شوہر عمر دراز گاؤں کا بڑا زمیندار تھا۔ کئی مزارعے اس کی زمینوں پر کام کرتے تھے، اس کا وسیع و عریض گھر بڑی حویلی کے نام سے مشہور تھا جہاں زندگی کی ہر سہولت اور آسائش موجود تھی۔ گودام گندم اور دیگر اناج سے بھرے ہوئے تھے۔ بھینسوں کے باڑے میں اعلیٰ اور صحت مند بھینسیں موجود تھیں مہر بانو کے سیف میں نایاب قسم کے زیورات محفوظ تھے، باریک ڈیزائن والے، قیمتی پتھروں سے مزین، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک والے...... مہر بانو کو نت نئے زیورات کا شوق بھی تھا۔ ان کی الماری جدید فیشن کے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی جو وہ بطورِ خاص شہر کے مشہور بوتیک اور شاپنگ سینٹرز سے خرید کر لاتی تھیں۔ انسان کے پاس اگر پیسہ ہو تو ایسے شوق خود بخود ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔

زرمینے بھینسوں کو چارا ڈالنے لگی۔ بھینسوں کا

باڑہ بڑی حویلی کے بائیں جانب بنا ہوا تھا، باڑے کا کام زرمینے کے ذمے تھا۔ اس نے حسرت سے موٹی تازی صحت مند بھینس کی جانب دیکھا جس کی سیاہ جلد ریشمی تھان کی طرح چمک رہی تھی۔ ان کے علاج کے لیے خاص شہر سے ڈاکٹر بلوایا جاتا۔

”کاش ہم اتنی اہمیت انسانوں کو بھی دیں جتنی جانوروں کو دیتے ہیں۔“ یکایک زرمینے کے ذہن میں اِک خیال کا کوندا لپکا۔ اس نے سوچا کیوں نہ وہ چپکے سے تھوڑا سا دودھ مختاراں کے بچے کے لیے رکھ لے۔ مہر بانو کی سلطنت میں آج تک کسی کو چوری کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی لیکن اس کے دل میں چوری کا نہیں صرف نیکی اور ہمدردی کا خیال تھا۔

”اس چوری پر مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“ اس نے دل میں سوچا اور اِک شاپر میں دودھ نکال کر رکھ لیا اور شاپر کے اوپر گھاس پھونس اور سرکنڈے اس طرح رکھ دیے کہ کسی کو شک تک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کسی چیز کو چھپایا گیا ہے۔ زرمینے کا دل مطمئن تھا۔ وہ جلدی جلدی کام سمیٹنے لگی۔ باڑے کی صفائی کی، بھینسوں کو چارا ڈالا۔ ان کے خالی برتن میں پانی بھرا پھر وہ دودھ والا شاپر احتیاط سے نکال کر اپنی سیاہ چادر میں چھپایا اور حجرے کی طرف چلی آئی جہاں شوکت شکاری کتوں کو کھانا ڈال رہا تھا۔ بڑے گوشت کی یخنی، دیسی گھی کے پراٹھے، بادام اور پستے...... زرمینے کو کتوں پر بے اختیار رشک آیا۔

”بی بی جی نے کہا ہے بھینسوں کو نالے پر لے جاؤ۔“ زرمینے نے مہر بانو کا پیغام دیا۔

”اچھا...... انہیں کھانا کھلا دوں پھر لے جاتا ہوں، بادام کھاؤ گی؟“ شوکت نے کہا۔ تمام ملازمین ایک دوسرے کا ہلکا پھلکا خیال ضرور رکھتے تھے۔ شوکت نے اکھٹے چار بادام منہ میں رکھ لیے۔

”نہیں، مجھے بہت کام ہے چلتی ہوں۔“ زرمینے نے سیاہ چادر کا کونا سختی سے پکڑ رکھا تھا، وہ تیزی سے پلٹ آئی اور اسی تیزی سے زاہد کو گودام کی صفائی کرنے کا پیغام دے کر وہ مختاراں کے مکان کی طرف چل دی۔ تیز چلنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول گئی تھی، گرمی اپنے زوروں پر تھی تا حدِ نگاہ مہر بانو کے شوہر کے کھیت نظر آ رہے تھے جہاں کھڑی فصلیں دھوپ میں سونے کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھتی احتیاط سے راستے پر چلتی جا رہی تھی۔ مختاراں کو دودھ دے کر واپس بڑی حویلی پہنچنا تھا کہ کسی کو اس کے یوں اچانک آنے جانے کی خبر تک نہ ہو، دوپہر کا وقت تھا اور سب ملازمین کام میں مصروف تھے اور اس وقت ہر ایک چھت تلے رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ کوئی گودام میں، کوئی حجرے میں، کوئی باورچی خانے میں تو کوئی برآمدے یا کسی کمرے میں رہنے کو ترجیح دیتا۔ نالا بھی دوسری طرف تھا جہاں شوکت نے بھینسوں کو نہلانے لے جانا تھا۔ مختاراں کا گھر زیادہ دور نہیں تھا چند لمحوں بعد وہ مختاراں کے گھر پہنچ گئی۔

مختاراں کا گھر کچا مکان تھا۔ ضروریاتِ زندگی اور ہر قسم کی سہولت سے عاری، دودھ کا بھرا ہوا لفافہ دیکھ کر مختاراں پر تو شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ زرمینے نے ایک نظر مختاراں کے بیمار بیٹے کی طرف دیکھا جس کے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ اور بے رونق چہرے پر چمک آ گئی تھی۔ چھ سالہ منا کئی دنوں سے دودھ کے لیے تڑپ رہا تھا پہلے تو مختاراں سوکھی روٹی کھلا دیتی تھی لیکن اب حکیم نے روٹی کھلانے سے منع کر رکھا تھا۔

”شکر ہے خدا کا، بی بی جی نے بھیجا ہے کیا؟“ زرمینے کو مختاراں کی خوش فہمی پر ہنسی آئی لیکن

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ نہ جانے کیوں اس نے مختاراں کو اصل بات نہیں بتائی۔

''بس تو کسی سے ذکر نہ کرنا، میں کل اسی وقت اور دودھ بھی دے جاؤں گی اور بی بی جی کو شکریہ کہنے بھی پہنچ نہ جانا۔ تو، تو جانتی ہے ناں! ان کے لیے یہ چھوٹی موٹی باتیں اہمیت نہیں رکھتیں، میں خود تیری طرف سے شکریہ کہہ دوں گی۔'' زرمینے نے دودھ کا لفافہ مختاراں کے ہاتھوں میں تھمایا۔ مختاراں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''خدا انہیں سلامت رکھے۔ ان کی گود ہری رہے، ان کا گھر آباد رہے۔'' مختاراں دعائیں دینے میں مصروف ہوگئی۔

''اللہ انہیں ہدایت بھی دے۔'' زرمینے کے دل نے دعا کی۔

''اچھا میں چلتی ہوں، مجھے بہت کام کرنے ہیں کل پھر آؤں گی۔'' زرمینے نے واپسی کی راہ پکڑ لی۔ اسے جلد از جلد حویلی پہنچنا تھا۔ بھلا مہربانو جیسی تنگ دل، بے رحم اور کٹھور عورت سے کسی ہمدردی کی توقع کی جاسکتی تھی؟ اسے مختاراں کی خوش فہمی اور سادہ لوحی پر افسوس بھی ہوا۔

مختاراں کے دل میں ایک مرتبہ بھی یہ خیال نہیں آیا کہ دودھ زرمینے خود بھی لاسکتی ہے شاید اس کا خیال ہو کہ غریب اور مفلس زرمینے جس کے گھر میں ایک وقت کا فاقہ ہوتا ہے جو دودھ کی قلت کی وجہ سے ایک پیالی چائے تک پینا گوارا نہیں کرتی بھلا اس کے لیے ایسی دریا دلی کیونکر دکھا سکتی ہے اور پھر گاؤں والے مہربانو کے کروفر سے بھی اچھی طرح واقف تھے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ مہربانو کی سلطنت سے کوئی چیز دن دہاڑے چوری چھپے کسی کو دی جاسکتی ہو۔ انسانوں کی پرکھ دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔

زرمینے اس تیزی سے واپس پہنچی کسی کو اس کے اس طرح آنے جانے کی خبر تک نہ ہوسکی۔ آنگن اور برآمدہ سنسان پڑا تھا، صبح کیے جانے والے چھڑکاؤ کے آثار تک نہ تھے، گرمی کی شدت کو کم کرنے کے لیے دن میں کئی مرتبہ چھڑکاؤ کیا جاتا۔ مہربانو تو اس وقت آرام سے اپنے اے سی لگے کمرے میں بند ہوتیں۔ یہاں ہر وقت اندر باہر آنا جانا لگا رہتا تھا اس لیے اگر کوئی زرمینے کو واپس آتا دیکھ بھی لیتا تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا لیکن چونکہ اس کے دل میں چور تھا اس لیے دل میں ہلکا سا خوف بھی موجود تھا لیکن اسے اپنے فعل پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ وہ معمول کی طرح اپنے کام نمٹاتی رہی۔

بڑی حویلی میں کام کرنا کوئی آسان نہیں تھا۔ مہربانو سخت دل اور ظالم عورت تھیں۔ ذرا ذرا سی بات پر ملازموں کو دھنک کر رکھ دیتیں۔ تنگ دل اتنی کہ اناج سے بھرے ہوئے گوداموں کے باوجود غریب اور ضرورت مند ملازمین کو ایک دانہ دینے کی روادار نہ ہوتیں۔ بڑی حویلی میں کام بھی بہت زیادہ تھا کہ یہ ملازمین سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتے رہتے لیکن انہیں محض اتنے پیسے ملتے کہ آدھا مہینہ وہ ایک وقت کا فاقہ کرنے پر مجبور ہوتے۔

☆☆☆

زرمینے اگلے دن بھی دودھ کا لفافہ لے کر چپکے سے مختاراں کے گھر کی طرف چل دی۔ بھری دوپہر میں چرند پرند بھی اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبک جاتے ہیں، کھیتوں میں کام کرنے والے بھی کسی سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں، زرمینے سر سے پاؤں تک بہتے پسینے سے بے نیاز مختاراں تک دودھ پہنچا آئی۔ مختاراں کا بیٹا پہلے کی نسبت بہتر لگ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رہا تھا۔ زرمینے کو اسے دیکھ کر خوشی ہوئی اور پھر یہ عمل وہ چار دن تک کرتی رہی۔ مختاراں کا بیٹا بفضلِ خدا تندرست ہو گیا، گاؤں کا حکیم کوئی جعلی حکیم نہیں تھا بلکہ اصل حکمت جانتا تھا اس کے ہاتھ میں بہت شفا تھی۔ بس وہ جو دوا دیتا تھا اسے پابندی اور پرہیز کے ساتھ استعمال کرنا ہوتا تھا۔

زرمینے نے اپنے تئیں مختاراں کو خاص ہدایت کی تھی کہ وہ مہربانو سے ہرگز اس بات کا ذکر نہ کرے اور اس کا امکان بھی کم ہی تھا کیونکہ مختاراں بڑی حویلی میں کام نہیں کرتی تھی بلکہ اس کا شوہر مہربانو کی زمینوں پر مزارع تھا۔ زرمینے کو کئی دن اس نیکی نے سرشار کیے رکھا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کہ شاید یہ نیکی ہے ہی نہیں...... مالک کی چیز چوری کر کے کسی ضرورت مند کو دینا شاید نیکی نہیں ہوتا لیکن اس کا دل اس دلیل کو نہیں مانتا تھا...... واپسی پر اپنے گھر جاتے ہوئے وہ مختاراں کے معصوم بچے کو کھیلتا ہوا دیکھتی تو اسے بہت خوشی ہوتی۔ مختاراں کا بچہ تھا بھی بہت پیارا گورا چٹا، گلابی ہونٹوں والا اس کے دونوں گالوں پر پڑنے والے ڈمپل بہت اچھے لگتے تھے اس کے چہرے پر اتنی معصومیت تھی کہ بے اختیار پیار آ جاتا۔

زرمینے مہربانو کی آن بان اور شان دیکھ کر سوچتی۔ ”کیا کبھی مہربانو کو زوال آ سکتا ہے۔“

”شاید نہیں......“ وہ میلوں تک پھیلے ہوئے کھیتوں اور حویلی کو دیکھ کر زیرِ لب کہتی۔ مال مویشی کی افراط، اناج کی فراوانی، پیسے کی ریل پیل، وسیع و عریض آنگن، چوڑے برآمدوں اور اونچے ستونوں والی حویلی، زمین، جائداد، سونا چاندی، آسائشات...... کس چیز کی کمی تھی مہربانو کو بھلا؟ اس کے دونوں بیٹے شہر کے بہترین اسکولوں میں پڑھ رہے تھے اور ہاسٹل میں رہتے تھے۔ شوہر حکم کا غلام تھا۔ ساس نندوں کی چخ چخ بھی نہیں تھی۔

”لیکن قدرت کا قانون ہے کہ جو چیز بامِ عروج پر پہنچتی ہے اس کا زوال پذیر ہونا بھی طے ہوتا ہے۔“ اس کا دماغ دلیل دیتا، زرمینے نے آٹھویں تک گاؤں کے اسکول میں پڑھا تھا۔ وہ پڑھائی میں بہت اچھی تھی لیکن حالات اور قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ اس کے اندر کی پڑھاکو اور ذہین لڑکی ابھی زندہ تھی۔ حالات اور غربت کی چکی میں پسنے کے باوجود اس نے اپنے ذہن کو بیکار نہیں ہونے دیا تھا۔ اسے جب بھی موقع ملتا کوئی نہ کوئی رسالہ، کتاب یا اخبار ضرور پڑھتی۔ اس مطالعے کے شوق نے اسے کسی اور ہی دنیا میں پہنچا دیا تھا۔

”لیکن شاید مہربانو کا زوال دیکھنے تک ہم باقی نہیں رہیں گے۔“ اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے سوچا۔ گھر واپسی پر اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہوتا۔ جسم کی رگیں کھنچ جاتیں۔ بھوکا پیٹ فریادیں کر رہا ہوتا لیکن شاید یہی اس کی قسمت تھی۔

☆☆☆

چند دن گزرے تو موسم میں ہلکی سی تبدیلی آ گئی۔ درجۂ حرارت میں کمی ہو گئی ہلکی پھلکی بارش ہونے لگی پھر یہ سلسلہ بڑھ گیا۔ بارشیں تو غریبوں کے لیے اور بھی مشکل وقت لاتی ہیں۔ خصوصاً جن کے مکان کچے ہوتے ہیں لیکن ان بارشوں میں کوئی پُراسراری کیفیت تھی۔ بادلوں کی گرج، بجلی کی چمک، اور طوفانی بارشیں دل کو خوفزدہ کیے دے رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں زرمینے کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔ کیا تھا ان بارشوں میں جو روح کو سہا رہا تھا، بادل گرجتے تو اس کا دل سہم جاتا...... دور کہیں بجلی چمکتی تو خوف کی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ جاتی۔ بارش کی آواز میں اسے خطرے کی گھنٹیاں سنائی دیتیں پھر کہیں سے خبر آئی کہ سیلاب آنے والا ہے۔ گاؤں میں کیبل کی سہولت نہیں تھی۔ بہت سے لوگوں کے گھر تو ٹی وی بھی نہیں تھا۔ ان کا گاؤں نہایت پسماندہ تھا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

”کوئی سیلاب نہیں آ رہا۔ آج تک یہاں کبھی سیلاب آیا ہے کیا؟ یہ محض افواہیں ہیں اور اگر سیلاب آ بھی گیا تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ان بارشوں کے سیلاب اتنے طاقت ور نہیں ہوتے۔ یوں بھی یہ حویلی نشیب کی طرف نہیں ہے۔“ مہربانو کے شوہر عمر دراز خان نے بے پروائی سے کہا۔ مہربانو بھی توجہ نہ دیتے ہوئے اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگاتی رہیں۔

”لیکن کھیتوں کو تو نقصان ہوگا۔ فصلیں تیار کھڑی ہیں۔“ مہربانو نے خدشہ ظاہر کیا۔

”کچھ نہیں ہوتا اور سیلاب آئے گا تو نقصان ہوگا نا...... یہ موسم کی بارشیں ہیں ہوتی رہتی ہیں، پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ عمر دراز خان سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔ شاید اسے خود پر بہت گمان تھا اس کے خیال میں برا وقت کبھی اس پر آ ہی نہیں سکتا تھا۔ ایسا ہی ہوتا ہے دولت، پیسہ اور طاقت انسان کو گھمنڈی بنا دیتی ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ سب کچھ دائمی ہے۔

پانی زیادہ ہونے لگا تو زرمینے کے گھر والے اور دیگر لوگ گٹھریوں میں چھوٹا موٹا سامان باندھ کر گھر سے نکلنے لگے۔ عمر دراز کو ملازمین نے اطلاع دی کہ گاؤں والے اپنے گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں، پانی گھٹنوں سے اوپر آ گیا تھا۔

”بے چاروں کے کچے گھر گر جائیں گے، انہوں نے کہیں تو پناہ ڈھونڈنی ہی ہے جانے دو انہیں۔“ عمر دراز بے پروائی سے بولا۔

”مالک حویلی کے بالائی حصے کے کمرے خالی ہیں اگر آپ اجازت دیں تو کچھ لوگ وہاں پناہ لے لیں۔“

”دماغ ٹھیک ہے تمہارا...... یہ حویلی کوئی کیمپ نہیں ہے، ہم نے لوگوں کا ٹھیکا نہیں اٹھا رکھا۔ دفع ہونے دو لوگوں کو کسی سڑک یا درخت تلے آرام سے رہ لیں گے، یہ لوگ ان چیزوں کے عادی ہیں۔“ عمر دراز کے لہجے میں بے پناہ حقارت تھی۔ ملازم اپنا سامان لے کر باہر نکل گیا۔

موسم کی شدت میں دھیرے دھیرے اضافہ ہو رہا تھا۔ زرمینے کے باپ کو کسی نے خبر دی کہ ذرا دور ایک گاؤں میں ایک حجرہ ہے وہاں پناہ گزینوں کو پناہ دی جا رہی ہے۔ وہاں سیلاب کے آنے کا امکان نہیں ہے سو وہ لوگ اور ساتھ دیگر رشتے دار اس گاؤں روانہ ہو گئے۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ ہر سو پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ لگاتار بارش کو دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا پانی کی دبیز چادر آنکھوں کے آگے تن گئی ہے۔

بارش جو زمین و آسمان کے درمیان اِک رابطہ ہوتی ہے۔ جو دھرتی کے خشک ہونٹوں کی پیاس مٹاتی ہے۔ جو درختوں، پودوں اور پھولوں کی ہریالی کا سبب ہوتی ہے، جو جلتی بلتی زمین کے سینے میں ٹھنڈک اتارتی ہے، بارش زندگی کے احساس کی ضمانت ہوتی ہے ننھے منے شفاف قطرے جب زمین کے چہرے پر گرتے ہیں تو زمین کا رنگ بدل جاتا ہے۔ لیکن یہی بارش جب اپنا دورانیہ خطرناک حد تک بڑھا لے تو عذابِ الٰہی بن جاتی ہے۔ بارشوں کی بدولت آئے سیلاب شہر کے شہر، گاؤں کے گاؤں بہا لے جاتے ہیں۔

☆☆☆

اندھیرا بڑھا تو پانی بھی بڑھ گیا۔ اب تو عمر

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دراز اور مہربانو کو بھی پریشانی ہونے لگی، بچے ہاسٹل میں تھے اس لیے ان کی پریشانی نہیں تھی۔ پانی گھٹنوں سے اوپر تک آ گیا تھا۔ ملازمین میں بھگدڑ مچ گئی اور جسے جہاں پناہ ملی وہ وہیں دبک گیا۔

''اچھا ہوتا پہلے ہی یہاں سے نکل جاتے اب تو اتنا اندھیرا ہوگیا ہے، یہاں سے نکلنا بھی مشکل ہے۔'' مہربانو نے پریشانی سے کہا۔ مہربانو نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو یوں لگا جیسے وہ کسی جھیل کے کنارے کھڑی ہوں ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔

''ارے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کیسے نکل جاتے؟ ہمارے مال مویشی ہیں یہاں، اناج کے گودام ہیں، زمینیں، حویلی، سازوسامان، سب کچھ اِدھر ہی ہے اپنی چیزیں بھی کوئی چھوڑ کر بھاگتا ہے بس پانی کا زور اتنا ہی تھا، صبح یہ پانی بھی سوکھنا شروع ہو جائے گا۔'' عمر دراز گرج کر بولا۔ وہ مرد تھا اس لیے مہربانو کی نسبت کم پریشان تھا۔

''میں ذرا گودام اور مویشیوں کو دیکھنے جاتا ہوں۔'' وہ تیزی سے باہر نکلا لیکن پانی میں چلتے چلتے اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔

''راجو، مختار، شوکت، زاہد..... ارے کہاں مر گئے ہو سب کے سب کم بختوں!'' وہ پانی میں چلتا دہاڑ کر آوازیں دیتا رہا لیکن کوئی ملازم اس کی پکار کی طرف نہ لپکا۔ شاید ملازمین عمر دراز سے زیادہ عقل مند تھے وہ موسم کے تیور اور آنے والی آفت کا اندازہ لگا چکے تھے۔ بھینسوں کے باڑے میں عجیب کہرام مچا تھا کچھ ہی لمحوں میں پانی عمر دراز کے کندھوں سے ذرا نیچے پہنچ گیا، بھینس اس پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں ان کے ڈکارنے کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھی۔ عمر دراز ماہر تیراک تھا وہ تیزی سے گودام کی طرف لپکا۔ پانی دروازوں کی درزوں سے داخل ہو کر اناج کو ناکارہ بنا رہا تھا۔ وہ سر پٹخ کر چیخنے لگا۔ لمحوں میں ہی پانی کا گراف بلند ہوگیا۔ وہ اس کے سدِّباب کی تدبیر سوچ رہا تھا کہ مہربانو کی چیخ سنائی دی۔ وہ فوراً کمرے کی طرف لپکا۔ جہاں پانی دروازوں اور کھڑکیوں کی درزوں سے اندر آ رہا تھا۔

''جلدی کچھ کرو، یہ تو کوئی بہت بڑا سیلاب لگتا ہے۔'' مہربانو دیوار سے لگی چیخ رہی تھیں۔

''کیا کروں، سارے ملازمین بھی جانے کہاں مر گئے ہیں حرام خور کہیں کے۔'' عمر دراز بوکھلا گیا، اب وہ حقیقتاً پریشان ہوگیا تھا۔

دفعتاً تیز پانی کا ریلا آیا اور اس تیزی سے گزرا کہ دونوں کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ کمرے کا ڈبل بیڈ پانی میں کسی تختے کی طرح تیرنے لگا۔ دروازے اور کھڑکیاں اپنی جگہ سے اکھڑ گئیں۔ لمحوں میں ہی منظر بدل گیا۔ مہربانو اور عمر دراز بہت دقتوں سے گدلے اور ٹھنڈے پانی میں تیرتے حجرے کی چھت تک پہنچے جہاں پہلے ہی کچھ ملازم موجود تھے۔

''حرام خوروں تم لوگ یہاں چھپے بیٹھے ہو، وہاں میں آوازیں دے دے کر تھک گیا۔ دیکھ لی ان نمک حراموں کی عیاری اور مکاری۔'' عمر دراز ملازمین کو دیکھ کر طیش میں آ گیا اور مہربانو کی طرف دیکھتے ہوئے سخت غصے کے عالم میں بولا۔

''مالک بہت بڑا سیلاب آنے والا ہے، یہ تو کچھ بھی نہیں ہے سنا ہے صبح تک ایک اور سیلابی ریلا آئے گا اور اس سے کہیں زیادہ اونچا ہوگا۔'' شوکت ہاتھ باندھ کر بولا۔

''ہاں جی اب تو رات اس چھت پر ہی گزارنی پڑے گی۔'' زاہد نے کہا تو مہربانو بدک اٹھیں۔ کب سوچا تھا کہ مہربانو جیسی آن بان اور شان و شوکت والی مغرور عورت ایک دن یوں حجرے کی چھت پہ

www.paksociety.com

مجبور اور بے حال انداز میں رات گزارے گی۔

''بکواس بند کرو اور جاؤ کسی کشتی کا بندوبست کرو۔'' مہربانو گرج کر بولیں۔

''بی بی جی، اس پانی میں میں کس طرح کہیں جا سکتا ہوں اب تو صبح ہی کچھ ہو سکے گا۔'' زاہد نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''چل شوکت تو تیرنا جانتا ہے فٹافٹ جا اور کسی کشتی کا بندوبست کر کے آ۔'' عمر دراز نے شوکت کو حکم دیا۔

''جی مالک'' شوکت کے پاس کوئی چارا نہیں تھا وہ نیچے اترنے لگا۔

''ہونہہ جب ہم کہتے رہے کہ سیلاب آنے والا ہے تب یقین نہیں کیا اور اب اس سمندر جیسے پانی میں، میں کہاں مارا مارا پھرتا رہوں، ایک تو سیلاب پھر اندھیرا اور راستے میں کیا خبر کسی بجلی کے تار کو چھو جاؤں اور موقع پر ہی ختم ہو جاؤں۔ اب تو صبح ہی کچھ ہوگا۔ امدادی ٹیمیں آئیں گی تو وہی کچھ کریں گی۔''

شوکت احتیاط سے تیرتا ہوا مسجد کی طرف چل دیا جہاں بہت سے لوگوں نے پناہ لے رکھی تھی۔ مسجد بہت اونچائی پر بنی ہوئی تھی۔ اس کی چھت پر گاؤں والوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ مٹیالے، گدلے اور یخ پانی میں حشرات الارض، کیڑے مکوڑے، بچھو، سنپولیے سب کچھ موجود تھا اس لیے لوگ پانی میں اترنے سے ڈر رہے تھے، کچے مکانات منہدم ہو چکے تھے اور جو کچے گھر تھے ان کی دیواریں، کھڑکیاں، دروازے ٹوٹ چکے تھے۔

سیلاب ایک بہت بڑی قدرتی آفت ہے اور قدرتی آفات کا مقابلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ بعض دفعہ انسان ان آفات کو خود دعوت دیتا ہے۔ مہربانو اور عمر دراز ساری رات حجرے کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

چھت پر بیٹھ کر شوکت کا انتظار کرتے رہے۔

"ہائے میرے سارے زیورات الماری میں پڑے رہ گئے۔ اس افراتفری میں انہیں نکالنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔" مہربانو کو اپنے نایاب و نادر زیورات کا غم کھائے جا رہا تھا۔

"فکر نہ کرو، وہ سیف میں پڑے ہیں اور ہم ابھی اِدھر ہی ہیں۔ ویسے بھی ہماری حویلی کی طرف کوئی نظر اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔" عمر دراز نے اسے تسلی دی۔ حجرے کی چھت سے گاؤں کا سارا منظر بخوبی نظر آ رہا تھا ہر طرف پانی ہی پانی تھا انہیں لگا جیسے وہ کسی جزیرے پر بیٹھے ہیں۔

"یہ شوکت جانے کہاں رہ گیا ہے، کہیں راستے میں مر مرا نہ گیا ہو۔ اس پانی میں بجلی کے تار بھی تو ہوتے ہیں۔ جب تک ہمیں کوئی نکالنے نہیں آتا ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے۔" عمر دراز نے کہا ہر لمحے کے ساتھ اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔

زندگی میں اتنی لمبی رات مہربانو نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ ان کا گاؤں نوشہرہ کا مضافاتی گاؤں تھا یہاں کبھی سیلاب اس حد تک کبھی نہیں آیا تھا۔ چھوٹی چھوٹی بارشوں کا سلسلہ تو چلتا رہتا تھا لیکن مہربانو نے کبھی اپنے گاؤں کو یوں سمندر بنتے نہ دیکھا تھا۔ مغرور، گھمنڈی، شان و شوکت والی مہربانو لمحوں میں ہی بے بس مجبور اور لاچار ہوگئی تھیں۔ جن کے دسترخوان پر تینوں وقت انواع و اقسام کے کھانے اور پکوان چنے رہتے تھے آج ساری رات بھوکے پیٹ گزارنے پر مجبور تھیں۔ نرم بستر اور ملائم بچھونوں پر سونے والی مہربانو آج حجرے کی چھت پر بغیر کسی چادر کے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ یہ کیسا انقلاب تھا جو چند لمحوں میں برپا ہوگیا تھا۔ انقلاب لمحوں ہی میں برپا ہوتے ہیں اور برسوں یاد رہ جاتے ہیں۔

"کب کٹے گی یہ رات......؟" مہربانو نے اداسی سے کہا۔ ٹھنڈے فرش پر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے ان کی کمر اکڑ کر رہ گئی تھی۔ سیاہ رات، ہر طرف پانی کے ریلے، خنک ہوا اور اس سیاہ رات کے نقاب میں چھپا ہوا خوف...... ان کے گیلے کپڑے آہستہ آہستہ خشک ہو رہے تھے۔

"کہا بھی تھا کہ کہیں نکل جاتے ہیں لیکن آپ کی ضد ہی نقصان کا سبب بنتی ہے۔ نہ جانے مال مویشیوں کا کیا حال ہوگا اور گودام میں رکھے اناج پر تو اب فاتحہ ہی پڑھ سکتے ہیں۔" مہربانو کلس کر بولیں۔ اس نے خود کو برباد ہوتا دیکھ لیا تھا۔ اس وقت انسان کتنا بے بس ہوتا ہے جب خود کو برباد دیکھنے کے باوجود اپنے لیے کچھ نہ کرسکتا ہو۔ یہ وہی اناج تھا جس کا دانہ دانہ یہ لوگ گن کر رکھتے تھے۔ جو کبھی غریبوں اور ضرورت مندوں کو صدقہ خیرات نہیں کیا گیا تھا۔ جس کی کبھی زکوٰۃ تک نہیں نکالی گئی تھی۔ وہی اناج آج سیلابی پانی کی بدولت ناکارہ ہوچکا تھا۔ مویشیوں کا دودھ، دودھ سے حاصل کیا گیا گھی، مکھن، دہی کبھی کسی ملازم کو چکھنے تک کو نہیں دیا گیا تھا۔ آج وہی مویشی پانی کے ریلے میں بہہ گئے تھے۔ مہربانو کی زندگی کا حاصل اس کے قیمتی زیورات پانی سے بھری اس قبر میں دفن ہوچکے تھے۔ کیا مالِ دنیا کی اتنی سی ہی حقیقت ہے؟ جس کے پیچھے انسان ساری زندگی خوار ہوتا رہتا ہے، روپیہ، پیسہ، دولت کسی بے وفا ساتھی کی طرح کبھی بھی ساتھ چھوڑ سکتے ہیں۔

☆☆☆

صبح کی سپیدی پھیلنا شروع ہوئی۔ مہربانو اور عمر دراز کے پیٹ میں بھوک سے درد ہونے لگا۔

جب پیٹ کو ہر وقت بھرے رہنے کی عادت ہو تو بھوک کہاں برداشت ہوتی ہے۔ کچھ وقت اور گزرا، ہر چیز صاف اور واضح نظر آنے لگی۔ میلا، گدلا پانی دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس پانی میں ٹوٹی دیواروں کی اینٹیں، ساز و سامان، مرے ہوئے مویشی، کھڑکیوں کے شیشے، دروازے، رنگ برنگے کپڑے، برتنوں کا ڈھیر اور جانے کیا کیا نظر آ رہا تھا۔ مہربانو کا دل مارے خوف کے تیز تیز دھڑکنے لگا۔

"اگر آج بھی کوئی امداد نہ پہنچی اور پانی اس چھت سے اوپر پہنچ گیا تو کیا ہوگا؟" یہ سوال انہیں خوف زدہ کیے دے رہا تھا اور ان کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا۔ پانی کا ایک اور نہایت تیز رفتار اور جوشیلا ریلا آیا کہ حجرے کی چھت بھی اس میں ڈوب گئی۔ مہربانو چیخیں مارنے لگیں۔ پانی کے اس ریلے نے مہربانو کو کہیں تو عمر دراز کو کہیں پہنچا دیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو آوازیں ہی دیتے رہ گئے۔ پانی تھا یا اِک قیامت تھی ہر طرف چیخ و پکار، کہیں بچے ماں سے بچھڑ گئے۔ کہیں لوگ پانی میں ہاتھ پیر مارتے بجلی کے تاروں سے ٹکرا کر وہیں ختم ہوگئے کہیں کسی سانپ یا بچھو نے ڈس لیا۔ ایک حشر کا سماں تھا، مہربانو کو لگا جیسے روزِ محشر آ پہنچا ہو جہاں کوئی کسی کی مدد نہیں کرسکتا۔ ہر ایک کو اپنی پڑی تھی۔ کتنا ہی وقت یوں پانی میں تیرتے ہاتھ پاؤں مارتے بیت گیا پھر دور کہیں کچھ لوگ کشتیوں میں سوار نظر آئے تو لوگوں کی جان میں جان آئی۔

جس وقت مہربانو کو پکڑ کر کشتی میں ڈالا گیا اس وقت ان کی حالت غیر ہوچکی تھی۔ سیلابی پانی کافی مقدار میں ان کے اندر جاچکا تھا۔ زندہ لوگوں کو بچایا جاچکا تھا اور لاشوں کو وہیں رہنے دیا۔ پانی میں تیرتی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

لاشوں میں اِک لاش عمر دراز خان کی بھی تھی جس کے کروفر اور رعب و دبدبے سے سارا گاؤں تھر تھر کانپتا تھا جس کے مضبوط قدموں کی گونج لوگوں کے دل دہلا دیتی تھی۔ جس کی آنکھ کے ایک اشارے کی تعمیل لمحوں میں کی جاتی تھی لیکن یہ تو قدرت کا قانون ہے کوئی امیر ہو یا غریب، کمزور ہو یا طاقتور، ہر شخص اپنے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی پالیتا ہے۔

مہر بانو نے آخری لمحوں میں عمر دراز خان کی تیرتی ہوئی لاش دیکھ لی تھی اور اس وقت وہ اِک سکتے کے عالم میں تھیں مال و دولت کی بربادی ایک طرف لیکن شوہر کی جدائی کی زخم مندمل ہونے والا نہیں تھا۔

ابتدائی طبی امداد دینے کے بعد جہاں اسے لایا گیا تھا یہ کسی کا حجرہ تھا جسے اس نے سیلاب زدگان کو پناہ دینے کے لیے وقف کردیا تھا۔گاؤں میں چھوٹے بڑے حجرے ہونا عام بات ہے یہاں اور بھی لوگ تھے جو قریب کے گاؤں سے جان بچا کر آئے تھے۔

اس گاؤں میں دیگر دیہاتوں سے لوگ پناہ لینے آئے ہوئے تھے۔ یہ وسیع و عریض، کھلے دالانوں اور چوڑے برآمدوں کا حامل حجرہ تھا جو گاؤں کے نیک دل زمیندار نے متاثرین کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ سب دولت مند لوگ ظالم اور بے رحم نہیں ہوتے اور شاید اسی لیے اس زمیندار کی زمین و جائیداد سلامت رہی تھی۔ سیلاب اس علاقے میں داخل نہیں ہوا تھا بلکہ قریب سے گزر کر آگے چلا گیا تھا۔ مہر بانو کا دل چاہتا وہ چیخ چیخ کر روئیں۔ مہر بانو نے خود کو آسمان سے زمین بنتا دیکھا تھا۔ شاہ سے فقیر ہوتے دیکھا تھا۔ انہیں اپنے بچوں کی کوئی خیر خبر نہ تھی۔ شوہر کی لاش وہ یونہی لاوارثوں کی طرح چھوڑ آئی تھیں۔ مال و دولت اپنی آنکھوں سے برباد ہوتے دیکھا تھا۔ وہ مہر بانو جس پر ایک زمانہ رشک کرتا تھا آج بدنصیبی کی مثال بنی بیٹھی تھیں۔ وہ دو دنوں کی بھوکی تھیں لیکن غم کا بوجھ اتنا تھا کہ یہ بھوک کا احساس بھی نہیں رہا تھا۔ اسی حجرے میں ان کے چند گاؤں والے بھی شامل تھے اور ترحم بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ امدادی سامان تقسیم کرنے والے باہر سے ہی تقسیم کرکے چلے جاتے، مہر بانو دیگر لوگوں کی طرح سامان لینے کے لیے لمبی قطاروں میں کھڑی نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس حجرے میں جہاں ہر طرف عورتیں بچے، جوان بوڑھے مرد موجود تھے، مہر بانو ایک کونے میں دبکی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں جب انہوں نے ایک شناسا چہرے کو اپنے قریب دیکھا۔

''ہائے بی بی آپ یہاں......؟'' مختاراں بے تابی سے کہتے ہوئے مہر بانو کے پاس بیٹھ گئی۔ مہر بانو کا زرد چہرہ، بجھی ہوئی آنکھیں اور ملگجا حلیہ ان پر بیتی قیامت کے گواہ تھے۔

''بس بی بی جی، آفت ہی بہت بڑی تھی، خدا سب کو صبر عطا کرے۔ ہمارا گاؤں تو سمجھیں ختم ہی ہوگیا۔ کچھ نہیں بچا وہاں آپ کی کیا حالت ہوگئی ہے لگتا ہے آپ نے کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا ہے... ہے ملا باہر لوگ کھانے پینے کی چیزیں تو دینے آتے ہیں لیکن آپ کو بھلا کہاں زیب دیتا ہے یوں جا کر اشیا لینا، آپ ٹھہریں میں ابھی آتی ہوں۔'' مختاراں کو کچھ خیال آیا تو فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ مہر بانو کے سوکھے، خشک لب اور چہرے سے ظاہر ہوتی نقاہت ان کے فاقے کی گواہ تھی۔ مہر بانو نے تو کبھی خواب میں بھی ایسے کسی وقت کا تصور نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مختاراں ایک لفافے کے ہمراہ آئی اس کے ساتھ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

زرمینے بھی تھی۔

''یہ لیں بی بی جی، یہ پی لیں، نقاہت کچھ کم ہوگی۔غم بہت بڑا ہے لیکن جب تک بدن میں سانس چل رہی ہے اس پیٹ کو تو بھرنا ہی پڑے گا۔ اس پیٹ کی بھوک بڑی ظالم چیز ہے جی۔'' مختاراں نے دودھ کا پیکٹ نکال کر مہربانو کی طرف بڑھایا۔ ساتھ ہی بسکٹ کا ڈبا اور نمکو کا پیکٹ بھی نکالا۔ دکھ اور غم اپنی جگہ لیکن انسانی جسم کی ضروریات کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ مہربانو کے دل میں کھانے پینے کی خواہش جاگ اٹھی۔

''آپ کو یاد ہے بی بی جی، ابھی چند دن پہلے آپ نے میرے کاکے کے لیے دودھ بھیجا تھا، میرا بیمار بیٹا درد اور تکلیف سے تڑپتا تھا لیکن خدا نے آپ کو وسیلہ بنایا، آپ مسلسل کئی دن میرے کاکے کے لیے دودھ بھیجتی رہی تھیں حکیم نے جو دوا دی تھی وہ خالص دودھ کے ساتھ دینی تھی۔ آپ کی رحم دلی کی وجہ سے میرا کاکا بھلا چنگا ہوگیا۔ میں آپ کا یہ احسان ساری زندگی نہیں بھول سکتی جی۔'' مختاراں کی آواز میں تشکر تھا۔ وہ بسکٹ کا پیکٹ کھولنے لگیں۔

مہربانو نے حیرت سے مختاراں کی جانب دیکھا، زیادہ دن پہلے کی تو بات نہیں تھی جب زرمینے بار بار مختاراں کی سفارش کرتی لیکن انہوں نے تو اسے ایک قطرہ دودھ دینے کی بھی اجازت نہیں دی تھی پھر یہ مختاراں کیا کہہ رہی تھی۔

''میں نے دودھ بھجوایا تھا؟'' وہ سرگوشی میں بولی۔

''ہاں جی، زرمینے کے ہاتھ آپ کئی دن تک دودھ بھجواتی رہی تھیں۔ میں آپ کا احسان کبھی نہیں اتار سکتی، یہ لیں آپ یہ دودھ پی لیں۔ کچھ طاقت آئے گی۔'' مختاراں نے دودھ کا پیکٹ کھول کر مہربانو کو تھمایا۔

''اب چھوڑو بھی مختاراں، بی بی جی کو اتنے چھوٹے موٹے احسان کیا یاد رہیں گے، یہ تو نہ جانے دن میں کتنے لوگوں کی مدد کرتی ہوں گی، تم نمکو کا بڑا پیکٹ بھی کھول کے دو، دیکھ نہیں رہی ہو کیا حالت ہوگئی ہے ان کی۔'' زرمینے نے کہا تو مہربانو کئی لمحے دونوں کا چہرہ دیکھتی رہی پھر یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

مختاراں اور زرمینے حواس باختہ ہوگئیں جن لوگوں کو مہربانو نے کبھی اپنے برابر نہیں بٹھایا تھا آج وہ ان ہی سے کھانے پینے کی چیزیں لینے کی محتاج تھیں۔ جس عورت کو وہ کل ایک قطرہ دودھ دینے کی روادار نہ تھیں آج اسی کے ہاتھوں سے دودھ لینے پر مجبور تھیں۔ یہ قدرت کے کھیل تھے اور قدرت کے کھیل کس کو جیت سے نوازتے ہیں اور کسے مات دیتے ہیں یہ کوئی نہیں جان سکتا سوائے خدائے بزرگ و برتر کی ذات کے۔

وہ دونوں مہربانو کو خاموش کرواتی رہیں لیکن مہربانو کے آنسوؤں میں کمی نہیں آئی۔ ان دونوں کے پاس کھونے کے لیے کم سامان تھا سو دکھ بھی کم تھا۔ مال و دولت، زمین و جائداد کو یونہی آزمائش نہیں کہا گیا اور دنیا کے مال کی حقیقت بس اتنی ہی ہوتی ہے۔ مہربانو کو محسوس ہوا کہ جن لوگوں کو انہوں نے کبھی اپنے برابر نہیں سمجھا تھا وہ حقیقتاً ان کے برابر کے نہیں تھے بلکہ ان سے کئی درجے بلند اور ارفع تھے۔ وہ دونوں اسے تسلی دیتی رہیں لیکن یہ کوئی نہ جان سکا کہ مہربانو اپنے ہونے والے نقصان پر نہیں بلکہ اپنی کم ظرفی پر رو رہی تھیں جس کا ادراک انہیں ابھی ہی ہوا تھا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

مکمل ناول

ہم اور تم

لبنیٰ عروج

''تم اتنے اچھے کیوں ہو؟'' وہ محبت میں ڈوبی نظروں سے احد علی کو تک رہی تھی۔

''واقعی!'' وہ بے خبر بننے کی کوشش میں اسے اور بھی اچھا لگ رہا تھا۔

''سچ مچ احد تم بہت پیارے دوست، بہت اچھے شوہر ہو۔ خدا کی قسم اتنا اچھا، اتنا چاہنے والا، عزت کرنے والا، محبت کرنے والا شوہر اللہ پاک نے میری کسی نیکی کے عوض یا ماں باپ کی دعاؤں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے نتیجے میں ہی میرے نصیب میں لکھا ہوگا۔''

''یا اللہ خیر، یہ آج آپ کو ہو کیا گیا ہے زوجہ محترمہ...... کچھ روشنی تو ڈالیے ذرا۔''

''میں مذاق نہیں کر رہی احد...... پلیز میرے جذبوں کا، میرے احساسات کا مذاق مت اڑاؤ ورنہ میں سچ مچ رو دوں گی۔''

''نہیں، نہیں پلیز رونا مت، تمہیں پتا ہے نا عورت کے آنسو دنیا کی سب سے بڑی آبی قوت ہیں اور میں اس طوفانِ باد و باراں میں ایک کمزور تنکے کے مانند بہہ جاتا ہوں، جانتی ہو نا...... تمہیں پتا ہے نا تمہارے آنسوؤں کی برسات سے ڈر کر ہی تو میں نے ہاں کی تھی۔'' وہ پھر بھی اپنی بذلہ سنج فطرت سے باز نہیں آیا۔

''احد پلیز! سیریس ہو جاؤ، آج میں بہت سیریس ہوں۔''

''او کے!'' وہ سعادت مند بچے کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

''اب ایسے اچھے بچوں کی طرح تو بی ہیو نہ کرو۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھ تھام کر ہنس دی۔

''چکر کیا ہے نور جہاں......؟'' احد کی آنکھوں سے پھر شرارت کی روشنی نکل کر ہر طرف جگمگانے لگی۔

''احد......!'' وہ پوری قوت سے چیخی۔ ''تم نے پھر مجھے نور جہاں کہا؟'' وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر ہلانے لگی۔

''تمہارا پورا نام ہی تو لیا ہے سویٹ ہارٹ اور میں نے کیا ہی کیا ہے؟'' وہ پھر بھی شرارت سے باز نہ آیا۔

''دیکھو میرا نام نور ہے اور بس......''

''ہاں، یہ تو سچ ہے تم واقعی مہ نور ہو، پورے چاند کی چاندنی...... میری زندگی کے اندھیروں کو جگمگانے والی لیکن تم کچھ عرصے پہلے پیدا ہوئی ہوتیں تو مہ نور کے بجائے یقیناً نور جہاں ہی ہوتیں۔'' وہ یکلخت رومینٹک موڈ سے نکل کر پھر شرارت پر آ گیا اور بھاگ کر دور جا کھڑا ہوا، وہ پیچھے بھاگی تو وہ باہر نکل کر پورچ میں کھڑی گاڑی میں جا بیٹھا اور دروازے اندر سے لاک کر لیے۔ وہ باہر کھڑی بڑے پیار سے اسے دیکھ رہی تھی، مسکرا رہی تھی۔ احد نے دروازے کھول دیے۔

''آؤ کہیں چلتے ہیں۔'' وہ اندر بیٹھ گئی۔

''بتاؤ کہاں جائیں؟'' وہ ہمیشہ ہی اس سے پوچھا کرتا۔

''جہاں تم لے جاؤ۔'' آج نور کا انداز بڑا نثار ہو جانے والا تھا... وہ ایک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''کیا بات ہے نور...... کوئی خاص بات؟'' وہ ہوٹل کے خوابناک سے ماحول میں آ کر جانے کیوں سنجیدہ ہو گیا۔

''ماما مجھے ہمیشہ بہت دعائیں دیا کرتی تھیں احد شاید تم ان کی مانگی ہوئی کسی دعا کا ثمر ہو، میری کسی نیکی کا اجر ہو۔''

''شاعری؟'' وہ دھیمے سے ہنسا...... ''ویسے آج ہوا کیا ہے نور...... تمہارا یہ والہانہ پن، یہ جاں نثاری والی کیفیت، کچھ تو کہو۔'' وہ شادی کے ایک سال بعد بھی بلش کر گئی۔ کچھ بول ہی نہیں سکی۔

''بتاؤ نا؟''

''بس تم آج بہت اچھے لگ رہے ہو۔''

''پہلے نہیں لگتا تھا؟''

''پہلے پہل میں سوچا کرتی تھی احد تمہارا یہ التفات یہ محبت شاید شادی کے شروع دنوں والا پیار

ہے مگر آج ایک سال گزر جانے کے بعد بھی تم بالکل ویسے ہی ہو جیسے ایک سال پہلے تھے...... وہی محبت وہی خیال رکھنے کی عادت تم ذرا بھی تو نہیں بدلے۔''

''ابھی تو صرف ایک سال ہوا ہے نور، میں پچاس سال بعد بھی ایسا ہی رہوں گا۔''

''مجھے یقین ہے احد۔'' نور کی حسین آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ وہ سچ مچ گھبرا گیا۔

''گھر چلو نور۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''کیا ہوا احد؟'' وہ حیران ہو گئی۔

''لوگ سمجھیں گے میں تمہیں......'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی وہ دوبارہ بیٹھ گیا۔ نور ہنستی چلی جا رہی تھی۔

''زیادہ مت ہنسو، نظر لگ جائے گی۔'' وہ ایک ٹک اسے دیکھے... جا رہا تھا۔

☆☆☆

''اٹھ جاؤ مسز احد صبح ہو گئی ہے۔'' وہ ڈریسنگ روم سے نکلا تو یونیفارم پہن رکھا تھا۔

''ناشتا بناؤں؟'' وہ بند آنکھوں سے پوچھ رہی تھی۔

''تمہارا سونے کا موڈ ہے تو سو جاؤ میں میس سے کر لوں گا۔''

''ہائے تھینک یو احد'' وہ دوبارہ کروٹ بدل کر سو گئی۔

وہ یونٹ پہنچا اور ناشتے کا آرڈر دے کر فون گھمانے لگا۔ جب وہ جلدی جلدی ناشتا کر رہا تھا تو اچانک ہی میجر عفان اندر آ گئے۔

''ہوں سارے نئے شادی شدہ آفیسرز عام طور پر ناشتا یہیں آ کر کرتے ہیں۔''

''جی سر......'' وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔

''ویسے شادی کو کتنا عرصہ ہو گیا ہے کیپٹن احد؟''

''سر ایک سال اور چند مہینے......''

''یہ زیادتی ہے، اب تک بھابی کو صبح اٹھنے کی عادت ہو جانی چاہیے تھی۔''

''جی سر'' وہ بظاہر مؤدب سا تن کر کھڑا تھا لیکن دل میں کہہ رہا تھا۔ ''کیا کروں سر وہ اتنی اچھی لگتی ہے کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں پاتا۔''

''ہوتا ہے ہوتا ہے، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' لگتا تھا میجر عفان اس کے اندر کی باتیں بھی سن رہے تھے۔ ساتھ ساتھ مسکرا بھی رہے تھے۔

☆☆☆

وقت کتنی تیز رفتاری سے گزر جاتا ہے مہ و سال کا حساب کتاب جوڑنے بیٹھو تو پتا چلتا ہے، وہ کب سے بیٹھی سوچ رہی تھی۔ احد کی بے پایاں محبتوں میں ذرا بھی تو کمی نہیں آئی تھی۔ وہ آج بھی ویسا ہی دیوانہ تھا۔ ویسا ہی پرجوش، ویسا ہی سخی وہی کشادہ دلی، کئی بار وہ سوچتی سارا مہینہ احد محنت کرتا، تھا وہ گھر کے اندر رہتی تھی، بیٹ مین سارے کاموں کی نگرانی کرتا تھا اور وہ گاڑی لے کر شاپنگ کے لیے نکل جاتی تھی۔ جو دل چاہتا ضرورت ہوتی نہ ہوتی اٹھا لاتی، ایک دن اس نے اپنی پڑوسن مسز میجر آفتاب کو بتایا کہ احد ساری تنخواہ لا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے تو وہ بری طرح چونکیں۔ آفتاب گو کہ کنجوس نہیں تھا مگر پیسے ہمیشہ اپنے والٹ میں رکھتا تھا۔ نور سن کر بہت حیران تھی۔

''احد تمہارا حوصلہ کیسے پڑتا ہے ساری تنخواہ لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیتے ہو، پلٹ کر پوچھتے تک نہیں یہ کیسی تونگری ہے، کیسی سخاوت ہے، اتنا بڑا دل ہے تمہارا؟'' احد گھر آیا تو وہ پوچھ ہی بیٹھی۔ سن

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر وہ حسبِ عادت مسکرا دیا۔

''بات یہ ہے نور کہ میں خوش قسمتی سے ایک لوئر مڈل گھرانے سے تعلق رکھنے کے بجائے ایک خوش حال خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ جب میں پاس آؤٹ ہوا تو بڑے بھیا جو گزشتہ بیس سالوں سے امریکا میں مقیم ہیں وہ آئے ہوئے تھے انہوں نے مجھے پاس آؤٹ ہونے پر زیرو میٹر گاڑی لے کر دی۔ ممی نے موبائل لے دیا۔ بڑی بہن جنہیں ہم بی بی کہتے ہیں انہوں نے بہت قیمتی رسٹ واچ گفٹ کر دی۔ چھوٹے بھیا کو پتا ہے مجھے ہمیشہ سے بہترین لباس کا شوق رہا ہے وہ انگلینڈ سے آتے ہوئے میرے لیے بہت سے گرم سوٹ، ٹائیاں اور شوز لے آئے، گھر میں سارے بہن، بھائیوں سے چھوٹا ہونے کا مجھے بے حد فائدہ پہنچا، علاوہ ازیں میں نے آرمی کی ایوی ایشن برانچ جوائن کر لی تو سب کی آنکھوں کا تارہ اور لبوں کی دعا بن گیا۔ جب میں فلائنگ پر ہوتا تو ممی کو نہیں بتاتا تھا کیونکہ وہ بہت زیادہ پریشان ہو جاتی تھیں پھر وہ بڑے بھیا کے پاس امریکا چلی گئیں وہاں سے دل گھبراتا تو انگلینڈ چلی جاتیں پاکستان آتیں ... تو ہمیشہ اسلام آباد میں ابا کے بنائے ہوئے دو کنال کے ذاتی گھر میں ٹھہرتیں بلکہ بیٹیوں کو بھی وہیں بلا لیتیں۔ خوب رونق لگ جاتی۔ ابا میاں تو اب زندہ نہیں ہیں بس اُن کی یادیں ہیں۔'' وہ تھوڑا سا اداس ہوا پھر بتانے لگا۔

''میں بھی چھٹی پر آتا تو اپنے گھر میں ممی کے پاس ٹھہرتا۔ ممی کو کئی بار اپنی تنخواہ پیش کرتا مگر وہ ہمیشہ دعاؤں کے ساتھ لوٹا دیتیں۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ ممی؟'' میں ناراض ہو جاتا۔

''میں جب پاکستان میں ہوتی ہوں احد تو تمہارے ابا میاں کی پنشن جو بینک میں جمع ہوتی رہتی ہے وہ میرے اخراجات کے لیے کافی ہوتی ہے اس گھر کی مین ٹین پر بھی فہد اور جنید ہی پیسہ لگاتے ہیں اور باقی سارا وقت بھی میں ان ہی کی مہمان ہوتی ہوں' اللہ انہیں سلامت رکھے، آباد رکھے ان کی بیویاں بھی میرے لمبے لمبے قیام کا برا نہیں مانتیں۔''

یوں میں اپنی تنخواہ سے کتابیں خرید لاتا' یہ وہ واحد چیز تھی جو ممی کو بہت مرغوب تھی کتابیں وہ شوق سے لے لیتیں جو ہمیشہ ان کے زیرِ مطالعہ رہتیں، ہمیشہ ہی پڑھی گئی کتابوں پر کہانیوں پر تبصرہ کرنا ہم ماں بیٹے کا بہترین مشغلہ تھا۔'' وہ چپ چاپ پلکیں جھپکتی.... ٹکٹکی باندھے بیٹھی احد کا خوب صورت چہرہ دیکھتی رہتی۔

''ہاں تو تم نے پوچھا تھا میں کیسے اپنی ساری تنخواہ لا کے تمہارے ہاتھ پر رکھ دیتا ہوں، وہ اس لیے کہ ہمیشہ ابا میاں کو یہی کرتے دیکھا دوسری بات یہ کہ میں گھر کا سب سے بڑا بیٹا نہیں ہوں جسے باپ کا بازو' باپ کا سہارا بننا ہوتا ہے۔ کندھوں پر کوئی ذمے داریاں نہیں ہیں سوائے تمہارے اس لیے سارے پیسے تمہیں دے کر شانت ہو جاتا ہوں از دیٹ کلیئر؟''

''تم بہت عظیم ہو احد' میں اکثر سوچتی ہوں اگر میں کماتی تو کیا اتنی اعلیٰ حوصلگی دکھا سکتی تھی کہ ساری تنخواہ لا کے تمہارے ہاتھ پر رکھ دیتی۔'' نور کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگی تھیں۔

''آنسو نہیں یار کھانا، بھوک سے جان نکل رہی ہے۔'' وہ اس کے آنسو دیکھ کر جیسے ڈر گیا تھا۔

''یہ تو تشکر کے آنسو ہیں احد، تم پتا نہیں کیوں گھبراتے ہو؟'' وہ زیرِ لب کہہ گئی۔

☆☆☆

ان دنوں بہار کی آمد آمد تھی، ہر طرف حسین پھول کھل اٹھے تھے احد یونٹ سے واپس آیا تو بہت خوش تھا۔

''ممی پاکستان آ گئی ہیں۔'' وہ بچوں کی طرح خوش تھا۔

''جلدی سے تیار ہو جاؤ، ممی سے ملنے جانا ہے' ان کے لیے کچھ گفٹس لینے ہیں۔'' وہ بہت جلدی میں تھا۔

''کب جانا ہے؟''

''کل صبح ہی نکل جائیں گے۔'' وہ بہت ایکسائٹڈ تھا۔

''ممی...... ممی......!'' پتا نہیں کیوں اس کے دل میں ہلکا سا ملال آ گیا' تو کیا کوئی اور بھی اس کی اتنی زیادہ توجہ کا اتنے زیادہ پیار کا حقدار ہے۔ میں تو سمجھ بیٹھی تھی کہ احد صرف میرا ہے مگر یہ کیا......؟''

''پیسے ہوں گے تمہارے پاس؟''

''وہ کس لیے؟''

''بھئی بازار جانا ہے۔ پیسے تو چاہئیں نا!'' وہ بالوں میں برش کر رہا تھا۔ اس نے کچھ پیسے بچا کر رکھے تھے مگر اس لیے نہیں کہ ممی کے لیے تحائف خریدے جائیں۔

''میں احد جتنا بڑا دل کہاں سے لاؤں؟'' وہ جتنا زیادہ ضبط کرنا چاہ رہی تھی آنسو اتنا ہی بغاوت پر اتر آئے تھے۔ آج تو احد کو اس کے آنسوؤں کا بھی پتا نہیں چل رہا تھا' اس نے چپکے سے خود ہی وہ آنسو ٹشو پیپر میں سمو دیے۔ احد نے ممی کے لیے اُردو کی بہت ساری کتابیں خریدی تھیں۔

''وہ جب تنہا ہوں گی تو یہ کتابیں انہیں بور نہیں ہونے دیں گی۔ یہ گرم شال جب وہ انگلینڈ، امریکا کی شدید سردی میں اوڑھیں گی تو انہیں بہت اچھا محسوس ہوگا۔ گرمیاں آ رہی ہیں ممی کو لان کے جوڑوں کی ضرورت ہوگی۔'' وہ تو جیسے ممی کی ایک ایک ضرورت سے آگاہ تھا۔ اسے جانے کیوں احد کی ممی سے حسد ہونے لگا تھا حالانکہ اسے انہوں نے ہی تو احد کے لیے پسند کیا تھا اور احد نے ممی کی پسند سے عشق کیا تھا، اسے چاہا تھا چاہت کی آخری حدوں تک پھر دل میں ملال کیسا...... یہ ہلکا سا دکھ کیوں؟

وہ لوگ اسلام آباد آئے تو ممی کو دیکھ کر احد جیسے جی اٹھا جیسے کھل اٹھا۔ بالکل ایک چھوٹے بچے کے مانند وہ ماں کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔ نور سے دیکھا نہ جا رہا تھا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''احد صرف میرا ہے۔'' وہ کہہ نہ سکی بس سوچ کر رہ گئی۔ ممی اُن کے لیے بہت سے تحائف لائی تھیں جس میں ایک نیو بورن بے بی کا تقریباً سارا سامان تھا۔ لیکن شادی کے دو سال بعد بھی نور کو بغیر بچے کے دیکھ کر انہیں حیرت ہو رہی تھی۔

''میرا خیال تھا احد میاں تم ابا بن چکے ہو گے یا بننے والے ہو گے۔''

''ابھی نہیں ممی۔'' وہ ٹال گیا۔ نور دل ہی دل میں مجرم سی بن گئی احد نے اس کی طرف دیکھا' وہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔ بھلا کیسے بتاتی کہ احد سے یہ فرمائش بھی اس نے خود ہی کی تھی کہ وہ اتنی جلدی بچوں کے جھنجٹ میں نہیں پڑے گی کیونکہ اسے اس کی ماما نے یہی سبق دیا تھا کہ وہ بہت زیادہ حسین ہے، کم عمر ہے بچوں میں پڑ کر اپنا حسن کھو دے گی اور بدصورت بدہیئت عورتیں شوہروں کے دل سے بہت جلد اتر جاتی ہیں۔ وہ تو سو فیصد اپنی ماما کی نصیحتوں پر عمل کر رہی تھی۔ آج احد کی ممی کی بات سن کر وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ احد پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ وہ کتنا اچھا تھا اس کی ہر بات مان لیتا تھا مگر آج وہ سنجیدگی سے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بچے کے متعلق سوچ رہی تھی ننھے بچوں کی بہت ساری چیزیں دیکھ کر اس کے اندر ممتا کی لہریں ہلکورے لینے لگی تھیں۔

''ہمارا بچہ کب ہوگا؟'' رات کو احد سے پوچھ بیٹھی۔

''ہیں......؟ یہ اچانک اتنا حسین خیال آپ کے ننھے سے دل میں کیسے آ گیا؟'' احد سچ مچ حیران تھا۔

''میں نے ماما کی نصیحتوں پر عمل کر کے احد جیسے اچھے بندے کو اولاد کی نعمت سے محروم رکھا بہت زیادتی کی۔'' وہ خود ہی منصف ہو بیٹھی۔

''ممی ابھی چھ ماہ تک اِدھر ہی ہیں، میرا خیال ہے ہم انہیں جانے سے پہلے یہ خوشخبری سنا سکتے ہیں۔'' احد اتنا خوش تھا کہ اسے افسوس ہونے لگا اس نے احد کو اس خوشی سے دور کیوں رکھا۔

☆☆☆

وہ ماں بننے کے دل خوش کُن مرحلے میں داخل ہوئی تو احد کی محبت کئی گنا بڑھ گئی۔ احد جا کر ممی کو اپنے پاس لے آیا تھا آفس سے واپسی پر وہ گھنٹا دو گھنٹا ممی کو کمپنی دیتا تھا۔ یہ وقت نور کے لیے قیامت ہو جاتا۔ وہ جو ڈھائی سالوں سے احد کی محبتوں کی قربتوں کی بلاشرکتِ غیرے مالک تھی اب اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ سینئرز کی بیگمات یعنی بھابیوں سے سنی ہوئی ساری منفی باتوں کا شکار ہو رہی تھی۔ منفی سوچوں کا شکار ہو رہی تھی، یہ سوچے بنا کہ احد کی ممی ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں جو فضول قسم کے شکوے گلے کرنے کے بجائے بکس پڑھتی تھیں، نہ لڑتی جھگڑتی تھیں، نہ طعنے مہنے دیتی تھیں، نہ ہی کوئی فرمائش کرتی تھیں۔ ایسا مہمان کیسا بے ضرر ہوتا ہے مگر نور خود پر حیران تھی، اسے ممی کی موجودگی سے مسئلے ہو رہے تھے، وہ سوچتی تھی ممی کب واپس جائیں گی اور اسی شام ممی نے رختِ سفر باندھ لیا۔ نور کے دل میں تھوڑی دیر کو سہی پشیمانی کی ایک ہلکی سی لہر نے سر اٹھایا۔ ممی کہیں اس کے دل کی بات تو نہیں جان گئیں؟ وہ خوفزدہ ہوئی مگر ممی انتہائی نارمل تھیں وہ چلی گئیں تو نور کے دل میں سکون اتر آیا۔ اب احد پھر اس کا تھا صرف اور صرف اس کا۔ نو مہینے احد نے نور کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا۔

نور نے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ آریز کی پیدائش کے بعد وہ اور بھی حسین ہو گئی تھی۔ آریز کی پیدائش پر ماما آ گئی تھیں۔ احد کی ممی تو واپس جا چکی تھیں ہاں بی بی آ گئی تھیں۔

نور بہت خوش تھی کیونکہ احد بہت زیادہ بلکہ حد سے زیادہ خوش تھا۔ نور کو لگتا جیسے آریز کو جنم دے کر اس نے احد کی بے پایاں محبتوں کا قرض اتار دیا ہو۔ احد نے ایک منظوم اعتراف نامہ لکھا تھا جس میں نور سے بے پناہ محبت کا اعتراف تھا، آریز جیسے حسین تحفے کا شکریہ ادا کیا تھا۔ نور، احد کے مزاج کے افسانوی اور شاعرانہ پہلو کو جان گئی تھی گو کہ اسے خود اتنی دلچسپی نہ تھی مگر احد کی دیوانگی بھی اس سے چھپی نہ تھی۔ وہ حیران تھی آریز آٹھ ماہ کا ہونے کو تھا مگر اس کا جسم ذرا بھی خراب نہیں ہوا تھا وہ آج بھی اتنی ہی حسین اتنی ہی اسمارٹ تھی بالکل پتا نہیں لگتا تھا کہ وہ ایک بچے کی ماں ہے یا کوئی کالج اسٹوڈنٹ......

☆☆☆

بہت سے دن گزرے احد کی پروموشن ہو گئی تھی وہ اب میجر ہو گیا تھا مگر آریز کو دیکھ دیکھ کر جیتا تھا اُن کے ساتھ والا گھر کسی نئے نئے شادی شدہ جوڑے کو ملا تھا۔ احد نے کیپٹن ہشام اور مسز ہشام کو کھانے پر انوائٹ کیا تھا۔ مسز ہشام جن کا نام ماہرہ تھا نور کی

www.paksociety.com

دوئی حسن دیکھ کر جیسے ششدر رہ گئی تھیں۔ اب وہ
ثر ہی اُن کے گھر آنے لگی تھیں، اُن کو دیکھ کر نور کو
آتا کبھی وہ اور احد بھی اسی طرح نئے نئے ہم سفر
نے تھے۔ وقت کتنی تیزی سے گزر گیا تھا۔ ماہرہ ایک
ن ٹکٹکی لگائے نور کو دیکھ رہی تھیں۔

''آپ بہت حسین ہیں۔'' بے اختیار ماہرہ
ے منہ سے نکلا۔ نور نے صرف ہنس دینے پر اکتفا
یا۔

''آپ کی لو میرج ہے؟'' ماہرہ نے پھر سوال
یا۔

''نہیں، ہماری محبت ارینج میرج کے بعد
روع ہوئی۔''

''آپ کی لو میرج ہونی چاہیے تھی۔''

''کیا مطلب؟'' نور چونکی۔

''آپ اتنی حسین ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ
ی کو آپ سے محبت نہ ہوئی ہو۔''

''ہوئی تو ہے نا احد دیوانگی کی حد تک پیار
رتے ہیں مجھ سے۔''

''اور آپ؟''

''ظاہر ہے میں بھی۔'' وہ آریز کو سیریلیک کھلا
ی تھی۔ ماہرہ کے چہرے کے تاثرات ہرگز نہیں
لیھ پا رہی تھی۔ ماہرہ کو شادی کے شروع دنوں ہی
ں میاں کی سرد مہری کا سامنا تھا، کم گوئی کا گلہ تھا،
ں باپ کو پیسے بھیجنے کا شکوہ تھا، ڈگری رکھتے ہوئے
ری کی اجازت نہ ملنے کا دکھ تھا وہ حسرت و یاس
ا تصویر بنی نور کے خوب صورت مطمئن چہرے کو
ب تک دیکھ رہی تھی۔

''آپ کی تعلیم کتنی ہے؟''

''کیسا بے وقوفانہ سوال ہے۔'' نور دل ہی
ں میں چڑ سی گئی۔

''اے لیولز کے فوراً بعد میری شادی کر دی گئی۔''

''اوہ!'' ماہرہ کے دل پر ایک اور گھونسہ لگا۔

''اتنی کم تعلیم کے باوجود میاں کے دل پر راج کر رہی ہیں۔'' ماہرہ نے پھر جل کر سوچا۔ ایک ٹھنڈی آہ خود بخود ہی اس کے لبوں سے نکل گئی۔

''چلتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر چل دیں، نور نے بھی روکا نہیں اسے آریز کو سلانا تھا۔

''کیسے کیسے لوگ ہمارے جی کو جلانے آ جاتے ہیں۔'' اس نے احد سے کئی بار سنا ہوا مصرع خود ہی گنگنایا۔

☆☆☆

اس دن احد کے پاس کیپٹن ہارون بیٹھا تھا دونوں گپ شپ لگا رہے تھے۔

''سر کیا خیال ہے شادی ماں باپ کی پسند سے ہونی چاہیے یا اپنی پسند سے؟''

''ماں کی پسند سے۔''

''وہ کیوں سر؟''

''وہ اس لیے ہارون کہ دنیا میں آپ کو سب سے زیادہ آپ کی ماں چاہتی ہے، وہ یقیناً آپ کے لیے بہترین لڑکی ڈھونڈے گی۔''

''لیکن سر محبت کا کیا ہوگا؟'' کیپٹن ہارون پھر مسکرایا۔

''محبت دنیا کا سب سے بڑا جادو ہے کیپٹن ہارون جتنی زیادہ محبت اور توجہ بیوی کو دو گے اس سے دگنی محبت اور توجہ اس سے پا لو گے سادہ سا فلسفہ ہے اور بس......''

''سر آپ اسی فلسفے پر کاربند ہیں۔''

''آف کورس ہارون، میں نے اپنی بیوی کو اتنا چاہا ہے اتنا سراہا ہے کہ اور کوئی ایسی محبت کر ہی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکتا۔'' احد کی آواز میں سمندروں سے بھی گہرا یقین تھا۔

☆☆☆

آریز کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی نورا سے کسی پرائیوٹ چائلڈ اسپیشلسٹ کو دکھانا چاہتی تھی لیکن احد کو وزیراعظم کا ہیلی کاپٹر لے کر جانا تھا وہ ہرگز فارغ نہیں تھا۔

''ایسا کرو ہارون، تم اپنی بھابی کو ہماری گاڑی پر شہر لے جاؤ، یار نور خود بھی ڈرائیو کرسکتی ہے لیکن بچہ چھوٹا ہے۔''

''شیور سر۔'' ہارون گھر پر چلا آیا' بیٹ مین گاڑی کی چابی لے آیا تھوڑی دیر میں وہ پریشان حال سے آریز کو لے کر باہر نکلی۔ ملگجے کپڑے، بکھرے بال' میک اپ سے عاری چہرہ لیے۔ ہارون نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''آپ سچ کہتے تھے سر، آپ کی ماں کی پسند واقعی لاجواب ہے۔'' وہ دل ہی دل میں کہہ اٹھا۔ وہ آریز کے لیے اتنی پریشان تھی کہ ڈھنگ سے کیپٹن ہارون کے سلام کا جواب بھی نہیں دے سکی۔ اس کے بعد بھی ایک دو بار ایسا ہی ہوا۔ احد نے ہارون کو گھر پر بھیج دیا، اب کی بار وہ بہتر حلیے میں تھی، ہارون اتنا بے تحاشا حسن دیکھ کر پاگل سا ہوگیا۔ وہ بے پروائی سے ساتھ گئی اپنے کام سرانجام دیے اور واپس چلی گئی۔ کیپٹن ہارون کی نیندیں حرام ہوگئیں۔

''سر احد آپ کتنے خوش قسمت ہیں، آپ کی ماں نے آپ کے لیے یہ ہیرا کہاں سے ڈھونڈ نکالا ہے' وہ اکثر سوچتا۔

اس دن وہ آریز کو ٹی وی لاؤنج کے شیشوں سے اندر آنے والی دھوپ میں لٹا کر مالش کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ دوسری طرف ماما تھیں، بہت دیر بات ہوتی رہی پھر ماما نے نور سے چار سال چھوٹی سندس کی بات چھیڑ دی۔

''میں اب اس کے ہاتھ پیلے کردینا چاہتی ہوں، نور فوجی آفیسر کا ہمارا پہلا تجربہ بہت اچھار‍ ہے، ہوسکے تو وہیں کہیں سندس کے لیے بھی کوئی آفیسر دیکھو۔''

''جی ماما، میں کوشش کروں گی احد سے بھی بات کروں گی۔'' بات بظاہر آئی گئی ہوگئی لیکن ماما نے ہر تھوڑے دن بعد نور سے پروگریس پوچھنا شروع کردی۔

اس دن بھی ہارون کسی کام کے سلسلے میں آ‍ ہوا تھا۔ نور کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ ''ہارو‍ اچھا، خوب صورت اور شریف لگتا ہے، احد سے بات کروں گی اس سے پوچھے تو سہی وہ کہیں انگیج نہیں......'' وہ سوچ کر آریز کے کاموں میں الجھ گئی۔

ماما کا پھر فون آگیا وہ جلدی سے احد کی طرف لپکی۔

''احد، ہارون کیسا آفیسر ہے؟''

''بہت اچھا...... مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''وہ ماما اکثر ہی فون پر کہتی رہتی ہیں کہ کو‍ اچھا سا آرمی آفیسر مل جائے تو سندس کے فرض ‍ بھی سبکدوش ہوجائیں۔''

''ارے تو کیا سندس اتنی بڑی ہوگئی ہے؟''

احد چونک سا گیا۔

''لڑکیوں کو بڑا ہوتے کون سی دیر لگتی ہے۔''

اس نے ماما کا جملہ دُہرایا۔

''پلیز! تم ہارون سے پوچھنا تو سہی وہ کہ‍ منگنی شدہ تو نہیں۔''

''یہ عورتوں والی باتیں اور سوالات تم خو‍ پوچھنا اس سے اکثر تو آتا رہتا ہے۔'' احد نے ‍ پروائی سے بات ٹال دی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اس دن پھر ہارون آیا ہوا تھا۔ اس نے آنکھوں آنکھوں میں احد سے پوچھا اس نے اجازت دے دی۔ احد خود باہر نکل گیا وہ بڑی بہنوں کی طرح ہارون کے قریب آ بیٹھی۔

''ہارون، تم شادی کب کر رہے ہو؟'' اس نے بے ڈھنگے پن سے اناڑیوں کی طرح ایک دم ہی بات شروع کر دی۔

''جب کوئی آپ جیسی حسین مل جائے گی۔'' وہ دل میں سوچ کر رہ گیا کہہ نہیں سکا۔

''کوئی آئیڈیل وغیرہ ہے؟''

''ہم فوجیوں کے کوئی آئیڈیل نہیں ہوتے بس جہاں ماں باپ کہہ دیں ہم شادی کر لیتے ہیں۔'' وہ حسبِ عادت زور سے ہنسا۔

''اتنے اچھے بھی نہیں ہوتے تم لوگ۔'' جواباً وہ بھی ہنسی۔

☆☆☆

اب اکثر ہی ایسا ہونے لگا تھا وہ سندس کو ذہن میں رکھ کر ہارون سے ڈھیروں سوالات پوچھتی اس کی پسند ناپسند، اسٹار، رنگ، میوزک، بکس......

حالانکہ سندس بہت کھلنڈری اور بے پرواسی لڑکی تھی لیکن نور ہمیشہ بڑے سنجیدہ اور گہرے سوال کرتی ہارون سے... وہ چونک سا جاتا۔ کبھی غلط فہمی کا شکار ہو جاتا۔

''یہ بھابی مجھ میں اتنی انٹرسٹڈ کیوں ہیں؟'' کئی بار رات کو اس کی نیند اڑ جاتی۔ ''جانے وہ اتنی تفصیل کیوں پوچھتی رہتی ہیں شاید مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہیں مگر کیوں؟ اور یہ سارے سوالات وہ سر احد کی غیر موجودگی میں ہی پوچھتی ہیں۔ سر احد......'' ہارون کی ریڑھ کی ہڈی میں کوئی سرد لہر دوڑ گئی۔

وہ مسز احد کے رویّے سے الجھتا جا رہا تھا اور نور کی توجہ اسے ہلکان کیے دے رہی تھی۔

''آخر کیوں؟'' وہ سوچتے سوچتے پاگل سا ہونے لگتا۔ ''مسز احد بہت حسین اور کافی سے زیادہ کم عمر لگتی ہیں لیکن وہ اتنی نادان تو ہرگز نہیں ہوں گی کہ سر احد جیسے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف دیکھیں۔'' وہ سخت پریشان رہنے لگا تھا۔ اُدھر ہر دوسرے تیسرے دن سر احد اسے کھانے پر یا چائے پر بلا لیتے تھے، وہ سخت اپ سیٹ ہو جاتا۔

''مجھ میں ایسی کیا خاص بات ہے؟'' وہ سوچتے سوچتے پاگل ہونے لگتا۔ ''سر احد کو کیا ہو گیا ہے وہ بھی تو بلاتے رہتے ہیں مجھے۔ یہ سب ٹھیک نہیں ہو رہا۔'' وہ سر ہاتھوں میں تھام لیتا۔

انہی دنوں سر احد کا کوئی کورس آ گیا وہ تین مہینے کے لیے ملک سے باہر جا رہے تھے اور ہارون کو تاکید کر کے گئے تھے بھابی کا خیال رکھنے کی۔ وہ نہ جاتا تو نور کا فون آ جاتا طوعاً کرہاً اسے جانا ہی پڑتا۔ وہ نور کے لیے دل میں اٹھتے طوفانوں سے لڑ لڑ کر ہار جاتا، خوف زدہ ہو جاتا۔ نور بڑی بے تکلفی سے اسے بلا لیتی تھی۔ اسے اپنے شوہر کی طرف سے اجازت تھی اس کی نیت نیک تھی۔ وہ ہر مسئلے کے لیے ہارون کو بلانا فرض سمجھتی۔ کئی بار وہ ہارون سے بڑی بے تکلفی سے بات کرتی ہنسی مذاق کرتی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ہارون بھی سارے واہمے سارے خدشے جھٹک کر بے تکلفی سے آنے جانے لگا۔

☆☆☆

''تم کب آؤ گے احد؟'' وہ روزانہ رات کو دیر تک احد سے بات کرتی۔

''میری جدائی سہہ نہیں پا رہی ہو نور؟'' وہ اداس ہو جاتا۔

''ہاں احد، میں تمہاری محبتوں کی تمہار

www.paksociety.com

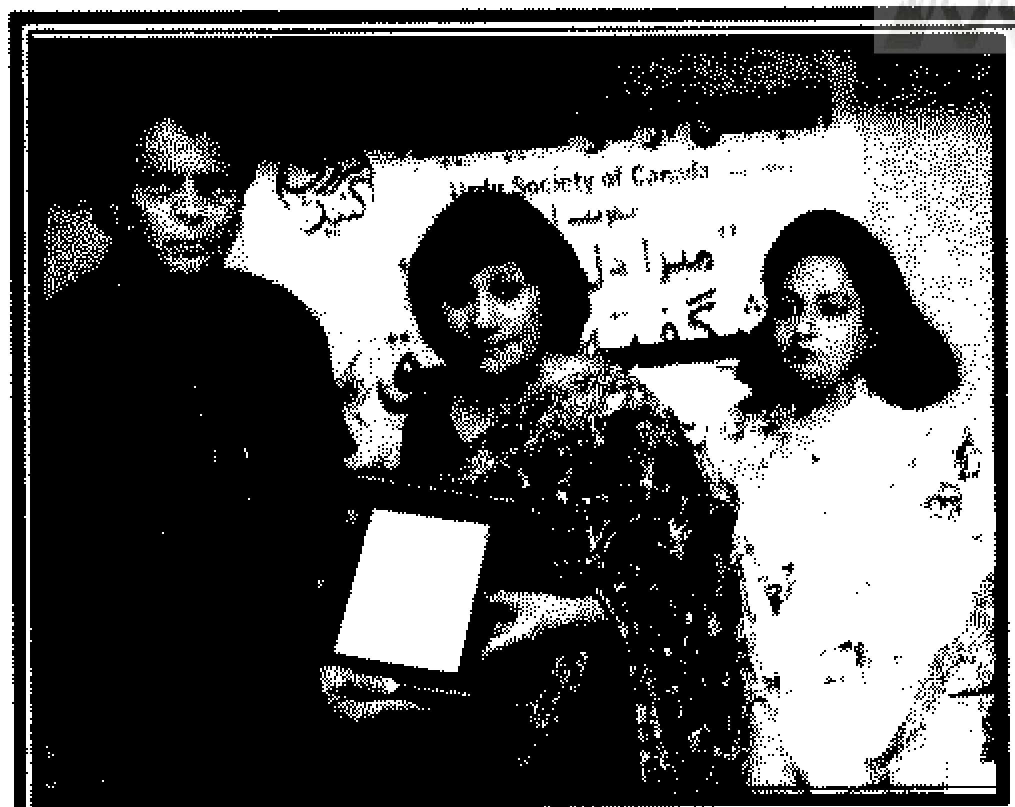

معروف شاعرہ

شگفتہ شفیق

''اردو سوسائٹی آف کینیڈا'' کی خصوصی
وت پر پاکستان سے تشریف لانے والی
عروف شاعرہ اور افسانہ نگار شگفتہ شفیق کے
عزاز میں سوسائٹی کے سربراہ تسلیم الٰہی زلفی
نے اتوار 4 ستمبر 2011ء کو اپنی قیام گاہ پر
یک پُروقار استقبالیہ کا اہتمام کیا۔ جس میں
گفتہ شفیق کا کلام سن کے محفل کے شرکا جھوم اٹھے۔ 10 ستمبر 2011ء کو شگفتہ شفیق کے شعری مجموعے ''میرا دل
کہتا ہے'' کی تقریبِ اجرا کا انعقاد ٹورنٹو میں کیا گیا۔ تقریب کی صدارت ادبی اسکالر تسلیم الٰہی زلفی نے کی۔
تکلف عشائیہ کے بعد ''میرا دل کہتا ہے'' کا اجرا کیا گیا۔ اس موقع پر انجمن اردو کینیڈا کی جانب سے شگفتہ شفیق
کو پھول اور Award of Excellence پیش کیا گیا جبکہ تسلیم الٰہی زلفی نے شگفتہ کو دلنواز جذبوں کی
شاعرہ قرار دیا۔ 23 ستمبر 2011ء کو Ambition کی مدیرہ اسما وارثی نے مسی ساگا کے ریستوران میں
شاندار ضیافت اور مشاعرے کا اہتمام کیا جس کی مہمانِ خصوصی شگفتہ شفیق تھیں۔ اس موقع پر گل پاشی کے علاوہ
میں Award of appreciation بھی دیا گیا۔ شگفتہ نے SSTV کے پروگرام ''مہمان'' اور
''ادبی مجلّہ'' میں بھی شرکت کی اور بہت سارے مشاعرے پڑھے جس میں مسی ساگا اور مانٹریال کا مشاعرہ بھی
شامل ہے۔ 24 ستمبر 2011ء کو یونیورسٹی آف کراچی گریجویٹس فورم کی طرف سے تسلیم الٰہی زلفی صاحب نے
جامعہ کراچی ادبی ایوارڈ 2011ء شگفتہ شفیق کو دیا۔ اس طرح اپنے دامن میں بے شمار خوب صورت یادیں،
محبتیں اور چاہتیں سمیٹ کر شگفتہ شفیق اپنے پیارے پاکستان کی طرف روانہ ہوئیں۔

توں کی اتنی عادی ہو چکی ہوں کہ تمہارے بغیر
س رکنے لگتی ہے۔'' وہ رونے لگتی۔

''نہیں پلیز نور، آنسو نہیں، میں یہاں رہ نہیں
س گا تم بس خوش رہو، دس ہفتے تو رہ گئے ہیں
ی واپسی میں۔'' وہ تسلیاں دیتا۔

''اچھا سنو زیادہ دل گھبرائے تو ہارون کے
ھ کہیں گھومنے چلی جایا کرو، میں واپس آ جاؤں
انشاء اللہ اس سے تفصیل سے بات کریں گے
س کا مسئلہ حل ہو جائے گا آنٹی کو تسلی دینا میری
طرف سے۔''

''اوکے..... احد تم سچ مچ بہت اچھے ہو، بہت لونگ بہت کیئرنگ۔'' وہ بھیگی آنکھیں پونچھ کے مسکرا دی۔

ہارون آ گیا تھا، اسے اور آریز کو زبردستی باہر لے گیا تھا۔ آریز سامنے گھاس پر سائیکل چلا رہا تھا، وہ دونوں ایک بینچ پر بیٹھے تھے ہارون کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

''تم کیا دیکھ رہے ہو ہارون؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"دکھ نہیں رہا، سوچ رہا ہوں سراحد بہت لکی ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"انہیں آپ جیسی شریکِ حیات ملی ہیں۔"

"ہاں، میں بھی تو لکی ہوں مجھے احد جیسا شوہر ملا ہے۔" وہ اترائی۔ احد کے ذکر پر وہ جیسے جھوم اٹھتی تھی۔

"سراحد آپ سے بہت محبت کرتے ہیں؟"

"ہاں، میری سوچ میرے تصور سے بھی زیادہ...... یہ ان کی محبت ہی تو ہے کہ میں تمہارے ساتھ یہاں اکیلی بیٹھی ہوں، بھروسے کا رشتہ ہے ہمارے درمیان میں......" ہارون سراحد کے لیے اس کی اتنی بے تحاشا محبت دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگا۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے ہارون؟"

"نہیں مگر اب کرنے لگا ہوں۔"

"کس سے؟"

"آپ سے۔" ہارون لگتا تھا اپنے حواسوں میں نہیں ہے۔

"بکومت، میں سنجیدگی سے پوچھ رہی ہوں۔"

"آپ واقعی نہیں سمجھیں، میں نے جس دن سے آپ کو دیکھا ہے ایک انجانی آگ میں جل جل کر راکھ ہو رہا ہوں...... پلیز مجھے جلنے سے بچالیں، مجھے آپ سے محبت ہوگئی ہے۔" وہ ازخود رفتگی کے عالم میں جانے کیا کہہ رہا تھا اچانک نور کا ہاتھ گھوما اور کیپٹن ہارون کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔

"مجھے پتا تھا مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے لیکن مجھے خود پر اختیار نہیں ہے...... نور پلیز مجھے غلط مت سمجھیں میں آپ کی توجہ سے آپ کی مہربانی سے جانے کیا سمجھ بیٹھا تھا۔ مجھے معاف کردیں، پلیز مجھے معاف کردیں۔" وہ چھ فٹ سے نکلتا ہوا افسر آنسو بھری آنکھیں لیے کھڑا تھا وہ جلدی سے گاڑی میں جابیٹھی۔ وہ گاڑی اس کے پورچ میں کھڑی کر کے اترا اور تیزی سے گیٹ سے نکل گیا۔ وہ رات کو بہت دیر تک جاگتی رہی۔

"مجھے ہارون سے زیادہ فری ہو کے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ سندس کی شادی ہوجائے گی، ماما نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ میں ہارون سے خود تو نہیں کہہ سکتی تھی منہ پھاڑ کے کہ مجھے بہن کے رشتے کی تلاش ہے اس لیے میں تمہیں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتی ہوں۔ میرا طریقہ غلط تھا۔" وہ رات بھر کروٹیں بدلتی رہی۔

بہت سے دن گزر گئے ہارون پلٹ کے نہیں آیا ایک دن احد نے اسے کہا۔

"ہارون سے کہو وہ تمہیں آریز کی ویکسینیشن کے لیے لے جائے گا۔"

"اچھا۔" اس نے بے دلی سے حامی بھرلی۔

بیٹ مین سے ہارون کا پتا کروایا اس نے آکر بتایا کہ ہارون صاحب تو کئی دن سے بخار میں پھنک رہے ہیں۔ وہ پریشان سی ہوگئی۔ دل میں آیا احد سے ساری بات کہہ دے لیکن جانے کیوں حوصلہ نہیں پڑا۔ بظاہر اس نے ہارون سے اور ہارون نے اس سے رابطہ ختم کردیا تھا مگر رات کی تنہائی میں احد بھی یاد آتا اور ساتھ ہی ہارون کا وہ اظہارِ محبت بھی اس کو چھیڑ یاد دلاتا تو نیند آنکھوں سے روٹھ جاتی۔ وہ حسین تھی یہ ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ ساری دنیا اسے سراہتی تھی اسے احد کی بے پایاں بے تحاشا محبت حاصل تھی کسی چیز کی کمی نہیں تھی مگر اب وہ احد کی غیر موجودگی میں ایک بہت بڑی الجھن کا شکار ہو چکی تھی۔

☆☆☆

بہت دنوں بعد رشید نے اندر آکر اطلاع دی کہ ہارون صاحب آئے ہیں۔ بے اختیار اس کا دل دھڑکا۔

"کیوں...... کس لیے؟" بہت سے سوالات دنوں پر آنے سے پہلے دم توڑ گئے۔

"وہ جی لان میں بیٹھ گئے ہیں، اندر نہیں آئے۔" رشید نے مزید اطلاع فراہم کی۔ وہ بادلِ ناخواستہ...... لان میں چلی آئی۔

"سراحد کا یونٹ میں فون آیا تھا کہ میں آپ کے پاس جاؤں اور پوچھوں کوئی کام تو نہیں ہے۔" وہ ناراض اور کچھ کمزور سا لگ رہا تھا۔

"نہیں، میں مسز میجر حبیب کے ساتھ جا کر ماہانہ سودا سلف لے آئی تھی سی ایس ڈی سے۔"

"گزری باتوں کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔" وہ کچھ دیر چپ رہا۔

"چلتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ، رشید چائے لاتا ہوگا۔" اسے خود پتا نہیں تھا اس نے ہارون کو کیوں روک لیا تھا۔ وہ بیٹھ گیا مگر پتھروں کی طرح چپ تھا۔ وہ بھی چپ تھی لان میں لگے آم کے بہت پرانے درخت پر کوئل کوکنے لگی تھی۔

"میرا جرم اتنا بڑا نہیں تھا، آپ نے سزا بہت کڑی دے ڈالی۔" وہ آہستہ سے کہہ اٹھا۔ وہ اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں غور سے دیکھتی رہی، لگتا تھا وہ کئی راتوں سے سویا نہیں۔ نور کے دل میں دکھ کا ہلکا سا احساس جاگا۔

"تم نے بہت غلط بات کی تھی ہارون، میں تمہارے سینئر آفیسر کی بیوی ہوں، ایک بچے کی ماں ہوں پھر تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں تمہارے اظہارِ محبت پہ چپ رہوں گی کوئی ری ایکشن شو نہیں کروں گی۔" آج نور کی آواز میں وہ تیزی وہ تندی نہیں تھی...... طوفان آ کے جاچکا تھا وہ بظاہر پُرسکون دکھائی دیتی تھی۔

"میں نے جو کچھ کہا تھا میں اس پر شرمندہ نہیں ہوں، وہ میرے سچے اور کھرے جذبے ہیں...... آپ کے لیے صرف آپ کے لیے شاید میں زندگی بھر کسی اور کو ایسے نہ چاہ سکوں یہ سب نہ کہہ سکوں۔" وہ بڑا دکھی بڑا ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا پتا نہیں کیوں نور کو اس کا یوں کھوئے کھوئے لہجے میں دھیرے دھیرے بولنا اچھا لگ رہا تھا تبھی رشید چائے وہیں لے آیا۔

بہت کچھ سوچتے ہیں ہم

کبھی کچھ سوچنے میں ہم
غلط بھی سوچ جاتے ہیں
کبھی کچھ کام کرنے میں
قدم بھی ڈگمگاتے ہیں
یونہی اس راستے کو ہم
اچانک چھوڑ جاتے ہیں
پلٹ کر دیکھتے ہیں جب
تو خود ہی سر جھکاتے ہیں
اپنی مایوسیوں کے آگے
اک نئی دنیا کو پاتے ہیں
جو ہمیں یہ آواز دیتی ہے
کہ قدم آگے بڑھاؤ اور
ان تاریکیوں سے تم
دور نکل جاؤ
بہت دور نکل جاؤ

از: صفیہ امیر جان، راولپنڈی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اتنی دیر کیوں کر دی رشید؟'' وہ بلاوجہ رشید سے تلخی سے بولی۔

''چلتا ہوں۔'' وہ پھر کھڑا ہو گیا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے نور چاہ رہی ہو کہ وہ جلدی سے چائے پیے اور چلا جائے۔ احساسِ توہین سے ہارون کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

''کوئی کام ہو تو بتا دیجیے گا۔'' وہ بیٹھا نہیں کھڑا رہا۔

''بیٹھ جاؤ ہارون، چائے پی کر جانا۔'' وہ پھر کسی روبوٹ کی طرح بیٹھ گیا۔ وہ تو بڑا ہنس مکھ بڑا زندہ دل انسان تھا اسے چپ دیکھ کر نور کو دکھ ہونے لگا تھا۔

نور کی زندگی میں صرف احد تھا جو اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا نہ کبھی ناراض ہونے کی نوبت آئی تھی نہ کوئی دکھ نہ درد، اب ہارون کو اپنی محبت میں یوں دکھی اور اداس دیکھ کر پتا نہیں کیوں اسے اچھا لگا۔ دل میں ہلکی سی درد کی لہر اٹھی۔ وہ ان کیفیات سے پہلے کبھی نہیں گزری تھی زندگی میں پہلی دفعہ اس کا دل کچھ اور ہی انداز میں دھڑک اٹھا تھا۔ وہ چاہتی تھی ہارون جلدی چلا جائے جب وہ اٹھتا تو وہ بلاوجہ روک لیتی۔ رشید چائے کے خالی برتن اٹھائے پھر ٹرے لیے چلا آ رہا تھا اب کی دفعہ نہ وہ اسے روک سکی نہ ہی وہ رکا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ کمرے میں آ کر اس نے کافی دیر ٹی وی دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔ احد کی بک شیلف سے اٹھا کر اردو کی کتابیں کھنگالنے لگی اس کی اردو اتنی اچھی نہیں تھی لیکن اس نے بساط بھر کوشش کی کہ وہ کسی کہانی میں کھو جائے لیکن ناکامی ہوئی۔

پھر احد کا فون آ گیا تو وہ سب کچھ بھول بھال کر اسے دن بھر کی روداد سنانے لگی جس میں ہارون کا ذکر بھی آیا۔ اس سے کیا باتیں ہوئی وہ صاف چھ[...] گئی حوصلہ نہیں پڑا احد کے ساتھ اتنی بے تکلفی اور [...] اسٹینڈنگ کے باوجود کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

☆☆☆

دن گزر رہے تھے ایسے دن جن میں احد کی یا[د] کے ساتھ ہارون کی محبت کا کانٹا بھی چبھتا۔

''میں کبھی کبھی موبائل پر آپ سے بات کر سک[تا] ہوں؟'' ایک دن اس کا فون آ گیا۔ وہ چپ رہی۔

''پلیز اپنا نمبر دے دیجیے نا، ایک ایسے شخص [پر] ترس کھائیں جو آپ کی محبت میں برباد ہو رہا ہے پلیز......'' جانے ہارون کی آواز میں کوئی اثر تھا [یا] وہی کمزور پڑ گئی تھی، وہ نمبر بول رہی تھی نمبر ختم ہو[تے] ہی اس کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔

''میں ساری زندگی آپ کا مشکور رہوں[گا] صرف آپ کی آواز سننا چاہتا تھا اور بس......'' [وہ] موبائل بند کر گیا اس کا نمبر اس کے موبائل میں آ گ[یا] تھا اس نے چپکے سے ڈی لیٹ کر دیا۔

''احد بس اب آ جاؤ تمہارے بغیر میں بہ[ت] کمزور پڑ گئی ہوں۔'' خاموش آنسو برس رہے تھے آج کسی نے یہ نہیں کہا۔ ''پلیز آنسو نہیں، کھانا، بھ[...] بھوک لگی ہے۔'' اسے احد ٹوٹ کر یاد آیا۔

''اب آ جاؤ احد پلیز لوٹ آؤ......'' اب ا[...] ہی ہارون کا فون آ جاتا تھا، وہ کام بھی پوچھ لیتا [...] کبھی اپنے جذبوں کا اظہار بھی کر دیتا۔ کہانی [...] عجیب موڑ لے رہی تھی اس نے تو احد کے سوا [...] کچھ سوچا ہی نہیں تھا اب بیچ میں ہارون کہاں [سے] آ گیا۔ کیوں آ گیا؟ وہ جو بڑی ہلکی پھلکی مسکراتی ہ[...] سی نور تھی اب اکثر انجانی سوچوں میں کھوئی رہتی۔

آریز ایک خوش باش صحت مند بچہ تھا اس [...] اس کی طرف سے بھی وہ بے فکر رہتی۔ ''کیوں [...]

[...]ں کچھ دنوں کے لیے ماما کو اپنے پاس بلا لوں۔'' وہ [...]وش ہوا تھی ماما کے آ جانے سے اسے ہر سوچ سے [بظ]اہر نجات مل گئی لیکن ماما کو سندس کے رشتے کی اتنی [...]ں جلدی تھی جتنی وہ نور کے معاملے میں جلد باز [...]یں۔ تبھی اچانک ہی ہارون آ گیا۔ ماما کو وہ بے حد [پس]ند آیا۔

''اس سے بات کرو نا نور، تمہیں میری [پر]یشانیوں کا ذرا احساس نہیں...... تمہارا باپ زندہ [ہو]تا تو شاید میں اتنی تنہا اتنی اکیلی نہ ہوتی...... میں [ج]لد از جلد سندس کے فرض سے فارغ ہونا چاہتی [...]ں سندس کے بعد زرش بھی جوان ہو رہی ہے تین [...]ن بیٹیوں کا بوجھ اور میں تنہا عورت۔'' ماما کے وہی [پر]انے دکھڑے وہی پرانے روگ تھے جنہیں سن سن [ک]ر وہ جوان ہوئی اور کم عمری ہی میں بیاہ دی گئی۔ کم [عم]ری کے باعث وہ کتنی غلطیاں کر لی تھی کتنی حماقتیں [س]رزد ہو جاتی تھیں اس سے یہ صرف احد تھا جو اسے [...]سی کانچ کے برتن کی طرح سنبھال کے رکھتا تھا۔ اس [...]ی ہر خطا ہر حماقت سے چشم پوشی اختیار کرتا تھا اب [ما]ما سندس کو بھی اسی کم عمری میں بیاہنا چاہتی تھیں ''ہر [...]ر احد نہیں ہوتا ماما......'' وہ کہنا چاہتی پر کہہ نہ پائی۔

''تم ہارون کے لیے بات کرو نا!''

''کی تھی ماما، وہ انگیجڈ ہے۔'' اس نے جھوٹ [بو]ل دیا بعد میں کتنی ہی دیر سوچتی رہی اس نے ایسا [ک]یوں کیا۔ لیکن پھر میں کیا کرتی وہ تو شاید مجھ سے [مح]بت کرتا ہے سندس کو بھلا کیا دے سکے گا۔

ماما واپس چلی گئی تھیں احد یہاں نہیں تھا۔ وہ [...]اس ہوتی تو جانے کس طرح اور کیسے ہارون کا فون [آ] جاتا۔

''میں آپ کے لیے اداس ہوں...... بے انتہا [...]اس آپ کی آواز سننا چاہتا ہوں، آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں پلیز کوئی کام کہیں، کوئی تو جواز بتائیں اپنے پاس آنے کا۔'' لگتا تھا جیسے وہ چھ فٹ سے نکلتے قد والا مرد رو رہا ہو، ضبط کی جانے کیسی کیسی کڑی منزلوں سے گزر رہا ہو، ہارون کے سینے کا درد جانے کیسے نور کے سینے میں منتقل ہو جاتا وہ چپ چاپ آنسو بہاتی رہتی اس کی چھوٹی سی زندگی میں کبھی کوئی غم نہیں آیا تھا جب تک پاپا زندہ رہے وہ پاپا کی آنکھوں کا تارہ بنی رہی۔ پاپا کے بعد ماما نے اسے اور چھوٹی بہنوں کو اپنی پناہ میں لے لیا، زمانے کے سرد و گرم سے چھپا لیا۔ پھر احد سے شادی ہوئی تو احد نے اسے اپنی بیکراں محبتوں کا محور بنا لیا، شادی کے فقط دو سال بعد اللہ نے اسے آریز جیسی نعمت سے نواز دیا، کہیں کوئی کمی نہیں تھی سسرال کے بکھیڑے نہیں تھے۔ احد اس پر پیار ہی نہیں لٹاتا تھا اعتماد بھی کرتا تھا۔ دل کھول کر خرچ کرتا تھا، پھر کیا تھا وہ کیوں اداس رہنے لگی تھی...... بات بے بات دل کیوں بھر آتا تھا پرانے اداس گانے سن کر لبوں سے ٹھنڈی آہ کیوں نکل جاتی تھی۔ وہ ایسی تو نہ تھی، وہ تو احد کی پرانے گانوں کی کلیکشن دیکھ دیکھ کر ہنستی تھی اب اسے کیا ہو گیا تھا، ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ گانے نکالتی، گھنٹوں سنتی۔

آریز بہت پیاری حرکتیں کرنے لگا تھا وہ کبھی انہیں بے حد انجوائے کرتی تھی اب بیزار رہنے لگی۔ وہ احد کے سارے کورس میٹس سے ہمیشہ سے ملتی آئی تھی مگر ہارون ان سب سے مختلف کیوں تھا...... کبھی کسی نے نگاہِ غلط انداز نہیں ڈالی تھی، ہر نظر میں احترام ہوتا تھا پھر یہ کیا ہو گیا تھا۔ شاید وہ بھی راستے سے بھٹک رہی تھی۔ احد کے ساتھ خیانت کر رہی تھی۔ احد کی محبت تو ہر وقت ہر لمحہ اس کا حصار کیے رکھتی تھی، ہارون کی محبت میں دکھ اور نارسائی تھی۔ وہ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بہت آہستگی سے بڑے غیر محسوس طریقے سے اس کے دل کے نہاں خانوں تک پہنچ رہا تھا، وہ لاکھ سر پٹختی خیال جھٹکتی لیکن جانے کیسے وہ سارے حصار توڑتا سارے کواڑ کھولتا دل کے دالان میں براجمان ہوجاتا۔ وہ اپنی زندگی کے سب سے عجیب اور حیرت ناک دور سے گزر رہی تھی۔ یہاں تک کہ احد کے واپس آنے میں فقط چند روز رہ گئے۔

''پلیز مجھ سے بات کیجیے...... یہ دن یہ فرصتیں دوبارہ نہیں آئیں گی۔ آپ کو نہیں پتا، آپ نہیں جانتیں سر واپس آرہے ہیں۔ جدائی اور نارسائی کا احساس مجھے ماردے گا...... پلیز نور آپ مجھ پر رحم کھائیں، مجھے اپنی آواز کی جھلک دے دیں، مجھے اپنی ایک جھلک دکھا دیں، ساری زندگی ممنون رہوں گا۔'' وہ اتنی التجائیں کرتا ایسے منت بھرے لہجے میں اس سے بھیک مانگتا کہ وہ بے بس سی ہوجاتی۔ وہ اس کی آواز کا، اس کی ایک جھلک کا دیوانہ تھا۔ احد کی محبت میں ایسی بے قراری، ایسی آہ و زاری نہیں تھی، وہ محبت بھی کرتا تھا اور شوہر بھی تھا احد اپنے سارے حق استعمال کرسکتا تھا لیکن ہارون صرف عاجزی سے انکساری سے بھیک ہی مانگ سکتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہارون کی محبت میں مبتلا ہورہی تھی۔ آغاز ہمدردی سے ہوا اور پھر بڑھتے بڑھتے محبت کی شکل اختیار کرگیا۔

☆☆☆

ایک دن اچانک میجر احد واپس آگیا۔ وہ بہت ترسا ہوا جدائی کے احساس سے نڈھال تھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا نور کہ میں تمہارے بغیر جی نہیں سکوں گا۔'' وہ اسے گلے سے لگائے ہوئے تھا نور کے آنسو اس کی قمیص بھگو رہے تھے۔

''اوہ، تمہارے یہ آنسو...... نہیں نور ہرگز نہیں، میں آگیا ہوں نا بس تم صرف ہنس دو، مسکرادو، زندگی مسکرا اٹھے گی۔'' وہ بے خبر تھا نور کی ہر کیفیت سے اس کے دل میں اٹھنے والے ہر احساس سے۔ احد کی محبتوں میں وہی شدت تھی اس کے لہجے میں وہی حلاوت تھی لیکن نور کے انداز میں کوئی گرمجوشی نہیں تھی وہ جیسے اندر ہی اندر کسی ٹھنڈے یخ بستہ سمندر میں گھری تھی۔ احد پہلے پہل تو سمجھا نہیں پھر جیسے وہ چونک سا گیا۔ ایسے جیسے کوئی گہری نیند سے جاگ جاتا ہے۔

''نور تم بدل گئی ہو، تم ویسی نہیں رہیں...... صرف تین مہینے کی جدائی نے تمہیں بہت خاموش بہت سرد مزاج بنادیا ہے، وجہ کیا ہے؟''

''صرف تمہارا وہم ہے احد...... تم وہاں اکیلے تھے میرے پاس آریز تھا، میں اپنے گھر میں تھی وہاں سب کچھ تمہارے لیے نیا تھا اکیلے تم تھے میں نہیں، تم ایک اجنبی انجان نگر سے لوٹے ہو صرف تمہارا وہم ہے کچھ اور نہیں۔'' اس نے بڑی ہوشیاری سے بڑی کامیابی سے احد کو مطمئن کردیا تھا مگر وہ اس کے دل میں ہارون کے لیے سلگتے جذبات سے بے خبر ہی رہا۔

''تمہارا ٹیسٹ بہت چینج ہوگیا ہے نور، تمہیں تو عاطف اسلم پسند تھا نا اب تم لتا، مکیش اور محمد رفیع کے گانے سننے لگی ہو۔'' احد ایک بار پھر چونکا۔

''تمہارے رنگ میں رنگتی جارہی ہوں۔'' وہ اسے ایک بار پھر بہلانے میں کامیاب ہوگئی۔

''یہ ہارون پتا نہیں کیوں میرے آنے سے پہلے ہی چھٹی پر چلا گیا۔'' وہ خود کلامی کررہا تھا۔ ہارون کے ذکر پر وہ اداسیوں میں گھر گئی۔

''اچھا...... چھٹی پر چلا گیا اس نے ذکر تو نہیں کیا ویسے ہی ازیچ آنا ٹس گئے۔'' وہ بڑی نارمل ہورہی تھی۔

''ہوں، وہ ایک اچھا آفیسر ہے، تم نے سندس کے لیے بات کی؟''

''نہیں، تم خود ہی تو منع کرگئے تھے کہ تم آکر بات کرو گے ویسے میرا خیال ہے وہ کہیں کمیٹڈ ہے۔'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اطلاع فراہم کی۔

''اوہ! اچھا کبھی ذکر نہیں کیا اس نے۔'' احد سچ مچ بے خبر تھا۔ نہیں جانتا تھا ہارون اس کے ہنستے بستے گھر میں نقب لگا چکا تھا۔

☆☆☆

دو ہفتے بعد ہارون واپس آگیا آتے ہی اس نے موبائل پر اسے فون کیا۔

''یقین کرو نور میں نے بہت کوششیں کی کہ تمہیں بھول جاؤں مگر میں اپنی ہر کوشش میں بری طرح ناکام رہا، تمہاری آواز کے بغیر میں بے حد ادھورا ہوں، دل شکستہ ہوں بس ایک نظر تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں...... پلیز میرے حال پر رحم کرو۔ کوئی صورت نکالو۔'' فون بند ہوا مگر آنسوؤں کا سلسلہ رکا نہیں۔ دوپہر میں جب احد گھر آیا تو ہارون بھی ساتھ تھا۔

''عبدالرشید کھانا لگاؤ فٹافٹ۔'' اس نے خود ہی بیٹ مین کو آواز دی خود چینج کرنے کے لیے بیڈ روم میں آگیا، نور آریز کو سلا رہی تھی۔

''اکیلا نہیں ہوں ہارون بھی ساتھ ہے جلدی سے کھانا لگواؤ۔''

''تو تم نے میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے کوئی صورت نکال ہی لی ہارون......'' وہ پلنگ سے اٹھ آئی۔ احد کی دلچسپ باتوں میں کھانا ختم ہوا اس دوران ہارون بے اختیار ہوہو کے اس کا حسین چہرہ، اداس آنکھیں دیکھتا رہا پھر چلا گیا۔ احد کمرے میں آکر سوگیا تھا مگر وہ جاگتی رہی، نیند تو شاید ہارون کے ساتھ چلی گئی تھی۔

''کہیں کچھ ہے نور...... مجھے لگتا ہے میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہیں کچھ ہے۔''

''کیا......؟'' وہ انجان بن رہی تھی۔

''کچھ ایسا ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔'' احد نے اپنی پیشانی انگوٹھے سے دبائی۔

''پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو، میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔''

''نور تم بہت بدل گئی ہو، میرا خیال ہے تمہیں سائیکاٹرسٹ کے پاس لے چلوں۔''

''مائی گاڈ......'' نور حیرت سے چیخی۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں پاگل ہوگئی ہوں؟''

''پاگل تو نہیں مگر ان گزرنے والے تین مہینوں میں تم ویسی نہیں رہیں جیسا میں چھوڑ کر گیا تھا شاید تم نے اس جدائی کو بہت زیادہ محسوس کیا ہے یا پھر کوئی اور بات ہے۔''

''کچھ بھی نہیں ہے سب تمہارا وہم ہے۔'' اس نے احد کو ٹال دیا تھا مگر دل پر احساسِ جرم کا بھاری پتھر آگرا تھا۔

''میں اگر احد سے ساری بات کہہ دوں تو کیا وہ مجھے معاف کردے گا؟'' وہ سوچوں میں ڈوب گئی۔ ''لیکن اگر احد نے مجھے معاف کربھی دیا تو وہ ہارون کے ساتھ کیا سلوک کرے گا...... نہیں، میں ہارون کو احد کے ہاتھوں کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دوں گی، وہ مجھ سے محبت ہی تو کرتا ہے اور اس کا کیا جرم ہے۔'' وہ اپنے دل کی عدالت سے ہارون کو باعزت بری کردیتی۔ ہارون ایک شادی شدہ عورت سے ایک بچے کی ماں سے عشق کے جرم کا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مرتکب ہوا تھا اپنے سینئر آفیسر کے گھر میں ڈاکا ڈالنے کا مرتکب ہوا تھا اور وہ اسے باعزت بری کرنے پر تلی تھی۔ وہ خود بھی شریکِ جرم تھی، احد سے خیانت کی تھی اس نے جس دل پر صرف احد کا حق تھا، اختیار تھا اسی دل میں اس نے ہارون کو جگہ دی تھی جو نا قابلِ معافی جرم تھا شوہر کی غیر موجودگی میں وہ اس کی عزت کی حفاظت نہیں کر سکی تھی، وہ بیوی کا منصب اور فرض نہیں نبھا سکی تھی۔ وہ قابلِ مذمت تھی سزا کی مستحق تھی لیکن سزا دینے والے پر ابھی جرم ثابت نہیں ہوا تھا، وہ سخت پریشان تھا۔ سوچ سوچ کر تھک جاتا ہنستی مسکراتی نور کو چھوڑ کر گیا تھا واپسی پر یوں جیسے برف کے کسی مجسمے سے پالا پڑ گیا تھا۔ میجر احد بہت زیادہ الجھ کر رہ گیا تھا، اسے اپنی محبت پر یقین تھا بھروسا تھا اس نے نور کے ساتھ محبت کی تھی اسے ہمیشہ چاہا ہمیشہ سراہا مگر اب کیا ہو گیا تھا۔

''کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔'' وہ سوچ کر پاگل ہونے لگتا۔ وقت بڑی سست روی سے بڑی آہستگی سے گزر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ رات بڑی ہی عجیب تھی، بارش پورے زوروں سے برس رہی تھی بادل بری طرح گرج رہے تھے، بجلی چمک رہی تھی بڑا بھیانک طوفانِ بادو باراں تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے، پرانے درخت جڑوں سے اکھڑ رہے تھے ایسے میں وہ دونوں نائٹ بلب کی روشنی میں چپ چاپ آنکھیں کھولے ایک ہی بیڈ کے دو کناروں پر لیٹے جانے کن سوچوں میں گم تھے۔

''آریوان لو ود سم ون؟'' بہت اچانک میجر احد کی آواز کمرے کی خاموش فضاؤں میں گونجی...... نور جانے کہاں گم تھی نہ سن سکی نہ سمجھ سکی۔ احد نے...... دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔ وہ بری طرح چونکی پھر کانپنے لگی خاموش آنسو برسنے لگے۔

''کون ہے وہ؟'' نور چپ رہی۔

''بتاؤ مجھے کون ہے وہ؟'' ہارون کا نام نہ لینے کی وہ قسم کھا چکی تھی اس کی چپ احد کو توڑے دے رہی تھی۔

''اقرار کرو نور یا پھر انکار کرو، مجھے اذیت کے اس جہنم سے نکالو خدا کے لیے!'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر چلایا۔

وہ تب بھی چپ رہی، رات گزر رہی تھی احد اپنی سی کر کے ہار گیا تھا، وہ نہ انکار کر رہی تھی نہ اقرار۔ یہاں تک کہ آریز گہری نیند سے جاگ کر رونے لگا، وہ جلدی سے اس کی فیڈر بنانے دوڑی۔ اس اثنا میں میجر احد بچے کو بہلاتا رہا یہاں تک کہ وہ لوٹ آئی۔ صبح ہو گئی مگر گزرنے والی رات ان کے درمیان ایک سرد جنگ کو جنم دے چکی تھی۔ نور لمحہ لمحہ ہارون کی محبت میں سلگ رہی تھی اور احد رفتہ رفتہ نو سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

''میں کچھ دنوں کے لیے ماما کے پاس جا جاہتی ہوں۔'' ایک صبح اس نے اعلان کیا۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' احد کیپ اٹھا باہر نکلا اور کچھ ہی لمحوں بعد گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اپنی اور آریز کی چیزیں سمیٹنے لگی۔ ماما کے پاس آئی ان کی وہی ہمیشہ والی تیز رفتار زندگی تھی۔ چھوٹی پک اینڈ ڈراپ...... ماہانہ سودا سلف، بینک معاملات...... یوٹیلیٹی بلز، کوئی ایک مصروفیت تھی۔ ماما کے پاس تو اتنا ٹائم بھی نہ تھا کہ وہ کبھی پاس بیٹھ نور کا حالِ دل جاننے کی کوشش کرتیں یا کم از کم پوچھ لیتیں کہ احد ساتھ کیوں نہیں آیا۔ ایسے ہارون کی محبت کا دکھ اس کے رگ و پے میں سرا

کرنے لگتا...... یہاں تک کہ ایک دن اس نے خود ہارون کو فون کر دیا، مارے مسرتوں کے ہارون ناچ تھا۔

''آج سورج کہیں مغرب سے تو نہیں نکل آیا، میں شدت سے آپ کی آواز سننا چاہ رہا تھا آپ نے اتنا بڑا کرم کر دیا مجھ پر۔'' اسے ہارون کا یہ والہانہ پن اچھا لگتا تھا دل چاہتا تھا وہ کہتا رہے وہ سنتی رہے۔

''میں آج کل ماما کے پاس ہوں اسلام آباد بس۔''

''اوہ رئیلی...... پھر تو میں جب دل چاہے فون کر سکتا ہوں، ہے ناں؟''

''ہاں صرف رات کو۔''

''میری راتیں تو ویسے ہی آپ کے تصور میں جاگ جاگ کر کٹتی ہیں۔ میری نیندیں تو آپ نے کب کی چرا لی ہیں۔'' وہ پھر بہکنے لگا مگر نور نے فون بند کر دیا۔

اب ہر رات وہ سیل فون پر ہارون سے باتیں کرتی، اس کی بے قراریوں کا حال سنتی۔ ڈھیرے ڈھیرے مسکراتی رہتی۔ ایک دن بہت اچانک وہ اس کے میکے چلا آیا۔

''تم......!'' وہ خوشگوار حیرت میں ڈوب گئی۔

''یونٹ کے کسی کام سے اسلام آباد آیا تھا سوچا ایک نظر آپ کو دیکھتا چلوں۔'' وہ جذبے لٹاتی آنکھوں میں اسے جیسے سمو لینا چاہتا تھا۔ ماما بھی آ گئیں میں وہ بھی ہارون کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

''کھانا کھائے بغیر نہیں جاؤ گے تم۔'' انہوں نے نادر شاہی حکم جاری کیا۔

''تھینکس آنٹی۔'' وہ کب جانا چاہتا تھا اس کی سی ہوئی پیاسی نظروں کو وہ چہرہ بڑے عرصے بعد میسر آیا تھا، وہ ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جاتے ہوئے وہ سخت پریشان سا لگ رہا تھا۔

''آپ کب تک یہاں ہیں؟''

''کچھ دن رہوں گی ابھی تو۔''

''میں دوبارہ آ سکتا ہوں؟'' وہ بھیک مانگتی نظریں۔

''ہاں۔'' مختصر سا اقرار ہارون کو دنیا جہان کی خوشیاں بخش گیا۔ ہارون کو رخصت کر کے وہ اندر آئی تو لینڈ لائن پر احد کی کال تھی۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ نہیں۔''

''کوئی آیا ہوا تھا؟''

''ہاں، ہارون آیا تھا۔''

''اسے کیسے پتا چلا کہ تم اسلام آباد میں ہو؟''

''پتا نہیں۔'' وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''تم نے بلایا تھا اسے؟''

''ماما کا اصرار تھا کہ اسے ہمارے گھر پر بلاؤ وہ سندس کو ایک نظر دیکھ لے۔''

''تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔''

''وہ اچانک ہی آ گیا۔''

''ہوں۔'' احد کی سوچوں میں ڈوبی ہوں نے اسے سرتا پا لرزا دیا۔

''آریز کیسا ہے؟''

''خوش ہے، ٹھیک ہے۔''

''او کے، خدا حافظ۔'' فون بند ہو گیا تھا اور وہ سوچ رہی تھی ہارون کی محبت میں ایسی کیا بات ہے کہ وہ احد سے اس قدر جھوٹ بولنے لگی ہے اور اس دھوکا دہی پر کوئی شرمندگی بھی نہیں ہوتی۔ شاید لذتِ گناہ اسی کو کہتے ہیں۔

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پندرہ دن بعد وہ گھر واپس آگئی مگر احد سے دوری اور سرد مہری برقرار رہی۔ اب احد کے انداز بھی اس قدر والہانہ نہیں رہے تھے، وہ اکثر جھنجلایا ہوا رہتا۔ چپ چاپ سا، پیشانی پہ بل پڑے رہتے، وہ اکثر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے نور کو گھورتا۔ ہاں آریز پر وہ جان چھڑکتا تھا ایسا لگتا تھا جیسے اسے کوئی انتظار تھا...... کیسا انتظار کس کا انتظار......؟ اور آخر کار وہ جو بہت دنوں سے کسی کھوج میں تھا اسے اچانک ہی احساس ہوا کچھ ہے کچھ غلط ہو رہا ہے کہیں کوئی گڑبڑ ہے۔ وہ سگریٹ نہیں پیتا تھا مگر اب مسلسل اسموکنگ کر رہا تھا۔ یہ اسموکنگ کی لت اسے بی ایم اے میں لگی تھی۔ پاس آؤٹ ہونے کے بعد کچھ دن کی چھٹی پر گھر آیا تو ممی کو اس کے کمرے سے سگریٹ کی بو محسوس ہوئی تو انہوں نے شدید احتجاج کیا اور احد نے ممی سے اپنی غلطی کی معافی مانگ کر ہمیشہ کے لیے اس لعنت کو خیر باد کہہ دیا مگر آج کل وہ پھر سے سگریٹ نوشی کرنے لگا تھا۔ نور بریگیڈیئر آصف کے گھر قرآن خوانی پر مدعو تھی جاتے ہوئے جانے کیسے وہ اپنا موبائل گھر پر بھول گئی، وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا ٹی وی بلا مقصد ہی آن تھا آریز اپنی واکر دوڑا کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا تبھی نور کا موبائل بجنے لگا۔ وہ دونوں اپنے موبائل کی بیل آف رکھتے تھے کہ کہیں آریز کی نیند ڈسٹرب نہ ہو اب بیل بجی تو احد پریشان سا ہو گیا۔ بے اختیار ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھا لیا کسی کا نام نہیں لکھا ہوا تھا احد نے فون آن کر کے بولے بنا کان سے لگا لیا۔

''نور بولیں نا پلیز آپ کی آواز سننے کو ترس رہا ہوں۔ کاش آج سر احد گھر پر بلا لیں تو آپ کا حسین چہرہ دیکھنے کی تمنا ہی پوری ہو جائے...... بولیں نا پلیز میں مر جاؤں گا۔ میں آپ کی خاموشی برداشت نہیں کر سکتا، ناراض ہیں یا سر گھر پر ہیں؟'' احد نے فون بند کر دیا۔ اس کے سارے جسم میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔ کنپٹیوں کے پاس درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ ہارون کی آواز وہ پہچان چکا تھا۔ اگر ہارون سامنے آجاتا تو شاید وہ اس کی گردن مروڑ دیتا وہ مٹھیاں بھینچ رہا تھا کھول رہا تھا...... اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیا کر ڈالے۔ آریز واکر میں بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا، وہ اسے اٹھا کر بیڈ روم میں لے آیا۔ مغرب ہونے کو تھی عبدالرشید نے سارے گھر کی بتیاں روشن کر دی تھیں صرف احد کے بیڈ روم میں اندھیرا تھا۔ ایسا اندھیرا جو اس کی رگوں میں سرائیت کر رہا تھا۔ تبھی وہ آگئی، کمرے کے اندھیرے کو حیرت سے دیکھا پھر آہستگی سے بیڈ روم سے ملحقہ چھوٹے سے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ وہ تیر کی طرح اس کے پیچھے پہنچا۔ وہ بے خبر کھڑی تھی اس نے اس کا چہرہ اپنی طرف گھمایا ا زناٹے دار تھپڑ نور کے چہرے پر جڑ دیا۔

''کیا کر رہے ہو احد...... تم اپنے حواسوں میں تو ہو؟'' وہ درد کی شدت سے تڑپ کر رہ گئی۔

''اپنے حواسوں میں نہیں تھا جبھی تو جان نہ پایا کہ تم یہ مکر اور فریب کا کھیل کب سے کھیل رہی ہو، تم اس قدر دھوکے باز ہو گی میرے اعتماد کو اس طرح برباد کرو گی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تمہیں ہارون سے عشق ہو گیا تھا تو مجھ سے کہا ہوتا، میں تمہارا ہاتھ ہارون کے ہاتھ میں دے دیتا...... تم نے میری محبت کا اس طرح سے مذاق اڑایا، میرے جذبوں کو دھول میں ملایا۔ تم جیسی عورتیں وفا کے پر دھبا ہوتی ہیں۔ نور میری محبت میں کیا کمی تھی جو تم نے میرے جونیئر آفیسر کو مجھ پر فوقیت دے کر میرے سامنے لا کھڑا کیا۔ بتاؤ مجھے یہ بھیانک کھیل کب سے جاری ہے۔ میں تو آتے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم بدل ں ہو۔ تمہارے چہرے پر کردار کی مضبوطی نہیں ب جانے کی لعنت تھی...... میں تو جلد پہچان گیا تھا نے میری جدائی میں بہت جلد کوئی سہارا ڈھونڈ لیا ے۔ تم کہیں انوالو ہو میں سمجھ گیا تھا، میں فوراً سمجھ گیا لیکن کسی ثبوت کے بغیر میں تم پر کوئی جھوٹا الزام ئی بہتان نہیں لگانا چاہتا تھا اور آج قدرت نے ے خود تمہارے بہکنے اور بھٹکنے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ ں نے ہارون کی کال خود ریسیو کی ہے۔ اس کی بے ی اور بے قراری کو خود محسوس کیا ہے، میں کتنا بے ت ہو گیا ہوں۔ اپنی ہی نظروں میں گر گیا ہوں۔ ری بیوی میری غیر موجودگی میں کسی غیر کی محبت ں مبتلا ہو کر مجھے فریب دے رہی ہے۔ میں سمجھ ہی سکا...... آج سب جان گیا ہوں تم بدکردار عورت جو شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت و ناموس ں حفاظت نہ کر سکی اتنی جلدی بھٹک گئیں اتنی ردی...... تم اتنے کمزور کردار کی عورت ہو کاش میں لے جان سکتا......'' نور کے آنسو تیزی سے بہہ رہے ے۔

''مت بہاؤ یہ آنسو ے، یہ آنسو تم جیسی عورتوں کا ت بڑا ہتھیار ہوتے ہیں اور تم ان کا استعمال خوب ی طرح جانتی ہو۔'' احد کا ہاتھ پھر اٹھ گیا، وہ کر دیوار سے ٹکرائی۔ ماتھے سے خون بہنے لگا۔

''ہارون کو میں موردِ الزام نہیں ٹھہراؤں گا تم نے اسے بہکایا ہو گا، ہارون میں اتنی جرأت ہی یں...... میں اسے جانتا ہوں۔ تم نے سندس کے شتے کی آڑ میں اس سے خود پینگیں بڑھانا شروع ردیں۔ تم قابلِ نفرت ہو تمہارا جرم ناقابلِ معافی ہے تم میرے گھر سے میری زندگی سے نکل جاؤ...... ں آفس سے واپسی پر تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ جاتے جاتے زمین پر پڑی نور کو پاؤں سے ایک زوردار ٹھوکر مار گیا۔

''اور ہاں آریز میرا ہے، میں جب چاہوں اسے تم سے لے لوں گا۔'' وہ آتش فشاں بنا باہر چلا گیا۔ وہ بصد مشکل زمین سے اٹھی اور کپڑے تبدیل کر کے اپنے ماتھے کا خون صاف کر کے سنی پلاسٹ لگا کر چپ چاپ آریز کے پاس آلیٹی۔

''کھانا لگا دوں سر؟'' عبدالرشید نے آ کر پوچھا۔

''نہیں، آج کوئی کھانا نہیں کھائے گا۔'' احد نے پھر سگریٹ سلگا لیا۔

☆☆☆

صبح نور کی آنکھ کھلی تو احد یونٹ جا چکا تھا۔ دھوپ بہت چڑھ آئی تھی۔ وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔ اس کے باوجود اس نے اٹھ کر اپنے اور آریز کے استعمال کی انتہائی ضروری چیزیں سمیٹنا شروع کر دیں۔

''عبدالرشید ٹیکسی لاؤ۔''

''جی بہتر۔'' عبدالرشید فوراً ہی ٹیکسی لے آیا۔ سامان ٹیکسی میں رکھ کر وہ ڈائیو کے اڈے پر پہنچی، چانس پر ایک سیٹ مل گئی اور اس نے گاڑی میں بیٹھ کر سکون سے آنکھیں بند کر لیں۔ ماما کو اپنے آنے کی اطلاع وہ دے چکی تھی جب وہ ڈائیو سے اتری تو ماما سامنے ہی نظر آگئیں۔

''ابھی چھوٹی کو بھی پک کرنا ہے، تمہیں اس حساب سے بکنگ کروانی چاہیے تھی نور کہ تم شام کو پہنچتیں اور میں تمہیں آسانی سے پک کر لیتی۔'' ماما ہمیشہ کی طرح پریشان حالِ افراتفری کا شکار تھیں وہ سارا دن ڈرائیونگ کرتیں اور رات کو تھک ہار کر سو جاتیں۔ ابھی بھی وہ اسی طرح پریشانی کی حالت

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں تھیں انہوں نے نور کے بخار میں پھنکتے وجود کو بھی شاید محسوس ہی نہیں کیا تھا بس آریز سے لاڈ کرتی جارہی تھیں۔ اس وقت ٹریفک کا ازدحام تھا جس میں وہ لوگ پھنسے ہوئے تھے گاڑی کا اے سی آن تھا مگر گرمی کی شدت اور حدت نڈھال کررہی تھی۔ خدا خدا کر کے وہ گھر پہنچیں۔ ممی فوراً ہی چھوٹی کو لینے چل دیں۔ نور نے آریز کو سندس کے حوالے کردیا خود سندس کے بستر پر گر کر بے ہوش سی ہوگئی۔ تبھی اس کے موبائل کا بزر بجنے لگا سندس نے اٹھالیا اور خود ہی فرض کرلیا کہ یقیناً یہ احد کی کال ہوگی کسی کی آواز سنے بغیر ہی وہ شروع ہوگئی۔

''جی احد بھائی، نور بخیریت پہنچ گئی ہے ابھی سورہی ہے اٹھے گی تو کال بیک کروادوں گی۔'' جواباً کوئی کچھ نہیں بولا اور فون بند ہوگیا۔

''تو نور اسلام آباد پہنچ چکی ہے۔'' ہارون کے دل میں خوشی کے گلاب کھل اٹھے ''اب فون کرنا کتنا آسان ہوگا'' وہ خود بخود مسکرانے لگا۔ بہت دنوں سے وہ محسوس کررہا تھا کہ میجر احد اس سے بہت کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے، وہ بھی کوشش کرتا کہ بلاضرورت ان کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

ہارون کو کسی کام سے جی ایچ کیو بھیجا جارہا تھا وہ مارے مسرتوں کے اچھل ہی تو پڑا۔ ''میرے جذبے سچے ہیں، میری لگن سچی ہے قدرت مجھے اس کے قریب لے جارہی ہے بغیر کسی کوشش کے، بغیر کسی محنت کے۔'' پنڈی پہنچتے ہی اس نے نور کو میسج کردیا اور سارے کام نپٹاتے ہی وہ دیدار کا پیاسا نور کی ممی کے گھر پہنچ گیا۔ نور کی ماما بیٹی کی ماں تھیں انہیں ہارون پسند تھا وہ لاشعوری طور پر اس کی آؤ بھگت میں لگ جاتی تھیں۔

''کیا بات ہے نور...... آپ ٹھیک تو ہیں؟'' وہ نور کا اترا ہوا چہرا اور ماتھے پر زخم کا نشان دیکھ کر پاگل سا ہوگیا۔ تب نور نے سب کچھ ہارون سے کہہ دیا۔

''اوہ مائی گاڈ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا سر احد کو جس سے اتنی محبت کا دعویٰ تھا وہ اس کا یہ حشر کریں گے۔'' وہ دکھ کے دریا میں ڈوب گیا، اس کی خوب صورت آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

''سر احد کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، آپ تو گلاب کا پھول ہیں نور بہت نازک، بہت حسین آپ نے یہ سب کیسے سہا ہوگا۔'' وہ اس کے زخم دیکھ کر رودیا تھا، تڑپ اٹھا تھا، اس کا یہ والہانہ پن یہ تڑپ نور کے زخموں پر پھایا رکھنے لگی۔

''میں آپ کو زمانے کے سرد و گرم سے بچاؤں گا نور، میں آپ کو پھول سے بھی زیادہ نازک سمجھتا ہوں، میں آپ سے اونچی آواز میں بولنا بھی گناہ سمجھتا ہوں، نہ کہ آپ پر ہاتھ اٹھایا جائے، آپ کو دھکے دیے جائیں، ٹھوکر لگائی جائے، نہیں...... نہیں میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' بے اختیار ہارون نے اس کے نازک ہاتھ تھام لیے نور نے ہاتھ چھڑانے کی کمزوری کوشش کی ورنہ تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ہارون کے کندھے سے لگ کر سارے آنسو بہادے۔

''آپ سر احد سے طلاق لے لیں فوراً...... میں آپ سے شادی کروں گا، آپ کو اتنا پیار دوں گا کہ آپ تصور بھی نہیں کرسکیں گی۔''

''طلاق......!'' نور نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑالیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ ہارون کی محبت کے جال میں پھنس چکی تھی لیکن طلاق تو اس کے ذہن میں کبھی آئی ہی نہیں تھی۔ اب جب ہارون نے یہ راہ سجھائی تو وہ جیسے کانپ اٹھی۔

''نہیں ہارون، میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا، کبھی نہیں سوچا......''

''تو اب سوچ لیں نور... آپ کم عمر ہیں حسین ہیں میجر احد جیسے شوہر کے ساتھ زندگی مت برباد کریں۔'' وہ پھر سے اکسانے لگا۔

☆☆☆

اس دن چھٹی تھی سب دیر تک سوئے رہے۔ ماما کی آنکھ کھلی تو وہ خود کو کافی فریش محسوس کررہی تھیں اپنے بیڈ روم سے نکل کر وہ سیدھی نور کے پاس آئیں۔

''آریز نہیں اٹھا ابھی تک؟''

''بہت سویرے اٹھ گیا تھا ماما، اب دوبارہ سوگیا ہے۔''

''میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں نور۔''

''جی ماما کہیے؟''

''تم احد سے لڑکر میکے آئی ہو؟''

''جی!''

''کیا ہوا تھا؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''معاملہ بہت سیریس لگتا ہے نور ورنہ احد اور تمہارے پیچھے نہ آئے ناممکن ہے۔''

''اسے شک ہوگیا ہے ماما، وہ سمجھتا ہے میں ہارون سے محبت کرنے لگی ہوں اسی شک کی بنا پر اس نے مجھے بے دردی سے مارا پھر گھر سے نکل جانے کو کہا۔''

''اتنا کچھ ہوگیا اور تم نے مجھے کچھ بھی بتانا مناسب ہی نہیں سمجھا۔''

''آپ کے پاس وقت کہاں ہوتا ہے ماما۔''

''اچھا یہ بتاؤ احد کو شک ہوا ہے یا واقعی ایسی کوئی بات ہے؟'' جواباً وہ خاموش رہی۔

''تمہاری خاموشی کو ہاں سمجھوں نور؟'' ماما چیخ پڑیں، ایک زوردار ہاتھ انہوں نے نور کے حسین چہرے پر جڑدیا۔

''ماما آپ بھی......'' نور نے بے یقینی سے ماں کی طرف دیکھا۔

''ہاں میں بھی...... تمہارے سر سے عشق کا بھوت اتار کے رہوں گی نور، بدبختی شاید اسے ہی کہتے ہیں۔ چاہنے والا شوہر، پیارا سا بیٹا، گھر بار سب کچھ ہونے کے باوجود تم اس ہارون کے لیے برباد کررہی ہو، شک تو مجھے بھی ہوا تھا پر میں یہی سمجھتی رہی کہ شاید تم اسے سندس کے رشتے کے لیے پسند کرچکی ہو اور اسی لیے روابط بڑھا رہی ہو، مجھے نہیں پتا تھا تم بیک وقت شوہر، ماں اور بہن سب کو دھوکا دے کر اپنا الو سیدھا کررہی ہو۔ تم اتنی مکار ہو، میں نے سوچا تک نہیں تھا اب مجھے سمجھ میں آیا جب جب تم میکے آتی ہو ہارون کو کیسے خبر ہوجاتی ہے، تم نے بہت برا کیا نور اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے تم نے احد جیسے سچے کھرے پیار کرنے والے شخص کو دھوکا دے کر اچھا نہیں کیا تم نے...... آج ہی احد کو فون کرو معافی مانگو اور اپنے گھر سدھارو، میں اس سے زیادہ تمہیں یہاں رکھنا افورڈ نہیں کرسکتی۔''

''میں واپس نہیں جاؤں گی ماما، آپ کو مجھے برداشت کرنا ہوگا۔'' وہ فیصلہ کن لہجے میں گویا ہوئی تو ماما کانپ اٹھیں۔

''واپس نہیں جاؤ گی تو کیا کروگی، کیا ارادے ہیں تمہارے؟''

''میں احد سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔'' تب ایک بار پھر ماما کا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور وہ چیخ اٹھیں۔

''تم نے طلاق کا سوچا بھی کیسے...... اتنی بڑی بات منہ سے نکالنے کی ہمت کیسے ہوئی تمہاری......؟''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

”میں نے آپ کو اپنا فیصلہ بتا دیا ہے، ایک تو آپ نے مجھے کوئی ڈگری نہیں لینے دی، اے لیولز کے فوراً بعد بیاہ دیا اوپر سے سہارا دینے سے بھی انکاری ہیں آپ۔ ایسے حالات میں لڑکیاں کہاں جائیں، میرا تو باپ بھی نہیں ہے بھائی بھی نہیں ہے آپ بھی مجھے گھر سے نکال رہی ہیں احد نے بھی نکال دیا اب میں کہاں جاؤں اس ادھوری تعلیم کے ساتھ تو میں کہیں جاب بھی نہیں کرسکتی۔“ نور پھپک پھپک کے رونا شروع ہوگئی۔ ماما کا بھی دل بھر آیا۔

”احد کو کوئی الزام مت دو نور، قصور تمہارا تھا احد نے جو بھی کیا وہ کوئی بھی مرد ہوتا تو یہی کرتا......“

”اس بے دردی سے نہیں مارتا جس طرح احد نے مارا ہے......“

”تم اس سے معافی مانگو اور اپنے گھر کو ٹوٹنے سے بچاؤ نور...آج کل تو کنواریوں کے لیے اچھے رشتے نہیں ملتے تمہیں ایک بچے کے ساتھ کون قبول کرے گا؟“

”ہارون۔“

”خدا اس ہارون کا بیڑا غرق کرے جس نے احد کا دوست ہو کے اس کے ساتھ اتنی بڑی دشمنی نبھائی احد نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔“

”ہارون کو کچھ مت کہیں ماما، مجھے ہارون سے محبت ہے۔“ وہ بڑے یقین، بڑے بھروسے سے کہہ رہی تھی، ماما ایک پل میں صدیوں کی بیمار لگنے لگی تھیں۔

”یہ صرف تمہاری بدبختی اور بربادی ہے نور، یہ محبت نہیں فقط لذتِ گناہ ہے تم ایک شریف عزت دار شخص کی بیوی ہو تمہیں یہ بربادی کی راہ کس نے دکھادی۔“ ماما ابھی تک شب خوابی کے لباس میں تھیں بغیر میک اپ کے وہ اس وقت بہت بوڑھی اور کمزور دکھائی دے رہی تھیں۔

”میں تو سمجھی تھی تم بیاہ کر ایک اچھے انسان کے ساتھ اچھی زندگی گزار رہی ہو لیکن مجھے نہیں معلوم تھا تم دوبارہ میرے لیے بوجھ بن کر واپس آجاؤ گی۔“ اب ماما کے آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے وہ سر جھکائے بیٹھی تھی بوا جسے وہ بچپن سے اپنے گھر میں کچن سنبھالتے دیکھ رہی تھی آچکی تھیں اور معمول کے مطابق ماما کی بیڈ ٹی لیے حاضر تھیں۔

”نور آپ کی چائے بھی یہیں لے آؤں؟“

”نہیں۔“ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

”لڑکیاں سسرال سے تنگ ہوتی ہیں، غربت کے مسائل سے دوچار ہوتی ہیں شوہر کی سرد مہری کا شکار ہوتی ہیں تمہیں تو ایسا کوئی پرابلم نہیں تھا نور...... ہم دنیا والوں کو کیا بتائیں گے تم نے احد کا گھر کیوں چھوڑا فقط اس لیے کہ ایک بچے کی ماں ہو کر تمہیں کسی غیر سے محبت ہوگئی ہے، اوہ میرے خدا...... آج تمہارے پاپا زندہ ہوتے تو شاید تمہیں اس بے وفائی اور بے حیائی پر جان سے مار دیتے۔“ ماما کی چائے سائڈ ٹیبل پر پڑی پڑی ٹھنڈی ہورہی تھی ان کے چہرے سے تشویش اور خوف ہویدا تھے، وہ کسی گہری سوچ میں غرق تھیں پھر اٹھیں اور ٹی وی لاؤنج میں آکر کسی کا نمبر گھمانے لگیں۔

”کیسے ہو احد بیٹا؟“

”ٹھیک ہوں جی۔“ احد کی آواز بتا رہی تھی بہت شدید آزردہ ہے، دکھی ہے۔

”تم نور کے ساتھ آئے کیوں نہیں بیٹا؟“

”اس بات کا جواب آپ کو وہی بہتر بتا سکتی ہے۔“

”میری بات ہوئی ہے نور سے احد...... اس نے مجھے سب کچھ صاف صاف بتا دیا ہے، نور کم عمر ہے احد، بے وقوف ہے وہ بھٹک گئی ہے، تم تحمل اور برداشت سے کام لو، وہ راہِ راست پر آجائے گی تمہارا گھر ٹوٹنے سے بچ جائے گا احد۔ میرے بیٹے پلیز قبل اس کے کہ یہ بات پھیلے اور باعثِ رسوائی بنے دونوں چپ چاپ صلح کرلو کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگی۔“

”بہت مشکل ہے آنٹی، میرا نور پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے میرا پوری دنیا سے اعتبار اٹھ چکا ہے، مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہارون نے میری بیوی کے عشق کی داستان سارے یونٹ کو سنا دی ہے۔ مجھے لگتا ہے سب لوگ مجھے ہمدردی سے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہیں، میرا مضحکہ اڑاتے ہیں، میں چھٹی لے کر گھر بیٹھا ہوں، میں دنیا کو فیس نہیں کرسکتا۔ نور واپس بھی آجائے تو لوگ اس بات کو بھولیں گے نہیں میری غیر موجودگی میں دوسروں کو یہ کہانی سنائیں گے اشاروں کنایوں میں مجھے جتائیں گے۔“

”تم دنیا والوں کے خوف سے اپنا گھر برباد مت کرو احد...... کیا میں نور کو واپس بھیجوں تو تم اسے اپنا لوگے، معاف کردو گے؟“

”بہت مشکل ہے آنٹی۔“

”کوشش تو کر کے دیکھو احد تم دونوں آریز کے بارے میں سوچو اس معصوم کا اس سارے قصے میں کیا قصور ہے؟“ آریز کے ذکر پر احد کی آنکھیں بھر آئیں اور خاموش آنسو بہنے لگے۔

”بتاؤ احد میں نور کو ڈائیو پر بٹھادوں یا خود لے کر آجاؤں؟“

”نور بہت دور جا چکی ہے آنٹی، میرا نہیں خیال کہ وہ پلٹے گی آپ کوشش کر دیکھیں۔“ اور بالکل ویسا ہی ہوا نور نے واپسی کا ذکر سنا تو ہتھے سے اکھڑ گئی۔

”ناممکن ماما، مجھے احد کے پاس نہیں جانا...... ہرگز نہیں جانا۔“ وہ پاگلوں اور دیوانوں کی طرح چیخنے لگی۔ ماما کی ہر کوشش بیکار گئی، تھک ہار کر وہ چپ ہوگئیں، بس نور سے بول چال بند کردی مگر نور کو پروا کہاں تھی وہ ہارون کے خواب دیکھ رہی تھی اس کی محبت میں سر تا پا غرق ہوچکی تھی۔

بدقسمتی شاید اسے ہی کہتے ہیں جب نصیب بگڑتے ہیں تو گھنا سایہ دار درخت چھوڑ کر انسان کڑی دھوپ کا سفر اختیار کرلیتا ہے۔ جہاں صعوبت اور ملامت کے سوا کچھ نہیں ہوتا...... کچھ بھی نہیں ہوتا ایک سراب کے پیچھے بھاگنے کا انجام کتنا اندوہ ناک ہوتا ہے شاید کبھی سمجھ آسکے شاید کبھی انسان جان سکے کہ وہ کتنا خسارے کا سودا کر بیٹھا ہے، اللہ پاک کی بخشی ہوئی نعمتوں کو ٹھکرا کر ذلتوں کے راستے اپنا لیتا ہے۔ ماما کے اصرار کے باوجود نور نہ تو واپسی کے لیے تیار تھی نہ ہی احد سے رابطہ کرنے پر راضی۔

☆☆☆

دیکھتے دیکھتے سات مہینے گزر گئے۔ احد نے بھی پلٹ کر نہیں پوچھا جانے کہاں گم ہوگیا تھا وہ، ہاں اس دن وہ بری طرح چونکا جب نور کی طرف سے اسے خلع کا نوٹس موصول ہوا، وہ چند لمحے تک سمجھ ہی نہیں سکا۔ نوٹس کو پڑھتے پڑھتے اس کا سر چکرانے لگا، آنکھوں کے سامنے سارے الفاظ دھندلا گئے تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی۔ تبھی ممی کا فون آگیا وہ امریکا سے لوٹ آئی تھیں وہ بیٹے پر گزرنے والی ہر قیامت سے بے خبر تھیں ان کا فون آیا تو احد کو اسلام آباد کا سفر اختیار کرنا ہی پڑا۔ ممی ہمیشہ کی طرح چھوٹے بیٹے سے مل کر بے حد خوش

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوئیں۔

''تمہارے بیوی بچے کہاں ہیں احد؟ آریز تو اب پاؤں پاؤں چلتا ہوگا، ہے نا؟''

''پتا نہیں ممی۔'' اس نے دل میں کہا اور بظاہر گردن اثبات میں ہلا دی۔

''کیا بات ہے، تم خوش نہیں لگ رہے بیٹے کوئی پریشانی ہے؟'' ممی، ماں تھیں فوراً سمجھ گئیں۔

''نور نے خلع کا نوٹس بھجوایا ہے۔'' ماں کو سامنے دیکھا تو وہ جو اتنے عرصے سے سارے دکھ سارے غم تنہا دل میں چھپائے ہوا تھا سب کچھ ماں سے کہہ بیٹھا۔

''یہ سب کب سے چل رہا تھا...... احد تم نے کسی سے تو دل کی بات کہی ہوتی؟''

''ساری بات ہی رسوائی کی تھی ممی، میں کسی سے کیا کہتا نور نے تو مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔'' احد کس قیامت سے گزرا ہے وہ بھی تنہا، ممی سب کچھ جان گئی تھیں۔ بیٹے کی بربادی پر ان کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''پرسوں عدالت میں طلبی ہے، آپ ساتھ چلیں گی؟''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں......'' ممی تیار تھیں۔

''احد کیا تم نور کی یہ خواہش پوری کردوگے؟''

''پتا نہیں ممی، ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں آج جا کر اپنے ایک دوست وکیل سے مشورہ کروں گا پھر ہی کوئی لائحہ عمل طے کروں گا۔'' جب بات عدالت میں پہنچی تو وکیل صاحب نے نور کے حق میں دلائل شروع کیے جس میں احد پر خرچ کی تنگی اور بے جا تشدد اور مار پیٹ کے بھیانک الزامات تھے۔ الزامات سن کر جانے کیوں احد کی نظریں بے اختیار نور کی طرف اٹھیں جو اپنا آپ چادر میں چھپائے ہوئے تھی، بے اختیار دونوں کی نظریں ملیں نور کی نظریں جھک گئیں۔ احد نے پھر سے وکیل کے الزامات پر دھیان لگا دیا۔ گھر سے نکالنے کا الزام، بچے کے اخراجات پورے کرنے سے انکار کا الزام، احد چپ چاپ سن رہا تھا۔ تبھی احد کا مقرر کردہ وکیل عدالت کے اس اکھاڑے میں اترا۔ بہت اچانک بہت اچانک احد کو بتائے بغیر کوئی مشورہ کیے بغیر وکیل نے نور کے کردار کی دھجیاں بکھیرنا شروع کریں۔ احد حیران سا اپنے دوست کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے احد کو پُرسکون رہنے کا اشارہ کیا لیکن جس قسم کی باتیں وکیل نے شروع کردی تھیں احد سے برداشت نہیں ہوا وہ بے اختیار کھڑا ہوگیا۔

''بس کیجیے وکیل صاحب، اتنا ظلم مت کریں میری بیوی ایسی نہیں تھی۔'' احد پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ ادھر نور جو اپنے اوپر لگنے والے حد درجہ بھیانک الزامات سن کر کانپ رہی تھی احد کی مداخلت پر اس کے انکار پر جیسے ہوش میں آگئی۔ اس کی ماما انگشت بدنداں تھیں، احد کی ممی کو احد کی یہ مداخلت انتہائی ناگوار گزری تھی، جج صاحب نے اگلی تاریخ دے دی، عدالت برخاست ہوگئی تھی۔ وہ لوگ عدالت کے کمرے سے باہر نکل رہے تھے کہ اچانک کوئی آکر ساری دنیا کے سامنے ہی احد سے لپٹ گ

''کون ہیں آپ، کیا کر رہی ہیں؟'' احد بچ گھبرا گیا۔ نور کی چادر ڈھلک گئی تھی وہ احد سے یوں لپٹی ہوئی تھی جیسے کبھی جدا نہیں ہوگی۔

''مجھے معاف کردو احد...... پلیز مجھے معاف کردو، میں بھٹک گئی تھی مجھے طلاق نہیں چاہیے...... میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں ہمیشہ۔ پلیز احد مجھے معاف کردو۔'' وہ احد کے پاؤں سے لپٹی۔

احد جو اپنی خوش لباسی کے لیے مشہور تھا آج بھی بہترین طریقے سے ڈریس اپ ہو کر آیا تھا بس پہلے سے کمزور ہوگیا تھا اس کے سیاہ جوتے آج بھی چمک رہے تھے کبھی نور اس کے جوتوں کی چمک کو بھی سراہتی تھی آج انہی جوتوں سے لپٹی ہوئی تھی۔ احد کے دل میں جیسے سوئی ہوئی محبت ایک انگڑائی لے کر بیدار ہوئی...... بے اختیار وہ جھکی ہوئی نور کو اٹھانے لگا، لوگوں کا مجمع بڑھ رہا تھا۔ داڑھی اور سیاہ چشمہ لگا کر کیپٹن ہارون بھی مقدمے کی کارروائی دیکھنے آیا ہوا تھا۔ نور کو میجر احد کے قدموں سے لپٹا دیکھ کر وہ سخت تلملایا۔

''بے وفا عورت۔'' اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور اپنی آلٹو کی طرف بڑھ گیا۔ نور کی ماما کے تو جیسے سر سے کوئی پہاڑ سرک گیا ہو وہ ہلکی پھلکی ہوگئی تھیں۔ احد نور کو اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ ممی ایک دم آگے بڑھیں۔

''نہیں احد، اس مکار اور بے وفا عورت کو معاف کرنا بہت بڑا ظلم ہوگا...... جس نے ہمیں رسوائی کی دلدل میں دھکیل دیا تمہارے ایک جونیئر آفیسر کو تمہارے مقابل کھڑا کیا، بے وفائی اور رسوائی کی اس حسین مورت کو دھتکار دو احد...... کمزور مت پڑ جانا یہ آئندہ پھر تمہیں کسی ذلت و رسوائی کے غار میں دھکا دے دے گی۔ یہ قابلِ اعتبار نہیں، ہرگز نہیں......'' احد سیدھا ہو کر کھڑا ہوگیا۔

''آپ لوگ گھر چل کر یہ جھگڑا نمٹا سکتے ہیں، پلیز گھر چلو احد......'' نور کی ماما گڑگڑائیں۔

''ابھی اسی وقت اسے طلاق دے کر فارغ کرو احد یہ قابلِ بھروسا نہیں......'' احد کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے، وہ پہاڑوں کی طرح ساکت و صامت کھڑا تھا۔ نور دونوں ہاتھ جوڑے اس کے سامنے بالکل اسی طرح کھڑی تھی جیسے کوئی داسی اپنے دیوتا کے چرن چھو کر معافی کی خواستگار ہو۔

''چلو احد، یہ خوامخواہ کا تماشا کھڑا کر رہی ہے۔'' ممی سخت ناراض تھیں، رنجیدہ تھیں انہیں اپنے انتخاب پر افسوس تھا بیٹے کا گھر برباد ہوجانے کا دکھ تھا اور نور کی یہ بے وفائی اور بے حیائی ان کے نزدیک ہرگز قابلِ معافی نہیں تھی۔ ممی احد کا بازو پکڑ کر اسے گاڑی کی طرف لے گئیں ماما نے روتی بلکتی نور کا ہاتھ تھاما وہ اسے گاڑی کی طرف لے گئیں۔

☆☆☆

احد اور ممی گھر آئے تو احد کی بڑی بہن جسے وہ سب بی بی کہتے تھے گھر پہ آئی ہوئی تھیں۔

''کہاں تھے آپ لوگ، احد تمہارا موبائل بھی آف تھا۔''

''بس یہیں تھے۔'' احد فریج سے پانی نکالنے لگا۔

''اور یہ تمہارے بیوی بچے کہاں ہیں، مدت ہوگئی انہیں دیکھے ہوئے؟''

''یہ آپ ممی سے پوچھیں۔''

''کیا مطلب؟ ممی کیا بات ہے جلدی بتائیں۔'' بی بی کو یوں جیسے بے قراری لگ گئی تھی۔

''نور نے احد سے خلع کا مطالبہ کردیا ہے، ہم آج عدالت کی طلبی پر کورٹ گئے تھے۔''

''کیا...... کیا مطلب؟ احد یہ سب کیا ہے نوبت یہاں تک پہنچ گئی تم نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔''

''بتانے کو کچھ رہ نہیں گیا تھا بی بی۔'' تب ممی نے ساری کہانی بیٹی کے گوش گزار کردی۔

''مجھے نور سے ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شوہر اور بچے کے ہوتے ہوئے اسے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' بی بی کو یقین نہیں آرہا تھا۔

انہیں..... احد کی بے پایاں محبتوں کا اندازہ تھا۔ وہ دیکھ رہی تھیں احد پہلے سے بہت کمزور لگ رہا تھا اس کی خوش مزاجی رخصت ہو چکی تھی پھر بھی وہ خوش نظر آنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ تب بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا، بی بی اور چھوٹی بہن سب کو ممی نے اپنے پاس بلایا، احد کا مسئلہ سب کے سامنے رکھا گیا۔ بڑے بھیا نور کو دوسرا چانس دینے کے ہرگز حق میں نہیں تھے، چھوٹے بھیا کا خیال تھا فیصلہ صرف احد کا ہونا چاہیے، بی بی کا خیال تھا کہ نور کو ایک دفعہ معاف کر دینا چاہیے اگر وہ نادم ہے تو معافی کی حقدار ہے۔ ہر کسی کا اپنا اپنا خیال تھا لیکن ممی کا فیصلہ وہی تھا جو انہوں نے نور کو احد کے قدموں میں گرا دیکھ کر سنایا تھا۔ یہاں تک کہ احد نے ماں کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا، جس دن نور کو طلاق نامہ پہنچا اسی دن کیپٹن ہارون بھی نور کے گھر پہنچا، وہ نور کو اکسانے آیا تھا ایک بار پھر گمراہ کرنے آیا تھا۔

''تم نے میری محبتوں کو، میرے خلوص کو ٹھکرا کر اس شخص کے قدموں میں گر کر اپنی تذلیل کی انتہا کر دی مگر جواب میں کیا ملا؟ طلاق نامہ..... وہ شخص تمہارے قابل ہی نہیں تھا نور اب تو مان جاؤ اب تو جان جاؤ اسے تم سے محبت ہی نہیں تھی۔ چاہنے والے یوں نہیں کیا کرتے، مجھے دیکھو میں تمہیں ایک بچے سمیت بھی اپنانے کے لیے تیار ہوں، تم ہاں تو کرو پلیز نور اپنی زندگی مزید برباد مت کرو۔''

''تذلیل تو تم سے ملنے کے جرم کی پاداش میں ہوئی ہارون، اس نے تو مجھے ساری دنیا کے سامنے واشگاف الفاظ میں تذلیل سے بچایا، اس نے میری پارسائی کی گواہی دے دی۔ میں نے اس سے بے وفائی کی اسے دھوکا دیا اس نے مجھے ساری دنیا کے سامنے عزت دی، میں اسے کیسے بھول جاؤں...... کیسے بھول جاؤں.....'' نور تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔

''لیکن یہ تو سوچو اس نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔''

''ہاں، میرے لیے یہی سزا کافی ہے میرے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا لیکن میں نہیں بھول سکتی اس نے مجھے سرخرو کر دیا۔ میری عزت رکھ لی ایک دنیا کے سامنے ایک زمانے کے سامنے۔'' نور بلک بلک کر رو رہی تھی۔

''تم اس وقت جذباتی ہو رہی ہو، میں کل پھر آؤں گا۔''

''نہیں، اب تم کبھی نہیں آؤ گے۔ نور عدت میں ہے وہ تم سے پردہ کرے گی۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آنٹی...... ایسی پابندی تو نہ لگائیں۔''

''جاتے ہو یا واچ مین کو بلاؤں، تم نے ایک ہنستا بستا گھر اجاڑ دیا ہارون، تمہیں خدا کبھی معاف نہیں کرے گا، کبھی نہیں.....'' تب وہ کسی دل شکستہ کی طرح جس کی کشتی بیچ منجدھار ڈوب گئی ہو تھکے تھکے قدموں سے اٹھ کر چلا گیا۔

☆☆☆

''میں نے آرمی سے ریلیز پٹ اپ کر دی ہے، ممی میں واپس نہیں جانا چاہتا۔''

''ٹھیک ہے احد بیٹے جب تک تمہیں ریلیز نہیں مل جاتی، میں یہیں رہوں گی تمہارے پاس۔'' ماں کا دل غم کی آماجگاہ بن گیا تھا ان کا سب سے پیارا اور عزیز بیٹا اپنی زندگی کے سب سے مشکل دور سے گزر رہا تھا وہ اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں

www.paksociety.com

یسے میں احد کو ماں کی رفاقت اور دلجوئی کی سخت ضرورت تھی۔ جس دن اسے ریلیز ملی ممی نے حکم دیا۔

''میرے ساتھ چلو امریکا اور یورپ کے ٹور سے تمہارا دل بہلے گا۔''

''جی ممی۔'' وہ بے حد سعادت مند تھا ماں کی کہی ہوئی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتا تھا۔ وہ پاسپورٹ یزا ٹکٹ ہر مرحلے سے گزر کر ممی کے ساتھ جانے کو یار تھا۔

یورپ اور امریکا میں ایک نئی ہی دنیا اس کی منتظر تھی۔ وہاں چھوٹے چھوٹے ہندوستان پاکستان بنے ہوئے تھے ویک اینڈ وہاں بہت بھرپور طریقے سے منائے جاتے تھے، ہر تہوار کو بڑے جوش و خروش سے سیلی بریٹ کیا جاتا تھا۔ احد کی آواز بہت اچھی تھی ہر فنکشن پر موسیقی کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا ہمیشہ اسے گھسیٹ لیتے تھے۔

''چلو شروع ہو جاؤ۔'' وہ بہت اچھا پیانو بجاتا تھا کبھی بہت خوشی کے نغمے گایا کرتا تھا اب تو جانے کیوں ہر محفل میں خواہ وہ خوشی کی محفل ہی کیوں نہ ہو وہ پرانے اداس گانے گانے لگتا۔ کئی بار آنکھیں بھیگ جاتیں۔ اس کے گلے میں قدرتی سوز تھا اس کے ساتھ ساتھ ممی کی آنکھیں بھی آنسو گرانے لگتیں۔

وہ امریکا میں تھا تو بڑے بھیا کے حلقۂ احباب میں بے حد مقبول ہو گیا جب چھوٹے بھیا کے پاس لندن میں آیا تو وہاں مقبولیت کی آخری حدوں کو چھونے لگا۔ وہ خوش لباس تھا خوش مزاج تھا، خوش گفتار تھا وہ کوئی ٹین ایجر نہیں تھا، اس کی اسٹوری پتا چلی تو کئی پاکستانی فیملیز کی لڑکیاں اس کے خواب آنکھوں میں سجانے لگیں۔

''بس اب واپس چلتا ہوں ممی۔'' وہ کسی لڑکی کا التفات کسی لڑکی کا قرب برداشت نہیں کر پاتا تھا یہاں پر کئی پاکستانی گھرانے اس پر خود مہربان ہو رہے تھے، کئی لڑکیاں اس کے نزدیک آنے کی کوشش کرتیں..... وہ یہ سب برداشت نہیں کر پا رہا تھا بہت عجیب سا ہوتا جا رہا تھا۔

پاکستان واپس آ کر اس نے ابا میاں کے گھر میں اپنا وہی پرانا کمرا سنبھالا، اس کی تزئین و آرائش کی۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے پرانے سویلین دوستوں سے ملا۔ وہ یاروں کا یار تو ہمیشہ سے تھا۔ فوج میں جا کر سب سے دور ہو گیا تھا۔ اب پھر سے وہی پرانی محفلیں جمنے لگی تھیں، قریب ترین دوستوں کو اس کی لائف کی ٹریجڈی معلوم تھی کچھ بالکل نہیں جانتے تھے، وہ دن رات کتابیں پڑھتا موسیقی سنتا یار دوستوں کی محفل میں خود بھی گاتا۔ پنشن ملتی تھی بھائی بہانے بہانے سے اسے پیسے بھیجتے رہتے تھے۔ بی بی اور ان کے بچے اکثر ہی آ جاتے تھے۔ وہ خوش رہنے کی ایکٹنگ کرتا مگر رات آتی تو حیاتِ گزشتہ کے گزرے سارے باب ایک ایک کر کے کسی فلم کی طرح نگاہوں میں پھرنے لگتے۔

''تم چاہو تو آریز کو لے آؤ احد، میں سنبھال لوں گی اسے۔'' بی بی کئی بار آفر کرتیں۔

''نہیں بی بی، میں اس ننھی سی جان کو ماں سے جدا کر کے اپنے انتقام کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا۔''

''کبھی کبھی جا کر مل تو لیا کرو، وہ تمہیں بالکل ہی بھول جائے گا۔''

''نہیں بھولے گا، میں کسی کے مانگے بنا ہی اس کے سارے اخراجات پورے کرتا ہوں بی بی، وہ مجھے کیسے بھول جائے گا۔''

''خرچ کا مطالبہ تم سے نور نے کیا تھا؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں۔" بی بی کی مزید کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ احد کے چہرے پر ان کہا سا دکھ لکھا تھا اس کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔

☆☆☆

ایک دن وہ سارے دوست حسب عادت خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ صائم اس کی کتابوں کی کلیکشن سے ہمیشہ ہی بڑا متاثر ہوتا تھا، آج بھی اردو ادب کے فن پارے نکال نکال کر دیکھ رہا تھا۔

"کتابیں پڑھنے کا جنون تمہارا گیا نہیں دوست۔"

"ہاں، میری تنہائی کا واحد سہارا یہ کتابیں ہی تو ہیں۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولا۔

"کبھی گھر تشریف لائیں ایک بہت اعلیٰ پائے کی کتاب ہم آپ کو دیں گے۔" صائم کے توسط سے بننے والے ایک نئے دوست عدنان سید نے احد کو گھر آنے کی دعوت دی۔

"جی ضرور، حاضر ہو جاؤں گا۔"

اس دن اسلام آباد بادلوں کی لپیٹ میں تھا سردی اپنے نکتۂ عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ اتنے میں ملازم ٹی سی ایس کا لفافہ لیے اندر چلا آیا اس نے سائن کر کے لفافہ وصول کیا جلدی سے کھول ڈالا کسی نے گلزار کی فلم اجازت کی مشہور زمانہ نظم اپنے ہاتھ سے لکھ بھیجی تھی۔

"میرا کچھ سامان تمہارے پاس رکھا ہے
وہ بھجوا دو
ساون کے کچھ بھیگے بھیگے سے دن رکھے ہیں
وہ رات بجھوا دو میرا وہ سامان لوٹا دو
اور میرے اک خط میں لپٹی رات پڑی ہے
پت جھڑ ہے کچھ، ہے نا
پت جھڑ میں پتوں کے گرنے کی آہٹ
کانوں میں اک بار پہن کے لوٹ آئی تھی
پت جھڑ کی وہ شاخ ابھی تک کانپ رہی ہے
وہ شاخ گرا دو
میرا کچھ سامان لوٹا دو
ایک اکیلی چھتری میں جب آدھے آدھے
بھیگ رہے تھے
آدھے سوکھے آدھے گیلے سوکھا تو میں لے
آئی تھی
گیلا من شاید بستر کے پاس پڑا ہو
وہ بھجوا دو میرا کچھ سامان لوٹا دو
ایک سو سولہ چاند کی راتیں
ایک تمہارے کاندھے کا تل
گیلی مہندی کی خوشبو
جھوٹ موٹ کے شکوے کچھ
جھوٹ موٹ کے وعدے بھی
سب یاد کرا دو
سب بھجوا دو، میرا وہ سامان لوٹا دو
ایک اجازت دے دو
جب اس کو دفناؤں گی
میں بھی وہیں سو جاؤں گی

فقط
نور"

نور کا نام پڑھ کر وہ کانپ سا گیا دل بڑے زور سے دھڑکا۔ اس نے بڑی احتیاط سے وہ لفافہ سنبھال کر اپنی سیف میں رکھ دیا مگر بہت دنوں تک وہ بے قرار رہا۔ اب اس کے اور نور کے بیچ کوئی رشتہ نہیں تھا، وہ نور کا سامنا کرنے سے اتنا کتراتا تھا کہ آریز کو دیکھنے بھی نہیں جاتا تھا۔ آج نور کو کیا سوجھی! اس کا ٹیسٹ اتنا میچور کب سے ہو گیا وہ تو اس کی ایسی پسند پر ہنسا کرتی تھی پھر اس نے اس کی پسند

کیوں اپنائی تھی۔ وہ سوچوں کے عمیق سمندر میں ڈوب گیا۔ نور کی بے وفائی نے اس کا دل توڑ دیا تھا وہ اسے طلاق دے چکا تھا مگر اس کی بھیجی ہوئی شاعری نے اسے اتنا اپ سیٹ کیوں کر دیا تھا وہ بہت الجھ کر رہ گیا تھا۔

"میں عدنان سید کی طرف جا رہا ہوں چلو گے؟" تبھی صائم آ گیا۔

"ہاں ضرور، میں نے ان سے وعدہ کیا تھا۔" وہ فوراً ہی راضی ہو گیا۔

عدنان سید کا گھر گو کہ پوش ایریا میں تھا لیکن بہت سمپل تھا احد کو وہاں جا کر عجیب سا سکون محسوس ہوا۔

"مغرب ہونے والی ہے، مسجد چلیں گے آپ؟"

"جی ضرور۔" وہ صائم اور عدنان سید کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھنے چل دیا۔ عشا تک وہ لوگ سید صاحب کے یہاں بیٹھے رہے پھر عشا پڑھنے چل دیے۔

آج کا دن احد کو بڑا پُرنور بڑا خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس نے دو دفعہ وضو کیا تھا، دو نمازیں سید صاحب کے ساتھ ادا کی تھیں۔ رات کا کھانا بھی سید صاحب کے یہاں ہوا جب وہ چلنے لگے تو سید صاحب کہنے لگے۔

"یاد آیا آپ کو کتاب کا تحفہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔" تب وہ بہت خوب صورت قرآن پاک کی دو جلدیں اٹھا لائے، ایک اردو ترجمے کے ساتھ ایک انگلش ترجمے کے ساتھ۔

"کبھی دل چاہے تو اس کتاب کو پڑھیے گا بہت سکون ملے گا۔" وہ شکریہ ادا کر کے گھر لوٹ آیا۔

اب اکثر ہی سید صاحب سے ملاقات رہتی تھی۔ احد نے آہستہ آہستہ نماز کی پابندی شروع کر دی تھی۔ گاہے بہ گاہے وہ قرآن شریف ترجمے کے ساتھ پڑھنے لگا جہاں کوئی مسئلہ سمجھ میں نہ آتا وہ سید صاحب کے پاس پہنچ جاتا۔ زندگی ایک ڈسپلن کے تحت گزرنے لگی تھی۔ احد کی انگلش بہت اچھی تھی اس کا ڈریسنگ سینس بہت اچھا تھا۔ وہ ہر ٹاپک پر بلاتکان بول سکتا تھا مگر اب رفتہ رفتہ اس کی گفتگو قرآن پاک کے حوالوں سے ہونے لگی ایک دن سید صاحب کہنے لگے۔

"آپ وزیٹنگ ٹیچر بن جائیں ہمارے انگلش میڈیم اسکولوں میں اس چیز کی بہت کمی ہے، آپ ان بچوں سے بہت اچھی طرح کمیونیکیٹ کر سکتے ہیں جو اسلام سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔" احد کو یہ آئیڈیا بہت پسند آیا اس نے بہت سے نوٹس بنائے اور جا کر انگلش میڈیم اسکولوں کی پرنسپل صاحبان سے ملا۔ وہ بلامعاوضہ یہ خدمت انجام دینے لگا۔ ہفتے کے پانچ دن اس نے پانچ اسکولوں میں بانٹ دیے وہ ایک گھنٹے کی کلاس لیتا تھا بچے اس ٹیچر سے بہت متاثر تھے جو اُن کی طرح پینٹ شرٹ یا پھر سوٹ زیب تن کرتا اپنا لیپ ٹاپ ساتھ رکھتا، بہترین انگلش میں انہیں اسلام کی بنیادی باتوں سے آگاہ کرتا۔ بچیاں، بچے اس کے دیوانے ہونے لگے اپنے مسائل اس سے ڈسکس کرنے لگے۔

احد کو زندگی کا مقصد سمجھ آنے لگا تھا، اس کے ماتھے پر بہت جلد نمازوں کا گٹہ نمایاں ہو گیا تھا۔ اب اکثر اسے ایسے جملے سننے کو ملتے۔

"سر یو آر لائک مائی فادر۔"

"کاش سر میں آپ کا بیٹا ہوتا۔"

"سر آپ بہت فرینڈلی ہیں، آپ سے بات کرتے وقت جھجک نہیں ہوتی۔"

کبھی کبھار وہ بچوں کے ساتھ ٹیبل ٹینس بھی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھیل لیتا۔ سید صاحب کو ساری خبر ملتی رہتی تھی، وہ دھیمے سے مسکرا دیتے...... احد کی زندگی کا پیٹرن بالکل چینج ہو گیا تھا۔

ممی پاکستان لوٹ آئیں انہوں نے دیکھا احد کے اندر جو ایک بے قراری اور آنکھوں میں جو نمی رہنے لگی تھی اس کی جگہ ایک عجیب سی چمک نے لے لی تھی، وہ بہت مصروف بہت مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ اب ممی سے بھی عام کتابوں کے بجائے وہ قرآن شریف کی سورتیں ڈسکس کرتا۔ وقت نے کیسی کروٹ لی تھی میجر احد جو ایوی ایٹر تھا جہاز اڑاتا تھا اب بچوں کو پڑھانے لگا تھا۔

"میں چاہتی ہوں احد پھر سے تمہارا گھر بس جائے۔"

"نہیں ممی، میں اپنی موجودہ زندگی سے بہت خوش ہوں۔ میں پھر سے کوئی الجھن پالنے کو تیار نہیں۔"

"نہیں بیٹا، ایک گھر ایک ساتھی کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ انسان نہ تو سدا جوان رہتا ہے نہ ہی سدا تندرست رہتا ہے تم مان جاؤ بیٹے۔" پہلے پہل وہ انکار کرتا رہا مگر ممی کے آگے زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکا۔

احد نے جلد اس شرط کے ساتھ ہتھیار پھینک دیے کہ کوئی ایسی عورت ہو جس کے یہاں بچہ پیدا نہ ہو سکتا ہو۔

"یہ کیا فضول شرط ہے احد میاں......"

"جی ممی، میں اپنے کام پر توجہ دینا چاہتا ہوں کوئی ایسی خاتون ہو جو خود بھی جاب کرتی ہو میری مصروفیات پر اسے اعتراض نہ ہو۔" بہت جلد بی بی کے ہمسایوں کے رشتے داروں میں ایک ایسی ہی خاتون مل گئی جو بچے پیدا نہ کر سکنے کے جرم میں دھتکاری گئی تھی۔ احد نے اسے بڑی سہولت سے قبول کر لیا۔ جس دن احد کا نکاح ہوا اسی دن ٹی سی ایس کے ذریعے پھر سے وہی نظم بھجوائی گئی۔ احد نے پھر وہ لفافہ اپنے سیف میں محفوظ کر دیا۔ دل میں پھر اِک درد کی لہر سی اٹھی۔

"شاید یہ سب ایسے ہی لکھا تھا نور۔ ہم جدا ہونے کے لیے ملے تھے آریز جب بڑا ہوگا تو میں اسے اپنے پاس لے آؤں گا مگر تم سے دوری اب مقدر ہو چکی۔"

عفیفہ عام سی شکل صورت کی عام سے ذہن دل کی عورت تھی۔ مقامی کالج میں لیکچررشپ کرتی تھی، نہ زیادہ سوال کرتی تھی نہ ٹوہ میں رہتی تھی۔ ہار احد کے کھانے پینے اور کپڑوں کا خیال رکھتی تھی بلکہ بچہ نہ ہونے کے باوجود احد کے اپنا لینے پر مشکور رہتی تھی۔

نور نے کیپٹن ہارون سے ہر ناتا توڑ لیا تھا وہ بہت بدل گئی تھی اپنی بے راہ روی پر اللہ سے معافی مانگتی تھی، استغفار کرتی تھی۔ آریز کو ایک سچا اور اچھا انسان بنانے کے لیے کوشاں رہتی۔ ماما کے بے حد اصرار پر بھی وہ دوسری شادی کے لیے نہیں مانی سندس اور چھوٹی بیاہ کر چلی گئی تھیں نور ماما کی دیکھ بھال کرتی تھی' ان کے سارے کام اس نے اپنے ذمے لے لیے تھے۔

زندگی دھیرے دھیرے گزر رہی تھی کیپٹن ہارون گاؤں سے اپنی چچا زاد جو واجبی سی شکل صورت کی کم پڑھی لکھی عورت تھی اسے بیاہ لایا...... کبھی کبھی رات کی تنہائیوں میں وہ کانپ اٹھتا ہے اور ایک شادی شدہ عورت کا گھر برباد کرنے کے جرم کی معافی اللہ کے حضور مانگتا ہے۔

ہمارے بکرے

رفاقت جاوید

"میری طرف سے تمہیں اجازت ہے بھئی، بندہ جان بخشی کی التجا کرتا ہے۔" سلمان نے شازے کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "اس بار کی تمام ارینجمنٹ ہماری بیگم کی ہوگی۔ ہمارے کپڑوں سے لے کر بکرے تک۔"

"میرا فیصلہ بہترین اور قابلِ ستائش ہوگا۔ اس بار ایک کے بجائے دو بکروں کی قربانی ہوگی اسی بجٹ میں لیکن یاد رکھیں آپ انٹرفیئر نہیں کریں گے۔"

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''لاؤ اسٹامپ پیپر اور ساتھ دو گواہ لکھ دیتا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں نے بہت سوچا ہے اس کے بارے میں، دیکھیں ذرا داد رسی ہی کردیں، میری دور اندیشی اور سمجھداری کی۔ میں کل بکرے کا بچہ خرید کر لارہی ہوں۔ گھر میں پل کر قربانی کے قابل ہوگا تو اس کا دُہرا فائدہ ہوگا۔ ایک تو بچت دوسرا اسلامی نقطۂ نظر میں سنتِ ابراہیمؑ کا دل وجان سے اقرار اور ایمان کی پختگی کا اظہار ہے۔ ذرا میری بات غور سے سن لیں اس دفعہ بکرا ذبح بھی آپ کریں گے۔ اس کا بھی دُہرا ثواب اور فائدہ ہوگا۔'' وہ چہک کر بولے جارہی تھی۔

''بکرا میں ذبح کروں گا، میں تمہیں قسائیوں کے خاندان کا پروردہ لگتا ہوں کیا، نان سینس...... آس پاس کے لوگ کیا کہیں گے؟ قسائی کے نام سے بدنام ہوجاؤں گا۔ رنیک کی جگہ قسائی پکارا جاؤں گا۔'' وہ تقریباً اچھل پڑا تھا۔

''بدنام اگر ہوں گے تو نام کیا ہوگا۔'' وہ قہقہہ لگا اٹھی۔ ''پچھلی عید پر آپ کے CO نے بکرے کو خود ذبح کر کے خوب ثواب بھی کمایا اور بے پناہ داد بھی وصول کی۔ آپ کو یاد ہوگا، سب کے بکرے گیٹ پر شام تک میں میں کررہے تھے۔ واحد وہ تھے جن کے گوشت سے ہمارے چولھوں کو رونق نصیب ہوئی تھی۔''

''ٹھیک ہے، اس دفعہ مابدولت بکرا ذبح کریں گے۔'' اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔'' لیکن ایک نصیحت سن لو اگر ناگوار نہ گزرے۔''

''فرمائیں سرکار......'' وہ مؤدبانہ انداز میں بولی۔

''بکرا ایک دن پہلے ہی خریدا جائے تو بہتر رہے گا۔ بکرا پالنا خاصا مشکل کام ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''کیا مشکل ہے؟ نوکر چاکر ہیں، لگ آفٹر کرلیں گے، ڈرائیور ان کے لیے بھوسے کا انتظام کر دیا کرے گا۔''

''سوچ لو...... کیونکہ ہمارا ایسا کوئی تجربہ نہیں۔'' وہ ابھی بھی سنجیدہ تھا۔'' لیکن یہ بتاؤ اسے کہاں رکھوگی؟''

''پچھلے برآمدے میں، میں نے ہر زاویے سے سوچ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ ہم نے ہمیشہ ایک بکرے کی قربانی دی ہے۔ اس بار اللہ کے فضل وکرم سے دو کی قربانی ہوگی۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔'' بس کل مجھے ایک پک اپ چاہیے۔ میں بذاتِ خود جا کر بکرے خریدوں گی۔''

''آج کے بعد تم جانو تمہارا کام جانے، ہمیں مطلب ہے گوشت سے، تکے بوٹی، روسٹ لیگ اور باربی کیو سے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''تھینک یو۔'' وہ تشکر آمیز لہجے میں بولی تو باہر کا دروازہ کھلا اور شانزے کی تین بہنیں بمعہ بچوں کے وارد ہوگئیں۔ شانزے ان سے مل کر بیٹھ گئی اور بکروں پر گفتگو شروع ہوگئی۔ سب سے چھوٹی علیزے نے نہایت سنجیدگی سے التجائیہ انداز میں کہا۔

''آپا میرے لیے بھی ایک بکرا خرید لیجیے گا۔ جہاں آپ کے دو بکروں پر محنت ہوگی میرا بھی چونگے میں پل جائے گا۔'' نائلہ اور شمائلہ کیسے پیچھے رہ جاتیں، دونوں بیک زبان ہو کر بولیں۔

''آپا جانی ہمارے لیے بھی ایک خرید لایئے گا۔ آپ کے پاس جگہ بھی ہے نوکر بھی ہیں، یوں چٹکی بجاتے جوان ہوجائیں گے۔''

''ویسے آئیڈیا برا نہیں، پانچ بکروں کی آپس

میں کمپنی بھی رہے گی، بکروں کی فرحت وراحت سے ہمارے ثواب میں دس گنا اضافہ ہوگا۔'' شانزے نے سب کی ہاں میں ہاں ملائی تو چھوٹی بہنیں اس پر واری صدقے جانے لگیں۔

☆☆☆

اگلے دن پک اپ پہنچ گئی۔ اس نے اپنی ذاتی گاڑی نکالی اور بکرا منڈی جو بکروں کی خاص الخاص جگہ تھی۔ وہاں پہنچ گئی۔ آخر وہ شانِ بے نیازی سے نیچے اتری اور کئی بکروں کا معائنہ کرنے کے بعد پانچ بکرے پک اپ میں ڈال کر فتح مندی کے احساس میں سرشار گھر کی جانب چل دی۔

صبح ہوئی تو وہ شوہر اور بچوں سے فارغ ہو کر... برآمدے میں نکل آئی۔ بکروں نے اپنے چارے اور پانی کو منہ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ سر جھکائے بے بس اور اداس لگ رہے تھے۔ اس نے ایک ایک کو پیار سے سہلایا۔ ان سے توتلی زبان میں باتیں کیں اور چارے کا ٹب ان کے منہ کے قریب کر کے بولی۔

''میلے ننھے منے بچو! ناشتا کرلو نا!'' انہوں نے چھلانگ لگائی اور پیچھے ہوگئے۔

''میلے بچے مجھ سے خفا ہیں کیا؟'' وہ ان پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔ تو ایک نے زوردار چھینک ماری اور اس کی ناک سے رطوبت بہنے لگی۔

''ٹھنڈ... لگ گئی ہے کیا؟'' اس نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ یہ بکرا علیزے کا تھا۔''تم میرے پاس امانت ہو جانو، بیمار نہیں ہونا، چلو تمہیں دوا دیتی ہوں۔'' وہ تیزی سے اٹھی اور کمرے میں آگئی۔ پیراسٹامول سیرپ اور وکس کی شیشی اٹھا کر وہ باہر نکل آئی۔

''شریف چاچا، ذرا مدد کو تو آؤ۔ بکرے کو دوا پلانی ہے۔'' اس نے نوکر کو آواز دی تو وہ اپنی ہنسی کو دباتا ہوا پہنچ گیا۔

''بیگم صاحبہ یہ سخت جان جانور ہیں، ان کو کسی علاج معالجے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بیمار ہوتے ہیں خود ہی صحت یاب بھی ہوجاتے ہیں۔''

''کیا یہ جاندار نہیں ہیں؟ انہیں بھی ہماری طرح تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ میں اس کا سر پکڑتی ہوں تم یہ دو چمچ سیرپ اس کے منہ میں انڈیل دو۔'' شانزے اس کا سر پکڑنے میں کامیاب تو ہوگئی مگر اگلے لمحے اچھل کر وہ اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

''شریف چاچا تم اسے قابو کرو، اس کا منہ کھولو، میں دوائی منہ میں ڈالتی ہوں، یہ کام میں بخوبی کرلوں گی۔'' وہ خود اعتمادی سے بولی۔

''ٹھیک ہے بیگم صاحبہ۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بکرے کو قابو کر کے منہ کھولا۔ شانزے نے پھرتی سے آدھی بوتل اس کے منہ میں انڈیل دی۔

''چلو ایک عمل تو کامیاب ہوا۔ اب دوسرا عمل ہے اس کے نتھنوں میں وکس لگانے کا، یہ کام تو میں کسی صورت نہیں کرسکتی۔ تم ہی کرو گے۔ تمہارا پرانا تجربہ ہوگا۔'' وہ تحسین آمیز لہجے میں بولی۔

وہ بے چارا اور کیا کہتا کہ ہمارے گاؤں میں رہنے والے انسانوں کو بھی کھانے کو ایک گولی نصیب نہیں ہوتی، ان بے زبانوں کے لیے دوا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مگر چپ رہا۔ اس نے اس کے سر کو دونوں ٹانگوں کے بیچ قابو کرلیا اور اس کے نتھنوں میں پھرتی سے وکس لگادی۔ وہ چھلاوے کے مانند اچھلا اور شریف چاچا ایک دم سے چاروں شانے چت فرش پر جاگرا۔

''اوہو، کیا ہوا شریف چاچا، تم تو مجھ سے بھی اناڑی نکلے۔ کہیں چوٹ تو نہیں آگئی۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''دایاں ہاتھ دب گیا ہے، شدید درد ہے، خیر بکرے کی ناک میں وکس تو اچھی طرح لگ گئی ہے اب زکام سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے گا۔'' وہ ہاتھ کو ملتے ہوئے بولا۔'' ہاتھ تو نیلا ہو گیا ہے اور یکدم ہی سوج گیا ہے۔''

''اللہ نہ کرے کہیں کوئی ہڈی نہ ٹوٹ گئی ہو۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھنے لگی۔'' شریف چاچا اندر چلو، میں آفس فون کرتی ہوں، تم فوراً اسپتال جاؤ، عید سر پر کھڑی ہے کہیں تجھے عین وقت پر دغا نہ دے جانا۔''

شانزے نے فون کیا اور ڈرائیور شریف چاچا کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ کافی دیر ہو گئی تھی ابھی تک شریف چاچا اسپتال سے واپس نہیں آیا تھا۔ شانزے پریشانی کے عالم میں کچن میں گئی، کھانا تیار دیکھ کر وہ قدرے مطمئن ہو گئی۔ بچوں کے لیے ملک شیک بنا چکی تو شریف چاچا نے نقاہت سے بھری آواز میں اپنی آمد کا مژدہ سنایا۔ وہ اسے دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ شریف چاچا نے بتایا کہ ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور جڑنے میں کافی وقت لے گی اس لیے وہ ایک مہینے کی چھٹی پر اپنے گھر چلا گیا۔ شانزے نے سلمان کو فون کر کے تمام روداد سنائی اور یونٹ سے ایک آدمی شریف چاچا کی جگہ ارینج کیا۔

لنچ سے فارغ ہو کر شانزے، امین کے ساتھ بکروں کی طرف چل دی۔ وہ بھوکے پیاسے اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ چارے کو سونگھ کر چھوڑ دیتے۔ پانی کو دیکھ کر منہ موڑ لیتے۔ امین نے برآمدے کی صفائی کی۔ اس نے فکرمندی سے اس سے پوچھا۔

''امین یہ کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟ بھوکے مر جائیں گے۔''

''میں سڑک سے درختوں کی تازہ شاخیں توڑ لاتا ہوں، امید ہے وہ انہیں پسند آ جائیں گی، دراصل چرواہے انہیں کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ تازہ جنگلی گھاس، جڑی بوٹیاں اور جھاڑیوں میں منہ مارتے پیٹ بھر لیتے ہیں۔'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا اور وہ شاخیں لینے چلا گیا۔

''اچھا تو میرے ننھے منوں کو ڈسپلن پسند نہیں، بھئی فوجیوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں آپ۔ مجبوراً قانون اور قاعدے کے دائرے میں آنا پڑے گا۔'' وہ ان پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بول رہی تھی۔ اتنی دیر میں وہ برآمدے میں چھوٹی بڑی شاخیں پھینک کر جانے لگا تو شانزے نے فکرمندی سے کہا۔

''امین شام کو چکر لگا لینا۔ شاید انہیں پھر سبزے کی ضرورت پڑے۔''

''ٹھیک، حاضر ہو جاؤں گا۔'' وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔

بکرے تازہ ہری بھری شاخوں کے پتوں کو سونگھ کر بے نیاز ہو گئے۔ شانزے نے کوفت آمیز انداز میں ایک شاخ کو ہاتھ میں پکڑا اور بکروں کی جانب لے گئی۔ پانچوں بکرے اچھل اچھل کر اپنا پیٹ بھرنے لگے۔ حتیٰ کہ تمام شاخوں کو اسی طریقے سے انہوں نے نوش فرمایا۔ اب شانزے نے ٹب کا باسی پانی پھینک کر بالٹی بھر کر تازہ پانی اس میں ڈالا۔ ایک بکرا قریب آیا۔ پانی سونگھا اور خوب سیر ہو کر پیا اور تھوڑے ہی فاصلے پر اپنی حاجت پوری کرنے لگا۔ باقی تین بکروں نے پانی سونگھنا بھی گوارا نہیں سمجھا پینا تو در کنار...... اس نے انہیں پانی پلانے کی بہت کوشش کی جو ناکام ہو گئی۔ آخر اس کی عقل میں یہ بات آ گئی کہ ہو سکتا ہے یہ تازہ پانی پینا چاہتے ہوں۔ اس نے وہ پانی گرا کر بالٹی بھر کر تازہ پانی

ڈال دیا پھر ایک بکرے نے نہایت شانِ بے نیازی سے پانی پیا۔ آخر کار تمام بکروں نے اسی طرز سے پانی پیا۔ شانزے کی کمر جواب دے گئی۔ وہ پھولی ہوئی سانس سے گھر کے اندر داخل ہوئی۔ اسے اپنے کپڑوں، ہاتھوں اور بالوں سے بکروں کی غلیظ بو نے بے کل کر دیا تھا۔ وہ سیدھی باتھ روم جا کر غسل کرنے لگی اپنے فیصلے پر قدرے پچھتاوے کا احساس ہونے لگا۔ اسے ان کی خصلتوں کی بخوبی سمجھ آ چکی تھی۔

''ان کی قربانی ہم پر واجب اور ان کا گوشت حلال اور ذائقے سے بھرپور کیونکر ہے۔ کیونکہ ان کے کھانے کی عادات نہایت نفیس اور عمدہ ہیں۔ نخرہ تو دیکھو، زمین پر پڑی شاخوں کو منہ تک نہیں لگایا۔ ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی پینے سے انکاری۔ چپس کے فرش پر سونے پر اعتراض...... شریروں نے تھکا کر رکھ دیا۔'' وہ بستر پر لیٹ گئی۔ پھر رات تک اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ میاں صاحب گالف سے واپس کب آئے۔ بچے سائیکلنگ سے لوٹے کہ نہیں۔ کچن میں کیا پکا؟ بکرے کس حال میں ہیں اور اس وقت وقت کیا ہو چلا ہے۔ وہ بے سدھ لیٹی ہوئی تھی۔ بیٹ مین ہاتھ پر ہاتھ دھرے گیٹ پر بیٹھا ساتھ والے بیٹ مین سے گپ شپ میں مصروف تھا۔ اسے کچھ فکر نہیں تھی۔

''شانزے رات ہو گئی ہے۔ اب اٹھ جاؤ ورنہ رات بھر جاگو گی۔'' سلمان نے پیار سے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

''اٹھتی ہوں، ٹائم کیا ہے، اوہو مغرب ہو گئی، میں بہت تھک گئی ہوں۔'' اس نے انگڑائی لی۔

''آج ڈنر میں کیا ہے؟'' وہ نہایت ملائمت سے بولا۔

''ابھی تک تو کچھ بھی نہیں پکا۔ سلمان کھانا آرڈر کریں، مجھ سے اس وقت کھانا نہیں پکے گا۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''یار تمہیں علم ہے کہ آئی ڈونٹ لائک، دیٹ فوڈ...... مجھے ایسے گمان ہوتا ہے جیسے مجھے گھٹی ہی میس کے کھانے سے دی گئی تھی، آئی ہیٹ اٹ، ہوش سنبھلتے ہی میس کا بدذائقہ کھانا نصیب میں لکھوا دیا گیا تھا۔ انڈوں کا کچا خاگینہ بنا دو، مرغن کھانے سے بہتر ہے۔'' وہ بیزاری سے بولا تو وہ خاموشی سے بستر سے اٹھ کر لاؤنج میں آ گئی۔ علیزے دو کلومیٹر کے فاصلے پر رہائش پذیر تھی۔ اسے کھانے کے لیے فون کیا تو پندرہ منٹ بعد من و سلویٰ پہنچ چکا تھا۔ پہلے دن کا اختتام ہوا۔ دوسرے دن کے وارد ہونے کا خوف اس کے اعصاب پر بری طرح چھا چکا تھا۔

''کمرے میں بو کس کی ہے، کسی پل نیند نہیں آ رہی۔'' آدھی رات کو سلمان چونک کر بستر پر بیٹھ کر

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بڑبڑایا۔"شانزے تم ابھی تک جاگ رہی ہو، یہ بدبو کہاں سے آرہی ہے؟"

"وہ جو پانچ عدد نخریلے بکرے پال رکھے ہیں نا، ان کی بدبو بند کھڑکی پر بھی غالب آگئی ہے۔ میں کل ہی ان کا بندوبست کرتی ہوں۔ ایک نہ دو پانچ عدد مصیبتیں مول خرید لائی ہوں؟" وہ غصے میں بولی۔"مسلسل میں میں کیے جارہے ہیں۔ ان کو نیند کیوں نہیں آرہی؟"

"ارے اتنی جلدی ہار مان لی، ابھی تو تین مہینے کی خدمت گزاری سے تم نے سرخروئی حاصل کرنی ہے۔" سلمان نے تمسخر بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ مذاق اڑانے سے باز آجائیں ورنہ بہت برا ہوگا۔" وہ قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔

"فیصلہ بھی تمہارا اور اب چڑھائی بھی تمہاری، یہ عورتیں اتنی ان ریزنیبل کیوں ہوتی ہیں؟" وہ ہنس رہا تھا کہ تینوں بچوں نے بھی آکر کہا...... میں میں کی آوازوں نے ان کی نیند اڑادی ہے۔ وہ کس طرح سوئیں۔

رات بھر کوئی بھی نہیں سویا۔ گھر کے ہر کونے میں بکروں کی جان لیوا بو سما چکی تھی۔ بچے اسکول نہ جاسکے سلمان قہر آلود نظروں سے گھورتا ناشتا کیے بغیر آفس چلا گیا۔ اور شانزے، امین کا انتظار کرنے لگی اور ساتھ ہی علیزے کو فون کر کے اپنی دکھی داستان سنائی، آخر فیصلہ ہوا کہ بکروں کو واپس کر دیا جائے۔

لیکن کوشش کے باوجود بکرے واپس نہیں ہوئے۔ علیزے نے مسئلے کا بہت خوب صورت اور پائیدار حل پیش کیا۔ اس کی میڈ قریبی کسی گاؤں کی رہائشی تھی۔ اس نے بھیڑ بکریاں پال رکھی تھیں۔ آخر یہ طے پایا کہ عید تک بکرے وہ اپنے ریوڑ میں چھوڑ دے گی۔ اسے فی بکرا ایک ہزار روپے مہینہ چارے کے لیے دے دیا جائے گا۔ نائلہ نے مشورہ دیا کہ پیسے دینے کے بجائے اسے اسپیشل قسم کی خوراک ہر مہینے ہم خود خرید کر دیں گے تاکہ بکرے صحت منداور خوب صورت نکلیں۔ یہ مشورہ سب کو پسند آیا۔

بکرے گاؤں پہنچا دیے گئے۔

●●●

بکروں کے گاؤں کے آنے سے پہلے ہی چاروں بہنوں نے اپنے اپنے بکرے کا شیڈول بنانا شروع کر دیا۔ "رانیں تو سب کے سسرال روانہ کر دی جائیں گی، اس کے بعد گوشت کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ فوراً کڑاہی کے لیے چڑھا دیا جائے گا۔ دوسرے چولھے پر کلیجی بھونی جائے گی۔ تیسرے چولھے پر دیسی گھی کے پراٹھے بنائے جائیں گے۔" ثمائلہ نے پراٹھوں کے لیے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ علیزے اور نائلہ نے بیٹ مین کے ساتھ مدد کرانے کا پروگرام بنالیا۔ شانزے کو رتبے کے لحاظ سے سلاد کاٹنے کا کام سونپا گیا۔

"باقی گوشت کے دو حصے، ایک غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہم سول میں رہتے ہیں، گیٹ پر ہی تقسیم ہو جائے گا۔" علیزے نے مسئلہ حل کر دیا۔

"ایک حصہ باقی رہ گیا ہے۔" نائلہ نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔"وہ ہے رشتے داروں کا۔"

"ہم سب ایک دوسرے کے رشتے دار ہی تو ہیں، پارٹی کریں گے عید کے دوسرے اور تیسرے دن۔"

"کچھ خدا کا خوف کرو، نائلہ۔ بکرے کی کھپت تو گھر میں ہی کر دی تم نے۔ باقی گوشت فریزر کے

خانوں میں بانٹ دیں گے....." قہقہوں میں پروگرام بھی سیٹ ہو گیا۔

☆☆☆

اور پھر بقر عید بھی آگئی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد سلمان اپنے دوست احباب سے مل کر گھر پہنچ گیا۔ بکرے ابھی تک تشریف نہیں لائے تھے۔ آج بکروں کو علیزے کے ڈرائیور نے پک کرنا تھا۔ تینوں بہنیں بچوں سمیت شانزے کے گھر پہنچ چکی تھیں۔ تینوں کے بکرے ذبح کرنے کے لیے قسائی کا انتظام کیا گیا تھا۔ آج کا دن ان تمام قسائیوں کے نام تھا جنہوں نے مرغی ذبح کرنے کے... علاوہ کچھ نہ سیکھا تھا۔ آج ان کی قوت اور بالادستی کا نظارہ دیکھنے لائق تھا۔ سلمان اور بچوں نے ماں کے گلے مل کر ان گنت دعائیں لیں اور سب گیٹ کی جانب بکروں کو خوش آمدید کہنے پہنچ گئے۔ لان میں بچوں نے اپنی عید جمائی ہوئی تھی۔ اڑوس پڑوس سے کئی حضرات نے بکروں کے بارے میں کئی سوالات کر ڈالے۔ سلمان اور شانزے فخر سے اپنی کارستانی ہر ایک کی سماعتوں میں انڈیل کر خوش ہو رہے تھے۔ سڑک پر سفید رنگ کی پک اپ آتی دکھائی دی تو شانزے نے بچوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بکروں کی آمد کا مژدہ سنا دیا۔ سب کھیل کود چھوڑ کر سڑک پر نکل آئے۔ پک اپ گیٹ کے سامنے رکی سب تیزی سے اس کی طرف بھاگے۔ بچوں کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔

"بکرے آگئے، بکرے آگئے۔" ڈرائیور اپنی ہنسی کو دبائے ایک ایک بکرا اتارنے لگا۔

شانزے کا دل اچھل کر باہر نکلنے کو تھا۔ جی چاہا زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں اپنی تمام تر ندامت کے ساتھ چھپ جائے۔ سلمان نے فوراً اپنے گرد و پیش کے ماحول کا جائزہ لیا کہ اسے کون کون دیکھ رہا ہے۔ پانچ عدد بکروں کی جگہ اک ان دیکھی اور انجانی مخلوق ان کے سامنے کھڑی تھی۔ جب خریداری کی تھی تو یہ پانچوں کس قدر معصوم، نکھرے اجلے بچے تھے۔ جسم پر اچھی خاصی چربی تھی۔ صرف سائز ہی چھوٹا تھا مگر آج وہ کمزور اور لاغری سے مٹھی بھر بڑے دکھائی دے رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر نہ صرف بچے ہنس رہے تھے بلکہ بڑے بھی ہنس رہے تھے۔ یقیناً یہ وہ بکرے بھی نہیں تھے جو پلنے کے لیے دیے گئے تھے۔

ماں کی محبت

ایک بیٹے نے اپنی ماں کو کافی دنوں بعد فون کیا اور پوچھا۔"کیا حال ہے؟"

ماں ۔"بیٹا حال ٹھیک نہیں بہت کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔"

بیٹا ۔"کیوں، کیا ہوا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے اچانک اتنی کمزوری کیوں محسوس ہونے لگی؟"

ماں۔"میں نے دو ہفتے سے پیٹ بھر کے کچھ کھایا نہیں۔"

بیٹا حیرانی سے ۔"کیوں، کیا ہوا آخر اچھی طرح پیٹ بھر کر کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہیں؟"

ماں"بس بیٹا دراصل میں نہیں چاہتی تھی کہ جب تمہارا فون آئے تو میرے منہ میں نوالہ ہو بس اس انتظار میں رہی کہ تم سے فون پر بات ہو جائے تو پھر آرام سے کھانا کھالوں گی۔"

از رفعت مبین رفی، کراچی

www.paksociety.com

”آپا..... میں سوچتی ہوں کہ اگر محمود کے بجائے
ں مرجاتی تو میری بیٹیوں کا مستقبل اتنا تاریک نہ
وتا.....“ آسیہ بی بی نے کدو کے چھوٹے چھوٹے
کڑے کرتے ہوئے غم ناک لہجے میں کہا تو قریب

بیٹھی شمشاد نے انہیں گلے سے لگاتے ہوئے تسلی
دی۔
”ارے ہمارے ہوتے ہوئے تم یہ
غیروں جیسی باتیں کیوں کررہی ہو آ یہ چی بات

ببول کا سایہ

شمیم فضل خالق

”ان میں تو پانچ کلو گوشت بھی نہیں ہوگا۔“ شانزے نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”یہ ہیں تم عورتوں کے فیصلے اور ان کا انجام!“ سلمان اشتعال بھرے لہجے میں بولا۔

”ذلیل کر کے رکھ دیا ہے ماسی نے بھی۔“ شانزے نے بھی نہایت ناگواری سے کہا۔

”اس کی تو میں ایسی خبر لوں گی کہ یاد کرے گی کہ کس ظالم سے پالا پڑا تھا۔“ علیزے دانت چبا کر بولی۔

”ان کا چارا اس نے اپنے بکروں کو کھلا دیا ہوگا۔“ نائلہ نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

”ترس نہیں آیا ان بے زبانوں پر، بھوکا مارنے کا ارادہ تھا اس کا، کوئی قربانی کے بکروں کے ساتھ ایسے بھی کرتا ہے۔“ شمائلہ نے افسردگی سے کہا۔

”سب اپنی اپنی منطق بند کریں۔“ سلمان نے غصے سے کہا۔ ”اب ماں جی اور آپا کو کلیجی بھی نہیں کھلا پائیں گے۔“

”آخر ہیں تو بکرے، ایک کو کیا سب پر چھری چلائیں اور مزے اڑائیں۔“ شانزے نے ڈھٹائی سے کہا۔

”قربانی کی بھی کچھ شرائط ہوتی ہیں، ان بکروں کی قربانی جائز ہی نہیں، الٹا لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ خدا کے حضور یہ مدقوق، لاغر اور بیمار بکرے یتیم بہنوں کو پل صراط پار کرانے کی آزمائش میں پاس نہیں ہوسکتے۔ پاؤں رکھتے ہی تم سب کو جہنم رسید کر کے ظلم کا بدلہ لینے میں شاداں و فرحاں ہونے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ اپنی بہتری چاہیے تو سجدہ ریز ہوجاؤ اور توبہ کرو جو ستم تم لوگوں نے ان بے زبان معصوموں پر کیا ہے۔“ سلمان نے تاسف اور طنز سے کہا۔ اسی اثنا تینوں بہنوں کے خاوند بھی قربانی کے لیے قسائی کے ہمراہ پہنچ گئے۔ بکروں کی حالت دیکھ کر غصہ قہقہوں میں بدل گیا تھا۔

”ماں جی کا روزہ سویّوں سے کھلوا دو، لگتا ہے قربانی کے بکرے کل ہی آئیں گے۔“

”مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔“ شانزے نے افسردگی سے کہا۔

”تین دن کی عید کا فیصلہ کچھ سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں اِک بہت بڑا راز پوشیدہ ہے۔“ سلمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”تو پھر آج لوگوں کی طرف سے آنے والے گوشت کا انتظار کیا جائے۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔“ علیزے نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

”قسائی باہر کھڑا ہے، تمام بکرے ذبح کروا کر کڑاہی بناتے ہیں اور انجوائے کرتے ہیں۔“ نائلہ نے مشورہ دیا۔

”ہڈیوں اور چھیچھڑوں کی کڑاہی..... واہ واہ مزہ آئے گا۔“ سلمان نے لاغر بکروں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”مزہ آئے یا نہیں آئے..... انہیں آج اور اسی وقت ذبح کیا جائے یا کسی کو صدقے میں دے دیا جائے، کم از کم میں انہیں لک آفٹر نہیں کرسکتی۔ بہت ہوگئی۔“ شانزے نے تیزی سے کہا تو پھر ایک اجتماعی قہقہہ بلند ہوا۔

”قسائی ذبح کرے گا تو دنیا جہان میں ہماری بے وقوفی کا ڈھنڈورا پٹوائے گا۔ ہم مل کر ہی عزت بچاؤ مہم چلاتے ہیں۔“ سلمان نے تیز چھری اٹھائی۔ آستین اوپر کی، شلوار کے پائنچے فولڈ کر کے سینہ تان کر ایسے کھڑا ہوا جیسے کسی شیر کو ذبح کرنے میں اپنی دلیری اور بہادری کا ثبوت دینے جارہا ہو اور اللہ اکبر کی صدا پر بچے تالیاں بجانے لگے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

بتاؤ، ہوں تو میں تمہاری جیٹھانی...... پر کبھی اپنی چھوٹی بہنوں سے کم سمجھا ہے تمہیں...... بولو بتاؤ!'' اپنے ملگجے دوپٹے کے پلو سے اپنی بھیگی آنکھیں پونچھتے ہوئے آسیہ نے نفی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں آپا...... میں نے ایسا تو نہیں کہا...... اب تو بس آپ لوگوں کا ہی سہارا ہے......'' شمشاد نرم آواز میں کہنے لگیں۔

''اور تمہارے بھائی صاحب...... وہ تو بھائی کا غم بھلا نہیں پا رہے...... بس اندھیرے کمرے میں پڑے رہتے ہیں...... دونوں بھائیوں میں دانت کاٹے کی دوستی تھی...... انہیں تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ محمود بھائی گزر چکے ہیں۔'' اب کے آسیہ رونے لگیں...... گلوگیر آواز میں بولیں۔

''یقین تو نہ مجھے آ رہا ہے آپا اور نہ بچیوں کو...... ٹھیک ٹھاک تو آفس گئے تھے...... ہمیشہ کی طرح ہنستے مسکراتے...... کیا خبر تھی کہ اپنے پیروں سے واپس آنا نصیب نہیں ہوگا......'' وہ زار و قطار رونے لگیں۔

''ہاں......'' شمشاد دکھی آواز میں بولیں۔ ''دل کا دورہ اتنا شدید تھا کہ اسپتال جانے کی بھی نوبت نہیں آئی...... اور ان کا غم اتنا بڑا ہے کہ چہلم گزر گیا...... پر لگتا ہے محمود بھائی کو گزرے دو دن بھی نہیں ہوئے...... اُن کا غم تازہ کا تازہ ہے...... پرانا ہی نہیں ہوتا۔'' اپنے بہتے آنسوؤں کو روکتے ہوئے آسیہ بی بی بولیں۔

''اور کبھی پرانا ہوگا بھی نہیں...... لیکن...... مجھے تو اپنی کوئی فکر نہیں...... فکر ہے تو چاروں بچیوں کی...... میں یہ سب اکیلی کیسے کر پاؤں گی...... مجھے تو محمود نے ہمیشہ ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا...... کبھی کوئی ذمے داری اٹھانے نہیں دی...... ہمیشہ خود ہی ساری ذمے داری اٹھاتے رہے...... لیکن اب...... اب بچیوں کے رشتے کیسے ہوں گے...... کس طرح ہوں گی ان کی شادیاں......'' وہ اب اور زیادہ زور شور سے رونے لگیں تو شمشاد نے نرم آواز میں انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''تم فکر کیوں کرتی ہو آسیہ...... ہم ہیں نا تمہارا ساتھ دینے والے......'' پھر وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں۔

''میرے بیٹے مان جاتے تو کتنی آسانی ہوتی نہ مجھے بہویں ڈھونڈنی پڑتیں...... نہ تمہیں داماد ڈھونڈنے کی ضرورت ہوتی...... میرے تینوں بیٹے تمہارے داماد بن جاتے...... تمہارے بھائی صاحب کی بھی یہی خواہش تھی...... لیکن کیا کریں...... تینوں نہیں مان رہے...... کہتے ہیں عنبرین، زرین، افشین اور نورین چاروں ان کے ساتھ ایک آنگن میں کھیل کر بڑی ہوئی ہیں۔ چاروں ان کی بہنوں جیسی ہیں...... اب بھلا بہنوں سے شادیاں ہو سکتی ہیں کیا؟'' آسیہ نے جلدی سے کہا۔

''نہیں...... نہیں آپا...... آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں، میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا...... ہر کسی کو اپنی پسند کی زندگی جینے کا حق حاصل ہے...... اور بچے ٹھیک بھی تو کہہ رہے ہیں...... سب بہن بھائیوں کی طرح ایک ہی آنگن میں کھیل کر بڑے ہوئے ہیں...... اب دوسری نظر سے کیسے دیکھ سکتے ہیں ایک دوسرے کو......'' شمشاد اٹھتے ہوئے بولیں۔

''اچھا آسیہ...... اب چلتی ہوں...... مجاہد کو آج دورے پر جانا ہے...... اس کے لیے کھانا بنانا ہے، جانتی ہو نا تم بھوک کا کتنا کچا ہے وہ......'' کٹی ہوئی سبزی کا تھال اٹھاتے ہوئے آسیہ بولیں۔

''افشین کو لے جائیں آپا...... کھانا بنانے میں مدد کر دے گی......'' شمشاد جاتے جاتے بولیں۔

''نہیں رہنے دو...... بے چاری بچیاں باپ کی ...ت کا غم بھلا نہیں پائیں...... اب میں انہیں کام پر ...تی اچھی لگوں گی کیا......؟'' شمشاد چلی گئیں تو ...یہ بی بی کٹی ہوئی سبزی لے کر کچن میں آ گئیں...... ...دکھ بھرے لمحات میں شمشاد کا دم بھی غنیمت تھا جو ...اغہ روازنہ آ جاتیں...... اور ہر ممکن طریقے سے ...یہ کی دل جوئی کرتیں...... ایک ٹھنڈی سانس بھر کر ...یہ نے سوچا۔

''آج کل کسی کے پاس اتنا وقت ہی کب ہوتا ...، اچھے رشتے دار بھی اللہ کی نعمت ہوتے ہیں۔ ...مان علی اور محمود علی دونوں بھائیوں میں بہت محبت ...... اور شمشاد آپا نے بھی ہمیشہ بڑی بہنوں کی ...ح مجھے ٹریٹ کیا...... اب بچوں پر تو کسی کا بس ...ں چلتا......'' وہ سوچوں میں مگن تھیں۔

''کیا سوچ رہی ہیں چچی......؟'' فیصل جو ...مان علی کا چھوٹا بیٹا تھا کھڑکی کے کواڑ کو انگلیوں ...ے بجاتے ہوئے بولا۔

''ارے بیٹا...... تم......؟ آؤ نا...... اندر ...اؤ۔'' آسیہ بی بی اپنے سوچوں کو ذہن سے دھکیل ...خوش باشی سے بولیں تو وہ پل بھر میں اندر آ گیا۔

''پہلے یہ بتائیں...... کیا پکا رہی ہیں؟''

''گوشت میں کدو ڈال رہی ہوں۔'' آسیہ بی بی ...سکرا کر بولیں۔

''چلیں ٹھیک ہے...... آپ جو بھی پکائیں ...ذ ہی ہوتا ہے...... ایک ہماری اماں ہیں...... چکن ...نی بنواؤ ان سے مٹن کڑاہی یا زردہ...... سب کا ...قہ ایک سا ہوتا ہے۔''

''چل ہٹ......'' آسیہ بی بی ہنس دیں...... ...نمکین اور میٹھے کا ذائقہ کب ایک سا ہوتا ہے۔''

''آپ نے کبھی ہمارے گھر کا سالن نہیں چکھا۔'' وہ شرارت سے بولا۔ ''ورنہ آپ سمجھ جاتیں کہ کیا میٹھا کیا نمکین...... بس سارا کچھ مکس کر کے ملغوبا سا بن جاتا ہے جو ہم کھاتے ہیں...... لیکن آج میرا دل آپ کے ہاں کھانا کھانے کو چاہا تو میں سب چھوڑ چھاڑ یہاں آ گیا۔''

''سو بار آؤ بیٹا...... یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔'' آسیہ بی بی نے محبت سے کہا۔ ''بس کھانا ابھی تیار ہو جاتا ہے...... اصل میں آپا آ گئی تھیں تو باتوں میں دیر ہو گئی۔'' وہ دیگچی میں تیل ڈالتے ہوئے بولیں تو فیصل بولا۔

''چچی...... آپ کھانا تیار کیجیے...... میں ان چڑیلوں سے مل کر آتا ہوں۔'' وہ قلانچیں بھرتا ہوا اندر کمرے میں چلا گیا...... تیسرے نمبر کی افشین سلائی مشین کے آگے بیٹھی اپنی شرٹ سی رہی تھی جبکہ چوتھے نمبر کی گڑیا استری اسٹینڈ کے آگے کھڑی کپڑے استری کر رہی تھی۔

''ہیلو...... کیا ہو رہا ہے بھئی......؟'' وہ ہنستا ہوا افشین کے پاس چوکڑی مار کر بیٹھ گیا...... گڑیا نے اسے سلام کیا، افشین نے بھی سلام کیا۔

''جیتی رہو...... پھولو پھلو......'' وہ بڑی عورتوں کے انداز میں انہیں دعا دیتے ہوئے بولا تو نورین عرف گڑیا بے ساختہ ہنس دی لیکن افشین کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''آئینے میں جا کر دیکھ لو ہنستے مسکراتے ہوئے تم دونوں کتنی اچھی لگ رہی ہو۔''

''ہاں فیصل بھائی......'' گڑیا ایک دم اداس ہو کر بولی۔ ''لیکن جب سے ابو فوت ہوئے ہیں ہمارا کسی چیز میں دل ہی نہیں لگ رہا...... نہ ہمیں بولنا اچھا لگتا ہے...... نہ ہنسنا اور نہ کوئی اور کام......'' فیصل نے دیکھا افشین اپنے آنسو چھپانے کے لیے مشین

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پر جھک گئی تھی۔ فیصل کو لگا جیسے اس کے دل میں کسی نے تیز انی چبھو دی ہو، وہ دونوں کو سمجھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو افشین...... گڑیا...... حادثے تو زندگی کے ساتھ جڑے ہوتے ہیں اگر ہم اس طرح یہ غم دل سے لگا کر بیٹھ جائیں گے تو زندگی آگے کیسے چلے گی...... اور تم چاروں بہنوں کو تو چچی کے لیے سوچنا چاہیے...... انہیں تسلی دینی چاہیے...... وہ کتنی اکیلی رہ گئی ہیں...... یہ سب سوچنا چاہیے...... ورنہ ایسا کیسے چلے گا؟"

کھانے کی میز پر بھی وہ ہنسی مذاق کرتا رہا...... سب کا غم بٹانے کے لیے لطیفے سناتا رہا...... وقتی طور پر سب بہل بھی گئے...... اس دوران میں عنبرین اور زرین بھی یونیورسٹی سے آ گئیں...... عنبرین سب سے بڑی تھی زرین دوسرے نمبر پر تھی...... دونوں سوشیالوجی میں ماسٹرز کر رہی تھیں...... افشین تیسرے نمبر پر تھی...... وہ بی ایس سی کر رہی تھی...... چھوٹی نورین اس سال کالج میں گئی تھی...... وہ فرسٹ ائیر کی اسٹوڈنٹ تھی...... محمود کو بہت شوق تھا کہ بچیاں پڑھ لکھ کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائیں جبکہ آسیہ بی بی ان کے بڑھتے قد دیکھ دیکھ کر ہولتی رہتیں۔ سلطان کے تینوں بیٹے انہیں بہت پسند تھے اور محمود بچیوں کے بچپن میں کہتے تھے کہ وہ اپنی تینوں بیٹیوں کو سلطان بھائی کے بیٹوں سے بیاہیں گے...... لیکن جب بچے بڑے ہو گئے تو محمود نے پھر یہ بات نہیں کی لیکن آسیہ بی بی جانتی تھیں کہ ان کے دل میں کہیں یہ خواہش کنڈلی مارے بیٹھی ہوئی ہے...... لیکن وہ خود کچھ کہنے کے بجائے بھائی کے منہ سے اس خواہش کا اظہار چاہتے تھے لیکن ان کی زندگی میں ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی...... اور اب شمشاد کے منہ سے آسیہ بی بی کو معلوم ہو گیا تھا کہ سلطان بھائی ان کی بیٹیوں کے لیے دستِ سوال دراز کیوں نہیں کرتے...... اس بات میں نہ سلطان بھائی کا قصور تھا نہ ہی شمشاد آپا کا...... بلکہ قصور تو ان کے بیٹوں کا بھی نہیں تھا کہ ہر کسی کو حق ہے کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرے...... لیکن فیصل کو دیکھ کر اُن کے دل میں یہ دبی ہوئی خواہش انگڑائی لے کر اٹھ کھڑی ہوتی کہ کاش فیصل ان کا داماد بن جاتا...... ان کی افشین کا شوہر بن جاتا...... ان کی کوئی ایک بیٹی تو سلطان بھائی کے گھر بیاہ کر جاتی...... سلطان بھائی کے دونوں بڑے بیٹے ندیم اور مجاہد بھی بہت اچھے تھے...... باہر کے سارے چھوٹے موٹے کام، اپنے کاموں کے ساتھ ساتھ ان کے بھی کر لیتے لیکن فیصل تو سب سے بڑھ کر تھا...... وہ بے انتہا ہمدرد، پُرخلوص اور محبت کرنے والا لڑکا تھا...... اور چچا کے گھرانے سے اسے دلی انسیت تھی...... وقت بے وقت آ دھمکتا...... جولی اتنا کہ روتوں کو ہنسانے کی قدرت رکھتا تھا...... بالکل اپنے چچا کی طرح...... محمود بھی ہنسنے ہنسانے والے بندے تھے...... کبھی کسی بات سیریس نہیں لیتے تھے...... آسیہ بی بی نے انہیں تب تھوڑا سا اپ سیٹ دیکھا تھا جب سلطان بھائی کے بڑے بیٹے ندیم کی منگنی ان کے بزنس پارٹنر کی بیٹی کے ساتھ ہو رہی تھی...... شاید وہ دل میں ندیم سے اپنی بڑی بیٹی عنبرین کا رشتہ چاہتے تھے...... لیکن ان کی یہ کیفیت ایک دن ہی رہی...... بعد میں وہ خود بخود ٹھیک ہو گئے...... اور پورے دل سے ندیم کی منگنی کی تیاریوں میں شریک رہے بلکہ منگنی والے دن بھی کام اپنی نگرانی میں کرایا...... لیکن آسیہ بی بی ان کی شریکِ حیات تھیں...... وہ جانتی تھیں کہ اس دن ان کی ہنسی بے جان سی تھی...... جیسے زبردستی ہنس رہے ہوں...... انہوں نے اپنے شوہر پر کچھ بھی ظاہر نہیں کیا لیکن سب سے چھپ چھپ کر وہ کئی بار رو چکی تھیں...... لیکن اس میں سلطان بھائی اور شمشاد آپا کا کیا قصور تھا...... جب اولاد نہ مانے تو...... والدین کیا کر سکتے ہیں...... ندیم کی شادی ہو گئی۔ وہ اچھی پوسٹ پر تھا...... شادی کے ایک ماہ بعد اس کی پوسٹنگ کراچی ہو گئی اور وہ بیوی کو لے کر کراچی شفٹ ہو گیا...... شمشاد آپا بیٹے اور بہو کے جانے کے بعد بوکھلائی بوکھلائی سی گھر میں پھرتی رہتیں...... وہ شروع سے بیٹی کی خواہش رکھتی تھیں، بہو سے یہ تشنگی مٹانے کی کوشش کی لیکن وہ تو تیس دن یہ مشکل ان کے ساتھ رہی۔

مجاہد کو جیسے ہی جاب ملی...... شمشاد کو اب اس کی شادی کی جلدی ہونے لگی...... آگے پیچھے کے بچے تھے...... مجاہد کو جاب ملے سال بھی نہیں ہوا تھا کہ فیصل نے انجینئرنگ کر لی اور اسے ایک مشہور کمپنی میں جھٹ پٹ جاب بھی مل گئی...... مجاہد کے لیے وہ اپنی بھتیجی اور فیصل کے لیے ایک بھانجی لانا چاہتی تھیں...... ان دنوں جب وہ ان کے پاس آ کر بیٹوں کے رشتوں کے بارے میں بات کرتیں تب محمود زندہ تھے...... آسیہ بی بی ان سے یہ ساری باتیں چھپا لیا کرتیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ندیم کی شادی کا تازیانہ اُن کے دل پر لگا ہے اور اب مجاہد اور فیصل کی شادیاں کہیں اور ہوں یہ وہ برداشت نہیں کر پائیں گے...... لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی...... ابھی کچھ فائنل نہیں ہوا تھا کہ اوپر سے ان کا بلاوا آ گیا...... بات وقتی طور پر دب گئی کیونکہ محمود کا غم سلطان بھائی کے گھرانے کا بھی غم تھا...... دونوں گھرانوں کے دکھ سکھ سانجھے تھے...... لیکن جانے والے چلے جاتے ہیں پر زندگی...... اسی طرح چلتی رہتی ہے زندگی آہستہ آہستہ معمول پر آ گئی...... مالی طور پر بہت آسودگی تو نہیں تھی پھر بھی محمود نے اپنے گھرانے کے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑا تھا...... جس سے گزارہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

"اماں...... ماموں اور ممانی آئے ہیں ماجد بھائی بھی ان کے ساتھ ہیں۔" گڑیا نے آ کر اطلاع دی تو آٹا گوندھ کر برتن میں سلیقے سے رکھتے ہوئے آسیہ بی بی نے نلکے کے پاس جا کر اپنے ہاتھ دھوئے اور ان کے استقبال کے لیے آ گئیں...... میکے میں ان کا یہی ایک بھائی تھا، ماجد اُن کا اکلوتا بیٹا تھا۔ محمود کی زندگی میں ان کا اتنا زیادہ آنا جانا تو نہیں تھا لیکن جب سے محمود گزر گئے تھے...... وہ بہن کی خیر خبر لینے ضرور آ جاتے...... محمود کی موت سے چند دن قبل وہ دونوں میاں بیوی اپنے بیٹے ماجد کے لیے عنبرین کا رشتہ مانگنے آئے تھے...... ماجد نے مقابلے کا امتحان پاس کیا تھا اور حال ہی میں وہ پولیس میں آفیسر لگا تھا...... آسیہ کے بھائی بھی مالی طور پر خاصے مضبوط تھے...... آسیہ پر تو شادیِ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی...... انہیں امید نہیں تھی کہ ان کا بھائی اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے ان کی بیٹی کا انتخاب کرے گا...... ان کے بھائی اپنے بیٹے کا رشتہ ڈال کر اور چند دنوں بعد جواب لینے کا کہہ کر چلے گئے...... وہ بے چینی سے محمود کے گھر آنے کا انتظار کرنے لگیں لیکن جب آسیہ بی بی نے جوش و خروش سے انہیں ساری بات کہہ دی تو محمود نے منہ پھلا لیا...... اور جلدی سے بولے۔

"کیوں، میرے بھتیجے مر گئے ہیں کیا...... جو میں اپنی بیٹی کا رشتہ تمہارے بھتیجے کو دوں گا؟" آسیہ بی بی ہکا بکا رہ گئیں...... وہ جانتی تھیں کہ شمشاد، مجاہد کے لیے اپنی بھتیجی اور فیصل کے لیے اپنی بھانجی لانا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

چاہتی ہیں...... لیکن یہ بات محمود کو معلوم نہیں تھی...... وہ ان کو حقیقت بتانا بھی نہیں چاہتی تھیں سو نرم لہجے میں بولیں۔

’’اس میں میرا آپ کا کہاں سے آگیا ہمیں اپنی بیٹی کے لیے اچھا رشتہ دیکھنا ہے اور ماجد ہر لحاظ سے ہماری بیٹی کے لیے اچھا بر ثابت ہوگا۔‘‘ وہ اسی بگڑے موڈ کے ساتھ بولے۔

’’اور مجاہد یا فیصل ہماری بیٹی کے لیے برے بر ثابت ہوں گے...... یہی کہنا چاہتی ہو نا تم......‘‘ اب بھی وہ اصلی بات ظاہر کر کے ان کے دل کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتی تھیں سو رسان سے بولیں۔

’’ہماری اور بھی بیٹیاں ہیں...... مجاہد اور فیصل کے ساتھ تو سب چل سکتی ہیں...... ان کی ایج میں اتنا ڈیفرنس نہیں ہے...... لیکن عنبرین کے لیے یہ رشتہ بہت بہتر ثابت ہوگا۔‘‘ محمود نے غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

’’وہ تمہارا بھائی...... وہ تو اکڑ کر بیٹھا رہتا ہے۔‘‘

آسیہ بی بی ان عورتوں میں سے نہیں تھیں جو اپنی بات منوانے کا گُر جانتی ہوں...... انہوں نے ہمیشہ شوہر کی مرضی کی تھی...... اب بھی ظاہر ہے بھتیجے کے لیے کوئی اسٹینڈ نہیں لے سکتی تھیں...... سو رو...... کر چپ ہوگئیں...... بھائی بھابی ابھی جواب لینے نہیں آئے تھے کہ محمود کی موت ہوگئی اور وقتی طور پر بات دب گئی...... محمود کی مرضی کے خلاف وہ ان کی موت کے بعد بھی نہیں چلنا چاہتی تھی لیکن انہوں نے سوچا اگر حقیقت محمود کے علم میں آجاتی تو یقیناً وہ ماجد کے بارے میں اس طرح دوٹوک انکار نہ کرتے...... محمود کا چہلم ہوا تو انہوں نے یہ بات شمشاد آپا کے کانوں میں ڈالی...... وہ سن کر حیران رہ گئیں۔

’’کیا کہہ رہی ہو آسیہ...... تمہارے بھائی نے رشتہ محمود کی زندگی میں ڈالا تھا...... اور تم مجھے اب بتا رہی ہو...... ان کا لہجہ شکایتی سا ہوگیا...آسیہ بی بی اپنی جگہ چوری بن گئیں...... لیکن کیا کہتیں کہ محمود نے کیا کہا تھا...... کس بنا پر وہ اتنا اچھا رشتہ رد کر رہے تھے...... ظاہر ہے اپنی بیٹیوں کو اس طرح سستا کرنا بھی انہیں منظور نہیں تھا...... سو چپ ہو رہیں...... شمشاد بولیں۔

’’چلو...... ہوگی کوئی وجہ...... جو تم نے ہمیں نہیں بتایا...... لیکن اس طرح فوری طور پر ہاں مت کردینا...... میں ندیم سے کہہ کر ماجد کے متعلق معلومات کراؤں گی کہ لڑکے کا چال چلن کا کیسا ہے۔ اکلوتا اور لاڈلا بیٹا ہے...... لاڈ پیار میں بچے بگڑ جاتے ہیں...... اس کی پوسٹنگ کراچی میں ہے نا......‘‘ آسیہ کا سر اثبات میں ہل گیا۔

’’تو تم چار پانچ بار سے زیادہ اپنے بھائی کے گھر گئی بھی نہیں ہوگی...... تمہیں کیا پتا کہ بھتیجا کن عادات و اطوار کا مالک ہے...... اب اپنی بیٹی کو بنا جانچ پڑتال کے کھائی میں تو نہیں پھینک سکتے......‘‘ پھر وہ ٹھنڈی سانس بھر کر گلوگیر لہجے میں بولیں۔

’’اب میرے بیٹوں کو کون سمجھائے...... ندیم میں نے اور سلطان نے عنبرین کے لیے کتنا فورس کیا تھا...... مگر کم بخت نے گھر چھوڑ کر جانے کی دھمکی دے دی...... اور اب مجاہد اور فیصل...... وہی بات ندیم کہتا تھا...... یہ بھی دونوں کہتے ہیں کہ بہنوں کی طرح لگتی ہیں چچا کی بیٹیاں...... ہماری تو اپنی بہنیں نہیں تھیں تو چچا کی چاروں بیٹیوں کو اپنی سگی بہنوں کی طرح سمجھتے تھے اور آپ لوگ ہماری ان سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔‘‘ آسیہ سر جھکائے سنتی رہیں وہ جاتے جاتے انہیں تسلی دے گئیں۔

’’تمہاری بیٹیوں کے لیے اچھے رشتے آئیں گے، تم غم نہ کرو...... کیا کمی ہے ہماری بچیوں میں...... خوب صورت ہیں، پڑھی لکھی ہیں، باکردار ہیں، کون سی صفت ہے جو اُن میں نہیں ہے...... اور سنو ماجد کے لیے ابھی ہاں نہ کرنا...... ندیم سے میں آج ہی بات کروں گی...... وہ دو تین دن میں اپنی رپورٹ دے دے گا...... تب بات آگے چلائیں گے۔‘‘

☆☆☆

ابھی ندیم کی رپورٹ آئی نہیں تھی اور بھائی بھابی پہلے آگئے...... بھائی ریزرو بندے تھے...... دو چار باتوں سے زیادہ بات نہ کرتے...... آسیہ بی بی اور ان کے بھائی کے درمیان بے تکلفی تو تھی نہیں...... بھائی ان سے بڑے تھے...... بھابی کے ہاتھ سونے سے پیلے ہوتے...... کپڑے انتہائی مہنگے بوتیک سے خریدے ہوتے...... وہ گم صم سی اُن کے ساتھ بیٹھی رہتیں...... گھر سے باہر جانے کی ان کی عادت نہیں تھی، اچھے برے موقع پر وہ بھائی کے گھر ایک آدھ گھنٹے کے لیے چلی جاتیں...... محمود تو ان کے ساتھ کبھی نہیں گئے...... انہیں ان کے بھائی کی ریزرو طبیعت بالکل نہیں بھاتی تھی...... وہ انہیں مغرور سمجھتے تھے وہ خود بھی بولنے ہنسنے ہنسانے والے تھے اور دوسرے لوگوں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے اکیلی آسیہ کب تک جاتیں بلکہ وہ تو اپنے جیٹھ سلطان علی کے گھر بھی کم کم جاتی تھیں...... کبھی کسی خاص موقع پر...... ورنہ ان کا بڑا سا گھر اُن کے گھر کے ساتھ ہی تھا...... لیکن وہ نہ بچیوں کو وہاں زیادہ بھیجتیں نہ خود جاتیں زیادہ تر شمشاد ہی آیا کرتی تھیں...... بچیوں کو وہ تب بھیجتیں جب شمشاد کو کسی کام کے لیے ان کی ضرورت پڑتی...... آسیہ کے بھائی نے بہن کی عدت ختم ہونے کا انتظار کیا...... اس دوران وہ کئی بار آئے لیکن انہوں نے رشتے والی بات کا ذکر نہیں کیا...... لیکن اس بار آئے تو انہوں نے بہن سے کہہ دیا۔

’’آسیہ...... پھر کیا جواب ہے تمہارا......؟‘‘ آسیہ بی بی بوکھلا کر رہ گئیں...... نہ ہاں کہنے کا یارا تھا نہ ناں کہنے کا...... شمشاد آپا نے بھی دل میں شک ڈال دیا تھا...... وہ بے چینی سے ندیم کے فون کا انتظار کر رہی تھیں...... پھر بھی بھائی کو کچھ تو کہنا تھا...... سو سر جھکا کر بولیں۔

’’بھائی...... سلطان بھائی سے بات کروں گی...... ابھی فی الحال وہ...... بھائی کی موت کے غم سے نڈھال ہیں، آپ کو جلدی ہے کیا......؟‘‘

’’نہیں......‘‘ بھائی جلدی سے بولے۔

’’جلدی تو نہیں...... پر وقت بھی بہت بیت گیا...... ماجد کراچی میں ہوتا ہے...... وہ ہم سے الگ ہے...... میں کاروبار کی وجہ سے وہاں نہیں جاسکتا، بیوی ہوگی گھر میں...... تو اس کا خیال رکھے گی...... مجھے بھی تسلی رہے گی۔‘‘ آسیہ بی بی نرم آواز میں بولیں۔

’’میں انشاء اللہ جلد ہی سلطان بھائی سے بات کر کے آپ کو اطلاع کردوں گی......‘‘

وہ لوگ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے اس دوران بھابی چپ ہی رہی انہوں نے زیادہ بات نہیں کی...... آسیہ بی بی گہری سوچ میں گم بیٹھی رہیں...... کس سے بات کریں...... کس سے پوچھیں...... انہیں سمجھ نہیں آرہی تھی...... ساری رات وہ بے کل رہیں...... نیند آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔

’’بیٹیوں کی ماں ہونا بھی کتنا دل گردے کا کام ہے...... کاش محمود تم اپنی بیٹیوں کا بندوبست کر کے جاتے......‘‘ وہ رو رو کر سوچ رہی تھیں ساری رات

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تکیہ ان کے آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔ صبح شمشاد آپا آگئیں...... وہ بیٹھی کریلے چھیل رہی تھیں...... شمشاد آپا خوش ہوگئیں...... جلدی سے بولیں۔

''آج تو میں تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گی...... کریلے جیسی مشکل سبزی تو میں پکا ہی نہیں سکتی...... پکا بھی لوں تو زہر کی طرح کڑوے ہوتے ہیں......'' آسیہ کھلے دل سے بولیں۔

''ہاں آپا...... ضرور...... ویسے آپ نہ آتیں تو میں کریلے پکا کر ضرور بھیجتی آپ کے لیے......'' شمشاد آپا چھیل کر ان کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئیں اور کمرے کے اندر سے آتے ہوئے شور کو سن کر بولیں۔

''بچیاں ساری گھر میں ہیں؟''

''ہاں......'' آسیہ بی بی سرشاری سے بولیں۔

''جبھی اتنا شور ہو رہا ہے...... رونق ہوتی ہے ویسے بچیوں کے دم سے۔'' آسیہ بی بی سر جھکائے مسکراتی رہیں...... شمشاد آپا نے قدرے توقف سے آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا۔

''رات کو ندیم کا فون آیا تھا۔''

''کیا......؟'' آسیہ گڑ بڑا کر انہیں دیکھنے لگیں...... ان کا سارا جسم کان بن کر شمشاد آپا کی بات سننے لگا...... دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوگئی...... شمشاد آپا آواز کو اور زیادہ دھیما کرتے ہوئے بولیں۔

''ندیم کہہ رہا تھا کہ چاچی کو کہیں کہ ماجد کا رشتہ عنبرین کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔''

''کیا......؟'' ان کا دل بند ہونے لگا...... کریلا اور چھری دونوں ہاتھ سے گر گئے...... وہ کچھ بدحواسی سے شمشاد آپا کا چہرہ تکنے لگیں شمشاد آپا نے اپنی بات کو بڑھاوا دیتے ہوئے کہا۔

''وہ کہہ رہا تھا کہ ماجد کا کردار صحیح نہیں ہے، زیادہ دولت نے اس کا دماغ خراب کردیا ہے...... وہ نہ صرف شراب پیتا ہے بلکہ عورتیں بھی گھر لاتا ہے۔''

آسیہ بی بی کا رنگ پیلا زرد ہوکر رہ گیا...... وہ کرب کی شدت سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگیں...... ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے اُن کی آنکھوں سے حسین خواب نوچ کر پھینک دیے ہوں...... بالکل اچانک ہی اُن کے خواب لٹ گئے تھے...... سلطان بھائی کے بیٹوں سے ان کی بیٹیوں کی شادیاں نہیں ہوسکی تھیں...... تو یہی ایک آس تو تھی کہ چلو ایک بیٹی کی شادی تو اپنوں میں ہوجائے گی...... محمود کا بھتیجا نہیں...... تو خود اُن کا بھتیجا تو داماد بنا جائے گا اور بھائی بن کر اپنی تین سالیوں کو بیاہنے میں مدد کرے گا...... لیکن...... وہ برداشت نہیں کرسکیں اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''ارے...... رو کیوں رہی ہو آسیہ...... تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تمہاری بیٹی بچ گئی...... ورنہ بے خبری میں ماری جاتیں...... ارے...... میں تو کب سے کہہ رہی ہوں کہ ہم ہیں تو تمہیں فکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔'' آسیہ نے ٹھنڈی سانس بھری...... اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھے اور دوبارہ سے چھری اٹھا کر کریلے چھیلنے لگیں۔

☆☆☆

''اماں......'' عنبرین کئی دنوں سے ماں کی خاموش خاموش دیکھ رہی تھی...... عجیب سی گم صم رہنے لگی تھیں آسیہ...... نہ بیٹیوں کی باتوں میں پہلے کی طرح شریک ہوتیں...... نہ کوئی گپ شپ لگاتیں...... بس اپنے کام میں مگن رہتیں...... یا خلا میں گھورتی کچھ تلاش کرتی رہتیں شاید بیٹیوں کی خوشیاں...... عنبرین

بہنوں میں سب سے بڑی تھی اور وہ کئی دنوں سے ماں کی کیفیت نوٹ کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اماں کیوں اتنی افسردہ رہنے لگی ہیں۔

''ایک بات پوچھوں اماں......؟'' عنبرین نے اماں کو متوجہ دیکھا تو بولی...... آسیہ بی بی نے خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اماں...... آپ اچانک اتنی خاموش اور افسردہ کیوں رہنے لگی ہیں...... کیا کوئی بات ہوئی ہے؟'' آسیہ بی بی کچھ نہ بولیں...... وہ کیسے کہتیں...... کہ جب سے انہوں نے ماجد کے بارے میں سنا ہے ان کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا ہے...... ماجد کو داماد بنانا ان کا خواب تھا...... اور جو خواب ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں وہ بندے کا تن من بھی توڑ دیتے ہیں...... سو وہ بھی سہمی ہوئی ٹوٹی پھوٹی عورت بن گئی تھیں نہ ہی شوہر کے تینوں بھتیجوں میں سے کوئی ایک ان کا داماد بنا اور نہ ہی اپنا بھتیجا داماد بنا، وہ اپنے کس کس خواب کے ٹوٹنے کا دکھ مناتیں۔

''اماں......'' وہ ان کی چپ سے گھبرا کر بولی۔ ''ماموں ممانی بڑے دنوں سے نہیں آئے...... کیا آپ کی ان سے کوئی ناراضی ہوگئی ہے؟'' آسیہ بی بی نے چونک کر بیٹی کی طرف بڑے غور سے دیکھا...... انہیں اپنا شک صحیح لگنے لگا...... وہ ماجد کے آنے جانے سے جان گئی تھیں کہ وہ عنبرین کو پسند کرنے لگا ہے...... وہ عنبرین کو جن نظروں سے دیکھتا تھا اس سے آسیہ بی بی اس کی پسندیدگی جان گئی تھیں...... بعد میں جب بھائی نے عنبرین کا رشتہ مانگا تو ماجد کی پسند کنفرم ہوگئی...... لیکن آج عنبرین کے چہرے کے شفق رنگوں نے انہیں احساس دلایا کہ آگ یکطرفہ نہیں لگی تھی۔

''کاش...... میں تمہیں خوشیاں دے سکتی میری بچی......'' آسیہ بی بی نے لرزتے دل سے سوچا اور عنبرین کو کوئی جواب دیے بغیر کچن میں گھس گئیں۔

''بھابی کا فون آیا تھا کہ ان کی بہن کی بیٹی کی شادی ہے سو وہ اس بار جلدی نہیں آسکیں گے کیونکہ اس سلسلے میں بہت مصروفیت ہے...... اس دن شمشاد آپا کئی دنوں کے بعد آئی تھیں اور بڑی چپ چپ سی تھیں...... آسیہ بی بی کی تو اپنی ہزار پریشانیاں تھیں...... پھر بھی انہوں نے شمشاد آپا کی خاموشی محسوس کرلی...... وہ ایک ہمدرد دل رکھنے والی خاتون تھیں سو شمشاد آپا سے بڑی محبت سے پوچھا۔

''آپا...... کیا بات ہے...... آپ بڑی چپ چپ سی ہیں...... خیر تو ہے نا...... بھائی صاحب تو اچھے ہیں نا......؟'' ایک طویل سانس لے کر شمشاد آپا بولیں۔

''کیا بتاؤں آسیہ...... پر بتائے بغیر چارہ بھی تو نہیں...... آخر دکھ سکھ سننے والا تمہارے علاوہ اور کون ہے۔'' آسیہ بی بی نے حیرت سے انہیں دیکھا اور بولیں۔

''بتایئے نا آپا...... خدانخواستہ کوئی سیریس بات تو نہیں......؟'' شمشاد آپا دھیمے لہجے میں بولیں۔

''کیا بتاؤں آسیہ...... دراصل فیصل نے میری بھانجی ثوبیہ سے شادی کرنے سے انکار کردیا ہے۔'' آسیہ بی بی کی روح فنا ہونے لگی...... گھبرا کر بولیں۔

''کیا کہہ رہی ہیں آپا...... کیوں...... کیوں کیا ایسا فیصل نے...... مجھے...... بتائیں......'' شمشاد آپا گلوگیر آواز میں بولیں۔

''کسی لڑکی کا چکر ہے...... بس ماں کے آگے ڈٹ گیا ہے لیکن جانتا نہیں ماں کو...... ماں کا نام بھی شمشاد بانو ہے...... دیکھتی ہوں...... کیسے لاتا ہے اس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کو میرے گھر میں......'' وہ دانت کچکچا کر بولیں تو آسیہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑنے لگے ماں بیٹے کی متوقع لڑائی کا سوچ کر ہی آسیہ بی بی کے اوسان خطا ہونے لگے...... جلدی سے بولیں۔

''نہیں آپا...... ناراض مت ہوں...... وقتی جوش ہے...... خود ہی ٹھیک ہوجائے گا...... میں میں سمجھاؤں گی اسے۔'' شمشاد آپا گہری سانس لے کر بولیں۔

''نہیں...... تم رہنے دو...... تم بات ہی نہ کرو... خوامخواہ چڑ جائے گا کہ میں نے تمہیں کیوں بتادیا۔ بس تم دعا کرو...... کہ اس لڑکی کے لیے اس کے دل میں نفرت پیدا ہوجائے...... اور وہ ثوبیہ کے لیے مان جائے...... پانچ وقت کی نمازی ہو تم...... کروگی نا دعا اس کے لیے؟'' آسیہ بی بی صدقِ دل سے بولیں۔

''کیوں نہیں کروں گی آپا...... فیصل مجھے بیٹوں سے کم تھوڑی ہے۔'' اس بار شمشاد بیگم زیادہ دیر نہیں رکیں...... آسیہ بی بی نے کڑھی بنائی تھی...... انہوں نے بصد اصرار انہیں کھانے پر روکا لیکن وہ نہ رکیں...... آسیہ بی بی کو شمشاد آپا کا دکھ اپنے دل میں پنجے گاڑتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''یہ اولاد کا دکھ بھی بندے سے جینے کی خواہش چھین لیتا ہے...... اس لیے تو شمشاد آپا آج اتنی بجھی بجھی اور ڈپریس نظر آرہی تھیں ورنہ ہمیشہ کیسی کھلی کھلی اور خوش باش نظر آیا کرتی تھیں۔'' اس دن آسیہ بی بی سارا دن شمشاد آپا کے بارے میں سوچتی رہیں اور سوچ سوچ کر افسردہ ہوتی رہیں...... ''ہم دونوں گھرانوں کے دکھ سکھ ایک ہیں...... وہ ہمارا تھوڑا خیال کرتی ہیں، ماجد کے بارے میں ندیم سے کہہ کر پوچھ گچھ کرلی...... مجھے دکھ تو بہت ہوا لیکن عنبرین کو ماجد سے بیاہ دیتی تو وہ دکھ اس دکھ سے بہت زیادہ ہوتا...... بیٹی کی زندگی تباہ ہوتی وہ الگ......'' و سوچتی جاتیں اور دعا کرتیں جاتی کہ فیصل اس لڑکی بھول کر ثوبیہ سے شادی کے لیے مان جائے۔

☆☆☆

کئی دنوں سے شمشاد آپا نہیں آئی تھیں...... آسیہ بی بی کو رہ رہ ان کی فکر لگی ہوئی تھی...... کہیں فیصل سے لڑائی نہ ہوگئی ہو' فیصل بھی پچھلے کئی دنو سے نہیں آیا تھا...... کہیں شمشاد آپا ٹینشن سے بیمار پڑی ہوں...... ایک دو دن مزید ان کے آنے انتظار کیا لیکن تیسرے دن نہ رہ سکیں...... ہانڈ چولہا بچیوں کے حوالے کیا اور بے حد تشویش کے عا میں سلطان بھائی کے گھر کی طرف چل دیں... راستے میں جتنی آیتیں یاد تھیں سب پڑھ ڈالیں... کہ کوئی خطرے والی بات نہ ہو...... گیٹ کے اند گھسیں تو اندر خاموشی تھی...... لیکن اندر سے شمشاد آ کی پاٹ دار آواز کاریڈور تک آرہی تھی...... آسیہ ...ٹھٹک کر رک گئیں...... وہ ہمیشہ سے ایک بزد عورت تھیں...... کوئی تیز آواز میں بات کرتا... لڑائی جھگڑے کرتا تو وہ کونوں کھدروں میں گھ جاتیں، عمر گزر گئی پر یہ عادت نہ گئی...... اس وقت دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں...... قدم آگے چلنے انکاری ہوگئے...... دوسری تیز آواز فیصل کی تھی... کوئی زوردار معرکہ چل رہا تھا۔

''یہ کس وقت آگئی میں......'' انہوں نے خو کوسا...... ''اب بھلا ماں بیٹے کی لڑائی میں میرا کام......'' آسیہ بی بی کاریڈور کی دیوار سے چپک کر کھڑی ہوگئیں...... ''آگے جاؤں یا واپس لو جاؤں......'' وہ یہی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں کہ شمش آپا کی تیز گونجتی ہوئی آواز اُن کے کانوں سے ٹکرائی

''میں بار بار کہہ رہی ہوں کہ افشین اس گھر میں نہیں آئے گی...... نہیں آئے گی...... مگر تم میری بات سمجھ نہیں رہے ہو جو ہر بار یہ مقدمہ لے کر چلے آتے ہو...... تمہیں سیدھی بات کی سمجھ کیوں نہیں آتی۔''

''اس لیے کہ یہ سیدھی بات نہیں ہے......'' فیصل کی آواز ماں سے زیادہ کڑک دار تھی۔

''آپ ایسا کیوں کررہی ہیں اماں...... چچا کے گھرانے میں کیا خرابی ہے جو آپ ہماری شادی وہاں نہیں ہونے دے رہیں...... افشین میں کس چیز کی کمی ہے...... وہ خوب صورت نہیں، پڑھی لکھی نہیں، اس کا کردار اچھا نہیں، آخر ایسی کیا بات ہے بظاہر تو آپ چچی کے گھر ہر دوسرے روز جاتی ہیں اُن سے اور ان کی بیٹیوں سے اتنی اپنائیت اور محبتیں بگھارتی ہیں لیکن جب رشتہ کرنے کی بات آتی ہے تو آپ بدک جاتی ہیں...... یاد ہے ندیم بھائی بھی عنبرین سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن وہ آپ تھیں جنہوں نے ان کی ایک نہیں چلنے دی اور وہ آپ کی ضد پر قربان ہوگئے۔'' شمشاد آپا کڑوے لہجے میں اس سے زیادہ تیز آواز میں بولیں۔

''میں نے اسے کنویں میں گرنے سے بچالیا اور اب تجھے بچا رہی ہوں...... تیرے چچا محمود نے ساری عمر لطیفے سنا سنا کر ہنسی ٹھٹھول کر کے زندگی گزاردی...... ذرا بھی اپنی بیٹیوں کے مستقبل کے بارے میں نہیں سوچا کہ کل کو یہ بیاہی جائیں گی تو خالی ہاتھ جائیں گی کیا......؟ ہاں بھئی...... تعلیم ولادی بس...... لیکن آج کل ہر کوئی بیٹیوں کو پڑھاتا ہے لیکن ٹرک بھر بھر کر جہیز بھی دیتا ہے...... اب ندیم کی بیوی کو دیکھ لو...... کون سی چیز تھی جو اس کے جہیز میں نہیں آئی......'' اُن کے منہ سے بات چھینتے ہوئے فیصل نے کہا۔

''لیکن اماں...... بھابی کے جہیز کا آپ کو کیا فائدہ ہوا، وہ تو شادی کے ایک ماہ بعد ہی اپنا جہیز سمیٹ کر یہاں سے چلی گئی...... اور آنا تو دور کی بات...... وہ تو فون پر بھی آپ سے بات نہیں کرتی...... لیکن اگر اُن کے بجائے عنبرین، ندیم بھائی کی بیوی بنتی تو نہ آپ کو چھوڑ کر جاتی بلکہ آپ کے گھر میں ایک بیٹی کی خالی جگہ بھی پُر کرلیتی۔'' فیصل کی آواز سے گہرا دکھ چھلک رہا تھا لیکن شمشاد آپا اسی غصے بھری آواز میں بولیں۔

''نہیں کرنی مجھے ان کنگلوں کے خاندان کی بیٹی سے شادی...... نہیں لانی مجھے اس آسیہ...... میسنی...... گھنی کی بیٹیاں اپنے گھر...... اور اپنے گھر میں تو خیر کبھی اس کی بیٹیاں نہیں لاؤں گی لیکن کسی اور اچھے گھر میں بھی اس کی بیٹیاں بسنے نہیں دوں گی...... میں آسیہ کو کبھی اپنے آگے سر نہیں اٹھانے دوں گی دیکھ لینا...... اس کا کوئی بھی داماد اس قابل نہیں ہوگا کہ جسے وہ فخر سے کسی سے متعارف کراسکے...... میں نے رشتے کرانے والی عورت سے اُن کے رشتوں کے لیے کہہ رکھا ہے اور اس کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ رشتے کیسے ہونے چاہئیں......'' فیصل کی آواز میں اب دکھ کے ساتھ ساتھ گہری حیرت بھی تھی۔

''لیکن اماں...... کیوں...... کس لیے آپ چچی سے اتنی دشمنی کررہی ہیں...... اب تو وہ اور بھی قابلِ رحم ہوگئی ہیں...... چچا کی وفات کے بعد وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ کتنی اکیلی رہ گئی ہیں...... انسان غیروں کے ساتھ بھی احسان کرلیتا ہے اور چچی تو پھر بھی ہماری اپنی ہیں...... اور اوپر سے وہ کتنی اچھی ہیں۔'' شمشاد آپا بولیں تو ان کی آواز میں گہرا طنز تھا وہ فیصل کی بات کاٹتے ہوئے بولیں۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہاں ساری عمر تمہارے ابا مجھے ان کی اچھائیوں کا درس دیتے رہے..... آسیہ یہ کرتی ہے..... آسیہ وہ کرتی ہے..... میں کچھ بھی کرلی..... وہ انہیں نظر نہ آتا..... بس آسیہ کی اچھائیاں نظروں میں رہتیں..... وہ اچھا کھانا بناتی ہے تم اس جیسا کھانا نہیں بناسکتیں..... جب میرے بیٹے پیدا ہوئے تو میں نے سوچا اب سلطان کے دل میں میری محبت جاگ جائے گی لیکن میں یہاں بھی مات کھا گئی...... دیکھو آسیہ اپنی بچیوں کو کتنا صاف ستھرا رکھتی ہے جبکہ تمہارے بیٹے گندے سندے رہتے ہیں..... غرض ہر بات میں مقابلہ ..... ہر بات میں اس کی تعریفیں..... ساری عمر سن کر میرے کان پک گئے تھے.....'' فیصل حیرت کی انتہاؤں پر پہنچ گیا..... اس کی رکی رکی آواز سنائی دی۔

''لل..... لیکن اماں اس میں چچی کا کیا قصور ہے؟'' اپنی پاٹ دار آواز میں شمشاد آپا بولیں۔

''یہ قصور..... وہ معصوم بن کر ہر جگہ مجھے نیچا دکھاتی..... ہر دوسرے دن محمود اپنے بھائی کے لیے ان کی پسند کی ڈش لے کر آجاتے..... جسے وہ چٹخارے لے لے کر کھاتے جاتے..... لیکن ساتھ یہ بھی ضرور کہتے..... معلوم نہیں شمشاد کے ہاتھ میں سواد کیوں نہیں ہے..... محمود بیوی کی تعریف سن کر پھول کر کپا ہوجاتا اور اگلے دن اس سے زیادہ مزیدار ڈش لے کر آجاتا..... یہ سب مجھ پر..... میرے دل پر بیتی ہے..... ایک سے ایک بڑی قیامت..... اور اب تم کہتے ہو کہ میں اس میسنی کی بیٹیوں کو اپنے گھر لاکر اپنے گھر میں خود پر زمین تنگ کرلوں..... ہرگز نہیں..... میں نے نہ ندیم کی مانی نہ مجاہد کی..... مجاہد بھی چچا کی بیٹی سے شادی کا خواہش مند تھا میں نے ان دونوں کی نہیں سنی..... تو تمہاری کیا سنوں گی..... بس تم اپنی ضد سے باز آجاؤ.....'' فیصل رک رک کر بولا۔

''لیکن اماں..... میں شادی کروں گا تو افشین سے ورنہ کسی سے نہیں..... میری شادی کا خیال اپنے دل سے ہمیشہ کے لیے نکال دیجیے۔'' وہ ان کی مزید کوئی بات سنے بغیر کمرے کے دروازے کو تیزی سے بند کر کے باہر نکلا..... اور عین اس وقت آسیہ بی بی اپنے دل کے ٹکڑوں کو بڑی مشکل سے سنبھالے گیٹ سے بھاگتے ہوئے نکل رہی تھیں..... لیکن فیصل نے ان کی ایک جھلک دیکھ لی تھی اور وہ اپنی جگہ پر پتھر کا بت بن کر رہ گیا۔

☆☆☆

''اماں..... آج تیسرا دن ہے..... آپ نے کچھ نہیں کھایا، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا.....؟'' عنبرین آسیہ بی بی کے پاس بیٹھی ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے گلوگیر آواز میں ان سے پوچھ رہی تھی..... دوسرے نمبر کی زرین پاس بیٹھی ماں کو تشویش سے دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

''اماں..... اتنی ڈپریس تو آپ ابو کی وفات پر بھی نہیں لگ رہی تھیں..... ایسی کیا بات ہوگئی آپ ہمیں بتا بھی نہیں رہیں اور اس قدر الجھی ہوئی اداس نظر آرہی ہیں۔'' افشین اور نورین عرف گڑیا بھی ماں کے پاس آکر کھڑی ہوگئی تھیں..... افشین کہہ رہی تھی۔

''اماں جب سے تایا کے گھر سے لوٹی ہیں تب سے ان کی یہ حالت ہوگئی ہے..... اماں..... کیا تایا کے گھر میں کوئی بات ہوگئی ہے؟'' وہ چاروں ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں..... آسیہ بی بی کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ بیٹیوں کو کیا جواب دیں۔

''نہیں۔'' انہوں نے دل ہی دل میں طے کرلیا کہ

شاد آپا کا بھرم اپنی بیٹیوں کے آگے کھونے نہیں دے گی..... کہ خدا کا فرمان ہے کہ تم میرے بندوں کی عزت رکھو تو میں تمہاری عزت رکھوں گا..... وہ چاروں بیٹیوں کی سوالیہ نظروں سے نروس ہوئی جا رہی تھیں اور کوئی معقول بہانہ ڈھونڈ رہی تھیں کہ خدا نے ان کی سن لی اور فون کی گھنٹی زوردار آواز میں بج اٹھی..... بیٹیوں کو سر جوڑ کر بیٹھا چھوڑ کر وہ فون سننے چلی گئیں..... فون سلطان بھائی کے بیٹے ندیم کا تھا وہ چھوٹتے ہی بولا۔

''کیسی ہیں چچی آپ..... اور وہ چاروں گڑیلیں کیسی ہیں؟''

''ٹھیک ہوں بیٹا..... وہ چاروں بھی ٹھیک ہیں۔'' ندیم کا فون سن کر آسیہ بی بی کو حیرت ہوئی..... ندیم نے کبھی فون نہیں کیا تھا..... وہ شروع سے بے پرواقسم کا لڑکا تھا۔

''وہ..... دراصل چچی..... اماں کے گھر کوئی فون نہیں اٹھا رہا..... مجاہد اور فیصل اپنے آفس میں ہوں گے ان کے سیل پر فون کرنے کا کوئی فائدہ نہیں..... ابا کا موبائل بھی آف جارہا ہے..... مجھے ان سے ضروری بات کرنی تھی..... ہوسکتا ہے ان کا ریسیور غلط رکھا گیا ہو..... آپ پلیز.....''

''ہاں بیٹا..... کیوں نہیں..... ابھی کسی کو بھیج کر پتا کروالیتی ہوں۔'' وہ شکریہ کہہ کر فون بند کرنے لگا تھا کہ اچانک آسیہ بی بی کو کچھ خیال آیا تو وہ جلدی سے پوچھنے لگیں۔

''بیٹا..... ایک بات تو بتاؤ..... وہ ماجد..... تمہارا بھتیجا..... تم اس سے ملتے تو ہونا.....؟''

''ارے ہاں چچی..... ایک تقریب میں ہماری ملاقات ہوئی تھی..... بس اس کے بعد تو ہم دونوں ایک دوسرے کے پکے دوست بن گئے ہیں..... ہمارے تو گھر بھی آتا جاتا ہے وہ..... بڑا ہی اچھا لڑکا ہے.....'' کچھ جھجک کر..... رک رک کر انہوں نے پوچھا۔

''بیٹا..... کیا وہ شراب پیتا ہے..... اور..... اور کیا وہ اور بھی غلط کام کرتا ہے..... مطلب..... غلط عورتوں کو گھر میں لانا وغیرہ.....'' اتنی سی بات کرتے ہوئے بھی مارے خفت کے اُن کے ماتھے پر پسینہ آگیا..... ندیم لاکھ ان کی اولاد جیسا تھا پر کبھی انہوں نے اتنی آزادی سے کوئی بات نہیں کی تھی لیکن دوسری طرف ندیم کی حیرت دیدنی تھی۔

''ارے چچی..... یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ..... یہ کس نے آپ کے کان بھرے ہیں..... ماجد جیسا لڑکا تو پورے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں نہیں ہوگا، نماز روزے کا پابند..... کسی بھی حالت میں جھوٹ نہ بولنے والا اور مظلوم اور بے گناہ لوگوں کی داد رسی کرنے والا..... سچی بات کہوں تو اگر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں دو چار اور لوگ ماجد جیسے سامنے آئے تو سارے ملک کے آدھے سے زیادہ جرائم تو ختم ہوجائیں گے..... لیکن پلیز..... چچی مجھے بتائیں..... کہ یہ سب کس نے آپ سے کہہ دیا.....''

''کس..... کسی نے نہیں.....'' وہ اپنے سن ہوتے ہوئے وجود کو بہ مشکل سنبھالے کھڑی تھیں..... بڑی مشکل سے انہوں نے ندیم سے جان چھڑائی..... لیکن جب ندیم نے فون بند کیا تو انہوں نے اپنے بھائی کا نمبر ملایا..... فون پر بھابی موجود تھیں..... انہوں نے چھوٹتے ہی سنجیدگی سے کہا۔

''بھابی..... اگر آج شام کو آپ اور بھائی آسکتے ہیں تو آجائیں..... لیکن خالی ہاتھ مت آئیں..... مٹھائی کا ڈبا اپنے ساتھ ضرور لائیں..... کہ میں نے عنبرین کو آپ کی جھولی میں ڈال دیا ہے۔''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ارے...... کیا سچ......؟'' بھابی کی آواز کھنکتی ہوئی تھی...... وہ ہنس کر بولیں۔

''مٹھائی کا ڈبا کیوں...... مٹھائی کے ڈبے لائیں گے کہ تم اپنے پاس پڑوس والوں کا بھی منہ میٹھا کرادو۔'' فون ان کے ہاتھ سے بھائی نے لے لیا ان کی آواز بھی خوشی کے بوجھ سے بھاری ہو رہی تھی...... وہ ہنس کر کہہ رہے تھے۔

''اب تم فون بند کردو آسی...... کہ میں ماجد کو فون کر کے خوشخبری سنادوں...... موصوف روزانہ فون کر کے پوچھتے ہیں کہ پھپو نے کیا جواب دیا۔'' فون کریڈل پر رکھ کر انہوں نے سرشاری سے سوچا۔

''رشتوں میں ایمانداری ضروری ہے اور بے لوث محبتیں بھی...... روزانہ ملنے ملانے سے رشتے نہیں پنپتے...... بندہ کبھی کبھار ملے لیکن رشتوں کے ساتھ پرخلوص رہے...... بس یہی رشتوں کی حقیقت ہے یہ ان کی ساری اداسی، ساری افسردگی جیسے ہوا میں تحلیل ہوگئی تھی...... انہوں نے چاروں بچیوں کو بلا کر انہیں خوشخبری سنائی۔ بچیاں مارے خوشی کے ایک ساتھ ان سے لپٹ گئیں...... عنبرین کا چہرہ شرم کے مارے گلابی پڑ گیا...... خوشی سے پاگل ہوتی بچیوں کو آسیہ بی بی نے پیار سے جھڑکتے ہوئے کہا۔

''اچھا...... اب یہ سب چیخ و پکار بند کردو...... اور شام کو آنے والے مہمانوں کی تواضع کے لیے کچھ تیاری کرو۔''

''اماں...... میں دہی بلے بنادوں گی......'' افشین نے ٹھنک کر کہا۔

''اور میں آلو چھولے......'' نورین عرف گڑیا اٹھلا کر بولی۔

''دونوں ایک جیسی ڈش لگتے ہیں۔'' دوسرے نمبر کی زرین ناک سکیڑ کر بولی۔

''اچھا...... عنبرین باجی شامی کباب بنادیں گی۔'' گڑیا جلدی سے بولی کہ عنبرین شامی کباب بڑے لذیذ بناتی تھی۔

''جو بھی بنانا ہے...... ابھی سے بنانا شروع کردو۔'' آسیہ بی بی نے بچیوں کو باورچی خانے میں بھیجا اور خود صاف چادریں نکال کر پلنگوں پر ڈالنے لگیں...... خدا بندے کے دکھ کو زائل کرنے کے لیے کتنی بڑی بڑی خوشیاں بھیج دیتا ہے...... جو سنبھالے نہیں سنبھلتیں...... آسیہ بی بی اپنے دل میں اودھم مچاتی خوشیوں کو بہ مشکل سنبھالے کام میں مگن رہیں۔ ہاں، پڑوس کے گڈو کے ہاتھ انہوں نے سلطان بھائی اور شمشاد آپا کو شام کو آنے کا کہہ دیا تھا لیکن کوئی تفصیل بتائے بغیر...... شام کو شمشاد آپا آگئیں اپنے اسی سابقہ موڈ میں...... ہنستی کھلکھلاتی...... محبت کے مظاہروں کے ساتھ...... لیکن آسیہ بی بی کو وہ آج ایک مختلف عورت لگ رہی تھیں۔

''بھائی صاحب نہیں آئے؟'' آسیہ نے پوچھ تو وہ بولیں۔

''نہیں...... کیوں...... کیا ان کا آنا ضروری تھا؟''

''ہاں......'' آسیہ بی بی سر جھکا کر بولیں۔

''اچھا!'' شمشاد آپا نے حیرت سے انہیں دیکھا پھر ان کی نظریں صاف ستھرے کپڑے پہنے اِدھر سے اُدھر آتی جاتی بچیوں پر پڑی...... کپڑے سے کپ صاف کرتی ہوئی عنبرین کے چہرے پر جانے انہیں کیا نظر آیا کہ بے چینی سے پوچھنے لگیں۔

''یہ اتنے سارے چائے کے کپ...... کیا کوئی مہمان آرہے ہیں؟''

''ہاں......'' دھیمے لہجے میں آسیہ بی بی نے جواب دیا۔ ''بھیا اور بھابی آرہے ہیں...... میں

عنبرین کے لیے ہاں کہہ دی ہے...... چھوٹی سی رسم کرنے آرہے ہیں۔''

''کیا......؟'' شمشاد آپا کو کرنٹ سا لگ گیا...... بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگیں...... چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا...... ایک رنگ جارہا تھا...... دانتوں سے ہونٹ کاٹنے لگیں...... پھر سانپ جیسی پھنکار کے ساتھ کہا۔

''اور ہمیں بتایا تک نہیں...... پوچھا تک نہیں ہم سے...... اور وہ...... میں نے جو معلومات فراہم کی تھیں تمہارے بھتیجے کے بارے میں...... وہ سب بیکار گئیں...... اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں کنویں میں پھینک رہی ہو۔'' ان کی بری بھلی باتیں بڑے رسان سے سن کر آسیہ بی بی بولیں۔

''رشتے ناتے تو اوپر طے ہوتے ہیں آپا...... اور میری عنبرین اور ماجد بیٹے کا رشتہ میرے رب نے جوڑا ہے...... میں بیچ میں روڑے اٹکانے والی کون ہوتی ہوں...... اور پھر کل ندیم بیٹے کا بھی فون آیا تھا...... اس نے ماجد کے بارے میں میری بہت تسلی کی ہے...... بہت تعریف کررہا تھا وہ ماجد کی......''

''ن...... ندیم کا فون......'' وہ بوکھلا اٹھیں...... خوامخواہ کا پسینہ ماتھے سے خشک کرنے لگیں...... چہرے کا رنگ اڑ گیا اسی دوران میں گڑیا باہر سے اندر آتے ہوئے بولی۔

''اماں...... ماموں اور ممانی آگئے ہیں......'' ماموں اور ممانی تو پیچھے تھے...... ان کے آگے تو ٹوکرے بھر بھر کر آرہے تھے...... مٹھائیوں کے ٹوکرے...... پھل فروٹ کے ٹوکرے اور جانے کیا کیا...... برآمدہ یہاں سے وہاں تک چیزوں سے بھر گیا...... بھابی کے گلے لگتے ہوئے آسیہ حیرت سے کہہ رہی تھیں۔

''بھابی...... یہ اتنا اہتمام کاہے کو کیا...... رشتے داروں میں یہ سب چلتا ہے کیا......؟''

''ارے آسی...... یہ تو ہمارا دل چاہ رہا تھا...... اکلوتے بیٹے کی خوشی کرنے آرہے تھے تو کیا خالی ہاتھ آجاتے، ہمارے حساب سے تو یہ سب بھی کم ہے۔'' آسیہ کے بھائی شمشاد آپا کو سلام کر کے کہہ رہے تھے۔

''آپا...... سلطان بھائی نہیں آئے......؟''

''وہ کچھ بیمار سے تھے...... دراصل جب سے محمود بھائی گزرے ہیں انہوں نے یہ غم دل کو لگا لیا ہے۔'' رٹی رٹائی بات ایک بار پھر انہوں نے کہہ دی...... آسیہ کے بھائی کچھ مغموم سے ہو کر کہنے لگے۔

''ہاں...... آج محمود زندہ ہوتے تو کتنا خوش ہوتے......'' شمشاد آپا نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا...... ان کا دھیان ان کی باتوں کی طرف تھا بھی نہیں...... وہ تو حیرت سے یہاں سے وہاں تک ان مختلف اشیا کے بڑے بڑے ٹوکروں کو دیکھ رہی تھیں جن کے لیے برآمدہ تنگ پڑ رہا تھا...... آسیہ کی بھابی عنبرین کے لیے بڑا ہی قیمتی ریڈی میڈ سوٹ لائی تھیں...... ساتھ ہی سوٹ کے ہم رنگ موتیوں کا طلائی سیٹ تھا اور بھی بہت سی چیزیں تھیں وہ افشین کو سارا کچھ دیتے ہوئے بولیں۔

''جاؤ...... بہن کو تیار کرا کے لے آؤ......''

عنبرین تینوں بہنوں کے ہمراہ سج سنور کر قدم اٹھاتے ہوئے نظریں نیچی کیے ہال کمرے میں آئی تو گویا چراغوں میں روشنی نہ رہی والا سماں بندھ گیا۔ گلابی کپڑوں اور ہلکے میک اپ میں وہ کوئی اپسرا لگ رہی تھی...... سب مبہوت ہو کر اسے دیکھنے لگے...... وہ اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس سے نظریں ہٹانے کو

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دل نہیں چاہ رہا تھا

''یہ لڑکی پہلے تو اتنی خوب صورت نہیں تھی......'' حیرت سے بت بنی شمشاد آپا سوچ رہی تھیں۔

سب کچھ بڑے طریقے اور سلیقے سے ہوگیا...... آسیہ کی بھابی نے ہیرے کی نازک سی قیمتی انگوٹھی عنبرین کی انگلی میں ڈال دی۔ مبارک سلامت کا شور مچ گیا...... چائے پر لڑکیوں نے ایک سے ایک لذیذ چیزیں بنائی تھیں...... سب تو حیران تھے ہی...... شمشاد آپا بھی حیران تھیں...... لڑکیوں کو تو کبھی کچن میں دیکھا نہیں...... پھر بھی وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔ واپسی پر شمشاد آپا مہمانوں کے ساتھ ہی ان کے گھر سے نکل آئیں...... آسیہ نے روکنا بھی چاہا۔

''آپا...... یہ چیزیں تقسیم کرنی ہیں...... آپ بیٹھیں نا...... میرے ساتھ مدد کردیں اور یاد دہانی بھی...... کہ کہیں کوئی گھر رہ نہ جائے۔'' لیکن شمشاد آپا نے رکھائی سے جواب دیا۔

''خود ہی سب کچھ کرسکتی ہو آسیہ...... اتنا بڑا کام جب اکیلے کیا ہے تو یہ تو چھوٹے چھوٹے کام ہیں، یہ بھی خود کرلینا......'' آسیہ بی بی نے سر جھکا لیا...... وہ عادی تھیں شمشاد آپا کے تلخ ترش لہجے کی...... لیکن اسی وقت نورین عرف گڑیا نے آکر کہہ دیا۔

''اماں...... ہم آپ کی مدد کریں گے...... بلکہ سب کچھ ہم چاروں بہنیں کریں گے...... بس آپ کرسی پر بیٹھ کر ہمیں بتاتی جائیں۔'' شمشاد نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور خدا حافظ کہہ کر چلی گئیں۔

☆☆☆

اس دن اچانک فیصل آگیا...... اس دن کے بعد فیصل دوبارہ نہیں آیا تھا...... اس دن تو آسیہ نے بھی فیصل کو کمرے سے نکلتا دیکھ لیا تھا اور وہ سمجھ گئی تھیں کہ فیصل انہیں دیکھ چکا ہے...... انہیں ایک غیر محسوس سا انتظار بھی تھا کہ شاید فیصل آجائے اور ماں کی طرف سے معافی مانگ لے لیکن فیصل نہیں آیا...... حتیٰ کہ عنبرین کی منگنی کی مبارک باد دینے بھی نہیں آیا...... لیکن آج کئی دنوں بعد وہ اچانک آگیا تھا...... زرین کی کسی دوست کی برتھ ڈے تھی سو وہ اور عنبرین وہاں گئی تھیں...... افشین اور نورین کالج سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتیں...... سو وہ دونوں سو رہی تھیں...... آسیہ بی بی نے موقع مناسب سمجھا تو ایک پرانے صندوق کو کھول کر بیٹھ گئیں...... جس میں وہ چھوٹی موٹی چیزیں بچیوں کے جہیز کے لیے جمع کرتی تھیں...... آج سوچا...... دیکھ تو لوں...... کوئی کام کی چیز صندوق میں ہے بھی یا نہیں لیکن ابھی کام کی ابتدا کی ہی تھی کہ فیصل آگیا۔

''آؤ بیٹا......'' آسیہ بی بی نے ہمیشہ کی طرح بڑے پیار سے اس کی پذیرائی کی۔ ''بیٹھو...... کھانا کھایا ہے یا نہیں......؟'' وہ بہت چپ چپ سا تھا...... ہمیشہ کی طرح چہک نہیں رہا تھا۔

''بھنڈی بنائی ہے...... تمہیں پسند ہے نا...... میں جلدی سے ایک دو چپاتیاں ڈال کر لے آتی ہوں۔'' اسے خاموش اور الجھا دیکھ کر وہ خود ہی بولیں لیکن اس نے جلدی سے جواب دیا۔

''نہیں چچی...... کھانا میں کھا کر آیا ہوں......''

''چلو...... پھر میں چائے بنا دیتی ہوں......'' وہ پھر سے کمرے سے جانے لگیں۔

''نہیں...... چائے بھی نہیں...... میں...... دراصل'' وہ جھجک کر رک رک کر بولا۔

''آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں......'' اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور وہ بے حد ڈپریس لگ رہا تھا۔

''مجھے آپ سے بہت زیادہ شرمندگی محسوس ہورہی تھی...... اس لیے میں جلدی آنہیں پایا...... لیکن آج میں رہ نہ سکا...... آپ چچی...... مجھے معاف کردیجیے...... پلیز......'' وہ آنکھوں میں آنسو لیے دونوں ہاتھ جوڑے ان کے سامنے بیٹھا تھا...... آسیہ بی بی کا دل کٹنے لگا...... انہوں نے محبت سے اس کے جڑے ہاتھ الگ کیے اور نرم لہجے میں بولیں۔

''بیٹا...... تم معافی کس بات کی مانگ رہے ہو تم نے کیا کیا ہے......'' وہ اسی جھکے سر کے ساتھ بولا۔

''اماں نے آپ کے متعلق بہت برا بھلا کہا تھا اس دن...... آپ نے سب سن لیا تھا...... میں ان کی طرف سے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔'' آسیہ بی بی اپنے اسی سادہ اور بے ریا لہجے میں بولیں۔

''ارے نہیں بیٹا...... وہ ہماری بڑی ہیں، ان کی باتوں پر کیا ناراض ہونا...... بڑے پیار بھی کرتے ہیں...... ناراض بھی ہوتے ہیں...... تم کیوں اس بات کو دل پر لے کر بیٹھ گئے ہو، بہن کی منگنی پر بھی نہیں آئے...... میں انتظار کرتی رہی۔'' فیصل حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا...... کس قدر بڑا دل تھا ان کا...... شمشاد نے ان کے ساتھ کتنا برا کیا...... لیکن ان کے دل میں بال برابر ان کے خلاف برائی نہیں آئی کیا ایسے بھی لوگ بستے ہیں اس دنیا میں اتنے شفاف دل کے مالک...... فیصل کے خیالات سے بے خبر وہ سنجیدگی سے اسے سمجھا رہی تھیں۔

''دیکھو بیٹا...... بہت مقام ہوتا ہے ماں کا...... قدموں تلے جنت ویسے ہی تو نہیں رکھی خدا نے۔ بیوی کا کیا ہے...... کوئی بھی لڑکی بیوی بن کر آسکتی ہے لیکن ماں کوئی دوسری پیدا نہیں ہوتی...... تم افشین سے شادی کی ضد نہ کرو...... ان کی خوشی اور مرضی سے ثوبیہ سے شادی کے لیے مان جاؤ...... یہ میری بھی خوشی ہے کہ تم ماں کی مرضی پر چلو، بولو...... میری بات مانو گے نا......؟'' وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

''دیکھو...... مجھ سے وعدہ کرو کہ میری بات مانو گے...... اپنی ماں کی مرضی پر چلو گے، وعدہ کرو فیصل......'' وہ اس سے وعدہ لے رہی تھیں اور فیصل ان سے وعدہ کرتے ہوئے زار و قطار رو رہا تھا...... کہ آج اس نے افشین کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔ شام کو گڑیا نے عجیب بات بتائی۔

''اماں...... دوپہر کو تائی آئی تھیں......؟''

''نہیں بیٹا......'' آسیہ بی بی نے جواب دیا۔ ''فیصل آیا تھا......''

''اماں...... تائی بھی آئی تھیں......'' وہ اپنی بات پر زور دے کر بولی۔ ''میں پانی پینے کے لیے کمرے سے باہر آئی تو تائی برآمدے میں کھڑی آپ کی اور فیصل کی باتیں سن رہی تھیں۔'' آسیہ بی بی ...کو جھٹکا سا لگا...... وہ حیرت سے گڑیا کو دیکھ کر بولیں۔

''تم سچ کہہ رہی ہو گڑیا......'' وہ گڑیا کو زور شور سے اثبات میں سر ہلاتا دیکھ کر وہ جیسے خود سے بولیں۔

''آپا ہم سے ملیں کیوں نہیں......؟''

ایک ہفتہ اسی طرح گزرا...... اس دن شام کے دھندلے سائے پھیل رہے تھے...... آسمان اچانک ہی بادلوں سے بھر گیا تھا...... کچھ دنوں سے گرمی بڑھ گئی تھی...... اب ٹھنڈی ہواؤں اور بادلوں سے فضا بہت خوشگوار ہوگئی تھی...... زرین کا دل پکوڑے کھانے کو چاہنے لگا تو اس نے شام کی چائے کے ساتھ پکوڑے بنالیے اور برآمدے میں چھوٹی دری بچھا کر اس نے سب کے لیے چائے بنائی اور

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پکوڑوں کے ساتھ املی کی چٹنی بنا کر سب کے سامنے رکھ دی۔...... جب سے عنبرین کی ماجد سے منگنی ہوئی تھی ان کی زندگی میں ایک خوشگوار بدلاؤ سا آ گیا تھا...... وہ سب بہنیں ہنسنے بولنے لگی تھیں...... اور اپنی خوشیوں میں وہ اپنی ماں کو بھی شریک کرتی تھیں...... آج بھی ہنسی مذاق کرتے...... سب نے خوشگوار ماحول میں چائے پی لی۔ بعد میں سب نے مل کر سارے کام ختم کیے...... ایک نے چائے کے برتن دھوئے...... دوسری نے کچن صاف کیا...... پھر وہ سب اپنے کمرے میں بند ہو گئیں...... اپنے کمرے کی مصروفیات ان کی الگ تھیں...... زیادہ تر پڑھائی کرتیں...... کوئی اپنے کپڑے استری کرتی...... اب بھی سب اپنے اپنے کاموں میں لگ گئیں...... آسیہ بی بی بھی اٹھ کر رات کے کھانے کے لیے کچھ بنانے کے لیے کچن میں جانے لگی تھیں کہ ٹھٹک کر رک گئیں...... کالی چادر اوڑھے وہ شمشاد آپا ہی تھیں۔

''ارے آپا، آپ اس وقت......؟'' آسیہ بی بی نے حیرت سے ان کا یہ بجھا بجھا سا روپ دیکھا۔

''آئیں...... بیٹھیے نا......'' آسیہ بی بی نے ہاتھ پکڑ کر انہیں پلنگ پر بٹھا لیا...... پھر وہ تشویش سے پوچھنے لگیں۔

''آپا...... گھر میں سب خیریت تو ہے نا...... سلطان بھائی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا......؟'' شمشاد آپا نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن منہ سے اب بھی کچھ نہ بولیں۔

''آپا...... اس طرح رات کے وقت آپ کبھی نہیں آئیں...... ہمیشہ صبح کے وقت آتی ہیں...... مجھے تو ہول اٹھ رہے ہیں...... بتایئے نا آپا...... سب ٹھیک تو ہے نا......'' آسیہ بی بی نے مارے گھبراہٹ کے انہیں جھنجھوڑ ڈالا...... جانے کیوں انہیں کچھ انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔

''کوئی خاص بات ہے کیا......؟'' گھبراہٹ کے مارے آسیہ بی بی شمشاد آپا سے سوال پر سوال کیے جا رہی تھیں...... ایک گہری سانس لے کر شمشاد آپا بولیں۔

''ہاں...... بہت خاص......''

''کیا بات ہے آپا...... مجھے بتائیں نا...... پریشانی کے مارے میری تو جان نکلی جا رہی ہے۔'' آسیہ بی بی کو اب پریشانی کے ساتھ ساتھ الجھن بھی ہو رہی تھی شمشاد آپا کے انداز سے۔

''میں اصل میں...... تمہاری دونوں بیٹیوں کا رشتہ مانگنے آئی ہوں...... زرین اور افشین کا...... مجاہد اور فیصل کے لیے......'' بم کا دھماکا ہوتا تو آسیہ بی بی اتنے زور سے نہ اچھلتیں...... وہ شمشاد آپا کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگیں جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہوں اگر انہوں نے اس دن شمشاد آپا کی باتیں اپنے کانوں سے نہ سنی ہوتیں تو شاید اس وقت وہ شمشاد آپا کی اس بات پر خوشی سے پھولی نہ سماتیں لیکن اب نہیں...... شمشاد آپا کے خیالات وہ جان چکی تھیں...... اب اپنی بیٹیوں کا اس گھر میں جانا انہیں قبول نہیں تھا...... ان کی بیٹیاں اتنی سستی ہرگز نہیں تھیں کہ وہ ایک ایسے گھر میں انہیں بیاہ دیتیں...... جہاں انہیں مارے باندھے قبول کیا جاتا۔

''فیصل نے یقیناً میری بات نہیں مانی...... مجھ سے جو وعدہ اس نے کیا تھا...... اس سے وہ پھر گیا ہے بلکہ مجاہد کو بھی اس نے اپنی طرف کر لیا ہے۔ اور ان کی ضد کا نتیجہ ہے کہ شمشاد آپا آج میری بیٹیوں کے لیے دستِ سوال دراز کرنے آئی ہیں......'' آسیہ بی بی نے شمشاد آپا کے دونوں ہاتھ

اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

''آپا...... میں نے پہلے بھی فیصل کو سمجھایا تھا کہ وہ اپنی ضد چھوڑ کر آپ کی بات مان لے...... میں اسے پھر سے سمجھاؤں گی...... آپ مجبور مت ہوں، وہی کیجیے جو آپ کا دل چاہ رہا ہے...... مجاہد اور فیصل آپ کے بیٹے ہیں...... انہیں مجبور ہونا پڑے گا آپ ان کی ماں ہیں...... آپ اپنی خوشی اور مرضی سے ان کے رشتے طے کریں......'' شمشاد آپا بڑے رسان سے بولیں۔

''میں اپنی خوشی اور مرضی سے ہی ان کے رشتے کرنے آئی ہوں...... انہوں نے مجھے مجبور نہیں کیا۔''

''کک...... کیا......؟'' آسیہ بی بی ہکا بکا ان کی شکل دیکھنے لگیں۔

''ہاں......'' شمشاد آپا بولیں۔ ''آسیہ میں غلطی پر تھی...... تمہیں ہمیشہ میں نے غلط سمجھا شاید ایسا ہی سمجھتی...... اگر اس دن میں تمہارے گھر نہ آتی...... دراصل فیصل کو تیزی سے میں نے اپنے گھر سے نکلتے دیکھا تو میں اس کے پیچھے پیچھے آ گئی پھر...... برآمدے میں، میں نے تمہاری اور فیصل کی باتیں سن لیں...... تم اس سے وعدہ لے رہی تھیں کہ وہ میری بات مان لے اور افشین سے شادی کی ضد چھوڑ دے...... میں تو ہکا بکا حیران رہ گئی...... کہ میں نے ہمیشہ تم کو کیا سمجھا اور تم کیا نکلیں...... فیصل نے تمہارے ساتھ کیا وعدہ وفا کیا اور مجھ سے کہہ دیا کہ میں جس کے ساتھ چاہوں اس کی شادی کرا سکتی ہوں...... اس نے میرے اور اپنے باپ کے سامنے افشین سے دستبرداری کا اعلان کر دیا...... لیکن میرے خیالات بدل چکے تھے، میری آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا تھا اور میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ میں اپنے دونوں بیٹوں کے لیے تمہاری بیٹیاں لاؤں گی...... سلطان تو پہلے سے یہی چاہتے تھے اور فیصل تو خیر پہلے سے افشین کے لیے اسٹینڈ لیے ہوئے تھا لیکن میں مجاہد کے دل کا حال بھی سمجھتی تھی کہ وہ زرین کو پسند کرتا ہے، یہ بھی اچھا تھا کہ میں نے ابھی بھائی کے گھر رشتہ نہیں دیا تھا...... سوچا تھا کہ جب فیصل راضی ہوگا تو بھتیجی اور بھانجی کا رشتہ ایک ساتھ لے جاؤں گی...... لیکن دیر آید درست آید کے مصداق دل بدلا، خیالات بدلے اور اب میں تمہارے گھر سوالی بن کر آئی ہوں...... پہلے مجھے معاف کر دو...... پھر میری جھولی امیدوں سے بھر دو کہ تم نے ہمیشہ میرا مان رکھا ہے...... اب بھی مجھے بڑی بہن کی سی عزت دے کر رخصت کرو...... گھر میں مجاہد، فیصل اور سلطان تینوں بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہیں...... کہہ دو آسیہ...... کہ تم نے مجھے معاف کیا؟''

''کیا کہہ رہی ہیں آپا...... اس طرح معافی مانگ کر مجھے شرمندہ تو نہ کریں...... اور میرے لیے مجاہد اور فیصل سے زیادہ کون ہوگا؟''

دونوں گلے مل کر رونے لگی تھیں...... لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے آسیہ بی بی سوچ رہی تھی...... خدا واقعی ستر ماؤں سے زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے...... یہ سب اس پاک ذات کی محبتوں کا ثبوت ہی تو تھا...... فضا گنگنانے لگی تھی...... شمشاد آپا بچیوں کو اپنی پاٹ دار آواز میں بلا کر کہہ رہی تھیں۔

''ارے بچیو...... ارے کچھ کھلا کر میرا منہ تو میٹھا کراؤ...... ارے چینی ہی لا دو......'' آسیہ بی بی ہنس کر خود ہی چینی لینے دوڑیں...... آج تو ان کا انگ انگ مسرور ہوا جا رہا تھا...... خوشی کے مارے پیروں میں پہیے فٹ ہو گئے تھے...... وہ کسی جوان لڑکی کی طرح بھاگتے ہوئے کچن کی طرف جا رہی تھیں۔ ●●

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

حسین و دلکش الفاظ بیان کا مرقع ایک خوب صورت ناول

خوشبو کا سفر

عالیہ بخاری

آخری قسط

باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں !
کارِ جہاں دراز ہے ، اب میرا انتظار کر

اور یہ کار جہاں دراز ہی نہیں ہمہ جہت بھی ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ تہ در تہ انسان پر کھلتا ہے اور وہ اس کے بدلتے رنگوں کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرنے میں اس طرح منہمک ہوتا ہے کہ کبھی کبھی تو خود اپنا آپ بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ خوشبو کا سفر بھی زندگی کے ان ہی بدلتے رنگوں کی کہانی ہے جس میں سادگی اور سچائی کی نرماہٹ بھی گھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور ریا کاری اور خود غرضی کی تلخی بھی کڑواہٹ کا احساس دلاتی ہے۔ ایک دہرا معیار رکھنے والے معاشرے میں حساس اور سادہ دل لوگ جس آسانی سے کبھی تقدیر کے نام پر اور کبھی اپنے جیسوں کی تدبیر کے باعث پٹ جاتے ہیں وہ زندگی کی بھی توہین ہے اور انسانیت کی بھی۔ اس اندھی گلی کی دوڑ کا اختتام کہاں جاکر ہوتا ہے یہ سادہ سی کہانی اپنی جستجو کو لے کر آگے بڑھتی ہے۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

صبح زرد اور نیم گرم تھی۔ لاؤنج کی کھلی کھڑکیوں کے باہر نظر آتے لان کی گھاس کا گہرا ہرا رنگ، اتنا گہ محسوس نہیں ہو رہا تھا اور نہ ہی کیاریوں میں قطار در قطار کھلے پھول ہی روز جیسے خوش رنگ! پھر بھی وہ چند منٹ کھڑ کی کے قریب ساکت کھڑی اس بے کیف سے منظر کو دیکھے گئی۔

ہارون نے سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے دور سے ہی اس کی گم صم سی کیفیت کو محسوس کیا تھا۔ رحمت بوا کی بیٹ ناشتا میز پر لگا رہی تھی۔ گرما گرم پراٹھے، خوشبو اڑاتا سنہری پیاز والا آملیٹ، بریڈ، بٹر، جیم، جوس کا بھرا ہوا جگ نعمتوں سے سجا دسترخوان۔ اس نے بیٹھنے کے لیے کرسی دانستہ زور سے سرکائی تھی، زارا نے پلٹ کر دیکھا۔ ہارو ناشتے کی میز پر بیٹھ چکا تھا۔

''آ گئے آپ!'' قریب آتے ہوئے وہ یونہی بات برائے بات بولی۔ ہارون آملیٹ کی پلیٹ میں سے ایک چھوٹا ٹکڑا کاٹ کر اپنی پلیٹ میں رکھ رہا تھا، خاموش رہا۔ زارا نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ ہارون کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''اب پتا نہیں یہ ناراض ہے یا خوش۔'' یہ معما حل کرتے رہنا بھی زندگی کا حصہ تھا اور وہ کسی حد تک عادی ہو چکی تھی مگر یہ تازہ پڑی افتاد خود اس کے ہوش و حواس گم کر رہی تھی۔ اسے ہارون کی سخت ضرورت تھی، اس بوجھ ہلکا کرنے کے لیے جو کل سہ پہر سے اس کا دم گھونٹے دے رہا تھا اور اگر اب بھی نہ اتارا جاتا تو ان سب کی اجتما موت واقع ہونے کو کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

''کل رات تم جاگتی رہیں؟'' بنا اس کی طرف دیکھے، ہارون نے سوال کیا تھا یا تبصرہ، زارا نے صرف اس شکر کیا کہ وہ اس سے مخاطب تو ہوا۔

''ہاں، نیند نہیں آ رہی تھی۔'' پوری کوشش کر کے وہ ہلکے سے مسکرائی مگر ہارون کی توجہ اب بھی اپنی پلیٹ پر تھی۔

''کیوں، کوئی خاص وجہ؟''

''ہاں بہت خاص!'' زارا نے کہنا چاہا تھا مگر تب ہی اس کا سیل فون بجنے لگا۔ بڑی ہی بے وقت کی مداخلہ تھی، زارا کو اور بھی زیادہ برا موبائل پر آتا نمبر دیکھ کر لگا، اتنے دن میں وہ رضا کے نمبر کو اچھی طرح پہچان چکی تھی ا اس کی اس درجہ ڈھٹائی پر دل بھر کر حیران بھی ہو چکی تھی۔

''کیا ہوا، فون ریسیو کیوں نہیں کر رہی ہو؟'' ہارون کی چبھتی ہوئی نگاہ زارا پر جمی۔

''پتا نہیں کس کا نمبر ہے، میں انجان نمبر کے فون نہیں اٹھاتی ہوں۔'' وہ بہ مشکل ہی اپنی خود اعتمادی برقرار رکھ پائی۔

''نمبر انجان ہو سکتا ہے مگر ضروری نہیں کرنے والا بھی اجنبی ہو۔'' ہارون کے چہرے پر بڑی تلخ سی مسکراہ ابھری۔ زارا کا فون دوبارہ بجنا شروع ہوا تھا۔

''تم آرام سے بات کر لو، میں جا رہا ہوں۔'' وہ کرسی پیچھے کھسکا کر کھڑا ہوا تو وہ بوکھلا کر ساتھ ہی اٹھی۔

''مجھے کسی سے بات نہیں کرنی ہارون، آپ پتا نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔'' ہارون بنا کچھ کہے، اپنا والٹ ا موبائل وغیرہ اٹھا کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''خدا کے لیے ہارون۔'' پورچ کی طرف اترتی سیڑھیوں پر وہ اسے روکنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

''خدا کے لیے میری بات سن لیں، میں بہت پریشان ہوں، آپ جس بات پر بھی ناراض ہیں، اسے فی الحا ایک طرف کر کے صرف روما کے بارے میں سوچیں، ہارون ہم بہت غلط فیصلہ کر رہے ہیں اس کے لیے۔'' ہارو

www.paksociety.com

نے اس کی روئی روئی سی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔

''روما کی فکر کرنے کے لیے میں خود ہی کافی ہوں زارا، تم اپنی بات کرو، روما کے نام کو استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ سخت اور کھردرا تھا۔ زارا نے ایک گہری سانس لی۔

''مجھے اپنی کوئی بات نہیں کرنی ہے۔''

''تمہیں کرنی بھی نہیں چاہیے کیونکہ تم ایسا ہی کرنے کی عادی ہو۔'' وہ جس شدید گھبراہٹ کا شکار تھی، اس میں ہارون کے طنز کا سیاق و سباق سمجھنے کی صلاحیت کھو رہی تھی۔

''ہارون، عارف مخلص آدمی نہیں ہے۔ وہ صرف جائداد کے لالچ میں روما سے شادی کر رہا ہے۔'' سیڑھیوں پر دو اسٹیپ نیچے کھڑی وہ اس بات کو دُہرا رہی تھی، جس پر کئی بار ہارون کی ناراضی کا سامنا کر چکی تھی۔

''کتنی بار ایک ہی بات کو دُہراؤ گی زارا، میں تنگ آ چکا ہوں سنتے سنتے، کیا نیا ہے اس میں؟''

''اس میں نئی سمیعہ ہے ہارون، وہ اور عارف مل کر روما کی زندگی کو برباد کرنے پر تلے ہیں، تم میرا یقین کیوں نہیں کر رہے ہو آخر، وہ دونوں روما کو جیتے جی مار ڈالیں گے، اتنے گھٹیا اور نیچ ہیں دونوں کہ......'' ہارون کے ہاتھ کے اشارے اور چہرے پر آئی چبھن بھری سختی دونوں ہی زارا کو خاموش کرنے کے لیے کافی تھے۔ وہ سیڑھیاں اترتا ہوا اس کے نزدیک سے گزرنے لگا تھا کہ زارا نے پوری ہمت کر کے اس کا بازو تھاما۔

''میں نے خود انہیں ایسا کہتے سنا ہے ہارون، سمیعہ اور عارف دونوں ملے ہوئے ہیں وہ صرف اس پیسے میں انٹرسٹڈ ہیں جو تم انہیں دے رہے ہو۔''

''تمہارا انکشاف اتنا گھسا پٹا ہے زارا کہ سوائے کوفت کو بڑھانے کے اور کچھ بھی نہیں کر پا رہا اور میں اس وقت آفس جا رہا ہوں، جہاں مجھے کام بھی کرنا ہوتا ہے۔'' ایک جھٹکے سے اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ تیز قدم اٹھاتا گاڑی کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح اپنی بات سمجھانے سے قاصر تھی۔

''ہارون، ہارون......'' اس کی پکار میں بے بسی تھی، گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے ہارون نے بہ مشکل ہی اپنے غصے پر قابو پایا۔

''میری بات مکمل سنے بغیر مت جاؤ پلیز!'' تیز بھاگتے قدموں کے ساتھ وہ اس تک آئی تھی اور اس کی سانس میں جو ہلکی سی لرزش آ رہی تھی وہ اس کے ٹوٹتے ہوئے اعصاب کی گواہی تھی۔

''کل جب میں دادی کے کہنے پر عارف کی امی کی طبیعت پوچھنے ان کے گھر گئی تو وہاں سمیعہ موجود تھی پہلے سے ہی، باہر صحن تک ان کی آواز آ رہی تھی ہارون، میں اندر نہیں گئی وہیں رک گئی تھی۔'' ہارون کی چبھتی ہوئی نگاہ کو برداشت کرنا مشکل تو ہوا تھا سو وہ نگاہ جھکاتے ہوئے اپنی بات کہے گئی، اس امید پر کہ شاید اس بار وہ اس کی بات کو مکمل ہی ہونے دے مگر ایسا نہیں ہوا۔

''تم نے مجھے کیا سمجھا ہوا ہے زارا، احمق، بے وقوف...... جو تم کہو گی اسے آنکھیں بند کر کے مان لوں گا، چاہے کھلی آنکھوں سے میں کچھ اور ہی دیکھ رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں ہمیشہ سے زیادہ تپش تھی۔

''اور یہ جو ڈرامائی سی صورت حال تم مجھے سنا رہی ہو، یہ ڈراموں، فلموں میں ہی چلتی ہیں، دروازے کھڑکیاں کھول کر لوگ اپنے راز افشا نہیں کرتے ہیں عام زندگی میں، تمہیں روما کی شادی سے اتنی پرابلم ہے تو کم از کم کوئی نئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

صورتِ حال تو کری ایٹ کرلیتیں۔'' اپنی بات کہہ کر وہ تلخ سے انداز میں ہنس دیا۔ زارا نے بہت دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔ ابھی کچھ ہی دن پہلے جب وہ اس پر اتنا مہربان تھا کہ اس کے رویّے کی پچھلی ساری بدصورتیاں، وہ خوشی خوشی فراموش کرنے لگی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ آپس میں کمال کا اعتبار قائم کرنے کی پہلی منزل کو پار کرکے اب خاصا آگے چلے آئے ہیں تو دھوپ چھاؤں کا یہ کھیل پھر سے زندگی میں چلا آیا اور وہ بھی... اتنا بے وقت۔

''میں کیوں ایسا کروں گی ہارون، روما میری بہن ہے، اس سے زیادہ میرے لیے کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ عارف اس کے قابل نہیں ہے، مان لیں میری بات پلیز! آپ نے خود بھی ان لوگوں کا اصل روپ دیکھا ہے، کسی حد تک ہی سہی۔''

''چلو ٹھیک ہے...... عارف، روما کے قابل نہیں ہے۔'' وہ بے تاثر سے انداز میں کہتے ہوئے ایک لمحے کے لیے رکا۔ زارا نے پُرامید نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مگر زین تو روما کے قابل تھا نا؟ مگر اس نے روما کو اپنے قابل نہیں سمجھا، کوئی بھی اسے مجبور نہیں کرسکا نا کہ وہ روما کو اپنا لے، میری بہن اتنی بے وقعت تھی کہ بار بار ٹھکرائی گئی، کبھی خود کو اس کی جگہ رکھ کر ضرور سوچنا زارا، تمہیں تو صرف ایک رضا سے ہی چوٹ پہنچی تھی نا؟'' زارا کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔ آج پہلی بار ہارون نے رضا کا نام لیا تھا۔ مبہم انداز میں سہی مگر احسان پورا پورا جتایا تھا۔

''تم خوش قسمت ہو کہ ہمیشہ سراہی گئیں، صرف اس لیے کہ قدرت نے تمہیں ایسی شکل صورت دی، کبھی اُن کے بارے میں سوچا ہے جو بار بار صرف اسی وجہ سے ٹھکرائی جاتی ہیں کہ وہ حسن کے اس معیار پر پوری نہیں اترتیں جو پوری ڈھٹائی کے ساتھ فرض کرلیا گیا ہے...... دھت!'' اس نے گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ بند کیا۔ اس کا کہا ہر لفظ بجا...... زین کا قصور بھی وہ اپنے کھاتے میں درج کروانے پر بخوشی تیار تھی مگر سب روما کی جان بخشی کے لیے انتہائی ناکافی تھا۔

''جو چاہے مجھے کہہ لیں ہارون مگر...''

''مجھے بھی پتا ہے کہ وہ صرف لالچ میں یہاں آئے ہیں مگر یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے، اچھی اچھی لڑکیاں بھی اس طرح کے لالچ دے کر رخصت کردی جاتی ہیں۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کررہا تھا۔

''یہ ایک بالکل مختلف بات ہے ہارون!''

''نہیں، یہ مختلف نہیں ہے اور عارف کے گھرانے میں ساری خرابی کے باوجود بھی کہیں ایک اچھائی بھی ہے۔'' زارا نے چونک کر ہارون کی طرف دیکھا۔

''وہ میری ہر شرط مان گئے ہیں، کچھ بھی انہوں نے اپنے لیے لینے سے انکار کردیا ہے، نہ ہی جائداد اور نہ ہی میرے بزنس میں شیئرز، سب کچھ صرف روما کے نام رہے گا اور روما یہاں گھر میں ہمارے ساتھ، اس سے بڑی یقین دہانی اور کچھ نہیں ہوسکتی۔'' اپنی بات مکمل کرتے ہی وہ گاڑی بڑی تیزی سے آگے بڑھا چکا تھا۔ گیٹ پر موجود گارڈ گیٹ کھولے کب سے منتظر تھا، زارا کے سارے الفاظ حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئے۔ لالچی، منہ سے مانگتا ہوا عارف، اس نیک نیت، شریف اور بے ضرر عارف کے مقابلے میں کتنا کم خطرناک تھا، وہ کتنی بھی کوشش کرتی ہارون کو نہیں بتا سکتی تھی، چاروں طرف پھیلا سناٹا اور بھی گہرا ہوا۔

☆☆☆

کمرے کے انتہائی کونے میں، کرسی پر بیٹھی وہ بڑی ہی رازداری کے موڈ میں تھی۔ ہزار کے نوٹ، پانچ ہزار

www.paksociety.com

والے اور پھر پانچ سو اور سو...... اس نے بڑی احتیاط سے سب کو الگ الگ کرکے گنا اور اپنے بیگ کی سب سے اندر والی چھوٹی جیب میں رکھ کر زپ بند کی پھر دوسری اور پھر تیسری۔ جمیلہ نے بہانے بہانے سے کتنے ہی چکر کمرے کے لگائے مگر سوائے نوٹوں کی ہلکی سی جھلک کے وہ کچھ بھی نہیں دیکھ پائی۔ باہر صحن میں مینا اور اس کا میاں آئے بیٹھے تھے۔

''بہت پریشانی ہے اماں، کل تک کرایہ نہیں دیا تو مالک مکان سامان باہر نکال کر پھینک دے گا۔ ویسے بھی میرے پاس ہے ہی کیا، کون سا تم نے مجھے جہیز دیا تھا، ضرورت کی بنیادی چیزیں بھی نہیں ہیں میرے پاس، نہ فرنیچر، نہ برتن، نہ بستر، نہ ٹی وی، نہ فریج۔'' اندر کمرے میں تیار ہوتی تہمینہ نے بخوبی اس کا شکایت نامہ سنا تھا۔ گھر سے بھاگ کر کی جانے والی اس شادی کے بعد بھی مینا خود کو حق بجانب سمجھتی تھی اور جمیلہ کو اپنے ارمان ادھورے رہ جانے کا رنج تھا۔

''نہ ڈھولک بجی، نہ رونق لگی، نہ ہی کپڑے بنے اور نہ ہی بیوٹی پارلر جاکر ہیئر اسٹائل بنوانے کا ارمان پورا ہوا...... ہائے، کیا کیا نہیں سوچا تھا۔''

''تو اب ہی دن کتنے ہوئے ہیں، رکھ لو کوئی فنکشن، مہمان آئیں گے تو کچھ پیسوں کا ہی آسرا ہوجائے گا۔'' مینا کا شوہر امید بھرے لہجے میں فوراً ہی کہہ اٹھا۔ لمبے بالوں، رنگ برنگی شرٹ کے ساتھ، وہ عجیب مضحکہ خیز سا لگ رہا تھا، مینا اس کی کس ادا پر مرمٹی تھی، فوری طور پر اس سوال کا جواب ڈھونڈنا محال تھا۔

''جو پیسے فنکشن میں خرچ کروگے، اس مالک مکان کو دے کر کرایہ کیوں نہیں دے دیتے، روز کی بے عزتی ہورہی ہے۔'' مینا کو اس کا آئیڈیا سخت برا لگا تھا اور شاید اب وہ بھی......

''میرے پاس کب ہیں جو میں خرچ کروں گا، تہمینہ آپا کو خرچ کرنا چاہیے فرض تو ان ہی کا بنتا ہے، گھر کی بڑی تو وہی ہیں نا اور اب تو کام بھی ملنے ہی لگا ہے انہیں۔'' تہمینہ نے اس کی کراری چیختی ہوئی آواز میں کی گئی فرمائش کو بھی سنا اور برداشت کیا۔

''اماں، تم آپا سے کرایہ دلوادو گھر کا، ورنہ پھر ہم یہیں آکر رہ لیتے ہیں، دو کمرے تو ہیں، ایک ہمارا ہوجائے گا، دوسرا تمہارا اور آپا کا، گڈو تو ویسے ہی دنوں گھر نہیں آتا۔'' جمیلہ یونہی چپ چاپ اس کی شکل دیکھے گئی اور جب مینا خاموش ہوئی تو بولی۔

''تہمینہ نہیں دینے والی اب پیسے ویسے، پتا نہیں کہاں رکھتی ہے چھپا کر، ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک جاؤ، مجال ہے جو ایک روپیہ بھی مل جائے... حالانکہ ابھی اتنی موٹی گڈی نکال کر گئی ہے بٹوے میں سے مگر مانگ کر دیکھ لو۔ خون سفید ہوگیا ہے اور بس۔'' جمیلہ کی بات کا اختتام ایک سرد آہ پر ہوا تھا اور اسی کے ساتھ تہمینہ کی اپنے کمرے سے آمد ہوئی تھی۔ اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر ڈالے وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھی۔ ان تینوں کی نگاہ ایک ساتھ ہی اس کی طرف اٹھی تھی۔ بے یقینی کے تکلیف دہ دور سے گزر جانے کے بعد اب وہ پھر سے خود کو سنبھال چکی تھی اور اس کی شخصیت میں دلکشی کا وہی پرانا احساس جاگنے لگا تھا۔ مینا نے اپنے تیزی سے پھیلتے وجود پر دل بھر کے شرمندگی محسوس کی۔

''آپا!'' جب وہ بنا کسی کو بھی مخاطب کیے دروازے کی طرف جارہی تھی تو مینا نے اسے پکڑا۔

تہمینہ نے صرف نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ مینا سے بات چیت قطعی بند تھی اور جمیلہ سے صرف بوقت

WWW.PAKSOCIETY.COM

ضرورت......کورٹ میں جا کر بیاہ رچانے والے کارنامے کے بعد جس طرح ان دونوں کا گٹھ جوڑ ہوا تھا، تہمینہ کو اس رویّے پر صرف گھن آتی تھی۔

''دیکھو آپا، تمہاری ناراضی اپنی جگہ لیکن تم اس طرح اپنے فرائض سے منہ نہیں موڑ سکتیں، بڑی ہو تم اس گھر کی، سب کی دیکھ بھال تمہارا ہی فرض ہے، تمہیں اچھا لگ رہا ہے کہ ہم اس طرح دھکے کھاتے رہیں۔'' وہ بڑی بے خوفی سے تہمینہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے قصور گنوا رہی تھی اور پیچھے تائید میں سر ہلاتی ہوئی جمیلہ۔

''اپنے حصے کے دھکے تم نے خود منتخب کیے ہیں مینا سو ان کی شکایت بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' مختصر جواب دے کر وہ دروازے سے نکلنے لگی تھی کہ مینا تیزی سے اس کے سامنے آئی۔

''تمہیں ہمارے مسئلے سننے ہوں گے آپا، اس طرح منہ چھپا کر نہیں رہ سکتیں تم!'' اس کی آواز بھی قدرے اونچی تھی۔ تہمینہ نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں منہ کیوں چھپاؤں گی مینا، جب تم ڈوب مرنے کے کام کرنے کے بعد پوری بے شرمی سے سر اٹھا کر زندہ ہو۔ تو میں نے ایسا کیا کر دیا آخر۔''

''بات کو بدلو مت آپا، میں نے شادی کی ہے، جو حق تھا میرا...... باقی میرا شوہر تم کو پسند نہیں ہے تو یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، میں خوش ہوں اور شاید میری خوشی ہی تمہیں برداشت نہیں ہو رہی ہے حالانکہ تم تو صاف بچ گئیں کسی بھی خرچ سے، نہ جہیز، نہ برات کا کھانا، نہ ہال کا خرچہ، پھر بھی میرا احسان ماننے کے بجائے الٹا غصہ دکھا رہی ہو کتنے ہی دن سے۔'' ماتھے پر ہزار بل لیے، وہ جس طرح احسان پر احسان رکھ رہی تھی، یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی مینا ہے، جو ادھر سی ویو والے فلیٹ پر اس کے آگے پیچھے غلاموں کی طرح پھرتی تھی اور اس کے منہ سے نکلنے والے ہر لفظ کو حکم کا درجہ دیتی تھی۔

''تم چاہتی کیا ہو مینا؟'' ایک گہری سانس لے کر تہمینہ نے خود کو فائنل راؤنڈ کے لیے تیار کیا۔ مینا کی حمایت کے لیے تیار کھڑی جمیلہ کو تہمینہ کے بے تاثر لہجے نے ہی غلط فہمی میں مبتلا کیا تھا۔

''شاباش ہے!'' تہمینہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے وہ پُرجوش ہوئی۔ ''دیکھ مینا، میں کہتی تھی نا کہ میری تہمی ایسی نہیں ہے، ناراض بے شک ہو، دل کی بے حد اچھی ہے، چل بتا بہن کو اپنے سارے پرابلم۔'' اس کی بے تابی دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ مینا سے زیادہ خود اس کے اپنے مسائل توجہ طلب ہیں۔

''سب سے پہلے تو میرے گھر کا کرایہ ادا کرو، پورے چھ ماہ کا۔'' مینا نے بے رخی سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے محض کام کی بات شروع کی۔

''اور اگر میں نہ دوں تو؟'' تہمینہ نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تم ایسا نہیں کر سکتیں، اس لیے کہ ہم تمہاری ذمے داری ہیں اگر ابا ہوتے تو دوسری بات تھی پھر ہم ان سے کہہ سکتے تھے۔'' وہ اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

''تم کہتیں اور وہ لا دیتے...... تم ہوش میں تو ہو مینا۔''

''کیا پتا لا ہی دیتے اور نہ لاتے تب بھی تمہاری ذمے داری تو ختم ہوتی مگر انہیں بھی نکالنے والی تم ہی تو ہو۔''

''میری ذمے داری کب ختم تھی مینا؟ وہ آدمی جب یہاں رہتا تھا تب سے جب میں بارہ تیرہ برس کی تھی،

سب کا پیٹ بھرنے کی ذمے داری، اس کا نشہ پورا کرنے کی ذمے داری سب ہی کچھ تو......'' اس کے حلق میں کچھ پھنسنے لگا، مینا نے بیزاری سے گردن جھٹکی۔

''اب تو ابا، ہم سے زیادہ کھاتے پیتے شخص ہیں، ہمدانی نے بڑا نوازا ہے انہیں، عیش کر رہے ہیں سنا ہے۔''

''یہ عیش بھی انہوں نے میری بربادی کے عوض ہی حاصل کیا ہے نا اور زیادہ دن چلنے والا بھی نہیں ہے، کیا پتا ختم بھی ہو چکا ہو، چاہو تو جا کر کنفرم کر لو، تمہارے میاں کی تو بہت جان پہچان ہے نا میڈیا میں...... لیکن کان کھول کر سن لو، میں کسی کو ایک پیسہ نہیں دینے والی۔'' تہمینہ کا لہجہ تلخ تو ہوا اور اندر کہیں پنجے جمائے گہرا دکھ کمزوری کے بجائے طاقت بننے لگا۔

''میرے میاں کو کچھ نہ کہو، داماد ہے وہ اس گھر کا، کچھ تو خیال کرو۔'' مینا کے ماتھے پر آیا بل اور بھی گہرا ہوا۔

''داماد!'' تہمینہ نے نفرت بھری نگاہ ان دونوں پر ڈالی اور عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ ''اتنے معزز رشتے کا حوالہ مت دو مینا، گھر سے بھاگ کر کی جانے والی شادیوں میں یہ پروٹوکول نہیں دیا جاتا، شکر کرو کہ ہم کوئی شریف اور...... خاندانی لوگ نہیں ہیں، ورنہ تم دونوں شہر شہر منہ چھپائے بھاگ رہے ہوتے۔'' اس بار وہ اپنی بات مکمل کرتے ہی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ لوہے کا زنگ خوردہ چھوٹا سا دروازہ بڑی زور کی آواز دیتا ہوا بند ہوا۔ مینا کا شوہر جیسے تڑپ کر اٹھا تھا۔

''بہت بے عزتی کروائی تو نے میری، چل اب سیدھی طرح میرے ساتھ۔'' وہ جس تیزی سے مینا کی طرف جھپٹا تھا، جمیلہ بہ مشکل ہی اسے بچا پائی۔

''پاگل ہو گیا ہے کیا، اتنی چھوٹی معصوم بچی ہے میری، ہاتھ بھی اٹھائے گا تو ہاتھ توڑ دوں گی۔''

''کوئی معصوم واصوم نہیں ہے، چکر چلا کر شادی کرنے کی عقل ہے اس میں، پوچھ لو سامنے کھڑی ہے، کس نے شروعات کی تھی میں نے یا اس نے۔ میری تو الٹی مصیبت میں جان آ گئی ہے۔ پہلے کسی بھی جگہ رہ لیا کھا پی لیا اب تو ہر وقت کا عذاب گلے پڑا ہے۔'' ایک جھٹکے سے اس نے مینا کا ہاتھ جمیلہ کے ہاتھ سے چھڑایا۔

''میں نہیں جاؤں گی، اس مالک مکان سے بے عزتی کروانے کے لیے۔'' مینا حلق کے بل چلائی مگر وہ جیسے سن ہی نہیں رہا تھا چھوٹے سے گھر کا شور غل ارد گرد کے لوگوں کو متوجہ کرنے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔ جمیلہ کو آس پاس والوں کی تو پروا نہیں تھی مگر پھر بھی اسے مینا کے میاں کو ہاتھ پیر جوڑ کر ٹھنڈا کرنا پڑا۔

''فی الحال سامان اٹھا کر یہیں آ جاؤ، مالک مکان سے بے عزتی کروانے سے اچھا ہے کہ تہمینہ کی چار باتیں سن لو چپ کر کے۔''

''نہیں اماں!'' مینا کسی گہری سوچ میں ڈوب رہی تھی۔

''ہم اب ابا کے ساتھ رہیں گے، بہت پیسہ ملا ہے انہیں...... ہم پر نہیں خرچ کریں گے تو کس پر کریں گے، ہاتھ پاؤں جوڑیں گے ان کے، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' جمیلہ نے بے ساختہ ہی نگاہ چرائی۔ مینا کے میاں کو اتنی دیر میں پہلی بار کوئی راستہ کھلتا ہوا محسوس ہوا۔

''میں آج ہی پتا لگانے کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں، کیا خبر اُن کی سفارش پر ہمدانی کام دینے پر بھی راضی ہو جائے۔ زندگی پوری سیٹ ہو جائے گی ایمان سے۔'' اس نے مینا کو ان ہی میٹھی نگاہوں سے دیکھا۔ جن

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے وہ اسے شادی ہونے سے پہلے دیکھا کرتا تھا۔ خوشی سے مینا کا چہرہ سرخ پڑا۔

''کام تو یوں ملے گا، ابا کا بڑا یارانہ ہے ہمدانی سے، دیکھا نہیں تھا کیسے ہر چینل پر لیے بیٹھا رہتا تھا ابا کو، ان کی بات کو ٹالے گا تھوڑی...... کیوں اماں؟'' اسے جمیلہ کی رائے کی بھی ضرورت پڑی تھی۔ جواباً وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔

''کیا ہوا، ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' مینا کو بالآخر کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا۔

''تیرا باپ اب ہمدانی کے ہاں نہیں ہے مینا!'' الفاظ ایک آہ کی صورت میں جمیلہ کے لبوں سے نکلے تھے۔ مینا نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

''نہیں ہے......''

''وہ واپس راحت کدہ پر آ کر پڑ گیا ہے، جو ملا کھایا پیا سب اڑا دیا ہے اس نے...... ہمدانی کو جو تماشا دنیا کو دکھانا تھا، دکھا چکا۔ اب ضرورت ختم ہو گئی قربان علی کی۔'' جمیلہ کے چہرے پر ویرانی تھی۔

''تمہیں...... تمہیں کس نے بتایا، ہوسکتا ہے جھوٹ ہو......؟'' مینا نے لبوں پر زبان پھیری۔ امید کا ایک آخری سرا شاید اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

''میں خود دیکھ آئی ہوں، پہلے سے بدتر حال تھا، دو چار برتن بیچ کر پیسے دے کر آئی ہوں اسے...... تہمینہ سے چوری چھپے۔'' مینا...... بے اختیار ہی سر پکڑ کر زمین پر بیٹھی۔ برا وقت، بہتر وقت، بہترین اور اب پھر بدترین سارک عمر وہ ایک دائرے میں ہی چلے تھے، سو آج بھی وہیں کھڑے، جہاں سے آغاز سفر ہوا تھا۔

☆☆☆

دور کسی چھوٹے سے خاموش کیفے میں بیٹھی تہمینہ نے پل بھر کے لیے اس خوب صورت ریسٹورنٹ کو یاد کی جہاں پتھریلی دیواروں پر جنگلی گلابوں کی بیلیں چڑھی تھیں، آج بھی وہ سارا منظر یقیناً ویسا ہی ہوگا لیکن اس کی اپ زندگی سے بہت کچھ خارج ہوا تھا، کچھ تقدیر کے ہاتھوں اور کچھ اس کی اپنی مرضی سے۔

''کچھ منگوا لیتا ہوں نا تمہارے لیے، خالی چائے پی رہی ہو اور وہ بھی کچھ اتنی خاص نہیں۔'' سامنے بیٹھے زی نے شاید دوسری یا تیسری دفعہ اس سے اصرار کیا مگر وہ پھر نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''میرا واقعی دل نہیں چاہ رہا زین...... اور یہاں بھی میں محض تمہارے ضد کرنے پر آ گئی ہوں، ورنہ یقین کر میرا اب ایک بھی فالتو پیسہ خرچ کرنے کو دل نہیں چاہتا ہے، اپنے پاس سے بھی اور تمہارے پاس سے بھی۔ ایک ن زندگی کی بنیاد رکھنا آسان نہیں ہے زین، ہم زیرو پر کھڑے ہیں۔''

''ہو جائے گا سب، فکر مت کرو۔'' وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔ ''میرے لیے سب سے اہم بات تمہاری خوشی۔ تہمینہ، تمہارا سکھ تمہارا آرام، اس وقت بھی، جب تم بہت دور نظر آتی تھیں اور اب بھی جب اپنی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے۔'' وہ جس محبت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا تہمینہ کو نگاہ چرانی پڑی تھی۔ وجہ شرم نہیں، اندر گہرا ہوتا ہوا گلہ تھا، اپنی خود غرضی پر، اپنے بے ایمانی پر۔ گو محبت اس نے ہمدانی سے بھی نہیں کی تھی مگر پھر بھی پوری ڈھٹائی سے محبہ کا ڈراما کھیل ہی لیا تھا۔ اس کی بڑی سے بڑی مہربانی پر بھی چبھن کا ہلکا سا بھی احساس نہیں، کچھ دو، کچھ لو۔ وہ ا سے بھی بڑا فنکار تھا اور بزنس مین تو تھا ہی... جہاں مفادات ختم ہوئے، وہیں رشتہ بھی سیکنڈوں میں قصہ ختم ہوا

مگر یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ زین کے چھوٹے سے چھوٹے عمل سے بھی اس کا خلوص اور گہری محبت جھلکتی تھی، وہ آنکھیں بند کر کے دیوانہ وار اس کے پیچھے چلا تھا اور جواباً......

''کاش، کاش میں اس سے تھوڑی سی ہی محبت کر پاتی تو یوں اپنی ہی نگاہوں میں مستقل گرتے رہنے کی اذیت سے بچ پاتی۔''

''کیا ہوا، کچھ پریشانی ہے کیا؟'' وہ اس کے خیالات تک پڑھنے لگا تھا شاید۔

''اور ایسے شخص کے ساتھ مستقل رہنا کتنا مشکل ہے جو آپ کو کہیں چھپنے بھی نہ دے۔'' تہمینہ نے بے بس سا ہو کر سوچا۔

''گھر میں کچھ ہوا یا پھر......؟'' وہ اسی طرح بے صبری سے سوال پر سوال کرنے کا عادی تھا۔ تہمینہ کو اس کی تسلی کے لیے مسکرانا پڑا مگر شاید اس وقت اس کی ایکٹنگ اتنی اچھی نہیں تھی۔

''اگر آدمی کسی وقت ناخوش ہو تو ضروری نہیں ہے کہ خود کو خوش ظاہر کرے وہ بھی ان کے سامنے جو اس کی بہت زیادہ پروا کرتے ہوں۔'' وہ اس کے چہرے پر نگاہ جمائے ہوئے کہہ رہا تھا چند لمحوں کے لیے دونوں کے بیچ خاموشی کے چند لمحات ٹھہرے۔

''زین!''

''ہوں!''

''اگر میں یہ شادی نہ کروں تو تمہیں کتنی تکلیف ہوگی!'' گو اس کے حالات یہ سوال پوچھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے تھے پھر بھی پتا نہیں کیوں اس نے ایک اندازہ لگانا چاہا، زین نے بڑے سکون بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''میری تکلیف کا دار و مدار تمہاری خوشی پر ہے تہمینہ، اگر تم مجھ سے شادی نہ کر کے زیادہ خوش ہو تو میں بھی بہت خوش رہوں گا، میں نے کہا نا کہ میرے لیے تمہاری خوشی سب سے اہم ہے، باقی سب ثانوی۔'' وہ جو کہہ رہا تھا وہی سب سے بڑا سچ تھا، اس کی گواہی آنکھ بند کر کے بھی دی جا سکتی تھی۔ کتنے ہی مشکل لمحات میں وہ اس طرح کام آیا کہ احساس تک نہ دلایا اور پھر ہمدانی کے ساتھ گزرے مصلحت اور آسائشات سے پُر دور میں، جب وہ کہیں دور پیچھے کھڑا رہ گیا تھا، بنا کوئی شکوہ کیے......

''میں نے تم سے محبت کی ہے تہمینہ اور محبت میں نہ شرائط چلتی ہیں اور نہ جواز، نہ دلیل...... یہ صرف کسی کے لیے خود کو مٹا دینے کا نام ہے۔ بنا کچھ پوچھے، کوئی سوال کیے۔'' اس کی آواز دھیمی تھی مگر ہر لفظ بالکل صاف اور مہربان سے احساس میں ڈوبا ہوا۔ بہت سا نمکین پانی تہمینہ کی پلکوں پر ٹھہرا تھا۔

''اب پتا نہیں صحیح یا غلط لیکن مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے۔'' وہ ماحول کو مزید بوجھل کرنے سے بچانے کے لیے ہی ہنس دیا مگر اس سے مسکرایا بھی نہیں جا سکا۔

''کاش میں کبھی سیف الاسلام سے نہ ملی ہوتی اور اگر ملی تھی تو اس کی محبت میں نہ گرفتار ہوئی ہوتی تو پھر زین کے ساتھ محبت نہ سہی ایڈجسمنٹ میں ہی کچھ آسانی ہو جاتی تو آج اس شفاف دل والے شخص کے سامنے یوں نگاہیں جھکائے نہ بیٹھی ہوتی۔''

''گھر میں کچھ پرابلم ہے، تمہاری امی ناراض ہیں کیا؟''

''نہیں!'' انگلیوں سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے تہمینہ نے اندر ہوتی توڑ پھوڑ کو وقتی طور پر روک لیا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہمارے گھر میں ایسی باتیں، ایشو نہیں بنتیں، یہ تو شریف خاندانوں کے مسئلے ہیں۔''

''پھر وہی تلخی!'' زین کو اس کا بے رحمی سے دیا جانے والا ہر کمنٹ کھلتا تھا۔ ''آخر تمہیں بار بار یہ سب جتانے کی کیا ضرورت ہے تہمینہ، کیوں تم مستقل اس کوشش میں رہتی ہو کہ اپنے بارے میں ہر گری ہوئی بات کہتی رہو، یہ سوچے بغیر کہ مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔'' اتنی دیر میں زین کا موڈ پہلی بار خراب ہوا تھا۔

''میں نے صرف تمہارے سوال کا جواب دیا تھا، اس لیے بھی کہ تم ایک بار پھر میرے بیک گراؤنڈ کو یاد کر سکو۔''

''مجھے کچھ یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی وہ سب میرے لیے اہم ہے، کسی کا بھی بیک گراؤنڈ، اس کی اپنی مرضی سے منتخب کردہ نہیں ہوتا۔''

''لیکن زندگی گزارنے کا طریقہ تو انسان کا اپنا ہی ہوتا ہے نا اور کی جانے والی غلطیاں بھی۔'' پتا نہیں کیوں مگر دل شدت سے چاہنے لگا تھا کہ وہ اس پر کھل کر تبصرہ کرے، اس کی طرزِ زندگی کے پرخچے اڑا کر رکھ دے پھر شاید وہ کھل کر سانس بھی لے سکے مگر زین کی محبت ایسی رعایت بھی نہیں دیتی تھی۔

''وہ بندے کا اور خدا کا معاملہ ہے، کسی کو بھی اس پر تنقید کی اجازت نہیں ہے مگر لوگ بھولے ہوئے ہیں۔'' وہ بل پے کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''دنیا کا اپنا چلن ہے زین اور لوگ خود کو اپنے رویّوں پر حق بجانب سمجھتے ہیں، تمہارے والدین کو بھی تو میں ناقابلِ قبول ہوں..... وہ اپنے اکلوتے بیٹے سے ہاتھ دھونے کے لیے تیار ہیں۔'' تہمینہ نے ابھی کرسی نہیں چھوڑی تھی۔ اتنی دیر میں پہلی بار اس نے زین کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔

''میں انہیں منانا چاہتا تھا تہمینہ..... مگر ایسا ممکن نہیں ہو سکا، میں انہیں کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا اگر تم ان سے بھی زیادہ تنہا نہ ہوتیں، ان کے پاس تو پھر بھی زارا ہے، پورا خاندان ہے..... مگر۔'' اس کی محبت کا ایک اور ثبوت......

''مگر میں خود نہ چاہتے ہوئے بھی کتنوں کے لیے تکلیف کا باعث ہوں اور خود اپنے لیے بھی..... زین، میں اور سیف الاسلام، کاش یہاں تین کے بجائے صرف دو نام ہوتے؟'' اس نے بڑی حسرت سے تمنا کی۔

☆☆☆

گھر میں بڑی ہی پُر ہنگام صورتِ حال تھی۔ اوپر کی منزل مکمل طور پر خالی کی گئی تھی، وہاں روما کا سامان سیٹ ہونا شروع ہو چکا تھا اور عارف کی اماں تقریباً روز ہی معائنے کے لیے تشریف لا رہی تھیں مگر رویّہ حیرت انگیز طور پر دبا دبا سا تھا۔

''سمجھ میں نہیں آرہا ان کے بدلاؤ کا راز کیا ہے، انسان کی فطرت کبھی نہیں بدلتی، صرف وقتی پردے پڑتے ہیں۔'' جب وہ لاؤنج میں سے گزر رہی تھی تو اس نے دادی کو رحمت بوا سے کہتے ہوئے سنا۔

''کاش یہ اتنی سی بات ہارون کی بھی سمجھ میں آجائے تو میری ساری پریشانی ہی ختم ہو جائے، میں تو مطمئن تھی کہ ہارون کی شرطوں کے بعد ان کے ہاں سے جواب آجائے گا خود ہی..... مگر یہ تو کچھ اور ہی نکلے..... شاطر اور کمینے۔'' اس کی زبان خراب نہیں تھی مگر یہ دو الفاظ بے ساختہ زبان پر آتے آتے رہ گئے۔

''زارا، اِدھر آؤ!'' وہ اسے دیکھ کر پکاری تھیں۔

''جی!''

www.paksociety.com

''تم کیوں نہیں منع کرتیں ہارون کو، کیسی بیوی ہو جو میاں تمہاری ایک نہیں سن رہا..... آج کل کی لڑکیاں تو اشاروں پر شوہر کو چلا لیتی ہیں۔'' وہ جھنجلائی ہوئی تھیں۔

''وہ کس کی سنتے ہیں دادی اور اب تو ویسے بھی عارف نے ساری شرطیں مان ہی لی ہیں۔'' تھکے تھکے سے لہجے میں وہ جو بھی کہہ رہی تھی خود منہ چڑا رہا تھا۔

''بعد میں گردن پر ہاتھ رکھ کر جو چاہو منوالو۔''

''پڑی رہے گی ایک کونے میں، عادی ہے ایسے ہی.....'' الفاظ کی بازگشت کسی لمحے دھیمی پڑتی تو کبھی اتنی اونچی کہ آس پاس کی ساری ہی آوازیں گم۔

''لو وہ آگئیں، اس سارے فساد کی جڑ!'' رحمت بوا کی آواز پر اس نے اور دادی نے ایک ساتھ چونک کر دیکھا۔ سمیعہ لاؤنج میں داخل ہو چکی تھی۔ ہمیشہ کی طرح حسین اور پُراعتماد! مگر اب اس کا حسن دل نہیں لبھاتا تھا، خوف زدہ کرتا تھا زارا کے لیے تو اس پر نگاہ جما کر دیکھنا بھی محال ہوا تھا۔

''کیا ہوا، تم بیمار ہو کیا زارا، بڑی ہی کمزور اور پیلی ہو رہی ہو؟'' نہ دعا نہ سلام، زارا اس کی براہِ راست تنقید کی زد میں آئی۔

''نہیں تو، ٹھیک ہوں میں!''

''تھک گئی ہے بچی، اتنے کام، اتنی ذمّے داریاں، سب اسی کی جان پر ہیں۔'' رحمت بوا حسبِ عادت اس کی مدد کو آئیں۔

''تھوڑے دن کی بات ہے بوا پھر تو زارا کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔'' اس نے بے پروائی سے ہاتھ ہلایا۔

''کیوں، خدا نہ کرے!'' دادی نے چشمے کے اوپر سے سمیعہ کو گھورا۔

''میرا مطلب ہے کہ اب عارف آرہا ہے، اس کی امی، بہن بہت لوگ ہوں گے شیئر کرنے کے لیے...... ذمّے داریاں۔'' اپنی بات کہہ کر وہ بے تکے پن سے ہنس دی۔ دادی کو نہ پہلی بات اچھی لگی تھی اور نہ یہ۔

''سوچ سمجھ کر بولا کرو سمیعہ، عارف کو ہم اپنی ذمّے داریاں اٹھانے کے لیے نہیں لا رہے ہیں، وہ تو خود ہم پر اپنی ذمّے داری ڈال رہا ہے، معلوم نہیں ہارون کو کیا نظر آگیا ہے اس خاندان میں۔''

''ان کی سادگی!'' اس بار وہ بے حد سنجیدہ تھی اور دادی کے بالکل قریب جا کر بیٹھی تھی۔ ''عارف کا گھرانہ سیدھا سادہ ہے، آپ کو شاید اس لیے ان میں کمی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ وہ بے چارے غریب لوگ ہیں، شوق میں آکر کچھ فرمائشیں کیا کر گئے آپ کو زارا کو تو ان سے نفرت ہی ہو گئی ہے، کتنی حقارت سے آپ ان کا ذکر کر رہی ہیں۔'' سمیعہ کے لہجے اور آواز دونوں ہی میں ایسی دل کو چھوتی حساسیت نمایاں تھی کہ زارا اور دادی دونوں ہی کو چند لمحوں کے لیے خاموش ہونا پڑا۔

''سمیعہ، ٹھیک کہہ رہی ہے دادی۔'' اوپر سامان رکھوا۔ ہوا ہارون کس وقت نیچے آیا تھا، سیڑھیاں عقب میں ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اسے نہیں دیکھ سکی تھیں مگر سمیعہ بالکل سامنے تھی۔

''میں ہمیشہ ہی غلط وقت پر، غلط جگہ ہی کیوں ہوتی ہوں۔'' ایک ٹھنڈی سانس زارا کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

''اور آپ تو بڑی ہیں، جو چاہیں کہہ سکتی ہیں مگر زارا تم میرے بار بار سمجھانے کے باوجود بھی اپنی مخالفت سے باز

WWW.PAKSOCIETY.COM

کیوں نہیں آرہی ہو، پرابلم کیا ہے آخر تمہارا۔'' وہ بری طرح زارا پر بگڑا۔

''تنگ آچکا ہوں میں تمہاری ان حرکتوں سے اور اگر اتنا ہی سب کچھ تمہارے لیے ناقابلِ برداشت ہورہا ہے تو تم بے شک یہاں سے چلی جاؤ، میں خود بھی روما کی شادی کرسکتا ہوں کوئی ضرورت نہیں ہے تمہارے یہاں رہنے کی، سمجھیں!'' زارا کی آنکھیں حیرت سے پوری کھلیں اور چہرے کا رنگ اور بھی اڑا تھا۔ وہ اتنے غصے میں تھا کہ دادی تک کی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ روما، ہارون کی اونچی آواز سن کر ہی کمرے سے لاؤنج میں آئی تھی۔

''بات میری اور سمیعہ کی ہورہی تھی ہارون، زارا تو بولی تک نہیں ہے اور تم بات کس طرح کررہے ہو اس سے، کچھ اندازہ ہے۔'' دادی کو بالآخر اپنی جگہ کھڑا ہونا پڑا۔ تب کہیں وہ ان کی بات سن پایا۔

''زارا کی سائڈ مت لیں دادی پلیز، آپ وہ نہیں جانتیں جو میں جانتا ہوں، اسے مسئلہ ہے روما کی شادی سے...... مستقل اعتراض کرکے زندگی عذاب بنا چکی ہے میری۔'' پیچھے دروازے کے ساتھ لگی کھڑی روما نے بے ساختہ ہی اپنے ماتھے کو چھوا اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ ان سب کے بیچ آکھڑی ہوئی۔

''کیا ہوگیا ہے آخر آپ کو بھائی، یہ سب آپ زارا کو کہہ رہے ہیں، صرف اس لیے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کیوں کررہی ہے، آپ کی ہاں میں ہاں نہیں ملارہی تو اس سے کیا فرق پڑرہا ہے، آخر کار ہوگا تو وہی جو آپ چاہتے ہیں، پھر......'' ایک خاموش سی نگاہ سمیعہ پر ڈالتے ہوئے روما نے بات ادھوری چھوڑی۔ وہ سرا ونچا کیے پورے اطمینان سے اس سارے منظر میں گم تھی اور زارا...... روما نے اس کے جھکے ہوئے سر کو افسردگی سے دیکھا گود میں رکھے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پیوست تھے مگر پھر بھی ہلکی سی کپکپاہٹ واضح تھی، معلوم نہیں یہ سب اس نے کس طرح جھیلا تھا۔ باہر فرنیچر والے ہارون کے منتظر تھے۔ روما کی بات کا جواب دیے بغیر وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر چلا گیا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی ہارون کے سامنے اس طرح بات کرنے کی سمیعہ اور جبکہ تم اسے آتا ہوا دیکھ بھی چکی تھیں۔'' لاؤنج کے سناٹے میں دادی کی آواز گونجی، سمیعہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ اس طرح ری ایکٹ کرے گا لیکن آپ کو برا لگا ہے تو سوری! ویسے میں اب بھی کہوں گی کہ آپ لوگ عارف کو غلط سمجھ رہے ہیں۔'' بہت عرصہ ہوا جو اس کے لہجے سے کسی کا بھی لحاظ ختم ہوا تھا، مصنوعی سے انداز میں کی جانے والی بات اور ٹھوک بجانے والا انداز۔ دادی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

''زارا، تم ذرا کچن کو دیکھ لو اٹھ کر۔'' کمرے میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے پلٹ کر زارا سے کہا جب تک وہ اٹھ کر وہاں سے چلی نہیں گئی دادی اپنے کمرے میں داخل نہیں ہوئیں۔ لاؤنج میں اب صرف وہ دونو ہی تھیں۔

''تم مجھ سے بہت ناراض رہنے لگی ہو روما، کیا تم بھی عارف کے بارے میں ایسا ہی سوچتی ہو جیسا دادی اور زارا؟''

''میں عارف کے بارے میں نہیں، تمہارے بارے میں سوچتی ہوں سمیعہ، مجھے سوچ کر بھی شرم آتی ہے کہ زارا کی مخالفت میں کہاں تک چلی گئی ہو...... معاف کردو اسے، اس قصور پر جو اس نے کیا ہی نہیں۔'' روما کی آنکھیں بھیگ رہی تھی۔ سمیعہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''عارف اور اس کے گھر والے جیسے بھی ہیں، مجھے دل و جان سے قبول ہیں، میں اپنے بھائی کے لیے مسائل بڑھانا نہیں چاہتی ہوں وہ اگر خوش ہیں تو میں ان سے بھی زیادہ خوش ہوں اور ہمیشہ خوش رہوں گی، کوئی ایک لفظ شکایت کا کبھی میرے منہ سے نہیں نکلے گا۔'' اس کی درد میں ڈوبی آواز، چہرے پر پھیلی محرومی، کچھ بھی ایسا نہیں تھا جو سمیعہ کے دل کو چھوتا۔

''وہ تمہاری مرضی ہے روما اور عارف کچھ ایسا برا بھی نہیں ہے کہ تم سے خوامخواہ کی ہمدردی جتائی جائے۔ عام طور پر لڑکیوں کی ایسی ہی شادیاں ہوتی ہیں بلکہ اس سے بھی بری۔'' روما کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

''میں نے کہا نا کہ میں اپنی بات نہیں کررہی، زارا کی کررہی ہوں، کتنا عرصہ ہوگیا اس کی اور بھائی کی شادی کو مگر تم آج بھی...... تم تقدیر کے فیصلے کو مان کیوں نہیں لیتیں سمیعہ؟''

''تقدیر نے ابھی اپنا فیصلہ نہیں سنایا ہے روما، ورنہ میں ابھی تک بھنور میں گھری نہیں کھڑی ہوتی، مجھے بھی کنارہ مل چکا ہوتا، یہ بے سکونی تو نصیب میں نہیں رہتی۔''

''یہ بھنور بھی تمہارا اپنا منتخب کردہ ہے سمیعہ، شادی کرلیتیں کسی اچھے آدمی سے تو اب تک کب کی سٹیل ہوچکی ہوتیں۔'' روما کی فطری نرم دلی اسے سمیعہ کے لیے بھی افسردہ کرتی تھی۔

''ہاں!'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''تمہارا شکریہ جو تم اب بھی میری فکر کرتی ہو لیکن میری زندگی میں وہ اچھا انسان بہت پہلے آچکا ہے، کمی صرف یہ ہے کہ میری اب تک اس سے شادی نہیں ہوئی ہے۔ سو وہ بھی جلدی ہوجائے گی۔'' یقیناً روما کے چہرے پر نگاہ جما کر اس نے جو بات ہلکے سے تپاک کے ساتھ شروع کی تھی بے حد سرد لہجے میں ختم کی۔ روما نے بے ساختہ ہی نگاہ چرائی تھی۔ اب وہ اسی طرح خوف زدہ کرتی تھی کہ دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

''شادی بھائی نے اپنی مرضی سے کی تھی سمیعہ، زارا کا کوئی قصور نہیں ہے، اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا اس بارے میں۔'' روما کی آدھی ادھوری بات سننے کے بھی لائق نہیں تھی۔

''وہی گھسی پٹی سی کہانی! تمہارا دل نہیں گھبراتا ایک سی باتیں کرتے ہوئے۔ زارا کو ہارون کی زندگی سے جانا ہے اور اسے جانا چاہیے بھی...... اگر انسان کسی کی خالی جگہ دیکھ کر قبضہ کرلے تو آخر تو اسے دستبردار ہونا ہی پڑتا ہے، اب دیکھ لو زارا کی واپسی کا سفر شروع ہوچکا ہے۔'' اس نے لاؤنج میں پھیلے زارا کے فالتو سامان کی طرف اشارہ کیا۔ زارا کا نیچے والا کمرا چھوٹا تھا سو بہت سی اشیا ابھی یوں ہی بے ٹھکانا رکھی تھیں۔

''آج یہ سامان فالتو ہوا ہے، کل کو زارا بھی بلکہ کل ہی کیوں، آج تو سب نے ہی دیکھ لیا کہ ہارون اس سے کس قدر بیزار ہوچکا ہے، پچھتا رہا ہے وہ اپنے اس غلط فیصلے پر اور ساری زندگی زارا کے نام کا ڈھول وہ گلے میں نہیں ڈالے رکھے گا۔'' پوری رعونت سے بات ختم کرکے وہ لاؤنج سے نکل گئی، کاریڈور نیم تاریک اور سرد تھا اور کاریڈور سے پچھلے برآمدے کی طرف مڑتے ہوئے بڑے سے کچن میں زارا بالکل اکیلی بیٹھی تھی۔ سمیعہ نے ایک نگاہ میں ہی اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور اترا ہوا چہرہ دیکھا اور پوری بے نیازی سے آگے بڑھتی چلی گئی مگر وہ حیرت انگیز طور پر اس کے پیچھے آئی۔

''سمیعہ!''

''ہوں!'' وہ کچھ چونک کر مڑی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

’’مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔‘‘ وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ کر کھڑی ہوئی۔

’’مجھ سے!‘‘

’’شاید اپنے شوہر کے ہاتھوں ہونے والی بے عزتی پر یہ بھی کوئی احتجاج کرنے والی ہے۔‘‘ سمیعہ کو ایسا ہی لگا۔

’’جو کہنا ہے جلدی کہو، مجھے جلدی ہے۔‘‘ زارا نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

’’میں رات میں تمہارے گھر آؤں گی، یہاں بات کرنا مناسب نہیں ہے۔‘‘ وہ بہت سکون سے کہہ رہی تھی، نہ کوئی طنز، نہ شکایت، ابھی تازہ ہوئی بے عزتی کی گواہی صرف اس کی روئی روئی آنکھوں نے ہی دی تھی۔ سمیعہ کو ایک بار تو اس کے صبر پر حیرت ہی ہوئی۔

’’ٹھیک ہے آ جانا مگر نو بجے تک، شام میں مجھے کہیں جانا ہے۔‘‘ احسان کرتے ہوئے اس نے ملاقات کے لیے وقت دیا اور سیڑھیاں اتر گئی۔ پچھلے لان کی ہری گھاس پر کاسنی‘ پیلے پھول مسکرا رہے تھے۔ اور دور چمپا کے درختوں کے جھنڈ سے پھیلتی ہوئی دھیمی دلفریب خوشبو سے ہوا کے جھونکے بوجھل ہوئے جا رہے تھے۔

’’کیا کہے گی یہ بھلا؟‘‘ ماحول کی ساری خوب صورتی کو ذرا بھی محسوس کیے بغیر سمیعہ کے ذہن میں یہی ایک سوال ابھر رہا تھا۔

☆☆☆

ہارون لاؤنج میں واپس آیا تو وہاں صرف روما تھی۔ ’’کہاں چلے گئے سب؟‘‘ وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔ روما نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

’’جتنا غصہ ابھی آپ کر کے گئے تھے، اس کے بعد کون بیٹھا رہ سکتا تھا۔‘‘

’’پلیز روما! بات ختم ہو گئی ہے نا!‘‘ قریب آتے ہوئے اس نے نرمی سے کہا۔

’’محض اپنی بات کہہ دینے سے بات ختم نہیں ہوتی بھائی، انسان میں دوسرے کی رائے سننے کی بھی ہمت ہونی چاہیے۔ صرف آپ ہی تو اہم نہیں ہیں، دوسرا بھی آخر اپنا وجود، اپنی عقل، سمجھ رکھتا ہے۔‘‘ روما کا لہجہ مضبوط تھا اور ابھی چند منٹ پہلے وہ سمیعہ کی باتوں سے جتنی رنجیدہ اور خوف زدہ ہو چکی تھی اس کا اظہار ہارون کے سامنے قطعی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

’’میں کسی کو تمہاری خوشی کے آڑے نہیں آنے دے سکتا، چاہے کوئی بھی ہو۔‘‘

’’اس کوئی بھی کی لسٹ میں سے آپ سب سے پہلے زارا کا نام کاٹ دیں‘ ورنہ میرے لیے خوشی کا مطلب ہی بدل جائے گا۔‘‘

’’تم بہت بدل گئی ہو روما، بڑی عجیب باتیں کرنے لگی ہو۔‘‘

’’وقت بھی تو بدل رہا ہے اور آپ بھی......!‘‘ وہ تلخی سے مسکرائی اور دادی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

ہارون تھکے تھکے سے انداز میں وہیں صوفے پر بیٹھا رہا‘ آج اوپر کے سامان کی سیٹنگ بھی مکمل ہوئی۔ کچھ معمولی نوعیت کی چیزیں تھیں سو وہ کسی وقت زارا اور روما کو ساتھ لے جا کر لائی جاتی تھیں، آج بھی جایا جا سکتا تھا مگر اس وقت گھر میں خاصی بدمزگی پھیل چکی تھی سو نہ تو روما ہی تیار ہوتی اور کیا پتا زارا بھی نہیں۔ اس نے ایک ٹھیک ٹھاک سا تجزیہ کیا۔ سیل فون پر عارف کا نمبر آ رہا تھا۔ اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن

www.paksociety.com

عارف کی بات اب بہر حال دوسری تھی،

’’السلام علیکم ہارون بھائی، عارف عرض کر رہا ہوں۔‘‘ جیسے جیسے شادی قریب آ رہی تھی اس کی خوش اخلاقی ور انکساری دونوں ہی بڑھتی جا رہی تھیں، اپنی اماں کے رویے پر وہ اتنی بار معافی مانگ چکا تھا کہ ہارون کو اب خود ثرمندگی ہونے لگی تھی۔

’’میں تمہیں فون کرنے ہی والا تھا عارف، اوپر کا فرنیچر وغیرہ سیٹ ہو گیا ہے، تم کسی وقت اپنی والدہ کے ساتھ آ کر دیکھ لو جو کوئی کمی بیشی ہو گی وہ بھی پوری ہو جائے گی۔‘‘

’’اور شرمندہ مت کریں ہارون بھائی، نہ میں آؤں گا اور نہ ہی اماں، آپ نے جو کچھ کر دیا وہ بہت ہے، یرے لیے تو صرف یہ دعا کریں کہ میں خود اپنی ہمت سے اتنا کماؤں کہ روما کی ہر خواہش، ہر ضرورت کو خود پورا کرسکوں، اسی دن مجھے اصل خوشی حاصل ہو گی۔‘‘ وہ بڑے ہی جذبے اور حساسیت کے ساتھ کہہ رہا تھا اور سکون کا ہرا احساس ہارون نے اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کیا۔

’’خوش رہو عارف، بہت اطمینان ہوا ہے مجھے تمہاری بات سے۔‘‘

’’جو کچھ بھی پہلے ہوا، میری بہت بڑی غلطی تھی ہارون بھائی، اماں نے اصل میں بہت غربت دیکھی ہے، ہت مصیبت میں زندگی کٹی ہے ان کی، اسی لیے جب آپ نے مہربانی کر کے مجھے منتخب کیا تو وہ خوشی سے بوکھلا ئیں، ساری الٹی سیدھی باتیں انہوں نے......‘‘

’’عارف پلیز!‘‘ ہارون کو روکنا پڑا۔ ’’وہ بھی بزرگ ہیں ہماری اور بزرگوں کی بات کا برا منانا سخت بے ادبی۔ ں نے تمہیں کہا ہے کہ نا کہ اب اس بارے میں کوئی بات نہیں ہو گی۔ ورنہ اب میں واقعی ناراض ہونے والا ہوں۔‘‘

’’چلیں کچھ نہیں کہتا مگر آپ بھی وعدہ کریں کہ مجھ سے یا اماں سے اس بارے میں اب کچھ نہیں پوچھیں گے، ے لینی ہے، روما سے لیں یا بھابی سے۔‘‘ بات ختم ہونے تک وہ اس بات پر اصرار کیے گیا، ہارون نے دل کی ہرائیوں سے خدا کا شکر ادا کیا تلخی اور بے یقینی کے دور کے ختم ہونے کے لیے خلوصِ نیت کے اسی مظاہرے کی رورت تھی، جو سچ نہ ہوتے ہوئے بھی سچ پر بھاری تھا۔

’’کاش میں زارا اور دادی کو بھی قدرے تحمل کے ساتھ قائل کر پاتا، یوں ایک دم جذباتی ہو جاتا......‘‘ دل اب ی اس محبت کے لیے شکوہ کناں تھا، جو اندیشوں، واہموں اور خفگیوں کے بوجھ تلے ساکن تھی۔ کسی کسی وقت تو وہ دا اپنی ناراضی کی اصل وجہ دریافت کرتے ہوئے مکمل کنفیوز ہوتا۔ بات صرف عارف اور روما کے رشتے کی مدیدگی اور ناپسندیدگی کی بھی کب تھی۔ کچھ اور تھا اب تو بیچ میں جو ہوش گم کرتا تھا، رضا کا اس روز حسنہ پھپو کی گلی ں مڑنا، زارا کا کچھ بھی بتانے سے گریز، کھویا کھویا سا معنی خیز انداز...... ہارون نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

’’سو اب وہ مجھ سے رازداریاں بھی برتتی ہے۔‘‘

☆☆☆

آج وہ بڑے عرصے بعد، سمیعہ کے کمرے میں آئی تھی اور قدم رکھتے ہی چند لمحوں کے لیے اس طرح شاکڈ ئی تھی کہ بس...... اتنی مطابقت کہ جیسے کسی نے اسے شیشے کے آگے کھڑا کر دیا ہو۔

’’حیران ہو گئیں نا؟‘‘ سمیعہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''میں نے تمہارا کمرا سجا لیا ہے مگر ابھی کچھ کمی ہے اس میں۔''

''حیرت کی کیا بات ہے، تمہیں میرا کمرا اچھا لگا ہوگا، اسی لیے تم نے بالکل ویسا ہی اپنا روم سیٹ کر لیا۔'' وہ کہتے ہوئے اندر آ کر بیڈ کے ایک کونے پر ٹک گئی۔

''مجھے صرف تمہارا کمرا ہی نہیں اور بھی بہت کچھ پسند ہے زارا اور اچھی بات یہ کہ تم اپنی چیزیں چھن جانے پر کوئی خاص واویلا بھی نہیں کرنے والی ہو۔'' زارا ہلکے سے مسکرا دی مگر اس مسکراہٹ کا پھیکا پن نمایاں تھا۔

''واویلے کا انحصار چیزوں پر ہے شاید کچھ ایسا بھی ہو جو میں کبھی کسی کو نہیں دینا چاہوں گی۔''

''ہونہہ!'' اس کی مذاق اڑاتی نگاہ زارا کے چہرے پر تھی۔

''تمہارے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے زارا جب انسان پر برا وقت آتا ہے تو ساری کوششیں بھی اسے نہیں بچا پاتی ہیں، خالی ہاتھ رہ جاتا ہے ایک پل میں انسان۔''

''خدا نہ کرے جو مجھ پر ایسا وقت آئے جو......'' زارا کو یک دم ہی احساس ہوا کہ وہ اس وقت جان بوجھ کر اسے غصہ دلا رہی ہے۔

''سمیعہ میں یہاں اپنا مقدمہ لڑنے نہیں آئی ہوں!''

''اپنا مقدمہ تم ہار چکی ہو ویسے بھی اب تو صرف سزا سنانی باقی ہے۔''

''بہتر ہوتا جو میں کانوں میں روئی ڈال کر آتی تاکہ سکون سے صرف اپنی بات کہہ پاتی۔'' ایک گہری سانس لے کر اس نے خود کو کمپوز کیا۔

''مجھے تم سے روما کے بارے میں بات کرنی ہے سمیعہ۔''

''ہارون سے اتنی بے عزتی کروانے کے بعد بھی اگر تمہیں روما کی اتنی پروا ہو رہی ہے تو آفرین ہے پر۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی مگر زارا نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

''تم عارف سے روما کے لیے انکار کروا دو، اس کے بدلے میں، میں تمہیں بہت کچھ دے سکتی ہوں۔'' سمیعہ کے چہرے پر محض لمحے بھر کی حیرت اتری۔

''تم مجھے کیا دو گی زارا، تمہارے اپنے پاس ہے ہی کیا اور روما بے چاری سے بھی ایسی کیا پرخاش، اب کہیں جا کر اگر اس کی شادی ہو رہی ہے تو ہو جانے دو غریب کی ورنہ یونہی ہی بیٹھے بیٹھے ساری عمر نکل جائے گی، کون کرے گا پھر، ہے کوئی دوسرا رشتہ تمہارے پاس۔''

''عارف سے شادی ہو جانے سے کہیں بہتر روما کا ساری عمر بیٹھے رہ جانا ہے اور یہ بات تم جانتی ہو اچھی طرح۔''

''میں نہیں جانتی! پتا نہیں کیوں تم عارف کے پیچھے پڑ گئی ہو، اب تو وہ بے چارہ کتنی بار ہارون سے اپنی اور اپنے، دونوں ہی کے لیے معافی مانگ چکا ہے۔''

''تمہارے کہنے پر نا!'' زارا نے بے ساختہ کہا۔

''میرے کہنے پر کیوں، تم مجھے کیوں بار بار انوالو کر رہی ہو زارا، یہ تمہارے گھر کے مسئلے ہیں، خود حل کرو۔'' چند منٹ پہلے والا خوشگوار موڈ الجھن کا شکار ہونے لگا تھا۔

''میرے گھر کے تقریباً سارے مسئلے، تمہارے ہی تخلیق کردہ ہیں لیکن اب جو کچھ تم روما کے ساتھ کر رہی

سمیعہ وہ بالکل ناقابلِ تلافی ہے، تمہیں خدا کا بھی خوف نہیں آتا کیا؟'' زارا کے لہجے میں دکھ کا گہرا احساس تھا سمیعہ کی پیشانی پر آیا بل اور بھی گہرا ہوا۔

''رہنے دو یہ ایموشنل بلیک میلنگ، جو کچھ بھی میرے ساتھ ہوا، اس کے بعد نہ مجھے کسی پر رحم آتا ہے اور نہ ہی ہمدردی، میری ڈکشنری سے یہ سارے لفظ خارج ہو گئے کیونکہ کسی نے انہیں میرے لیے بھی استعمال نہیں کیا۔'' اس کا چہرہ گلابی پڑ رہا تھا اور آواز قدرے اونچی۔

''کیا ہوا تمہارے ساتھ، صرف یہ نا کہ ہارون نے تمہارے ساتھ شادی نہیں کی۔'' ایک کھلا راز، بہت سکون بھرے لہجے میں زارا کے لبوں پر آیا۔ سمیعہ نے نچلا ہونٹ بہت سختی سے دانتوں تلے دبایا تھا۔

''صرف!'' اندر کہیں کوئی بہت تڑپ کر رو دیا۔

''ہزاروں لاکھوں لوگ محبت کرتے ہیں سمیعہ مگر محروم رہ جاتے ہیں، یہ تقدیر کے فیصلے ہیں، ان کا انتقام آس پاس کے لوگوں سے لینا زیادتی ہے، بھول جاؤ سب کچھ، آگے بہت اچھی زندگی تمہاری منتظر ہے، یقین کرو۔''

''مجھے یقین ہے۔'' سمیعہ کی آواز ایک بار پھر بلند ہوئی، زارا نے دیکھا اس کے ہونٹوں پر خون کا ایک قطرہ چمک اٹھا تھا۔

''سو یہ بھی کتنی تکلیف دہ بات۔'' مگر وہ بے نیاز تھی۔

''مجھے یقین ہے، اس لیے نہیں کہ تم کہہ رہی ہو بلکہ اس لیے کہ مجھے خود پر یقین ہے...... بہت تکلیف اٹھا چکی ہوں میں اب خوشیاں خود چل کر مجھ تک آ رہی ہیں، عارف روما سے شادی کر رہا ہے اور ہارون تمہیں اپنی زندگی سے نکالنے والا ہے، دونوں ہی کام میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں۔'' اس نے اپنے ہونٹ پر سے رگڑ کر خون کے اس قطرے کو صاف کیا تھا۔

''میں جانتی ہوں، عارف اور تم مل کر کیا کھیل کھیل رہے ہو اور اگر ہارون نے بھی سچائی جان لی تو پھر جانتی ہو کیا ہوگا؟'' زارا حیرت انگیز طور پر پُرسکون تھی۔ سمیعہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں اس روز عارف کے گھر آئی تھی، جب تم وہاں تھیں۔'' سمیعہ نے ایک گہری سانس لی۔

''تو اب سمجھی میں...... اگر تم جان بھی گئی ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہاں، عارف کو یہ راستہ میں نے ہی دکھایا ہے، وہ جلد سے جلد امیر بننا چاہتا تھا اور میں ہارون کو، آج وہ میرا احسان مند ہے، کل محبت بھی کرنے لگے گا رہی روما تو اس کے کون سے لمبے چوڑے خواب ہیں، پڑی رہے گی ایک کونے میں، اب اس جیسی معمولی شکل کو کوئی مرد سر پر تو بٹھانے سے رہا۔'' شرم کی کوئی ہلکی سی رمق بھی اس کی آنکھوں میں نہیں اتری تھی، رعونت کا وہی بے حسی بھرا انداز جو ہر ایک کو ٹھوکر پر رکھتا تھا۔ کچھ بھی نیا نہیں تھا پھر بھی زارا نے ہمیشہ سے بڑھ کر تکلیف محسوس کی تھی۔

''میں تمہاری مجرم سہی سمیعہ، روما کا خیال کر لو، جیتے جی مر جائے گی وہ عارف کے ساتھ رہ کر، وہ بہت سادہ دل ہے برداشت نہیں کر پائے گی اتنی بے ایمانی۔''

''نہیں کرے گی تو مر جائے گی، کوئی بیماری لگا کر قصہ ختم!'' یہ اس کا گھر تھا سو اسے کسی کا ڈر نہیں تھا اونچی آواز میں بولتے ہوئے۔ ''تم بہتر ہوگا اپنی فکر کرو زارا، تمہارا بھائی پہلے ہی گھر چھوڑ کر جا رہا ہے اور دوسرا صدمہ تم اپنے والدین کو دینے والی ہو، جاؤ میرا دماغ مت خراب کرو۔'' وہ اس بار اس کی طرف سے پشت کر کے کھڑی ہوئی تھی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور بظاہر اب کوئی بات نہیں تھی، جس پر بات جاری رکھی جا سکتی مگر ایک آخری کوشش......

''سنو سمیعہ۔'' وہ اس کے بالکل قریب آ کر کھڑی ہوئی۔ ''اگر میں ہارون......'' جو کچھ وہ کہنے جا رہی تھی، اتنا تکلیف دہ تھا کہ الفاظ کھو رہے تھے مگر زارا نے اپنی ساری ہمت جمع کی تھی۔

''اگر میں ہارون کی زندگی سے چلی جاؤں تو تم روما کو بچا لو گی کیا؟''

''کیا!'' وہ جواباً چونکی اور پھر ہنستی چلی گئی۔ زارا کے آخری پتوں نے بھی Show ہو کر اپنی اہمیت کو کھو دیا تھا۔

''تمہیں پتا ہے زارا تمہاری سب سے بڑی خامی یہی ہے کہ ہر موڑ، ہر مقام پر خود کو عظیم ثابت کرنا، اچھی بیٹی، اچھی بہو، یہ سارے ٹائٹل پانے کی دُھن میں تم نے ہارون کو کھو دیا اور اب جو رہے سہے دن باقی ہیں وہ بھی تمہاری اسی خوبی کی نذر ہوں گے......'' مذاق اڑانے والے انداز میں وہ بے پروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ سامنے شیشے میں زارا پیچھے کھڑی تھی، اس کے آخری جواب کی منتظر......

''مگر اس بار نہیں، افسوس میں تمہیں عظمت کے اس مقام پر نہیں دیکھ سکتی، ہارون تو ویسے ہی تمہاری زندگی سے جا رہا ہے سو میں تمہیں یہ کریڈٹ کیوں لینے دوں، جاؤ جو دل چاہے کرو......روک لو یہ شادی۔'' برش بالوں میں پھیرتے ہوئے وہ زیرِ لب کچھ گنگنائی۔

''تو ٹھیک ہے سمیعہ، اب ایک بات تم میری بھی سن لو، شادی تو میں روما کی ہرگز بھی عارف کے ساتھ نہیں ہونے دوں گی۔ ہارون مجھے رکھیں یا چھوڑیں، میری تقدیر ہے لیکن روما کے ساتھ اب یہ ظلم نہیں ہوگا۔'' اتنی دیر میں پہلی بار زارا کی آواز بلند ہوئی اور دوسرے ہی لمحے وہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر جا چکی تھی۔ باہر برآمدے کی لائٹ بند تھی، صرف چھوٹے سے صحن میں روشنی تھی وہ اس وقت اتنی اپ سیٹ تھی کہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر سیدھی نکلتی چلی گئی۔ نیم اندھیرے برآمدے میں چارپائی ڈالے لیٹے ہوئے چچا عبدالعزیز کے لبوں پر اس وقت بھی عادتاً دھیما، دھیما سورۂ عصر کا ورد تھا اور آنکھوں سے ٹوٹ کر گرتے آنسو، ان کی سفید داڑھی میں جذب ہو رہے تھے۔

''بے شک انسان خسارے میں ہے۔'' انہوں نے زیرِ لب دُہرایا۔

☆☆☆

ساری رات وہ ایک پل نہیں سوئی تھی۔ بے چین، مضطرب، کروٹ پر کروٹ بدلتی ہوئی اور اس کے پہلو میں وہ اس طرح ساکت لیٹا رہا جیسے آج سے زیادہ گہری نیند پہلے نہ سویا ہو۔ رات دھیمے دھیمے ڈھل گئی۔ صبح جس وقت وہ اٹھا تو زارا نیچے جا چکی تھی۔

''پتا نہیں وہ رات تھوڑی سی بھی دیر کے لیے سوئی تھی یا نہیں۔'' وہ اس کے لیے تھوڑا سا فکر مند ہوا۔ ''شاید رات اس کی طبیعت خراب تھی یا کوئی اور پریشانی!'' اتنی ساری خفگیوں کی جمع جوڑ کے باوجود محبت کا نرم احساس اپنے ہونے کا پتا دینے لگتا تھا۔ چھت پر نگاہ جمائے، وہ کتنی ہی دیر کیا کیا سوچ گیا۔ زارا زندگی کی اولین خواہش تھی، پوری بھی ہوئی اور وہ اپنی زندگی مکمل ہونے پر کتنا نازاں اور مطمئن بھی ٹھہرا مگر سکون کا یہ وقفہ بھی کتنا مختصر...... بظاہر سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوتے ہوئے بھی غضب کی ٹوٹ پھوٹ اور اب تو لگتا تھا کہ جیسے سب کچھ ختم ہی ہونے ہے۔ ہارون بے ساختہ ہی اٹھ کر بیٹھا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟'' اس کا دل بڑے ناخوشگوار انداز میں دھڑکا۔ آج بھی زندگی اس کے بغیر کا مطلب معنی نہیں رکھتی تھی۔

''اٹھ گئے آپ!'' اس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

''ہاں......ہاں بس آ رہا ہوں۔'' ہارون نے چونک کر زارا کی طرف دیکھا، وہ محض سر ہلا کر مڑنے لگی تھی تب ہی ہارون نے اس کو آواز دی۔

''زارا!''

''جی!'' وہ اب بھی دروازے میں رکی کھڑی تھی، ہارون کو اس کے پاس اٹھ کر جانا پڑا۔

''رات تمہاری طبیعت خراب تھی کیا؟

''نہیں، نہیں تو......'' وہ اس کے لہجے میں آئی نرمی پر تھوڑی سی حیران ہوئی، ہارون بہت دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ زارا کی آنکھوں میں بے خوابی کا تاثر تھا اور چہرے پر اتنی ہی سنجیدگی۔ وہ یقیناً خفا تھی۔

''کل شام میں شاید زیادہ غصہ کر گیا، تمہیں بہت برا لگا ہے...... ہے نا!''

''بات صرف کل شام کی نہیں ہے ہارون......اور جو کچھ مجھے برا لگا ہے، وہ بھی آپ کو پتا ہے۔'' وہ سادہ سے لہجے میں کہتے ہوئے مڑنے لگی تھی کہ ہارون نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''مجھے امی کے ہاں جانا ہے تھوڑی دیر کے لیے، آپ چھوڑ دیں گے یا پھر میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں۔'' وہ اتنی Rude ہو رہی تھی کہ اس نے بات بھی دوسری طرف دیکھتے ہوئے کی تھی۔

ہارون کی گرفت زارا کے ہاتھ پر ڈھیلی پڑی وہ مزید کچھ کہے سنے لاؤنج کی طرف جا چکی تھی۔ زارا کے انداز میں خفگی سے زیادہ اجنبیت جھلکی تھی۔ ایک الگ ہی دل توڑتا ہوا احساس، درمیان میں آئی خلیج اور بھی گہری......

''کہیں تو وہ خود بھی قصوروار ہے اور کہیں کہیں نہیں بھی......اور سارا قصور کسی ایک کے کھاتے میں جمع کرنا بھی کون سی انصاف کی بات ہے، ٹھیک ہے میں غصے میں آ جاتا ہوں، روما کی شادی کے معاملے میں اپنی چلا رہا ہوں تو یہ کوئی اتنا بڑا جرم بھی نہیں، گھروں میں اس سے بڑے بھی ایشوز بن ہی جاتے ہیں مگر آپس کے رابطے اس طرح منقطع نہیں ہوتے ہیں۔'' آفس کی تیاری پکڑتے ہوئے وہ اپنے گزشتہ رویّے کی ساری بدصورتی کو جسٹی فائی کیے گیا مگر کچھ بھی دل کی تسلی کا سبب نہیں بن رہا تھا۔ زارا کا سائڈ ٹیبل پر رکھا فون بج رہا تھا، ہارون کمرے سے نکل رہا تھا مڑ کر واپس آیا۔ دوسری طرف کوئی محض فون اٹھائے جانے کا منتظر تھا۔

''رضا بول رہا ہوں زارا، فون بند مت کرنا، میری بات سن لو پلیز، میں بہت شرمندہ ہوں اپنی غلطیوں پر اور دیکھو سزا ابھی بھگت رہا ہوں......لیکن اب میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، مجھے پتا ہے کہ تم نے بھی ہارون کو مجبوراً ہی قبول کیا ہے ورنہ تمہارے دل پر پہلا نقش میرا ہی بنا تھا زارا، کتنی محبت کرتی تھیں تم مجھ سے مگر میں ہی بدنصیب......'' لہجے کی بے تابی، گرمی، محبت کچھ بھی نظر انداز ہونے کے قابل نہیں تھا۔ ہارون نے فون آہستہ سے ڈسکنیکٹ کر کے بیڈ پر اچھال دیا۔ چاروں طرف بڑا ہی مہیب سناٹا چھایا اور ارد گرد سے اس کا اپنا رابطہ بھی ذرا دیر کے لیے منقطع ہوا۔

''سو وہ اب واپسی کے راستے پر مڑ رہی ہے۔'' سچائی تلخ تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس روز رضا کا وہاں آنا اور زارا کا جان بوجھ کر چھپانا ایسے ہی اس کے دل پر بوجھ بن کر نہیں رکھا تھا اتنے دن سے۔

''اور ویسے بھی محبت کرنے والے دلوں کو ایسے الہام عام ہوتے ہیں سو یہاں کم از کم میرے اپنے دل کی سچائی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تو ثابت ہوئی۔'' بہت بہادری سے اس نے خود پر فخر کرنا چاہا مگر دل پر عجیب دم گھونٹتا سا احساس بھاری پڑ رہا تھا۔

''برا مت ماننا ہارون لیکن سچ تو یہ ہے کہ عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی اور نہ اس محبت کا نقش ہی دل سے کبھی مٹ پاتا ہے، نہ عورت کبھی کسی دوسرے مرد کو وہ جگہ دے پاتی ہے اور زارا اپنے حصے کی محبت رضا سے کر چکی ہے۔'' سمیعہ کی کہی ہوئی بات کی بازگشت آج بھی فضاؤں میں باقی تھی حالانکہ جب اس نے یہ بات کی تھی تو وہ کتنے غصے میں آیا تھا، کئی دن بات تک کرنی گوارا نہیں ہوئی تھی سمیعہ سے مگر وقت نے اسے شاید سچ کرنے کی ٹھانی تھی، وہ آفس کے لیے تیار ہو کر لاؤنج میں آیا تو زارا ساتھ چلنے کے لیے تیار تھی اور ناشتے کی میز پر بیٹھی ہوئی دادی خفا ہو رہی تھیں۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں، یہ روز روز حسنہ کے پاس جانے کی کیا تک ہے، گھر میں ہزار کام پھیلے پڑے ہیں حسنہ کو تو خود آنا چاہیے ہاتھ بٹانے کے لیے مگر الٹا تمہیں بھی بلوا لیتی ہے۔'' دادی کی انصاف پسند طبیعت کسی کو بھی رعایت نہیں دیتی تھی، زارا ان سے کیا کہہ رہی تھی بطورِ صفائی اب اس سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا تھا۔

''چلو!'' وہ اس سے کچھ فاصلے پر ہی رکا تھا۔

''اور ناشتا؟''

''اب وقت نہیں ہے...... کھا لوں گا کچھ آپ فکر مت کریں۔'' وہ کہتا ہوا باہر کی طرف مڑا تھا۔

''اسے کیا ہوا ہے؟'' اپنے پیچھے اس نے دادی کو کہتے ہوئے سنا۔

''سب کام بوا اور ان کی بیٹی دیکھ لیں گی اور روما ابھی سو رہی ہے، اسے کہیے گا کسی بات کی بھی فکر نہ کرے ٹیبل پر رسید رکھی ہے لانڈری سے کپڑے منگوا لیجیے گا۔'' ایک اس کو چھوڑ کر زارا کو باقی سب یاد تھا، وہ باہر نکل گیا۔ زارا چند منٹ بعد باہر آئی تھی، اس کے ہاتھ میں سادہ سا ہینڈ بیگ تھا جو وہ باہر جاتے ہوئے عام طور پر لیا کرتی تھی، کوئی خاص تیاری بھی نہیں...... پھر بھی نگاہ اس پر سے ہٹنا بھولتی تھی راستہ غیر معمولی خاموشی میں کٹا۔ بھاگتے دوڑتے ٹریفک پر نگاہ جمائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ہارون نے چند بار اس کی طرف دیکھا مگر وہ کہیں اور ہی گم تھی...... کہاں؟ اس سوال کا جواب اور بھی تکلیف دہ تھا۔

''سنو، تم جب تک رہنا چاہو رہ سکتی ہو، وہاں گھر میں کچھ بھی ایسا کام نہیں ہے جو تمہارے بغیر نہ ہو سکے، ہاں صبح رضا کا فون آیا تھا اسے کال بیک ضرور کر لینا۔'' زارا کے اترنے کے بعد گاڑی ریورس کرتے ہوئے اس نے محض اتنا کہا تھا۔ زارا کا چہرہ بے تاثر تھا۔ خالی خالی نگاہوں سے اس نے ہارون کی گاڑی کو دور جاتے دیکھا اور ہارون کو بھی......

''سو یہ بھی ہونا ہی تھا۔'' اس نے بہ مشکل ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالا۔ زین اسے لاؤنج کی سیڑھیوں پر ہی کھڑا مل گیا تھا۔

''کیا ہوا، ہارون اندر نہیں آیا؟''

''نہیں، انہیں دیر ہو رہی تھی، تم اس وقت گھر میں کیسے، آفس نہیں گئے آج؟'' زارا نے دانستہ بات بدلی تھی۔

''ہاں، وہ بس...... کچھ کام تھے ضروری...... چھٹی لی ہے آفس سے۔'' اس کا انداز کترایا ہوا سا تھا۔

''چلو، اچھا ہوا، بہت دن بعد تم سے بھی ملاقات ہو گئی۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اندر تک آئی۔

''بہت سناٹا ہے گھر میں۔'' زارا نے امی کے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

''امی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، ناشتا کر کے صبح پھر لیٹ گئی ہیں اور ابو ابھی نکلے ہیں کچھ دیر پہلے۔'' زین کے لہجے کی شگفتگی ماند تھی۔ زارا نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ فکر مند تھا، اس میں کوئی شک نہیں لیکن ہمدردی کے قابل بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں وہیں صوفے پر بیٹھے تھے۔

''کچھ دنوں کی بات ہے اگر اب بھی تمہارا فیصلہ نہ بدلا تو پھر تو ان دونوں کے لیے مستقل ہی اکیلا پن ہو گا۔'' زارا نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

''میں خود بھی بہت فکر مند ہوں زارا لیکن کوئی بھی حل نہیں ہے۔''

''حل تو نکالنا ہی ہو گا زین، چیزوں کو بدلنا پڑے گا ہر صورت۔''

''کیا مطلب؟'' زین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ زارا کے چہرے پر بڑا گہرا ٹھہراؤ تھا جو اس کے اندر کی کیفیت کو ظاہر ہونے سے بچا رہا تھا۔

''کچھ نہیں، یہ بتاؤ شادی کب کر رہے ہو؟'' یہ سوال اور اس کا جواب دونوں ہی تکلیف دہ تھے مگر وہ دونوں ہی اس مرحلے سے گزرے۔

''جلد ہی کر لوں گا، تہمینہ کام میں بزی ہے، اگلے ماہ تک اس کا بھی کام ختم ہو جائے گا پھر کسی بھی دن......'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

''اور ایک بار بھی اس نے یا تم نے ان لوگوں کے بارے میں نہیں سوچا؟'' زارا نے سامنے والے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''میرے اور تمہارے لیے زین، اس ساری دنیا میں محبت کا سب سے بڑا سمبل تو یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں آخرت میں بھی جواب دہی ہے اور دنیا میں بھی۔'' زین نے تھکے تھکے سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ والدین کے حقوق، اولاد کے فرائض، جزا و سزا۔ سب ہی عنوانوں پر گھر میں کئی اثر انگیز تقریریں نشائی جا چکی تھیں سو اب کچھ بھی نیا نہیں تھا۔

''میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتا ہوں۔'' وہ اٹھنے لگا تھا کہ زارا نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

''وہ لڑکی تم سے بہت محبت کرتی ہے کیا؟'' سوال غیر متوقع تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔'' وہ ہلکے سے مسکرایا۔ ''شادی کر رہی ہے تو محبت نہ سہی، پسند تو کرتی ہو گی، میں نے کبھی پوچھا نہیں۔''

''محبت میں پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑتی زین۔'' وہ بہت تیزی سے کہہ اٹھی۔ ''سو اس کا مطلب ہے جو بھی ہے، وہ تمہاری طرف سے ہے۔''

''شاید! مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، شادی تو وہ مجھ سے ہی کر رہی ہے نا!''

''مجبوراً؟'' زین کو ماننا پڑا کہ وہ بے حد ذہین ہے اور زیادہ دیر اس کے ساتھ بیٹھے رہنا کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر کے ہی رہے گا سو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں ابھی آتا ہوں ایک ضروری فون کرنا ہے۔'' زارا نرمی سے مسکرا دی، زین کا والٹ وہیں صوفے پر پڑا رہ گیا تھا اور والٹ میں سے کچھ کارڈ پھسل کر باہر آ رہے تھے۔ زارا نے انہیں سمیٹ کر واپس رکھنا چاہا تب ہی ایک

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کارڈ پر اس کی نگاہ جم کر رہ گئی۔ تہمینہ سردار، پین سے لکھا ہوا نام متوجہ کرنے کے لیے کافی تھا، زارا نے دوسری طرف پلٹ کر دیکھا، یہ کسی پروڈکشن ہاؤس کا ایڈریس تھا۔

''ہوں، جہاں آج کل تہمینہ کام کرتی ہوگی۔'' ایک درست سا اندازہ لگا کر اس نے کارڈ اپنے بیگ میں رکھا اور اندر امی کے کمرے میں چلی آئی۔ حسنہ بیگم جاگ رہی تھیں۔

''مجھے تمہاری آواز آ گئی تھی لیکن میں نے سوچا تم دونوں بہن بھائی کو بات کرنے دوں شاید تم ہی اسے باز رکھ سکو۔'' وہ اور بھی زیادہ کمزور محسوس ہو رہی تھیں اور زیادہ مایوس بھی، زارا نے فکر مند ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

''دوائیں لے رہی ہیں پابندی سے؟''

''ہوں!'' انہوں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''یہاں آ جاؤ میرے پاس۔'' بنا کچھ کہے وہ ان کے پاس جا کر لیٹ گئی۔

''پریشان ہو؟'' ان کا شفقت بھرا ہاتھ اس کے بالوں کو سہلانے لگا، زارا نے خود کو بے حد کمزور پڑتا ہوا محسوس کیا لیکن......

''نہیں، امی پریشانی کس بات کی۔'' وہ پوری بہادری سے مسکرائی۔ ''بس یونہی زین کی طرف سے فکر ہے۔'' وہ جواباً خاموش رہیں۔ زارا کھسک کر ان کے اور بھی قریب ہوئی۔

''امی، میں کچھ دن آپ کے پاس رک جاؤں، بس چند دن۔'' اس کے انداز میں سادگی بھری جھجک تھی، دل میں اٹھتے واہم کو دباتے ہوئے انہوں نے نم آنکھوں کے ساتھ زارا کے ماتھے پر پیار کیا۔ اس نے بہت تھک کر آنکھیں بند کی تھیں۔

☆☆☆

گاڑی کسی ٹریفک سگنل پر رکی تھی، گاڑیوں کی ختم نہ ہونے والی قطاریں اور صبر سے انتظار کرتے ہوئے لوگ۔

سیف کی نگاہ نے بے تابی سے یہاں سے وہاں تک کا سفر طے کیا اور پھر مایوسی لیے پلٹ آئی۔ دیکھا جائے تو محض تہہ میں سے موتی نکال لانے کا مشکل ترین عمل۔

چاروں اور بے محابا پھیلے شہر میں وہ محض ایک جھلک دکھا کر آسانی سے غائب ہو چکی تھی لیکن وہ پھر بھی پُریقین تھا کہ اسے ڈھونڈ لے گا۔ نہ پتا، نہ نشان مگر صرف ایک نام زارا...... کبھی کبھی تو دل چاہتا کہ اس ایک نام کو پورے شہر میں اتنی بار پکارے کہ وہ جہاں ہو گھبرا کر خود ہی سامنے چلی آئے اور پھر وہ اسے کبھی کھونے نہ دے اپنے بے حد مصروف شب و روز میں بھی وہ کتنی بار اپنا دھیان بھٹکتا ہوا محسوس کرتا تھا۔ چند روز میں امی اور مہرین کینیڈا سے آ رہے تھے ان کے آنے کے بعد انتظار کی گنجائش بھی نہیں تھی، شادی کا قصہ لازماً ہی چھڑنا اور نمٹایا جانا تھا۔

''مگر اس بار میں کسی کی نہیں، صرف اپنے دل کی سنوں گا، جو انتظار ہے قسمت میں تو یہی سہی۔'' اس بار اس نے ٹھیک ٹھاک خود غرض بننے کی ٹھانی تھی۔

''زارا، زارا، زارا......'' اپنی بے تابی پر وہ خود ہی ہلکے سے ہنس دیا۔ اس کے آفس کے سامنے کئی گاڑیاں پارک تھیں اور گھنے درختوں کے بیچ اس عمارت میں ابھی سہ پہر ٹھہری تھی۔ اپنی گاڑی سے اتر کر وہ مڑا ہی تھا کہ نظر جیسے کسی دل فریب دھوکے میں آ گئی تھی۔ پارکنگ میں کھڑی ایک گلابی کی طرف بڑھنے والی لڑکی زارا ہی تھی یا پھر

کوئی اس سے بے حد مشابہہ وہ بڑی بے قراری سے آگے بڑھا۔ بیچ میں آئی کئی گاڑیوں سے بچ کر نکلتے ہوئے اس کی نگاہ ایک بار بھی زارا پر سے نہیں ہٹی تھی مگر وہ ابھی بھی دور تھی، پچھلی سیٹ پر اکیلے بیٹھی ہوئی اس کا ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ چند لمحے اور اس کے بعد وہ پھر کھو جائے گی ایک نامعلوم مدت تک کے لیے۔ بڑا ہی دل توڑتا ہوا احساس تھا جسے جھیلنے کے لیے وہ ذرا بھی راضی نہیں تھا۔

''زارا، زارا۔'' ہاتھ ہلا کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے وہ جتنی زور سے پکار سکتا تھا پکار اٹھا۔ زارا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کون ہے یہ بھلا؟'' اس نے ذہن پر زور ڈالا۔ سیف مسکراتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''تو ثابت ہوا کہ یہ دنیا اتنی بڑی بھی نہیں کہ انسان دوبارہ مل ہی نہ سکے۔'' وہ بڑی خوش دلی سے مسکرا دیا۔

''مجھے حیرت ہے کہ آپ کو میرا نام یاد رہا ور نہ ایک اتنی چھوٹی سی ملاقات اور ملاقات بھی کیا، بس یونہی سرسری سا ٹکراؤ......'' وہ کچھ حیرت زدہ تھی۔ ''مجھے تو پتا بھی نہیں تھا...اس وقت کہ آپ سیف الاسلام ہیں...... حالانکہ مجھے آپ کو پہچان لینا چاہیے تھا۔ کتنی بار میں نے آپ کو ٹی وی پر دیکھا مگر......''

''کوئی بات نہیں، میری شکل اتنی اچھی بھی نہیں کہ لوگ اسے ضرور ہی یاد رکھیں۔'' وہ اتنا خوش تھا کہ مسکراہٹ ایک لمحے کے لیے بھی چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔ زارا ہلکے سے ہنس دی۔

''خیر یہ تو نہ کہیں، آپ تو ماشاء اللہ خاصے گڈ لکنگ انسان ہیں۔'' سیف نے بہت دھیان سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جب وہ ہنستی تھی تو اس کی آنکھیں ساتھ نہیں دیتی تھیں یونہی خاموش افسردہ، باہر سے اسنیکس اور کافی کی ٹرے آ کر رکھی گئی تھی۔

''یہ تکلف رہنے دیتے آپ۔''

''کمال ہے، آپ کافی کو تکلف کہہ رہی ہیں۔'' وہ ایک اچھے میزبان کی طرح سرو کرنے لگا تھا مگر زارا نے پلیٹ اس کے ہاتھ سے لے لی۔

''میں کافی کے علاوہ دوسری چیزوں کو تکلف کہہ رہی ہوں اور یہ کام میں آپ سے زیادہ اچھا کر لیتی ہوں، اس لیے رہنے دیجیے۔'' سیف نے خود کو زندگی کے چند بہترین لمحات میں کھویا ہوا محسوس کیا۔

''میں یہاں پچھلے پورے ہفتے سے آ رہی ہوں مگر بس ناکامی۔''

''کیا...... پورا ہفتہ! اور مجھے خبر بھی نہیں۔'' وہ سخت پچھتاوے میں گھرا۔

''آپ کو کیسے پتا چلتا، میں اندر تھوڑی آتی تھی باہر سے ہی کسی سے پوچھ لیتی تھی، اتنے لوگ ہوتے ہیں یہاں۔'' وہ اداس بھی تھی اور فکر مند بھی۔ سیف نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

''کسے پوچھنے آ رہی تھیں آپ زارا؟''

''تہمینہ، تہمینہ سردار، مجھے پتا چلا تھا کہ وہ آپ کے ہاں کے پروجیکٹ میں کام کر رہی ہیں۔''

''ہاں...... مگر وہ یہاں تو نہیں ہوتیں، شوٹ پر ہوتی ہیں، کچھ کام ہے اُن سے؟'' وہ تہمینہ کے حوالے پر کچھ حیران ہوا تھا۔ زارا اور تہمینہ...... بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''کام تو بہت ضروری ہے سیف صاحب، آپ مجھے ملوا سکتے ہیں ان سے پلیز......'' وہ کچھ پُرامیدی ہو کر

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اسے دیکھ رہی تھی۔

''جب آپ کہیں، ویسے...... '' وہ کچھ رکا۔ ''تہمینہ کو کیسے جانتی ہیں آپ؟''

''میں زین کی بہن ہوں۔'' اس نے اعتراف جرم کے سے انداز میں کہا۔

''اوہ!'' بنا کچھ کہے سنے وہ سارا قصہ ایک پل میں سمجھا۔

''میں ایک بار اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ وہ زین کو چھوڑ دے، میرے والدین کے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے، ابو ضدی ہیں مگر کمزور اور اکیلے بھی، ایک دن بھی وہ گھر زین کے بغیر نہیں چل سکتا آپ خود سوچیں، دو بیمار اور بوڑھے لوگ آپ کیسے انہیں اکیلا چھوڑ سکتے ہیں، امی تو خود سے دوا بھی نہیں......'' بہت ضبط کے باوجود بھی بہت سے آنسو اس کے چہرے پر گرتے چلے گئے۔ سیف نے خود کو سخت تکلیف میں محسوس کیا تھا۔

''پلیز، زارا......'' اس نے ٹشو پیپر آگے بڑھایا تو وہ ذرا رک کر چہرہ خشک کرنے لگی۔

''آپ کو لگتا ہے کہ وہ مان جائے گی؟'' سیف کے پاس امید بھرے سوال کا فوری جواب کہاں تھا۔

''آپ کی ایک شادی شدہ بہن بھی تو ہیں زارا، تہمینہ نے بتایا تھا کہ وہ اور باقی خاندان، زین کے والدین خیال رکھنے کے لیے کافی ہیں۔''

''میری کوئی بہن نہیں ہے سیف صاحب، تہمینہ نے آپ سے میرے ہی بارے میں کہا ہوگا۔'' وہ مستقل گرتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے دھیمے سے بولی۔

سیف کے لب ہلکے سے کھلے تھے ایک چھوٹے سے پل میں بہت کچھ گڈ مڈ ہوا۔ سو وہ آج زندگی میں دوسری بار بنا کسی وارننگ کے مارا گیا۔ ایک قیامت خاموشی سے ٹلی مگر کس طور صرف سیف الاسلام نے جانا۔

''ایک ساتھ بہت سی زندگیاں تباہ ہو رہی ہیں زین کی اس شادی سے ابو، روما کے علاوہ کسی کو بہو کے روپ میں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور اس ضد بحث میں روما بے گناہ ہی ماری جا رہی ہے۔'' وہ کچھ خیال آنے پر ذرا رکی۔ ''میں آپ کا بہت وقت ضائع کر رہی ہوں نا؟''

''نہیں، یہ تو بہت قیمتی وقت ہے، ہاں اس ملاقات کے بعد باقی ساری زندگی محض وقت ہی ضائع ہوگا یہ میں جانتا ہوں۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔

''جی!'' زارا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے تفصیل سے بتائیں بنا جھجکے اگر مجھ پر اعتبار ہے۔'' اس کی مہربان آنکھوں میں سچائی جاگتی تھی اور زارا نے اسی سچائی پر بھروسا کرنے کی ٹھانی، چند منٹ یکساں سی افتاد کے ساتھ اس ٹھنڈے پُرسکون آفس میں گزرے۔ کوئی بھی کتھا نہیں، محض چند جملوں میں زندگی کا خلاصہ۔

''میں ہارون سے بہت محبت کرتی ہوں سیف صاحب مگر پتا نہیں کب ان کی زندگی سے نکال دی جاؤں بہت دور جا چکے ہیں وہ مجھ سے۔'' جو حرفِ آخر تھا وہ یہی تھا۔ سیف نے ایک گہری سانس لی۔

''آپ بے فکر ہو جائیں زارا، تہمینہ، زین سے شادی نہیں کرے گی، یہ میرا وعدہ ہے، آج ابھی وہ زین کو انکار سنا دے گی، شاید آپ کے گھر واپس پہنچنے سے پہلے ہی۔'' اس کے لہجے کا یقین حیران کُن تھا۔ زارا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

www.paksociety.com

غزل

چاند تاروں سی حسیں ذات میرے نام کرو
کالی زلفوں کی سیاہ رات میرے نام کرو

تم سے ممکن ہو اگر جانِ وفا جیون میں
اِک نومبر کی کوئی رات میرے نام کرو

اپنی آنکھوں میں مچلتے دریا سارے
اپنی آنکھوں کی یہ برسات میرے نام کرو

تتلیاں پھول محبت کے گلابی لمحے
اپنی یادوں کی یہ برات میرے نام کرو

میری غزلیں میری نظمیں تو تیرے نام ہوئیں
اپنے ہونٹوں کے یہ نغمات میرے نام کرو

تم محبت میں کوئی کھیل اگر کھیلو تو
میرے حصے کی مگر مات میرے نام کرو

اپنے جیون کے سبھی درد مجھے دے دو فری
اپنے جذبات کی ہر بات میرے نام کرو

شاعرہ: فریدہ جاوید فری، لاہور

غزل

روز بہاریں آئیں تیرے گلشن میں
خوش حالی کے پھول کھلیں ہر آنگن میں

آج بھی تو اتنا ہی پیارا ہے مجھ کو
جتنا میں نے تجھ کو چاہا بچپن میں

تیرے ہونے سے ہم سب کا ہونا ہے
تیرے دم سے خوشیاں ہیں اس جیون میں

تیری عظمت کے پرچم لہراتے ہیں
نگری نگری میں اور آنگن آنگن میں

تو دنیا کے نقشے پر یوں ابھرا ہے
جیسے پودے اگ آتے ہیں ساون میں

تو اقبال کے خوابوں کی تعبیر بھی ہے
ہے تیری رعنائی میرے تن من میں

ہیں تیرے ہی گیت ہما کے ہونٹوں پر
عکس تیرا ہے روشن دل کے درپن میں

شاعرہ: سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا

''شام ہو رہی ہے، اب آپ کو جانا چاہیے۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔

''آپ سچ کہہ رہے ہیں، اتنی آسانی سے کیسے......؟'' وہ ٹھیک سے بول بھی نہیں پا رہی تھی۔

''چلیں!'' وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا باہر کاریڈور اور سیڑھیوں سے گزرتا ہوا پارکنگ تک آیا۔ زارا کا سوال ابھی تک جواب طلب تھا۔

''محبت پر تو یقین رکھتی ہیں نا آپ؟'' جب وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تو وہ اس کی الجھن دور کرنے کے لیے تیار ہوا۔ زارا نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر محبت کے معجزوں پر حیران ہونا بھی چھوڑ دیں، جب یہ چھو لیتی ہے تو پھر اس دل کو سخاوت کا جوہر بھی عطا کر دیتی ہے۔ کسی کی خوشی کے لیے بن دام بکنے کے لیے تیار......'' اس ڈھلتی ہوئی شام میں زارا نے اپنی زندگی میں اچانک آئے سب سے قیمتی شخص کو خدا حافظ کہا۔

☆☆☆

آفس کے خاموش ماحول میں ان دونوں کے بیچ بار بار خاموشی آ کر ٹھہرتی تھی سو اس دوران صرف گھڑی کی ہلکی سی ٹک ٹک ٹک دھیان خود بخود ہی گزرتے ہوئے وقت پر جا کر ٹھہرتا تھا۔

''کتنے دن ہو گئے زارا کو گئے ہوئے؟'' وہ انگلیوں پر گنتی، روز ایک اور دن کا اضافہ اور روما کی شادی ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور دن قریب۔ ہارون بھولے سے بھی نام نہیں لے رہا تھا زارا کا، گھر میں روما کی شادی جیسا اہم فنکشن اور وہ بھی زارا کی غیر موجودگی میں۔

''عارف کی اماں کو بہت حیرت ہے کہ زارا اتنے دن سے میکے میں کیوں رکی ہے۔'' وہ اس کا ردِعمل اس کے چہرے پر دیکھنے کے لیے رکی مگر وہاں ویسا ہی جمود تھا زارا کے نام سے ہر واسطہ ہر تعلق ختم ہوا تھا۔

''اب تک زین کی شادی کی بھی کوئی خیر خبر نہیں، زارا کیا خبر بھائی کی شادی کی تیاری میں مصروف ہو۔'' وہ پھر ان سنا سا کر گیا۔

''روما کی شادی میں اب تھوڑے سے دن ہیں، تمہاری مہربانی ہوگی اگر تم اس کے ساتھ مل کر چند آخری کام نمٹا لو۔'' وہ اس ذکر سے بچ کر نکلا جو دشوار تر ہوا تھا۔

''تم فکر مت کرو، سب کچھ ہو جائے گا، ویسے کیا زارا، روما کی شادی میں بھی شریک نہیں ہوگی، اسی لیے چھوڑ آئے ہو تم اسے۔'' سمیعہ کے چہرے پر خوشی کا تاثر اور بھی گرم ہوا اور آواز میں ہلکی سی لرزش آفس اٹنڈنٹ کسی کے نام کی پرچی لایا تھا۔ سمیعہ نے بہت کوفت سے اس کی طرف دیکھا۔ بڑی ہی بے وقت کی مداخلت تھی، تب ہی اس نے ہارون کے چہرے کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا۔ وہ بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

''ارے، انہیں باہر کیوں بٹھایا ہے فوراً اندر لاؤ بلکہ میں خود ہی......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر تیزی سے دروازے کی طرف گیا تھا۔ سمیعہ نے مڑ کر اس طرف دیکھا اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

''آپ نے کیوں تکلیف کی چچا، مجھے بلوا لیتے، میں خود حاضر ہو جاتا۔'' ہارون انہیں اپنے ساتھ اندر لاتے ہوئے بہت انکساری سے کہہ رہا تھا۔

''ابا!'' سمیعہ خود بخود کھڑی ہو چکی تھی۔ ''کوئی کام تھا تو مجھے بتا دیتے، میں خود ہارون سے کہہ دیتی۔'' عبدالعزیز صاحب کے چہرے پر عجیب سی کیفیت اتری۔

''کاش تم اس قابل ہوتیں سمیعہ۔'' لہجے میں جتاتی سی کیفیت نے ان دونوں کو ہی چونکایا تھا۔ ہارون نے آگے بڑھ کر انہیں کرسی پیش کی تھی۔

''کچھ بہت ہی ضروری بات کرنی تھی، اتنی کہ شام کا بھی انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔'' سیدھے سادے چچا عبدالعزیز کی ساری زندگی خوفِ خدا کے زیرِ سایہ تھی سو اتنا بوجھ کہاں سے اٹھاتے۔

''کچھ کفارے تا عمر ادا نہیں ہو پاتے ہیں ہارون سو میں کسی ایسے ہی گناہ سے اپنی اولاد کو بچانے کے لیے آیا ہوں۔'' ان کی تمہید ہی کسی غیر معمولی پن کا احساس دلا رہی تھی۔

''یہ باتیں گھر میں کرنے کی ہیں ابا، یہاں آفس میں۔'' سمیعہ بہ مشکل ہی خود کو کمپوز کر پائی۔

''تم خاموش رہو سمیعہ، مجھے ہارون سے بات کرنی ہے۔'' دبا دبا سا غصہ ان کے سرخ و سفید چہرے کو اور بھی بارعب کر رہا تھا۔

سمیعہ کا دل بڑے ہی بے ہنگم سے انداز میں دھڑکا تھا۔ اس کی اس اکلوتی خوشی میں بھی ریت ملنے کو ہوئی باوجود کوشش کے اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔

☆☆☆

آسمان پر سہ پہر کا سنہرا پن چھایا تھا۔ ماحول میں رنگ اور خوشبوؤں کا دل فریب سا تال میل اور روح کو چھوتا ہوا خوشی کا گہرا احساس...... کچھ بچیاں اس کے قریب سے پھولوں کے تھال اٹھائے گزرتی ہوئی اندر چلی گئیں۔ زارا نے ایک گہری سانس لی اور پچھلے لان کی سیڑھیوں پر چلی، پچھلے اونچے برآمدے میں چچا عبدالعزیز کاپی کھولے پتا نہیں کون سا گوشوارہ رقم کر رہے تھے اسے دیکھ کر محبت سے مسکرائے۔

''سمیعہ کیسی ہے چچا؟'' یہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے لیکن ابھی چند دن اور اس کی ٹریٹمنٹ چلے گی، جسمانی سے زیادہ ذہنی طور پر نارمل ہونا زیادہ ضروری ہے اس کے لیے اور وہ ٹھیک بھی ہو جائے گی انشاء اللہ۔''

''انشاء اللہ!'' زارا نے پورے خلوص سے کہا۔ ''مجھے سمیعہ کی بڑی فکر ہے چچا، ہم میں سے کسی نے اس کے لیے برا نہیں چاہا اور اس کے بغیر یہ اتنا بڑا فنکشن ہونا اچھا بھی نہیں لگ رہا۔''

''نہیں بیٹا، فی الحال یہی بہتر ہے، ویسے بھی روما اور زین کی شادی کے بعد میں اور تمہاری چچی اسے لے کر پنجاب جانے والے ہیں۔''

''پنجاب، وہ کیوں......؟''

''آپا محمود اختر کے لیے پھر سے خواہش مند ہیں، علیحدگی ہو گئی ہے اس کی بیوی سے، کیوں...... خدا بہتر جانتا ہے لیکن سمیعہ کے لیے وہ بہترین لڑکا ہے، بڑی زمینداری ہو گئی ہے اس کی اور بڑی سی حویلی بھی، سمیعہ کو اور کیا چاہیے؟'' زارا سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔

''تم فکر مت کرو، سمیعہ کچھ عرصے میں سیٹ ہو جائے گی، خوش رہے گی اگر خوش رہنا سیکھ پائے گی۔''

''خدا کرے ایسا ہی ہو چچا۔''

''ایسا ہی ہوگا انشاء اللہ۔'' تب ہی ہاتھ میں تھما سیل فون بجا تھا۔ وہ چچا عبدالعزیز سے معذرت کرتے ہوئے ذرا فاصلے پر آئی۔

''زین کی مہندی کی رسم مبارک ہو۔'' دوسری طرف سیف تھا۔

''شکریہ بہت بہت، کیسے ہیں آپ؟'' وہ نرمی سے مسکرائی۔

''بہت اچھا اور تہمینہ بھی۔'' اس کا لہجہ بہت خوشگوار تھا مگر پھر بھی زارا نے اپنی پلکیں نم ہوتی محسوس کیں۔

''میں آپ کا احسان ساری عمر نہیں اتار سکتی سیف، جو کچھ آپ نے کیا، وہ کوئی نہیں کر سکتا تھا۔''

''نہیں زارا، جو کچھ میں نے کیا وہ ہر وہ شخص بہ آسانی کر سکتا ہے جس نے کسی خالص محبت کا مزہ چکھا ہو اور ساتھ چلنے والے دو لوگوں میں سے اگر ایک بھی دوسرے سے محبت کرتا ہے تو زندگی تھوڑی سی آسان ہو ہی جاتی ہے سو تہمینہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے۔ میں نے کہا تھا کہ وہ ایک لمحہ نہیں لگائے گی، زین کی زندگی سے نکلنے میں۔''

''خدا آپ کو اور تہمینہ دونوں کو بہت خوش رکھے۔ میری دعا ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے گی۔''

''اور میرے لیے یہ احساس کہ تمہاری دعا میرے ساتھ ہے اور دعا کے ساتھ کہیں نہ کہیں تم بھی۔'' دوسری طرف سے فون ڈسکنیکٹ ہوا تھا۔ زارا نے نم آنکھوں کے ساتھ سامنے سے مسکرا کر آتے ہارون کو دیکھا اور نرمی سے مسکرا دی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ناولٹ

محبت کی شام

سدرۃ المنتہیٰ

دوسرا حصہ

''تم کہاں تھیں؟ میں کب سے اسپتال سے آیا ہوں..... ویٹ کر رہا ہوں کم از کم بتا تو دیا کرو..... سیل فون بھی آف جا رہا تھا مسلسل.....'' وہ اس کی آواز سن کر گیلری سے اندر آیا۔

''ہم بس ذرا مارکیٹ تک ہی گئے تھے۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں مومنہ..... یہ شاپرز لے لو اپنے سیٹ کر لینا اپنی الماری میں۔'' وہ اس کا موڈ دیکھتے ہوئے اسے کہنے لگی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''جی بہتر......'' وہ شاپرز اس سے لے کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''کھانا کھالیا یا میں لگاؤں؟''

''کھا چکا ہوں......تم کھالو۔'' وہ اتنا ہی کہہ کر آگے بڑھ گیا اسے اگنور کرتے ہوئے۔

''کیا ہوا حسن، ہم مارکیٹ تک ہی گئے تھے......سیل میں آف کر کے چارج پر لگا کر نکالنا بھول گئی یہیں تھا گھر پر ورنہ میں تمہیں کال کر دیتی اور پھر ہم تو ٹائم پر ہی آگئے ہیں۔ آج میں نے کلینک سے چھٹی کرلی۔ اس کے کپڑے نہیں تھے مزید بس اسی کے لیے گئی تھی۔ اسے چند جوڑے دلوانے تھے دیر تو نہیں ہوئی ہمیں پھر معلوم نہیں تھا تم آج جلدی واپس آجاؤ گے۔''

''میری چیزیں کہاں ہیں؟'' وہ نارمل ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''کون سی چیزیں؟'' اسے یاد نہ تھا۔

''اگر تمہیں یاد نہیں تو میں یاد دلا دوں کہ میری شاپنگ ہمیشہ تم ہی کرتی ہو۔ میں پچھلے دو مہینوں سے تمہیں کہہ رہا ہوں کہ مجھے چند نئی شرٹس لا دو، دو شوز رہ گئے ہیں جو بدل بدل کر پہن رہا ہوں اور دونوں قمیصوں کے بٹن ٹوٹے ہوئے تھے۔ تمہیں چند منٹ نہیں ملتے کہ تم بٹن ٹانک دو۔ گنتی کے چھ جوڑے ٹنگے ہوتے ہیں وارڈ روب میں......میں خود لے سکتا ہوں مگر تم نے عادت ہی چھڑا دی۔ ہر بات میں مجھے ڈپینڈ کر کے چھوڑا ہے اور اب اگر میرے لیے وقت نہیں ہے تو صاف صاف کہہ دو......بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں، محسوس کر رہا ہوں، تمہیں احساس ہے میں نے کتنے دنوں سے کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا صرف اور صرف تمہارے انتظار میں بھوکا رہ جاتا ہوں......بغیر شیک یا دودھ پیے سو جاتا ہوں۔ اتنے عرصے بعد میرے معدے کی تکلیف بڑھی ہے... باہر کی مرغن غذائیں تو کبھی بھوکا رہ کر۔ اب میرا معدہ کھانا اسٹور نہیں کر پا رہا ہے، کتنے دنوں سے مسلسل الٹیاں ہو رہی ہیں۔ ابھی بھی مجید نے جو پکایا وہ کھالیا، کیا کروں، کیا کہوں میں تمہیں...... اگر تمہیں خود ہی احساس نہیں تو......''

بہت دنوں بعد اس کا غبار ایک ساتھ نکلا تھا۔ وہ ششدر کھڑی اسی جگہ ساکت سی سن رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا نہ اس کے لہجے پر اور نہ ہی اپنی بے پروائی پر۔

''اب ایک مزید احسان کر دو......جہاں اتنے سارے احسانات کیے ہیں۔'' وہ اپنے کپڑے اٹھا کر ایک لمحے کے لیے جاتے جاتے رکا۔

''وہ ساری پرہیزی ترکیبیں مجید کو سمجھا دو اگر اتنا بھی وقت نہیں ہے تو رہنے دو یا تو خود پکا لوں گا یا پھر یہی کھالوں گا۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے واش روم میں گھس گیا۔ اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنا سر تھام لیا۔

''کیا واقعی مجھ سے اتنی غلطیاں ہوئی ہیں اور مجھے ایک دفعہ بھی احساس نہیں ہوا اور نہ ہی اس نے ہونے دیا مگر آج کیا تھا اس کے دل میں اتنا کچھ تھا جو اس نے آج کہا۔''

''اگر یہیں بیٹھنے کا ارادہ ہے تو شیور......مگر مجھے باہر جانے کا راستہ چاہیے۔'' اس کی کرسی ڈریسنگ کے ساتھ دروازے کے سامنے پڑی تھی۔ جو اس کے ہٹانے پر دروازے کے آگے آرہی تھی۔ وہ ساکت قدموں سے اٹھی۔ اس نے کرسی ہٹائی اور تکیہ ہاتھ میں لے کر کمرے سے باہر نکلا۔

''عادت ڈال لوں تمہارے بغیر رہنے کی کچھ تو تم نے ڈال بھی دی۔'' اس نے جاتے جاتے کہا۔ وہ پتھر کے بت کی طرح بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی۔

''کیا مجھ سے اتنی بڑی غلطی ہوئی ہے کہ جس کی سزا اس انداز میں دی جا رہی ہے۔ معمول سے ہٹ کر یہ ناراضی نہیں، یہ غصہ بھی شاید نہیں......'' یہ لب و لہجہ جس میں رکھائی، اجنبیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی وہ اس سب کی عادی نہیں تھی۔

یہ آٹھ سال میں اس کے ساتھ پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ محبت کی ڈور میں پہلی گرہ پڑ چکی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ گرہ اگر کھل بھی جائے تو رسی کا بل کبھی نہیں جاتا۔ کمرے میں مکمل اندھیرا تھا اور وہ اکیلے جاگ رہی تھی۔ باہر تمام بتیاں جل رہی تھیں۔ حسن نے آج تمام رات نہ سونے کی قسم کھا رکھی تھی، وہ باہر سے کمرے کی بند کھڑکی کے پار کا اندھیرا شیشے کے اس پار دیکھ سکتا تھا۔

''تم گویا سو رہی ہو......'' اس نے کھڑکی سے بے یقینی میں نگاہ ہٹائی اور آسمان کی طرف دیکھا یہ تارے ٹوٹنے کا وقت تھا۔ اس کا دل بھی ٹوٹ رہا تھا۔ آسمان پر رینگتے تارے کی طرح جو اچانک اپنی جگہ سے ہٹ کر آہستہ آہستہ رینگتا کہیں گم ہوتا جا رہا تھا......آنکھوں سے اوجھل اس کی محبت کی طرح محبت ......جو کبھی کبھی بہت آزماتی ہے۔ محبت......جو انہیں آزما رہی تھی......یہ ابھی شروعات تھی عہد نبھانے کی اور گرانے کا موسم ابھی باقی تھا۔ ہلکے قدموں کی آہٹ پر اس نے کسی امید پر مڑ کر دیکھا، وہ نہیں تھی......اس کا خیال تھا۔ اس کی نگاہ پھر ایک دفعہ کمرے کی بند کھڑکی سے ٹکرا کر جھکی وہاں ابھی تک اندھیرا تھا۔

اسے لگا ہر جگہ اندھیرا ہے۔ وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا، وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور خود سے سوال کیا۔

''کیا میں محبت کے بغیر رہ سکتا ہوں؟'' اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا سرے سے یا پھر اسے نہیں ملا تھا۔ اندر اور باہر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

☆☆☆

ایک خاموشی در و دیوار سے دبے پاؤں آکر بیٹھ گئی تھی اور عجیب سرد مہری تھی جو دونوں کے درمیان ٹھہری ہوئی تھی۔ سب کچھ دلچسپی سے خالی خالی، سرسری سا لگنے لگا تھا یہاں تک کے زندگی بھی...... جو روٹین کے اوقات میں اپنی توانائی کھو رہی تھی۔ ایک ہی لمحے میں ان دونوں کی نگاہیں ملیں اور جھک گئیں...... بہت کچھ تھا جو چاہنے کے باوجود بھی ایک دوسرے سے کہہ نہیں پا رہے تھے......کیسا قفل دھرا تھا دل کی دھڑکنوں پر جیسے محبت کو کسی زنداں میں دفن کر دیا گیا ہو، یہ چوتھا دن تھا کہ کسی کیفیتِ مسلسل کو اندر چھپائے ایک دوسرے سے وہ چپ تھے۔

چوتھے دن میں پہلی بار ڈنر ساتھ کرنے کا موقع ملا تھا اور یہ پہلی بار تھا ان آٹھ سالوں میں جب رات کا ڈنر اتنی خاموشی میں کیا جا رہا تھا ورنہ کھانے کے دوران وہ کتنا بولتا تھا اور وہ ہمیشہ اسے ٹوکتی......آج نوالہ اٹک جانے کا ڈر نہ تھا، آج اس کی خاموشی کتنی چبھ رہی تھی، اس کا جی چاہا اس سے لڑنا شروع ہو جائے، اس سے کئی شکوے کرے، اس کی خاموشی کو توڑے اور سنے جو وہ کہنا چاہتا ہے، کہے وہ جو اپنے اندر چھپائے بیٹھا تھا۔ اسے یہ خاموشی کسی طوفان کے لیے تیار کر رہی تھی...... زندگی میں کوئی بھی بھونچال نہ آیا......پھر یہ تبدیلی......کاٹ دینے والی چپ......اس کا دل اتنا خالی خالی سا ہو رہا تھا اور سارے خدشے اور اندیشے جنہیں اس کی محبت ڈھانپ لیتی تھی...... وہ سارے کے سارے اِک

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اِک کر کے سر اٹھانے لگے تھے...... اس کا دل کھانے سے اچاٹ ہوگیا مگر محض اس کے ساتھ بیٹھنے کے لیے وہ برتنوں کے ساتھ کھیلتی رہی۔

خاموشی بہت ساری الجھنیں پیدا کررہی تھی، وہ چپ تھے اور برتن باتیں کررہے تھے۔ گلاس میں پانی ڈال کر چند گھونٹ بھرے اور پلیٹ کھسکا دی...... اس کا جی چاہا اس خاموشی کو توڑ دے۔ اسے بری طرح جھنجوڑ کر کہے کہ وہ اس سے لڑے مگر بات تو کرے' کچھ کہے تو، کوئی بات، کوئی شکایت، کچھ تو ہو...... وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''بی بی! مومنہ بی بی کھانا نہیں کھارہیں۔'' ملازمہ نے اچانک اطلاع دی۔

''کیا کہتی ہیں؟''

''کچھ نہیں...... بس رو رہی ہیں...... جب سے آئی ہیں یہی حال ہے اُن کا۔'' اس نے ذرا ہمدردی سے کہا۔

''کھانا لے آؤ اس کے کمرے میں، کھالے گی...... میں بات کرتی ہوں۔'' وہ ایک دم سے کرسی کھسکا کر اٹھی اور اسے تنبیہ کرتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف چل دی۔

''یہ برتن اٹھالو۔'' وہ افسوس سے اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

''صاحب آپ اور بی بی نے بھی کچھ نہیں کھایا۔''

''میں نے تمہیں کہا ہے کہ برتن اٹھالو۔'' وہ ضبط سے کہتا ہوا اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ ''اور ہاں' ایک کافی کا کپ میرے کمرے میں دے جاؤ...... بی بی کو مت کہنا، خود بنالاؤ۔'' سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ رک کر اسے کہنے لگا اور پھر کمرے میں چلا گیا۔

ملازم ناسمجھی سے کندھے اچکا کر برتن سمیٹنے لگا، کافی ہمیشہ وہ ساحرہ سے بنواتا تھا آج پہلی دفعہ اسے کہا تھا اور خاص طور پر منع بھی کیا تھا اس کی وجہ اس کی سمجھ سے باہر تھی اور گھر میں اتنی خاموشی...... پھر ایک نئی اجنبی لڑکی کی آمد...... بی بی کا اس کا اتنا خیال رکھنا...... یہ سب اس کی سمجھ سے باہر تھا پھر بھی وہ گھر میں چلنے والی اس خاموش جنگ پر سوچ رہا تھا اور اپنے تئیں ان دونوں کے لیے پریشان بھی ہونے لگا۔ ان کی شادی سے پہلے وہ اس گھر سے منسلک تھا اور شادی کے بعد ان دونوں کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش دیکھا تھا۔ پہلی بار ہی کچھ عجیب سا ہورہا تھا اس گھر میں جس نے ایک ملازم کو بھی پریشان سا کردیا تھا۔ اس نے بہت دفعہ خود سے سوچا کہ صاحب یا بیگم صاحبہ سے سرسری طور پر کچھ معلوم کرلے گا مگر اُن کے تاثرات دیکھتے ہوئے ایک دفعہ بھی ہمت نہ ہوسکی۔

''تم ابھی تک کچن میں کیا کررہے ہو۔'' اس کے کمرے سے نکلتے ہوئے کچن کی بتی جلتی...... دیکھ کر ساحرہ طرف آئی، اس کا خیال تھا شاید حسن کچن میں ہوگا۔

''صاحب کے لیے دوسرا کافی کا کپ بنارہا ہوں جی...... بس جا ہی رہا ہوں کام ختم ہے۔''

''کیوں...... دوسرا کپ...... جاؤ میں بنادیتی ہوں۔'' اسے اندازہ تھا وہ بھی اس کی طرح کھانا پورا کھائے بغیر ہی اٹھ گیا ہوگا مگر ایک ساتھ دو کپ وہ کبھی نہیں پیتا۔ ہاٹ ڈرنک کے اسے معدے کا سخت پرابلم تھا۔

''نہیں جی...... انہوں نے منع کیا ہے، میں چکا ہوں بس۔'' وہ کپ ٹرے میں رکھ کر جانے لگا۔

''منع کیا ہے...... مجھے دو، میں لے جاتی ہوں۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے اس سے ٹرے لے کر باہر نکل گئی۔

''میں نے مجید سے کہا تھا۔'' اس سے کپ لیتے ہوئے وہ کچھ رکھائی سے بولا۔

''جانتی ہوں...... آٹھ سال سے تم مجید کے ہاتھ کی کافی پیتے ہو...... آج کھانا بھی باہر سے منگوایا ہے، وجہ جان سکتی ہوں اس تبدیلی کی میں؟'' وہ آخر کار پھٹ ہی پڑی۔

''ظاہری بات ہے جب تمہارے پاس گھر کے لیے وقت نہیں ہوگا تو مجھے ہی کچھ دھیان کرنا پڑے گا۔ جن ذمّے داریوں کو انسان نبھا نہ سکے ان سے ہاتھ اٹھالینا چاہیے۔''

''کس طرح کی ذمّے داریوں کو نبھانے میں کوتاہی ہوئی ہے مجھ سے جو تم آٹھ سال بعد مجھے سزا سنا رہے ہو ذمّے داریوں سے ہاتھ اٹھانے کی، کیا کچھ ڈال رکھا ہے تم نے ان ذمّے داریوں میں...... سیدھی بات کیوں نہیں کرتے کہ تم سے ہاتھ اٹھالوں میں تاکہ میرے بوجھ سے آزاد ہوسکو تم۔'' وہ اس کی ٹون سمجھ رہی تھی۔

''کیا کروں، تمہارے دل کی بات سمجھتا ہوں، تمہارے کہنے سے پہلے ہی جان گیا ہوں کس قدر بیزار ہوگئی ہو مجھ سے اور اس گھر سے۔'' اس کے لہجے میں شکوے کی جگہ تلخی آگئی تھی، وہ سب جو وہ کہنا نہیں چاہ رہا تھا وہ سب اسے کہنا پڑ رہا تھا۔

''بہت اچھا طریقہ اپنایا ہے تم نے...... میں سمجھ رہی ہوں تمہاری حکمتِ عملی...... اور یہ روز، روز کی لمبی کالز...... آخر کچھ تو نتیجہ نکلے گا ہی...... بس ایک درخواست کروں گی میں تم سے جو بھی کرو واضح اور سامنے کرنا، اندرونی وار مت کرنا، سیاست دانوں کی طرح پالیسی مت چلنا، مجھے سزا سے آگاہ ضرور کرنا مگر جرم سنانے کے بعد اور ابھی جو جرم تم نے مجھے سنایا ہے اس کی کوئی خاص دلیل نہیں ہے، یہ گھر ابھی تک میرا ہے اور میں اپنے گھر سے بے خبر ہرگز نہیں ہوں، اس گھر کی ذمّے داریاں بھی میری ہی ہیں، تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں...... جب اس گھر کو میری ضرورت نہیں رہی تو تمہارے بےدخل کرنے سے پہلے ہی میں ان تمام ذمّے داریوں سے ہاتھ اٹھالوں گی، تمہیں کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔'' وہ اس کے بکھرے ہوئے کپڑے کرسی اور بیڈ سے اٹھا کر ہینگ کرنے لگی۔

''تمہارے واہموں اور خدشوں کا کوئی علاج نہیں ہے اور اپنی ذمّے داریوں کا احساس اگر ہوتا تو دن کا زائد حصہ گھر سے باہر نہ گزرتا، صرف رات کے چند پہر گھر کو بنانے کے لیے کافی نہیں ہوتے اور میں...... میں تو شاید تمام ذمّے داریوں کی فہرست سے نکل چکا ہوں اور تمہارے دل و دماغ سے بھی، تمہاری یادداشت میں مٹتا جارہا ہے میرا وجود...... بے حیثیت اور بے وزن ہوں میں تمہارے لیے، ایک ایسی محبت جس کو نبھاتے نبھاتے تم تھک گئی ہو، تمہاری تمام دلچسپیاں اس گھر سے اور گھر کے مکین سے اٹھ چکی ہیں اگر تم خود کو ٹٹولو تو ہر بات کا جواب تمہیں مل جائے گا۔'' اس کا لہجہ ہر احساس سے عاری تھا، برف کی طرح سرد، ٹھنڈا، بے معنی، سادہ۔

''میرے بارے میں جن غلط فہمیوں کا شکار تمہیں بنادیا گیا ہے، ان کا علاج بھی خود تمہارے ہی پاس ہے میرے پاس نہیں۔'' وہ وارڈ روب کی طرف بڑھتے ہوئے افسوس کے ساتھ صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی اس بار۔

''تمہارے پاس تو صرف راہ چلتوں کا علاج

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہے اوران کے لیے وقت بھی۔'' اس نے کپ خالی کر کے سائڈ ٹیبل پر رکھا اور بیڈ پر دراز ہوگیا۔ وہ ٹھٹک کر اسے خاموشی سے دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں کتنا کچھ تھا اور شاید مزید کچھ بھی...... ان چند دن کی خاموشی کے بعد یہ شاید طوفان کے آنے کی اطلاع تھی...... اس کا لہجہ...... اس کی باتیں...... وہ خود اور یہ کمرا ایک دم سے سب کچھ اجنبی ہونے لگا تھا...... کیوں...... کس لیے...... وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی مگر توقع کے مطابق اس کا جواب جسے سننے کی سکت شاید اس میں نہ ہو...... اس نے ساکت دل کے ساتھ وارڈ روب بند کی اور ڈریسنگ کی طرف بڑھی مگر کلینزنگ کرنے کا ارادہ ختم کر کے بے دلی سے پلٹ گئی۔

''اگر زحمت نہ ہو تو لائٹ بند کردو۔'' وہ آنکھوں پر بازو جمائے لیٹا ہوا آہستہ سے گویا ہوا۔ وہ لائٹ بند کر کے بیڈ کے ایک سرے پر لیٹ گئی۔ اس کا فوراً دل چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر اس کا سر دبائے، اس کی آنکھوں سے لگ رہا تھا اسے بہت درد ہے، نزلہ بھی تھا' یہ اس نے بھی محسوس کیا تھا اس نے سوچا ٹیبلٹ نکال کر اسے تھمائے پہلے کی طرح زبردستی کھلائے اور وہ ہمیشہ کی طرح لڑائی کے بعد اسے منائے کم از کم پہل تو کرے...... یہی ایک خیال تھا جس نے اسے اپنے تئیں روکے رکھا، وہ اتنا کچھ سننے کے بعد بھی، اتنا کچھ سوچ رہی تھی۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا۔

وہ رخ موڑ کر سونے کی کوشش کرنے لگا مگر نیند شاید آج بھی نہیں آنی تھی' اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا کہ اٹھ کر پانی پی لے یا ٹیبلٹ کھالے، سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ اسے کہے کہ سر میں مالش کرے یا اٹھ کر ٹیبلٹ لے آئے اس کے لیے مگر اپنی ہی سوچ کو رد کر دیا بری طرح سے۔ ''نہ جانے میں اتنا سخت دل کیوں ہونے لگا...... ہوں اس کی طرح......'' اسے لگا اتنا کچھ کہنے کے بعد اسے اپنی بے پروائیوں کا احساس ہوگا مگر اپنے تئیں اس نے اپنے خیال پر نفرین بھیجی۔ ''وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی اور ایسی ہی رہے گی، اس سے لچک کی امید رکھنا فضول ہے۔'' اس نے خود کو بری طرح جھڑک دیا۔ ''مگر میری محبت......'' ایک سرد آہ بھر کر اس نے کچھ دیر بعد پلٹ کر اس کی طرف دیکھا...... وہ بڑے مزے سے سو رہی تھی' ایک لمحے کو اس کا دل چاہا اس پُرسکون نیند سے اسے جھنجوڑ کر اٹھا دے وہ بھی اس کی طرح تمام رات سو نہ پائے، وہ سر جھٹک کر سیدھا لیٹ گیا خود بھی اس کی طرح بے فکر ہو کر سونا چاہ رہا تھا، عجیب الجھن تھی جسے وہ دونوں اپنے اپنے حساب سے جھیل رہے تھے۔

☆☆☆

سب سے پہلے اس نے کچن میں جھانکا پھر لاؤنج میں اور پھر اپنے کمرے میں، وہ کہاں تھی...... کہیں بھی نہیں، اس نے کسی خدشے کے تحت وارڈ روب کھول کر چیک کی بظاہر تو اس کی تمام چیزیں اپنی جگہ موجود تھیں، اس کی جیولری، اس کے کپڑے ڈریسنگ پر پھیلی چیزوں سے اندازہ ہوا کہ وہ تیار ہو کر کہیں گئی ہے...... کہاں؟ اس نے جیب سے اپنا موبائل فون نکالا جو چارج نہ ہونے کی وجہ سے آف تھا، سب سے پہلے اس نے سیل چارج پر رکھا اور پھر سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا پی ٹی سی ایل سے اس کا سیل نمبر ڈائل کیا۔ رنگ مسلسل جا رہی تھی مگر کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا...... وہ کیوں اس کی کال ریسیو نہیں کر رہی...... ناراضی کی وجہ سے مگر ریسیو تو کرے...... وہ جھنجلا گیا آخر کار ریسیو رکھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے اس کے پیچھے سے ہلکی سی آواز میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام! تم...... کیا چاہیے؟'' وہ نہ سمجھتے ہوئے اٹھا تھا۔

''جی' وہ کچن سے پانی لینے نکلی تھی۔'' وہ کچھ سہمے ہوئے انداز میں بتانے لگی۔

''ٹھیک ہے...... ساحرہ کا کچھ پتا ہے کہاں گئی ہے وہ بتا کر گئی ہوگی، میرا سیل تو آف تھا۔''

''جی...... وہ شاید اپنی کسی سہیلی کا ذکر کر رہی تھیں، کہہ رہی تھیں دیر سے لوٹوں گی۔''

''امبر کا نام لے رہی تھی؟''

''شاید جی...... آپ کو نہیں بتایا......؟''

''کہاں ناں میرا سیل فون آف تھا...... اینی وے تم جاؤ شاباش' پانی لے لو۔'' وہ پھر سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''سنو......'' وہ پانی جگ میں لے کر کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ اس نے آواز دی۔

''جی......'' وہ گھبرائے ہوئے انداز میں رکی۔

''تمہیں پتا ہوگا آج کھانے میں کیا بنا ہے...... مجید چلا گیا کیا؟ اب تو سب کو جانتی ہو ناں تم؟''

''جی صاحب وہ چلا گیا، کھانا ساحرہ باجی نے بنایا تھا بریانی تھی۔ کہہ رہی تھیں آپ کے ساتھ کھائیں گی واپس آ کر۔'' اس کا اعتماد ذرا بحال ہوا تھا۔

''اچھا...... مگر پتا نہیں کہاں رہ گئی وہ، فون بھی نہیں کیا، بتایا بھی نہیں' اب تو گیارہ بج رہے ہیں کافی دیر ہوگئی ہے۔'' اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے پریشانی سے خود کلامی کے سے انداز میں کہا۔

''میں آپ کے لیے کھانا لگاؤں صاحب؟''

''نہیں...... اگر تم چائے بنا سکو تو مہربانی ہوگی، میں خود بھی بنا لیتا اگر تھکا ہوا نہ ہوتا۔'' اس نے وضاحت دینی ضروری سمجھی۔

''جی میں بنا کر لاتی ہوں ابھی۔'' وہ پانی کا جگ وہیں میز پر رکھ کر کچن کی طرف فرمانبرداری سے چلی گئی۔

''صاحب جی چائے......'' وہ چند منٹ میں ہی چائے کا کپ لے آئی۔

''شکریہ...... تم مجھے صاحب جی مت کہو، میرا مطلب ہے نام لے لو یا پھر بھائی کہہ لو، میں تمہارے بھائیوں جیسا ہوں گا۔''

''جی بہت بہت شکریہ۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی تھی بھائی کے نام پر اسے کچھ تقویت کا احساس ہوا۔

''اچھا بیٹھو۔'' وہ خاصے دوستانہ انداز میں اسے آفر کرنے لگا۔

''جی...... کیوں...... کوئی کام ہے؟'' وہ کچھ الجھ سی گئی۔

''ہاں...... کیا ہوا کنفیوز مت ہو آرام سے بیٹھو، میں تمہارے بھائیوں جیسا ہوں، مجھے تم سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔''

''مجھ سے...... اچھا......'' وہ کچھ گھبراتے ہوئے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ہوسکتا ہے میرا پوچھنا تمہیں برا لگے اگر میں تمہارے بارے میں کچھ پوچھنا چاہوں...... کچھ ذاتی سا...... برا لگے گا مگر شیئر کرنے سے کافی الجھنیں دور ہوسکتی ہیں اگر تم بتانا چاہو، دیکھو تم مجھے کسی اچھے گھر کی باتہذیب لڑکی لگ رہی ہو پھر یہ سب...... آئی مین تم سمجھ رہی ہو میں تم سے کیا پوچھنا چاہ رہا ہوں؟'' وہ وقفے وقفے سے چائے کے سپ لیتا اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ وہ محسوس کرنا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

چاہتا تھا کہ یہ سب سنتے ہوئے اس کے تاثرات کیا ہیں۔

''میں ساحرہ باجی کو سب کچھ بتا چکی ہوں...... آپ اُن سے پوچھ سکتے ہیں۔'' اس کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کے لہجے میں واضح جھجک تھی، اسے محسوس ہوا وہ اسے بتانا نہیں چاہ رہی جس کی وجہ شاید گھبراہٹ ہے۔

''ہوں......اوکے...... کوئی بات نہیں، میں تمہیں ایک مشورہ دینا چاہوں گا، دیکھو ایک ایسی غلطی جس کی وجہ سے انسان ذلت میں گر جائے اسے دوسری غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ آئی مین غلطی کو دُہرانا نہیں چاہیے، ایک ٹھوکر کے بعد بجائے اس کے کہ ہم سنبھلیں نہ کہ دوسری ٹھوکر کا ویٹ کریں۔''

''جی بہتر۔'' وہ اتنا کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے واضح طور پر محسوس کیا اسے اس کی بات ناگوار گزری ہے یا پھر بات کرنے کا طریقہ...... اسے فوراً احساس ہوا تھا۔

''اوہ...... سنو، پلیز سوری۔'' وہ کپ رکھ کر بے ساختہ اٹھا۔

''میرا یہ مطلب نہیں، میرا مطلب ہے مجھے اس طرح کہنا نہیں چاہیے تھا شاید...... تمہیں برا لگا ہے، ہے ناں؟''

''جی نہیں...... آپ کہہ سکتے ہیں کیونکہ آپ اپنے گھر میں کھڑے ہیں، میں سن سکتی ہوں کیونکہ میں اس وقت آپ کے گھر میں کھڑی ہوں اور پھر آپ کچھ غلط بھی نہیں کہہ رہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ میں نے آپ سب کو اتنے دن سے کتنا تنگ کیا ہے...... مجھے یہاں سے جانا چاہیے اب۔'' وہ شرمندگی کے احساس سے پانی پانی ہو رہی تھی، اس کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ ایک اجنبی کے سامنے وہ جواب دہ تھی، ذلت کا یہ مقام بھی زندگی میں آنا تھا اور اس سب میں کسی اور کا نہیں خود اسی کا قصور تھا جو قدم اس نے بغیر سوچے سمجھے اٹھا لیا تھا، اس عمل کی حقیقت کو جھیلنے میں کتنی تکلیف ہو رہی تھی۔ تکلیف جسے موت کہتے ہیں، اس نے سوچا کاش وہ مر گئی ہوتی...... اس کی طرح...... کیا وہ واقعی مر چکا ہوگا؟ وہی سوال پھر سے سر اٹھا رہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی بے بسی پر پھر سے رونے لگتی، وہ وہاں سے بغیر کوئی وضاحت دیے کمرے کی طرف چل دی۔ اس نے چادر میں اپنا منہ چھپا لیا۔

''اُف...... مجھے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' اسے اپنی بات پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ آج کل اس سے ہر وہ عمل ہو رہا تھا جس کو انجام دینا وہ ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ اسے خیال آیا اب ساحرہ کو پتا چلا تو وہ پھر بگڑے گی...... وہ خفت سے سوچتا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ کمرا ایک دم سے خالی لگا، اس نے اپنے موبائل سے ایک دفعہ پھر اس کا نمبر ٹرائی کیا جواب بند جا رہا تھا...... شاید وہ اس سے بات کرنا نہیں چاہتی مگر کم از کم بتائے تو سہی ... پتا نہیں گھر آنے کا ارادہ ہے بھی کہ نہیں، اس نے سیل بیڈ پر پھینکا اور کپڑے لے کر چینج کرنے واش روم میں گھس گیا، فریش ہو کر آیا تو جیسے ذہن ہلکا پھلکا سا ہو گیا اور پھر آج جلد ہی نیند آ گئی۔ تھکن کی وجہ سے پچھلے دنوں کی تھکن، رت جگا اور بوجھ، جس نے اسے بری طرح ہلکان کر دیا تھا کچھ دیر بعد اس کا سیل وائبریٹ کرنے لگا اور پھر خاموش ہو گیا۔

☆☆☆

''تم اور تمہاری بے پروائی کبھی ختم نہیں ہوگی، چاہے میں ختم ہو جاؤں۔'' وہ ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی، اسے اندر آتا دیکھ کر اس نے ٹی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

دی آف کیا اور اس کی طرف مڑا۔

''میں نے کال کی تھی تم شاید سو رہے تھے، اس سے پہلے تمہارا سیل آف تھا۔'' شولڈر بیگ اور ایک شاپر ہاتھ میں لیے وہ ایک لمحے کو رکی، اتنا کہہ کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اس کے پیچھے ہی کمرے میں گیا۔

''کیا سمجھتی ہو تم خود کو آخر...... کب تک چلے گا ایسا...... جب تک میں زندہ ہوں؟'' وہ اس کے پیچھے آ کر ایک دفعہ پھر دہاڑا تھا اب اس کا ضبط جواب دے رہا تھا، اس کا جی کر رہا تھا اس سے آج خوب لڑے کھل کھل کر بولے، اسے جھنجوڑ ڈالے، توڑ دے اتنے دن کی چپ اور تھکن کو۔

''میں تھکی ہوئی ہوں...... سونا چاہتی ہوں۔'' وہ عجیب سرد مہری سے بیگ رکھ کر بال سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''میں بھی تھکا ہوا ہوں...... مجھے بھی آرام کی ضرورت ہے...... کچھ احساس ہے تمہیں؟ میں بھی کھا پی سکتا ہوں، خوش رہ سکتا ہوں، مجھے بھی اختیار ہے زندگی گزارنے کا۔'' وہ ہنوز اسی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''تو کس نے پابندی لگائی ہے تمہاری زندگی پر...... جیسے چاہو جیو۔'' اس کے لہجے میں وہی طنز پوشیدہ تھا۔

''تم نے لگائی ہے پابندی...... مجھ پر، میری زندگی پر، گھٹن ہونے لگتی ہے مجھے اس چپ سے، تمہارے رویے سے، حبس بڑھنے لگا ہے میرے اندر...... اور اس کی وجہ صرف اور صرف تم ہو۔'' اس نے اسے بازو سے پکڑ کر زور زور سے کہا، وہ پاگل ہوا جا رہا تھا۔

''تو اتار رہی ہوں تمہارے اوپر سے یہ پابندی، جاؤ آزاد ہو تم...... نکال دیتی ہوں تمہیں اس حبس سے، کھل کر سانس لو، کھاؤ پیو...... آرام کرو، ایک نہیں چار شادیاں کرو، مجھے چھوڑ کر آزاد ہو جاؤ، کم از کم گاؤں کی بیوی تمہاری چوکیداری ہرگز نہیں کرے گی۔ آرام سے اپنے تمام شوق پورے کر لینا تم۔'' اس نے جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا دور ہٹ گئی اس جگہ سے جہاں وہ کھڑا تھا۔

''ہمیشہ اپنی سوچ کے حساب سے بات کرتی ہو، روک نہیں سکتیں تم مجھے...... چاہوں تو سب کر سکتا ہوں...... قصور میرا ہی ہے کہ میں نے تم تک اپنے آپ کو محدود کر لیا ہے۔ محتاج ہو گیا ہوں میں تمہارا، کھا نہیں سکتا تمہارے بغیر سو نہیں سکتا، کاٹتا ہے یہ گھر مجھے...... عادی بن گیا ہوں تمہارا سن لو...... فائدہ اٹھا رہی ہو میری مجبوری سے تم۔''

''تو...... عادی ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر کسی اور کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں مشکل ہو۔'' وہ پشت موڑ کر کھڑی تھی۔ اپنے اوپر ضبط کیے یہ بات اس نے کتنی مشکل سے کی تھی یہ اسے پتا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ اتنی سخت ہو گئی تھی...... اسے لگا اپنے اوپر چڑھایا خول اب اتر جائے گا۔ وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گی...... ہمیشہ کی طرح اس کی محبت اسے کمزور کر دے گی۔ درحقیقت وہ اسے ان مجبوریوں سے نکالنے کا سوچ رہی تھی اور ایسا کرنے کے لیے ایسا کیا کچھ نہیں کرنا پڑ رہا تھا، سب سے بری بات اسے نظر انداز کرنا تھا گویا اپنے آپ کو نظر انداز کرنے کے مترادف مگر وہ اپنے آپ کو ہی تو نظر انداز کر رہی تھی۔ دل اتنا خاموش ہو گیا تھا اسے لگا عنقریب اس کے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔ زندگی اس سے دور ہونے لگی تھی...... وہ اس کی زندگی تھا جو اس سے دور ہونے لگا تھا۔ جس کے بغیر زندگی کا تصور نامکمل تھا۔

''کاش ایسا ہو سکتا...... کاش کہ ایسا ہو جائے...... تاکہ تم کو پتا چلے...... اپنی اور میری زندگی برباد کر کے تمہیں سوائے دکھ کے کچھ نہیں مل سکتا...... نہ جانے کیوں تم مجھے اتنی سزائیں دے رہی ہو...... نہ جانے کیوں...... کیوں تم مجھ سے اور میری محبت کے ساتھ کھیل رہی ہو۔'' وہ جیسے ہارا ہوا کمرے سے باہر نکلا تھا اور وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو دی۔ وہ یہ کھیل اب مزید نہیں کھیل سکتی...... اس کی محبت ہمیشہ بغیر کھیلے ہار جاتی تھی۔ وہ یہ کھیل بیچ میں چھوڑ کر ہارنے کے لیے تیار تھی۔ محبت انا پر بھاری ہوتی ہے، اس کے آنسوؤں میں اس کی ضد بہہ رہی تھی۔

☆☆☆

''امبر تم سے بہت خفا ہے اس سے بات کر لو۔'' اس کے لیے چائے ڈالتے ہوئے وہ اس سے خود مخاطب ہوئی، اسے اندازہ تھا وہ خفا ہے۔

''میں کم از کم اس کا تو مجرم نہیں۔'' اس نے کپ لیتے ہوئے سپاٹ انداز میں کہا۔

''کل اس کی ڈیٹ فکس ہوئی ہے، منگنی کی سادہ سی رسم بھی تھی۔ ہم دونوں کو بلایا تھا مگر تم غائب تھے، سیل بھی آف تھا۔ رات مجھے اس کے پاس رکنا پڑا جب تمہاری کالز آ رہی تھیں تب سیل فون میرے بیگ میں تھا اور اسی وقت اس کی رسم ہو رہی تھی بعد میں چیک کیا تو تم سو چکے تھے یا پھر اٹھا نہیں رہے تھے غصے میں۔'' وہ اپنے لیے ٹوسٹ پر جیم لگاتے ہوئے آرام سے اسے بتا رہی تھی۔

''اسے تو کم از کم مجھے پہلے بتانا چاہیے تھا ناں...... بہن ہے میری یہ...... دغا باز کہیں کی...... لیتا ہوں خبر اس کی۔'' اس کا موڈ کچھ درست ہوا تھا مگر پوری طرح نہیں۔

''سب کچھ کافی جلدی میں ہوا تھا پھر انکل کا تو تمہیں پتا ہے ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کرتے ہیں، ایک مہینے بعد کی ڈیٹ رکھ دی ہے۔ زیور وغیرہ تو کافی بن چکا ہے مگر ساری شاپنگ ابھی باقی ہے۔ کل فرنیچر آرڈر کرنے جانا ہے تم نے اس کے ساتھ...... پلیز بات کر لینا اس سے...... کل کافی رو بھی رہی تھی۔ اس وقت تمہیں اس کا بھائی بننا ہو گا عملی طور پر۔ سوچ رہی ہوں کوئی گولڈ کی چیز یا پھر فرنیچر میں سے کچھ اسے گفٹ کریں۔''

''تمہارا جو دل چاہے دو، میں اپنی طرف سے اس کی پسند کی کوئی چیز لوں گا اس کو ساتھ لے جا کر...... مجھے اندازہ ہے اسے ہماری ضرورت ہو گی۔ کل اگر مجھے علم ہوتا تو کلینک سے سیدھا وہیں آ جاتا۔''

''تم نے میری وجہ سے کھانا نہیں کھایا۔'' وہ خاصی شرمندہ تھی۔

''یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا۔'' اس کا لہجہ پھر سے ویسا ہوا تھا۔

''جان بوجھ کر کچھ بھی نہیں ہوا شاید، تم بھی تو......'' وہ کہتے کہتے رہ گئی۔

''تم سے کچھ کم ہی۔'' وہ کپ خالی کر چکا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ اسے اٹھتا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''اسپتال۔'' مختصراً کہا گیا۔

''ناشتا تو پورا کر لو۔''

''بھوک مر گئی ہے مسلسل پریکٹس سے۔'' انداز وہی۔

''میں بھی چلوں گی ساتھ تھوڑا ویٹ کر لو۔''

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ رکا نہیں تھا ساحرہ افسوس سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

''وہ چلے گئے کیا......؟'' وہ ابھی اپنے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

’’ہاں...... تم ناشتا کرلو۔‘‘ وہ آدھا ٹوسٹ واپس رکھ کراس کی طرف متوجہ ہوئی۔

’’بہت محبت کرتے ہیں آپ سے۔‘‘ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

’’اچھا...... تمہیں بتایا کیا؟‘‘ اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آگئی۔

’’سب کچھ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہوتی...... آپ کو نہیں لگتا؟‘‘

’’پتا نہیں...... شاید لگتا ہے، تم ناشتا کرلو۔‘‘

’’آپ بھی تو ان سے محبت کرتی ہیں نا......؟‘‘

’’کہنے کی ضرورت نہیں۔‘‘ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی معنی خیز سی...... ’’اوکے میں چلوں گی، تم آرام سے ناشتا کرلو، مجید کو بلوا کر برتن اٹھوالینا۔‘‘

’’مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔‘‘ وہ سوچتے ہوئے بولی۔

’’بولو۔‘‘ وہ رکی۔

’’آپ بہت خوش قسمت ہیں۔‘‘ وہ مسکرادی ٹال کر۔

’’یہی کہنا ہے؟‘‘

’’بعد میں، آپ جارہی ہیں نا!‘‘

’’اوکے، اپنا خیال رکھنا۔‘‘ اس کے ہونٹوں پر مہربان سی مسکراہٹ تھی۔ وہ سرہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

’’اُف تھکا دیا امبر، میں تو اب چل نہیں سکتا تم لوگ جاؤ میں سامنے کیفے میں جاکر بیٹھتا ہوں۔‘‘ وہ لمبی لمبی سانس لیتا ہوا پسینہ پونچھتا رک گیا۔

’’کیوں، ڈاکٹر صاحب توانائی ساری مریضوں پر لگادی ہے کیا...... ابھی تو بہت سارے کام رہتے ہیں، آپ نواب صاحب بن کر کیفے میں بیٹھ جائیں اور ہم اکیلے خوار ہوتے پھریں، بہت اچھا انصاف ہے...... سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔‘‘

’’ذرا اپنی زبان پر کنٹرول کرنا سیکھو، دلہن بننے تک کم از کم پریکٹس کرلو، یہ نہ ہو کہ وہ سر جھکا کر بیٹھا رہ جائے تمہارے انتظار میں اور تم بولتی رہو۔‘‘

’’اور شادی تمہاری ہورہی ہے نہ کہ میری جو تم مجھے سزا سنارہی ہو مزید دھکے کھانے کی۔ گرمی بھی تو دیکھو...... حشر ہوگیا ہے یار......‘‘ وہ پوری طرح پسینے میں تربتر تھا۔

’’اچھا تم جاؤ تھوڑا بیٹھ جاؤ، ہم تینوں کام ختم کرکے آجاتے ہیں اور کم از کم یہاں تو مت لڑو تم لوگ حد کردیتے ہو۔‘‘ ساحرہ نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے کہا۔

’’واہ بھئی واہ، اپنا شوہر بہت پیارا ہے، میری تو کوئی پرواہی نہیں ہے۔‘‘

’’شوہر دنیا کی سب سے پیاری چیز ہے، یہ تمہیں کچھ دن بعد پتا چلے گا۔‘‘ ساحرہ سے پہلے وہ بول دیا۔

’’جانے دو حسن، یہ میں ہی جانتی ہوں۔‘‘ ساحرہ ہنس دی۔

’’جو بھی ہے تم لوگ جاؤ، میں مزید نہیں چل سکتا اب۔‘‘ وہ اتنے رش اور گرمی سے ہمیشہ سے گھبراتا تھا۔

’’اچھا اِن خاموش صاحبہ کو بھی لے جائیں ویسے بھی یہ مشورے تک کے کام کی نہیں۔ سامان بھی ہم نے ہی اٹھایا ہے...... یہ بیگ پکڑلو گاڑی میں رکھ دو پلیز......‘‘

’’امبر......‘‘ ساحرہ نے مومنہ کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کراس کو ٹوکا۔

’’کیا کروں سچ منہ سے نکل گیا سوری یار، میں نے تو آپ کے فائدے کی ہی بات کی ہے۔‘‘ وہ حسن کو شاپرز پکڑاتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر بولی۔

’’جاؤ مومنہ، تم اس کے ساتھ جاؤ، ہم آتے ہیں کچھ دیر بعد۔‘‘ وہ اس کا اعتماد بحال کرنے کی خاطر ایک شاپر اسے تھماتے ہوئے نرمی سے کہنے

لگی۔ حسن مسکراہٹ روکتا امبر کو گھورتا اس کے تاثرات پر مومنہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرکے آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں دکان کے اندر گھس گئیں۔

’’بات سنو یہ لڑکی چوری ووری تو نہیں کرتی نا؟‘‘ اس نے اندر گھستے ہی پوچھا۔

’’پاگل ہوگیا امبر، یہ بے چاری معصوم سی لڑکی تمہیں چور لگتی ہے کیا؟‘‘ وہ ڈریس دیکھتے ہوئے اسے گھور کر بولی۔

’’معصوموں میں کتنے گُر ہوتے ہیں مت پوچھو...... پلین میں دکھاؤ بھائی......‘‘ وہ اس کو کہتے ہوئے دکاندار کی طرف متوجہ ہوئی۔

’’نہیں ہے پلین میں؟ مجھے مایوں کا پلین میں چاہیے...... چلو اوپر چل کر دیکھتے ہیں۔‘‘

’’تم بھی امبر بہت گھمائی ہو...... اب میرا براحشر ہونے والا ہے، باقی شاپنگ بعد میں کرلینا۔‘‘

’’اچھا چلو...... آئس کریم کھالیں پھر چلتے ہیں اوکے...... اوپر کے فلور پر آئس کریم پارلر ہے۔‘‘

’’حسن اور مومنہ ویٹ کررہے ہوں گے یار پھر کھالیں گے، کیا ہے۔‘‘ وہ بھی بری طرح تھک گئی تھی، صبح ناشتے کے بغیر وہ نکلی تھیں اور اب ظہر کا وقت ختم ہونے کو تھا۔

’’مجھے گھر چل کر کھانا پکانا ہے، اسپتال کی الگ چھٹی کروادی تم نے شام میں کلینک بھی جانا ہے...... وہ مسز بیگ کو آج اسپتال کا ٹائم دیا تھا ابھی اس کی بیٹی ہمیں دیکھ کر گئی ہے۔ کیا کہیں گی کہ ڈاکٹر صاحبہ مریضوں کو ٹرخا کر خود بازاروں میں گھوم رہی ہیں۔‘‘

’’ایک تو تمہیں اپنے مریضوں کے علاوہ بھی کچھ یاد ہے کہ نہیں، زندگی مریضوں تک محدود ہوکر رہ گئی ہے۔‘‘ وہ بڑبڑائی اوپر چلتے ہوئے۔ ’’میں بھی تو آخر ڈاکٹر ہوں مگر تمہاری طرح انتہا پسند نہیں۔‘‘

’’ہاں، پڑیاں تقسیم کرنے والی ڈاکٹر بقول حسن......‘‘ وہ ہنس دی۔

’’چپ کرو حسن کی بچی...... بہت بولنے لگی ہو اس کی صحبت میں آکر۔‘‘

’’حسن کی بیوی کہو، بچی ہوگی تم......‘‘ اس نے گھرکا۔

’’ہاں مسز حسن...... اب چلیے بھی پاؤں میں مہندی لگی ہے کیا؟‘‘

’’ویسے سنو...... ساحرہ مجھے کچھ محسوس ہورہا ہے۔‘‘ وہ آئس کریم لے کراس کے پاس آئی۔

’’کیا......؟ شادی کے وقت ہر لڑکی کو کچھ نہ کچھ محسوس ہوتا ہی ہے، تمہیں کیا محسوس ہورہا ہے۔‘‘ وہ مسکراہٹ دبا کر اسے چڑاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

’’بکومت‘ میں ان محسوسات کی بات نہیں کررہی۔‘‘ اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

’’چلو نیچے چل کر کہیں بیٹھتے ہیں۔‘‘

’’ان وقتوں میں تو یہی محسوسات ہوتے ہیں یار...... کیا بات ہے، گاڑی میں کرلینا...... تھک گئی ہوں...... حسن کو کال کروں آجائے۔‘‘ وہ پرس سے سیل فون نکالنے لگی۔

’’نہیں‘ ابھی اسے مت بلاؤ، چلو گاڑی میں چلتے ہیں مگر مجھے تم سے بات کرنی ہے۔‘‘

’’ایسی کیا بات ہے جو اس کے سامنے نہیں ہوسکتی۔‘‘

’’اس کے نہیں، اس نمونے کے آگے جو تم اپنے ساتھ لے آئی ہو، کب تک رکھوگی اسے اپنے پاس؟‘‘

’’اس بے چاری سے بڑی دشمنی ہے حسن کی طرح تمہیں۔‘‘

’’تم نے محسوس کیا ہے کہ تم اسے غیر ضروری اہمیت دینے لگی ہو، ہر جگہ وہ تمہارے اور حسن کے ساتھ ہوتی ہے یعنی کہ تم لوگوں کے بیچ میں......‘‘ اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

’’کمال کرتی ہو امبر...... اگر میں اسے شامل

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرلیتی ہوں تو فقط اس لیے کہ اس بے چاری کو اجنبیت کا احساس نہ ہو۔ وہ بھی انسان ہے، اس کا دل بھی کرتا ہوگا خوش رہنے، گھومنے پھرنے کو۔"

اسے اس کا اعتراض بے معنی سا لگا تھا۔

"دیکھو سب سے بڑی بات کہ مجھے اس کی کہانی پر کوئی اعتبار نہیں دوسری بات کہ جو لڑکی اتنا بڑا قدم اٹھاسکتی ہے وہ اپنے لیے رہائش کا بندوبست ...... بھی کرسکتی ہے۔ اس میں اتنا اعتماد تو ہونا ہی چاہیے...... مجھے تو کچھ اور کہانی لگتی ہے۔"

"جس کے سہارے اس نے یہ قدم اٹھایا تھا وہ تو نہیں رہا امبر...... اب وہ بے چاری کیا کرسکتی ہے اکیلے، کسی کو سہارا دینا ثواب کا کام ہے...... بڑا سہارا تو خدا کا ہوتا ہے مگر...انسان ہی انسانوں کے کام آتے ہیں۔" فی الحال اس کے ذہن پر صرف اس کی ہمدردی کا بھوت سوار تھا۔ امبر کو اندازہ تھا وہ کچھ نہ سمجھے گی نہ مانے گی۔

"ساحرہ پلیز بچی مت بنو، ہیلپ کرنے میں اور...... جانے دو تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھ گئی ہے ہمدردی کی...... تمہیں پتا ہے وہ لڑکی جسے تم بے ضرر سمجھ رہی ہو، غیر ضروری مداخلت سے اس کی وجہ سے پرابلم پیدا ہوسکتی ہے۔ تم لوگوں کی پرائیوی ڈسٹرب ہورہی ہے...... تمہارا زیادہ تر وقت بجائے حسن کے اس کے ساتھ گزرتا ہے۔" وہ اسے کچھ احساس دلانا چاہ رہی تھی۔

"جو بھی مسائل ہوئے ہیں امبر...... اس بے چاری کا کیا قصور...... حسن کا رویہ تو اس کے آنے سے پہلے بدل چکا تھا کچھ۔" وہ بے ساختہ کہہ بیٹھی۔

"تم دونوں کے درمیان کچھ چل رہا ہے؟" وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے ٹھٹکی۔

"شاید بہت کچھ......" وہ دروازہ کھول کر بیٹھ چکی تھی۔

"کیا ہوا ہے، مجھے بتاؤ پلیز......" وہ بیٹھتے ہوئے فکر مندسی ہوگئی۔

"کچھ خاص نہیں...... بس...... پتا نہیں اسے اور مجھے کیا ہوتا جارہا ہے امبر...... شاید ہم دونوں حقیقت سے بھاگتے بھاگتے تھک گئے ہیں۔ اس کی ماں کا اصرار بڑھتا جارہا ہے...... مجھے لگ رہا ہے وہ اب راضی ہوجائے گا۔" ساحرہ کو اصل پریشانی یہی تھی۔

"یہ تمہارا وہم ہے اور تم ایک وہم کی بنیاد پر اپنا اور اس کا سکون برباد کررہی ہو۔ اسے وقت دو ساحرہ' اسے تمہاری ضرورت ہے۔ وہ بہت حساس ہے تمہارے بارے میں۔"

"میں بھی بہت حساس ہوں اس کے بارے میں۔" اس کی آنکھوں میں ہلکی نمی اتر آئی تھی۔

"سب سے پہلے ایک ڈیوٹی چھوڑو...... جب سے تم نے کولھو کے بیل کی طرح کام کرنا شروع کیا ہے تمہاری توجہ اپنے گھر سے اور اس سے ہٹ گئی ہے۔"

"وہ بھی تو ڈبل ڈیوٹی کرتا ہے امبر......"

"پھر بھی وہ تمہارا خیال رکھتا ہے، تم سے محبت کرتا ہے...... تمہارے لیے اس نے سب کچھ چھوڑ دیا۔"

"اور اب میں ڈرتی ہوں کہ اس سب کچھ کے لیے وہ مجھے نہ چھوڑ دے۔" آنکھوں میں آئی نمی رخ بدل کر صاف کی گئی۔

"اسی وہم کی بنیاد پر تم اسے خود سے دور کررہی ہو، ساحرہ پلیز کچھ تو عقل سے کام لو، میرا تو سر پیٹ لینے کو جی چاہ رہا ہے۔ تم یہ سب کرکے اس کے اور اپنے درمیان ایک دیوار کھڑی کررہی ہو، ایسا مت کرو یار۔"

"کیا کروں میں......؟" وہ جھلا گئی۔ "وہ بھی تو ایسا ہی کرتا ہے۔"

"کچھ نہیں کرتا ہے وہ......" اس نے فوراً جھڑکا۔

"تمہیں کیا معلوم امبر...... اس کا لہجہ...... اس کا رویہ...... اس کا سلوک...... اس کی باتیں...... اس کی لڑائیاں...... کیا کچھ بتاؤں میں تمہیں...... درحقیقت اس موقع پر میں تمہیں اپنی جانب سے پریشان نہیں کرنا چاہتی۔"

"یہ سب تمہیں احساس دلانے کے لیے ہے...... وہ تمہیں بیدار کرنا چاہتا ہے، اسے بری طرح نظر انداز کردیا ہے تم نے...... وہ تم سے لڑ جھگڑ کر تمہیں اس بات کا احساس دلانا چاہتا ہے۔"

"کیا مجھ سے زیادہ تم اسے جانتی ہو امبر؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"نہیں ساحرہ، تم نے کبھی اسے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"مجھ میں بس اتنا فالٹ ہے کہ میں کسی چیز کا اظہار نہیں کرسکتی، احساس نہیں دلاتی...... لڑتی نہیں بلاوجہ...... مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں اس سے محبت نہیں کرتی...... مجھے اس کا احساس نہیں...... ایسا نہیں ہے امبر...... اسے ہر بات میں اظہار کی ضرورت کیوں پڑتی ہے...... وہ خود کیوں نہیں سمجھتا مجھے۔ چھوٹی چھوٹی سی بات کو وجہ تنازعہ بنادیتا ہے۔ ہمیں چند ماہ نہیں ہوئے ساتھ رہتے ہوئے ایک عرصہ ہوگیا ہے، آٹھ سال کم تو نہیں ہوتے نا؟"

"وہ حساس ہے ساحرہ...... سمجھنے کی کوشش کرو...... اس صورت حال میں جب وہ ایک دنیا تمہارے لیے چھوڑے بیٹھا ہے...... تو کم از کم تم تو اس سے اس کا سکون مت چھینو۔" وہ اب بری طرح بگڑ گئی تھی اس پر۔

"اور اس نے جو میرا سکون چھین لیا ہے؟"

"جو تم نے خود ہی کیا ہے۔ اب اگر اپنی ضد پر قائم ہی رہنا ہے تو پھر شکوہ مت کرنا کسی سے بھی سمجھیں!"

"تو کیا کروں؟" وہ بے بس سی ہوئی، بات تو اس کی دل کو لگ رہی تھی۔

"پہلی بات کہ اپنا رویہ درست کرلو، اس سے ایسا بی ہیو مت کرو چاہے وہ خود کرلے۔"

"چاہے وہ خود کرلے؟" اسے اب اس پر غصہ آنے لگا۔

"ہاں...... چاہے وہ خود کرلے...... مگر تمہیں اسے احساس دلانا ہے، اپنے ہونے کا اپنی محبت کا۔"

"بچکانا مشورے مت دو، کیا بچوں کی طرح اسے احساس دلاؤں، بے وقوف ہے کیا...... محسوسات اور فہم نام کی کوئی چیز نہیں کیا اس میں۔"

"تم بس یہی کرتی رہنا اپنے آپ کو بہت سمجھتی ہو مگر...... جانے دو کوئی فائدہ نہیں تمہیں سمجھانے کا۔" اب اس کا موڈ بگڑ گیا۔

"اب تم بھی بچوں کی طرح بی ہیو مت کرو...... بات ہوئی نہیں اور محترمہ کا منہ بن گیا...... حسن کو کال کرو۔" اسے لگا اتنی دیر سے فضول میں وہ سر کھپا رہی تھی۔

"میں تمہیں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ سرسری نہیں ہے ساحرہ۔" وہ حسن کو میسج کرتے ہوئے اس سے بہت سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگی۔

"ٹھیک ہے میری ماں......" فی الحال تو اس نے سر پکڑ لیا تھا۔

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''جب مسکراتے ہوئے چہرے پر اتنی خوب صورتی آجائے تو مسکرانے میں اتنی کنجوسی نہیں کرنی چاہیے۔'' اس نے پہلی دفعہ اسے کھل کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر حد سے زیادہ معصومیت تھی۔ اسے یہ لڑکی ایک دم سے بھولی بھالی، اپنے آپ میں سمٹی ہوئی، ڈری ہوئی لگی اور اس کے ساتھ بات کرتے ہوئے ایک دفعہ بھی اسے احساس نہیں ہوا کہ وہ اتنا بڑا قدم خود سے اٹھا سکتی ہے۔ یقیناً وہ بہت مجبوری کے عالم میں ایسا کرنے پر مجبور ہوئی ہوگی۔ اسے اس وقت اس سہی ہوئی معصوم سی لڑکی پر بے تحاشا رحم آرہا تھا۔

''لو یہ دونوں جا کر بیٹھ گئیں چالاکی کرکے، چلو اب ہم بھی چلیں۔'' اس نے سیل جیب میں رکھتے ہوئے اس سے کہا۔

''جی بہتر......'' وہ سعادت مندی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا سنو...... دیکھو ہم سب فیملی کی طرح ہیں، جتنا وقت بھی ہمیں ساتھ رہنا پڑے اچھے سے گھل مل کر رہنا چاہیے، تمہاری جھجک تمہیں بھی پریشان کرے گی، ہمیں بھی، تم سمجھو ہم تمہارے فیملی ممبر ہیں۔''

''آپ سب لوگ میری فیملی سے بڑھ کر ہیں۔'' وہ پہلی دفعہ اعتماد سے کھل کر بولی تھی۔

''گڈ...... یہی بات میں اتنی دیر سے تمہیں سمجھا رہا ہوں پگلی۔'' اس نے گاڑی کے قریب رکتے ہوئے کہا اور آگے بڑھا۔

ساحرہ نے اس کی مسکراہٹ اور پُرسکون چہرے پر اک نظر ڈالی اور سوچا وہ کافی دنوں بعد اتنا فریش نظر آیا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر میں داخل ہوئی تو عجیب سی ہل چل محسوس ہو رہی تھی، باہر تک شور آرہا تھا، اندر داخل ہونے پر پتا چلا کہ ٹی وی فل آواز میں چل رہا تھا۔ صوفے پر میگزین بکھرے پڑے تھے اور سائڈ میں حسن کا کوٹ پڑا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے چیئرز پر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے اور ساتھ ساتھ خوش گپیاں بھی چل رہی تھیں۔ اس نے پہلی مرتبہ مومنہ کو اتنا پُراعتماد اور بے پروا سا محسوس کیا تھا۔ دوپٹا شانوں سے ڈھلکتا ہوا حالانکہ آج سے پہلے اس نے کبھی سر ڈھکے بغیر کمرے سے باہر نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ آج وہ کافی فریش بھی لگ رہی تھی، اس کے بالوں کی لمبی چوٹی نیچے تک لٹک رہی تھی اور چہرے پر بالوں کی لٹیں آرہی تھیں۔ وہ عجیب بے نیازی سے مسکراتے ہوئے کھانا کھا رہی تھی۔ اسے سامنے پا کر اچانک رکی اور کچھ کنفیوز بھی ہوئی تھی فوراً دوپٹے سے سر ڈھک لیا اور پیشانی سے لٹیں ہٹاتے ہوئے کان کے پیچھے اڑسیں، گھبراہٹ میں فوراً سلام کیا تھا۔

''ارے آؤ...... تمہارا ہی انتظار تھا، اتنی دیر کردی۔'' حسن نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا اور اسے کہا۔ اس کے تاثرات میں شاید کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''لگ رہا ہے...... ویسے آج میں وقت سے پہلے آئی ہوں، اگر تم گھڑی دیکھو تو!'' وہ معنی خیز انداز میں دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ہاں...... شاید بہرحال خیریت ہے ناں...... آؤ بیٹھو کھانا کھاؤ...... مجھے اصل میں بہت بھوک لگ رہی تھی نا...... پتا ہوتا تم جلدی آرہی ہو تو کچھ [illegible] ویٹ کر لیتے......'' وہ پھر سے کھانا کھانے میں مگن ہوگیا۔

''کھانا کس نے بنایا ہے؟'' وہ اسے رغبت سے کھاتے ہوئے دیکھ کر بولی۔

''ہوں...... بہت زبردست بنایا ہے یار مومنہ نے بنایا ہے، بہت اچھی کک ہے، تم بھی کھا کر دیکھو...... میں تو انگلیاں چاٹتا رہ گیا ہوں۔''

''میرا ارادہ تھا میں آکر بنالوں گی...... تم نے تکلیف کیوں کی مومنہ...... آئندہ مت کرنا، ویسے بھی تم مہمان ہو یار پھر ہم تم سے کام کروائیں یہ اچھا تو نہیں لگتا۔''

''مہمان صرف تین دن تک ہوتا ہے، مومنہ تو بھئی اب ہمارے گھر کی ہی فرد ہوئی نا...... تم ویسے بھی لیٹ آتی ہو اس نے بنالیا تو کیا ہوا...... اچھا تو بناتی ہے۔'' وہ فوراً اس کی حمایت میں بول پڑا تھا۔

''میرے خیال سے میں اس سے بات کر رہی ہوں، تم خوش ہو کر کھانا کھاؤ۔''

''کیوں، تم کھانا نہیں کھاؤ گی؟'' وہ اسے جاتا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''نہیں، تم لوگ ہی کھاؤ...... خوش ہو کر......'' لفظ خوش کو چبا چبا کر ادا کیا گیا۔ وہ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگا...... اور اس کے لہجے کو محسوس کرنے لگا۔ وہ رکی نہیں تھی سیدھے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ دونوں اِک دوسرے کو نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھتے ہوئے اٹھے، مومنہ برتن سمیٹنے لگی، اس نے اٹھ کر ٹی وی آف کیا اور اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔ کمرا لاکڈ تھا۔ وہ شانے اچکاتا ہوا نیچے اترا اور اپنا کوٹ لے کر کلینک کے لیے نکل گیا۔ اس کی نظر میں کم از کم ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ غصے میں بغیر کھانا کھائے اندر چلی گئی تھی اور پھر کمرا بھی بند کرلیا۔

''بے چاری مومنہ سہم سی گئی تھی......'' اسے پھر بھی اس کا خیال آرہا تھا اس کے خیال تیزی کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے۔

☆☆☆

''تمہارے رویے کی وجہ سے اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا، ایسا کیا ہو گیا تھا آخر......؟''

''اس نے کھانا نہیں کھایا تمہیں اس کی پروا ہے...... میں نے دن میں نہیں کھایا تمہیں پروا تھی؟'' وہ لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم کیوں کر رہی ہو ایسا......؟'' وہ بیڈ کے ایک سرے پر بیٹھ گیا۔

''میں کیا کر رہی ہوں...... اور تم کیا کر رہے ہو...... یہ سب جو ہو رہا ہے، یہ کیوں ہو رہا ہے...... تم بے خبر ہو کیا؟''

''تم کہنا کیا چاہ رہی آخر...... جب میں اس کے خلاف بولتا تھا اور تمہیں کہتا تھا کہ اس لڑکی کو گھر میں مت رکھو تب تمہارا زور تھا اور اب جب میں نے اسے اجازت دے دی ہے تو تمہیں اعتراض ہو رہا ہے۔''

''کس طرح سے بی ہیوئیر بدلا ہے تمہارا اس کے ساتھ......''

''تم بھی تو رحم کھا کر اسے توجہ دیتی تھیں ناں...... میں بھی ایک غریب لڑکی سمجھ کر اسے توجہ دیتا ہوں، رحم کھاتا ہوں، بس یا اور کچھ؟'' اپنے تئیں وہ بات صاف کر چکا تھا۔

''میں کل ہی اس سے بات کرتی ہوں یہاں سے جانے کی۔'' وہ بغیر اس کی طرف دیکھے کہنے لگی۔

''کہاں جائے گی وہ، یہ سوچا ہے تم نے؟'' حسن کو اس کے اچانک فیصلے پر حیرت سی ہوئی۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ تکیہ سیدھا کر کے دوبارہ لیٹ گئی۔ کئی دنوں سے سکون سے نہیں سو سکی تھی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

آج کم از کم سکون سے سونا چاہ رہی تھی۔

''اگر تمہارا مسئلہ نہیں تھا تو ہاتھ کیوں ڈالا اس مسئلے میں، کیوں اس لڑکی کو سہارا دیا۔ اب اچانک تم اسے نکال باہر کرو گی، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ کہاں جائے گی، کہاں دھکے کھائے گی۔'' وہ بلاوجہ ہی بگڑ رہا تھا۔

''یہ تمہارا مسئلہ ہرگز نہیں ہے، سڑکوں پر دھکے کھائے یا...... پلیز میں اب اس موضوع پر زیادہ بحث نہیں کر سکتی۔ اسے میں اس گھر میں لائی تھی، میں ہی لے جاؤں گی، تمہیں کسی کی فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہو۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھنے لگا۔

''ناقابلِ یقین تو تم میرے لیے بنتے جا رہے ہو حسن احمد...... تم کیا تھے...... اور تم کیا ہو۔'' وہ افسردہ تھی۔

''قابلِ یقین میں تمہارے لیے تھا ہی کب......؟'' وہ ایک دم سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کا ردِعمل توقع سے زیادہ سخت تھا اور حیران کُن بھی......

وہ قصوروار کسے سمجھتی اپنے آپ کو، اسے یا پھر اس معصوم صورت سہمی ہوئی لڑکی کو۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ سب کچھ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا...... بجائے سلجھنے کے۔

☆☆☆

''خیریت بھئی تم آج اپنے کمرے میں بند ہی رہو گی کیا باہر نہیں نکلنا۔'' وہ ابھی گھر آیا تھا ساحرہ کو نہ پا کر وہ اس کے کمرے میں ناک کرتا چلا آیا۔

''میرا کمرا......؟'' اس نے جیسے خود سے ہی سوال کیا تھا۔ ''کچھ بھی تو میرا نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑائی بیڈ سے اٹھتے ہوئے۔

''ایسی بات تو نہیں...... تم یہاں رہتی ہو تو یہ تمہارا بھی جیسے گھر ہی ہوا۔''

''کہنے کا شکریہ، صرف لفظی احساس بھی بڑی بات ہے، آپ لوگوں نے تو پھر بھی مجھے سہارا دیا ہے۔'' وہ دوپٹا شانوں پر پھیلا کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''سب سے بڑا سہارا خدا کا ہے پھر جتنے دن تمہارا رزق اس گھر میں لکھا ہے تمہیں یہاں سے نصیب ہوگا۔ میرے خیال سے تم نے ساحرہ کے رویے کو محسوس کیا ہے بہت۔'' وہ چل کر اس کے قریب کچھ فاصلے پر آ کر کھڑا ہوا کھڑکی کے برابر دیوار سے ٹیک لگائے وہ اس کے ناراض سے چہرے کو دیکھنے لگا، کوئی کشش تھی اس میں جو اپنی طرف کھینچتی تھی، وہ اسے کوئی سحر کوئی خوب صورتی سمجھ رہا تھا۔ وہ فطری کشش کو سمجھ نہیں پایا۔

''ساحرہ تو تمہارا بہت خیال رکھتی ہے، بس کچھ دنوں سے ہمارے درمیان تھوڑی بحث و تکرار ہو رہی تھی وہ اسی وجہ سے ذہنی طور پر ڈسٹرب ہے وگرنہ اور کوئی بات نہیں۔'' اسے نہ جانے کیوں اس کی پروا ہو رہی تھی۔

''اس بحث و تکرار کی بنیادی وجہ شاید میں ہی ہوں......'' وہ کھڑکی سے اس پار شام کا منظر دیکھ رہی تھی۔

''نہیں، اس بحث و تکرار کی وجہ تم نہیں ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔ جس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو کہ کسی تنازعے کی وجہ تم ہو۔'' وہ اس کے ذہن سے بوجھ ہٹانا چاہ رہا تھا۔

''ہر مشکل کی وجہ میں ہی ہوں...... پہلے اماں کی موت کی...... پھر ابا کی سختیوں کی بعد میں اُن کی

www.paksociety.com

بدنامی کی اور پھر خود اپنی ذلت کی اور اب آپ لوگوں کی زندگی میں میری وجہ سے ڈسٹربنس پیدا ہو رہی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں نمی سی تیر رہی تھی۔

ماں کی بیماری اور اچانک موت جس پر اسے کیا کچھ نہ سنایا گیا اس کے بھائی اس کی بھابیاں...... ان سب کا رویہ ان سب کا سلوک پھر باپ کی بے جا سختی...... بے اعتباری اور زبردستی...... عنقریب اسے بھابیوں کے کہنے پر کسی بھی کھونٹے سے باندھا جاتا۔ جس کی تیاریاں اندرونی طور پر ہو رہی تھیں، تیاریاں کیا تھیں، چند جوڑے اور بس اس کی ماں کے سونے کے دو سیٹ بھی بھائیوں نے لے لیے۔ بچی کھچی رقم بھی...... اب اس کے حصے میں باقی کیا رہ جاتا تھا، چند کپڑوں کے جوڑے، کوئی نشئی موالی بڈھا یا پھر س کی بھابی کا پاگل بھائی اور چند محرومیاں...... تمام مر کی اذیتیں اور دکھ...... جن سے بچنے کے لیے اس نے بچپن کے منگیتر سعید کے سہارے اتنا بڑا قدم ٹھایا اور پھر بھی دکھ، محرومی اور ذلت جس سے وہ پیچھا چھڑا کر بھاگ رہی تھی مگر یہ تمام رسوائیاں اس کے لو سے بندھی تھیں...... کچھ حالات اور کچھ اس کی اپنی لطیاں تھیں جو اِن محرومیوں کی صورت اس کے سامنے آ رہی تھیں۔

''تم رو رہی ہو......؟'' اس سے نہ جانے کیوں کسی کا بھی رونا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ کسی لڑکی اور ہر ایسی سادہ معصوم صورت کی کم عمر، معصوم لڑکی کا پنی قسمت پر اس طرح رونا بالکل بھی دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

''یہ کوئی نئی بات نہیں حسن صاحب......'' پہلی فعہ اس نے اس انداز میں اس کا نام لیا تھا۔

''مت روؤ...... تم یہاں محفوظ ہو۔''

''کب تک...... کب تک آخر؟'' اس کی

آنکھوں میں بے تحاشا آنسو تھے۔

"جب تک تمہارا پراپر کوئی بندوبست نہیں ہوجاتا۔ ہم تمہارے لیے کوئی اچھا سا لڑکا دیکھیں گے، اچھے سے تمہاری شادی ہوگی، تم بہت خوش رہو گی۔"

"کون...... کون کرے گا مجھ سے شادی...... سب کچھ جان لینے کے بعد...... آپ کریں گے بتائیں......؟" وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔ وہ اپنی جگہ جیسے برف ہوگیا تھا۔ حیرت کا ایک جھٹکا تھا۔

"بتائیں...... کریں گے...... کریں گے آپ مجھ سے شادی...... نہیں نا......؟ بولیں...... بتائیں مجھے......؟" اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔

"بولیں، کیوں نہیں بولتے...... بتائیں مجھے...... نہیں کریں گے نا...... نہیں نا...... اب بولیں، کریں میرے ساتھ ہمدردی...... بولیں...... دیں مجھے تسلی...... جھوٹی تسلی...... جھوٹی امید......" اس کا گلا رندھ گیا۔

"جھوٹ...... سب کچھ جھوٹ ہے...... جھوٹی محبت......" اس کی سسکیاں بندھ گئی تھیں، وہ ہچکیوں کے درمیان منہ چھپا کر رونے لگی۔ اس سے مزید اس جگہ رکا نہ گیا، حیرت کا مسلسل جھٹکا تھا۔ وہ الجھتا ہوا خاموشی سے کمرے سے نکل آیا۔ اس کے رونے کی آواز باہر تک آرہی تھی مگر اس کی آواز اور سسکی اس کے قدم روک نہ سکی تھی۔

☆☆☆

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" آج وہ خود اپنے اور اس کے لیے کافی بنا کر لایا تھا۔ اسے کپ تھماتے ہوئے اس کے برابر میں بیٹھ کر بولا۔ ایک لمحے کے لیے اس کے دل کی دھڑکن جیسے رک گئی۔ فیصلے کا لفظ کس قدر تاثیر رکھتا ہے اس نے سوچا۔

"میں مومنہ کو گاؤں چھوڑ آتا ہوں...... اماں سے کہوں گا اس کی وہیں کسی سے شادی کرادیں یا پھر حویلی میں رکھ لیں جہاں اتنے لوگ رہتے ہیں وہاں ایک اور سہی۔" اس کا لہجہ کافی سرد تھا۔ اس کی سانس جیسے بحال ہوئی اور دل کی دھڑکن معمول کی رفتار سے چلنے لگی۔

"میری وجہ سے تم نے یہ سوچا...... بلکہ تمہیں سوچنا پڑا...... میری مصیبت تمہارے گلے پڑ گئی...... مجھے اندازہ ہوتا کہ ایک اجنبی لڑکی کی وجہ سے ہمارے درمیان اتنی دوری آ جائے گی تو شاید میں اسے گھر نہ لاتی۔"

"مصیبت بتا کر نازل نہیں ہوتی...... میرے خیال سے ہماری ان بن کی وجہ صرف وہ نہیں تھی...... کچھ اور بھی تھا...... بلکہ ہے۔" وہ اسے کیا کہتا کہ واقعی اس کی لائی گئی مصیبت اس کے گلے ہی پڑ رہی تھی، جس سے وہ خود جان چھڑانا چاہ رہا تھا۔

"اماں راضی ہوجائیں گی؟" اسے صرف مومنہ کو یہاں سے نکالنے کی جلدی تھی جتنی من مانی کر کے وہ اسے فوراً یہاں لائی تھی، اس سے بھی جلدی اب اسے یہاں سے جاتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی مگر ایک خیال جو روک لیتا وہ یہی کہ جب اس نے سہارا کی اتنی مدد کرلی ہے تو تھوڑی اور سہی، اس کا مستقل بندوبست ہوجائے تو کیا ہی بات ہے، یہ اس کی حساسیت اور سادہ دلی تھی کہ وہ ایک انجان لڑکی کے مستقبل کے لیے سوچ رہی تھی۔ یہ سوچے بغیر کہ اس کا یہ سوچنا خود کو کتنا مہنگا پڑ سکتا ہے۔ حسن کا آئیڈیا اسے قطعی برا نہیں لگا تھا بلکہ سر سے کوئی بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس بات نے ہی اسے ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

"اماں سے بات کرلوں گا اس کی فکر تمہیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اپنے تئیں وہ اس کی اور اپنی فکر دور کررہا تھا، اسے کہاں پتا تھا کہ انجانے میں وہ اپنی فکریں بڑھا رہا ہے۔ ایک رسک اس نے لیا تھا، ایک وہ خود لے رہا تھا۔ نتائج سوچے اور جانے بغیر ہی۔

☆☆☆

عجیب سی کشمکش تھی جو اس کے گلے پڑ گئی تھی۔ یہاں آکر ہی اسے احساس ہوا کہ گاؤں آکر اس نے کتنی بڑی غلطی کرڈالی ہے۔ دروازہ پھر بجنے لگا، وہ ناچار اٹھا، سامنے وہ کھڑی تھیں۔

"آجائیں اماں......" اس نے ذرا سا ہٹ کر انہیں اندر آنے کے لیے جگہ دی۔

"پھر تم نے کیا سوچا پٹ؟" (بیٹا)

"میرے پاس سوچنے کے لیے کچھ بھی نہیں بچا اماں...... میری تمام سوچیں مفلوج ہوگئی ہیں۔" وہ سوچتا ہوا بیٹھ گیا۔ "میں بھلا کیا سوچوں گا......" وہ اتنا ہی کہہ سکا۔

"دیکھ بیٹا مرضی اب تیری ہے...... دیکھ میں نے آٹھ سال انتظار کیا ہے، میری آخری یہی خواہش' میں نے تیری ہر بات رکھی ہے میرے سوہنے...... تو نے کہا شہر جا کر رہوں گا، پڑھوں گا، میں نے تجھے نہیں روکا...... تیرے بابا کے بعد تیری اس حویلی کو مرد بن کر سنبھالا، ساری حیاتی تیرے لوٹنے کا انتظار کیا کہ تو آکر اپنی حویلی وسائے (بسائے) گا۔ خود اپنی زمین سنبھالے گا مگر تو نہ لوٹا، وہیں کا ہو کر رہ گیا' ضد کر کے مرضی کی شادی بھی کرلی۔ میں نے جب بھی تیرا راز رکھا، تیری بات مانی، سمجھوتا کرلیا، سال میں دو بار تو منہ دکھا دیتا اسی پر خوش ہوجاتی...... مگر اب میری کوئی ناجائز خواہش نہیں...... تمام حیاتی میں نے تیرے لاڈ اٹھائے، تیری ضدیں پوری کیں...... میری بس ایک ضد مان لے، ایک خواہش کا مان رکھ لے، میں تجھے تیری ساری ڈنگائیاں من مانیاں معاف کرتی ہوں۔ اب تیری مرضی کہ تو خاندان میں کرلے یا کہیں اور بس تو شادی کرلے۔ میری تجھ پر کوئی زور زبردستی نہیں ہے اگر تو کہے تو میں خاندان میں تمہارے لیے جھولی پھیلاؤں، کوئی انکار نہیں کرے گا۔ یہ لڑکی بھی بے سہارا ہے، تجھ پر کوئی دباؤ نہیں ہوگا میرے بچے...... خاندان کی چھوکری کو اپنے ساتھ شہر میں رکھنا ہوگا یا اس کے ساتھ یہاں رہنا پڑے گا۔ ان کی جو شرطیں ہوں گی وہ بھی ماننی پڑیں گی۔ اب تیری جو مرضی...... بس مجھے اب ہاں سننی ہے۔" گویا وہ اپنے طور سب کچھ طے کیے بیٹھی تھیں۔ ماضی کے تمام حوالے دے کر اسے مجبور کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

جار ہا تھا۔

''اماں ...... مجھے وقت دو...... میرا دل راضی نہیں ہوتا۔'' وہ ہر طرح سے بے بس محسوس کر رہا تھا خود کو۔

''نہ میرا جگر...... وقت نہیں بس...... ہاں کہہ دے جتنا سوچے گا اتنا ہی الجھے گا۔'' انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی پر بکھرے ہوئے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

''الجھ تو میں گیا ہوں اماں...... حالات نے مزید الجھا دیا ہے، کیا کروں...... ایک طرف آپ ہیں...... دوسری طرف......'' وہ کہتے کہتے رہ گیا۔ وہ نام جس سے ان کو خاص قسم کی چڑ تھی، اول دن سے ہی۔

''تو مجھے اپنی دشمن سمجھتا ہے ناں...... ارے اگر میں تمہارے ساتھ زبردستی کرتی نا تو کب کی کر چکی ہوتی تمہاری خاندان میں شادی تب تو پھر اچھا ہوتا ...... تو میری نظروں کے سامنے تو رہتا...... چار دن ناراض رہتا پھر ٹھیک ہو جاتا...... مگر نہیں، میں نے تو تمہاری کوئی خواہش نہ ٹالی تو ہی کہہ...... کب زور ڈالا ہے تم پر...... ارے یہ خواہش تو فطری ہے، تمہارے بچے کھلاؤں...... مرنے سے پہلے تمہاری نسل دیکھوں...... پوتا یا پوتی...... مگر اس گھر میں کوئی بچہ تو چہکے...... میرے سامنے اس گھر میں کھیلے...... میں دیکھوں اپنی آنکھوں سے، کب سے یہ خواہش من میں دبائی آئی ہوں۔ اب تو رحم کر لے...... اپنی ماں پر...... کچھ تو سوچ، کیا میں غلط ہوں بتا؟'' وہ روہانسی ہو گئیں۔

وہ پریشانی سے اپنے دائیں ہاتھ سے پیشانی مسلتا رہا...... اسے لگ رہا تھا اب وہ مزید نہیں بھاگ سکتا...... مزید نہیں ٹال سکتا ان کو کسی امید پر...... سچ تو یہ تھا کہ خود اس کی امیدیں مر چکی تھیں...... ایک ساحرہ کی محبت تھی جس کے سہارے وہ دل کو تسلی دے کر خوش کر لیتا مگر پچھلے چند دنوں سے جیسے ہر احساس مر گیا تھا۔ ایک طرف ساحرہ کا رویّہ...... ایک طرف مومنہ کی اکسا دینے والی حرکتیں...... باتیں اور بے چارگی...... اب ماں کا اصرار، ان کی محبت...... ماضی، حالات، مشکلات...... اس نے سب کا تجزیہ کیا تو اسے ہر جگہ اماں کی محبت اور سہارا دکھائی دیا...... زندگی کے کٹھن سے کٹھن معاملات اور حالات میں انہوں نے ہی اس کا ساتھ دیا تھا۔ اسے معاف کیا تھا۔ وہ جو اس کی بیوی تھی اور اس سے بے پناہ محبت کی دعویدار تھی وہ بھی اس کی معمولی سی غلطیاں معاف نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اسے کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دیتی تھی...... ایک یہ محبت جس وجہ سے اماں کو ہمیشہ ہی رد کیا پھر بھی دوسری شادی کے لیے قطعی اس کا ذہن تیار نہیں ہو پاتا تھا۔

مومنہ کی بے بسی پر اپنی ساتھی اپنی دوست کی محبت بھاری تھی، وہ کیسے شادی کے لیے ہاں کر دیتا، کیسے وہ جگہ کسی اجنبی لڑکی کو سونپ دیتا جو صرف اور صرف اس کی تھی۔ نہ وہ ہمیشہ کے لیے اس لڑکی کو ساتھ رکھ سکتا تھا، نہ اس کے دل میں وہ اپنا ویسا مقام بنا پاتی مگر صرف اور صرف ایک ماں کی ضد، ان کی خواہش کو اس نے اپنے تئیں ترجیح دی۔ اسے بیڑیاں پہنائی جا چکی تھیں جیسے بس پیپر پر سائن کرنے کی ضرورت تھی۔ اس نے خاموشی سے سر اٹھا کر ان کے ہاتھ تھام کر چوم لیے یہ اس کی رضامندی تھی دل سے نہ سہی مگر وہ راضی تو ہو ہی گیا تھا ذہنی طور پر شاید اس سے بھی پہلے...... اب صرف عملی کارروائی باقی تھی۔

تیسرا اور آخری حصہ اگلے ماہ پڑھیں

ایک محبت بھری شام

انجم انصار

بہت عرصے سے میں سوچ رہی تھی اپنی پاکیزہ ہنوں کے ملبوسات کے بارے میں کوئی ماہرانہ ائے کسی سے حاصل کر کے انہیں بتاؤں۔

مگر میرا نہ کہیں جانا ہو رہا تھا اور نہ ہی کسی ایسی خصیت سے ملنا ہو رہا تھا جس کی سودمند باتوں سے بس آپ کو آگاہی دیتی۔

نئے فیشن کے بارے میں...... میں خود اتنا یادہ نہیں جانتی مگر خواتین ہمیشہ یہی کہتی رہتی ہیں کہ ماری بہنیں اپنا خیال خوب رکھیں کہ آپ کے لباس آپ کی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں اور آپ کے باس دیکھ کر ہی مجھ جیسی خواتین...... آپ کی نفاست ور مزاج کا اندازہ بھی لگایا کرتی ہیں اور پھر میری مراد بر آئی...... یاسمین رشید نے اپنی سالگرہ کے موقع پر جہاں اپنی سہیلیوں کو بلایا وہاں مجھے بھی بلا لیا۔ یاسمین رشید، شہر کی جانی پہچانی ڈریس ڈیزائنر ہیں، ان کے ملبوسات کی نمائش عموماً فائیو اسٹار ہوٹلز میں ہوا کرتی ہے اور وہ خود بھی ایک خوش لباس خاتون ہیں اور جب ہماری ان سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے ہمیں بتایا کہ آج کل لمبی قمیص پہنی جا رہی ہیں جو پجاموں، حجاب چوڑی دار، شلوار کے ساتھ ساتھ لہنگوں پر بھی پہنی جا رہی ہیں۔

کیا اب درمیانی لمبائی کی قمیص بالکل بھی فیشن میں نہیں ہے...... نہیں ایسی بات نہیں ہے پچاس اور ساٹھ سال سے اوپر کی اکثر ہاؤس وائف بھی بہت زیادہ لمبی قمیصیں نہیں پہن رہیں اس وقت فیشن میں لمبی اور درمیانی لمبی قمیص پہنی جا رہی ہے، ہاں اونچی قمیص ان دنوں بالکل بھی نہیں پہنی جا رہی ہے۔

یاسمین نے ایک اور مزے کی بات بتائی کہ ہماری خواتین پرس لے کر جانے کی بے حد شوقین ہوتی ہیں مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سادے پرس پرنٹڈ ...... سوٹوں یا کام والے ملبوسات کے ساتھ اچھے لگتے ہیں اور پرنٹڈ یا کڑھائی والے بیگز پلین سوٹوں پر خوب صورت لگا کرتے ہیں۔ ان دنوں بڑے اور درمیانی بیگز فیشن میں اِن ہیں۔ بہت چھوٹے چھوٹے پرس اِن دنوں آؤٹ آف فیشن سمجھے جا رہے ہیں۔

ہماری پاکیزہ بہنوں کو اور کچھ مفید رائے دیجیے۔

یاسمین نے مسکرا کر کہا...... جہیز میں زیادہ سے زیادہ 15 جوڑے دیجیے کہ ہمارے سب سے زیادہ پیسے کپڑوں پر ضائع ہوتے ہیں۔ فیشن تیزی سے بدلتے ہیں اور اس کے سب سے زیادہ اثرات کپڑوں پر آتے ہیں۔

یاسمین رشید نے ایک دلچسپ بات بھی بتائی...... جسے میں مفید ترین بات کہوں گی۔ وہ یہ کہ شادی ولیمے کی لمبی قمیص جو آپ غرارے یا لہنگے کے ساتھ بنا رہی ہیں۔ اس کے ساتھ کسی دوسرے رنگ کا چوڑی دار پاجامہ یا پتلون بھی بنا لیں۔ اس طرح شادی اور ولیمے کے جوڑے صرف آپ کی الماری کی زینت نہیں رہیں گے بلکہ بعد میں بھی وہ آپ کے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کام آجائیں گے۔

یہ تو بہت اچھی بات ہے...... آج کل کسی کو بھی کسی کے شادی ولیمے کے جوڑے کہاں یاد رہتے ہیں، جب آپ ان کو دوسرے انداز میں پہنیں گی تو وہ ایک دلفریب لک بھی عطا کریں گے اور آپ کو خوشی بھی ہوگی کہ جن جوڑوں پر آپ کے پیسے خرچ ہوئے ہیں' وہ آپ کے استعمال میں بھی آرہے ہیں۔

یاسمین رشید سے یہ بات چیت ہماری وقفے وقفے سے جاری رہی اور وہ اپنی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتی رہیں۔

پی سی کے مارکو پولو... ہال میں آج خاصا رش تھا اور ہم یاسمین رشید سے بات کرنے کے بعد ایک اچھے سامع ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ شائستہ اعجاز اپنے اسکول اور کالج کے زمانے کی تصاویر لائی تھیں اور ہم ان پیاری، پیاری بچیوں کو پہچاننے کی ناکام کوشش کررہے تھے۔ جن میں عذرا رسول کے ساتھ یاسمین رشید اور شائستہ اعجاز تھیں، ہما بیگ اپنے لیے کچھ نکال کر لا رہی تھیں تو ہمارے لیے بھی...... جی ہاں...... گرما گرم گلاب جامن کھلا کر ہماری زبان جلانے کا سہرا بھی ان کے سر باندھیں گے کہ منع کرنے کے باوجود انہوں نے ہماری پلیٹ میں زبردستی ڈال دی تھیں...... اور ہماری اوئی سن کر سب سے بلند قہقہہ بھی انہی کا تھا...... حالانکہ...... ان کے قہقہے پر ہمیں بھی ہنسی آئی تھی مگر جھینپی جھینپی سی...... عذرا رسول ہمیں بتا رہی تھیں کہ ان کے بیٹے ذیشان رسول حج پر جانے والے ہیں اور آج کل وہ اسی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ عذرا بے حد خوش تھیں۔ (ماشاء اللہ) عذرا ہمارے برابر میں بیٹھی تھیں تو پاکیزہ کے بارے میں بھی بات چیت ہورہی تھی...... ورنہ یہ بات چیت عموماً لیٹ نائٹ ہوا کرتی ہے...... فون پر۔ آج کی اس تقریب میں لوگ کم تھے مگر باتیں کسی صورت ختم ہونے میں نہیں آرہی تھیں۔

ہما بیگ نے سالگرہ کی مناسبت سے بڑی پیاری سی نظم اس محفل کی چیف گیسٹ اور میزبان یاسمین رشید کے لیے پڑھی تو سب نے نہ صرف بے حد داد دی بلکہ عذرا رسول نے وہ نظم فوراً اپنے پرس میں رکھ لی۔

''عذرا...... یہ نظم تو برتھ ڈے گرل کے لیے تھی، آپ کیا کریں گی؟......'' میں نے پوچھا تب وہ مسکرا کر بولیں۔

''میں اسے اپنی پیاری سہیلی کے لیے کمپوز کروا کے فریم میں سجا کردوں گی...... تاکہ وہ اسے جب بھی دیکھے تو ایسی ہی مسکراہٹ اس کے لبوں پر سجے......! جیسے آج سجی ہے۔''

یاسمین اس محبت بھری شام میں سب کے محبت بھرے یہ جملے سن کر آب دیدہ ہورہی تھیں، تب میرے لب ہر پیار کرنے والے دوست کو دعا دینے لگے کہ ایسی محبتیں، چاہتیں ہمیشہ قائم ودائم رہیں جو اپنے دوستوں سے ایسی مسحور کن محبت کیا کرتے ہیں...... کیا آپ بھی اپنی سہیلیوں کی ایسی ہی دوست ہیں، ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو باہم اسی طرح شیئر کرتی ہیں۔ اپنا جواب اپنے آپ کو بتانے سے پہلے ذرا ہما بیگ کی رائے ضرور پڑھ لیجیے کہ اس محبت بھری محفل کو ہماری شاعرہ نے کس انداز میں دیکھا ہے۔

سالگرہ کی تقریب

ہما بیگ

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے عمر یونہی تمام ہوتی

www.paksociety.com

ہے، موسم آتے ہیں، جاتے ہیں، بہار آتی ہے ہر سمت پھول اپنی خوشبو پھیلا کر فضا معطر کرتی ہے، برسات واہ خود بخود کچھ کرنے کو دل چاہنے لگتا ہے کہ بیٹھے رہیں تصور جاں کیے ہوئے...... نہیں؟ مگر اک اور بھی دن سال میں صرف ایک ہی بار آتا ہے جب سب دلفریب لگنے لگتا ہے، ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ آجاتی ہے۔ دراصل زندگی کے مسائل میں گھر کر شرارتیں کم ہوجاتی ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے ہوگئے ہیں۔ اس دن دل چاہتا ہے کہ ہم پھر سے بچے بن جائیں، ناچیں، گائیں، خوشیاں منائیں۔ سال بھر کی کڑی دھوپ کے بعد یہ دن برسات کی کن من بوندوں کی طرح من موہنا سا دن جیسے ویرانے میں چپکے سے آجائے بہار! جی سالگرہ کا دن کم از کم مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے، چاہے میری سالگرہ ہو یا سہیلی کی یا رشتے دار کی۔ میرا دل کسی غزال کی طرح قلانچیں بھرنے لگتا ہے اور اگر کہیں کسی کی سالگرہ پر دعوت ہو تو مزہ دوبالا۔

کچھ ایسا ہی ہوا ہماری پیاری راج دُلاری یاسمین نے ہمیں اپنی سالگرہ پر PC میں ہائی ٹی پر انوائٹ کیا۔ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں فوراً حامی بھری۔ مقررہ وقت پر عذرا رسول کے ساتھ PC پہنچے تو انجم، یاسمین، حمیرا ہم سب پہلے ہی آچکے تھے۔ سب نے یاسمین کو گلے لگا کر پیار بھری دعائیں اور تحائف دیے۔ ٹیبل کے گرد لگی کرسیوں پر قبضہ جما کر خواتین نے اپنا من پسند کام یعنی باتیں شروع کردیں مگر کھانے کی میزوں کی طرف سے آتی اشتہا انگیز خوشبو نے یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہنے دیا مگر اس سے پہلے میں نے یاسمین کی خدمت میں اپنی غزل نما نظم پیش کی۔ اس محفل میں یوں تو سب ہی اپنی جگہ منفرد تھے مگر یاسمین کی تو بات ہی سب سے الگ تھی،

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اللہ پاک ان کو ہمیشہ ایسا ہی مسکراتا رکھے۔ (آمین)

سالگرہ مبارک

کوئی مہ لقا ہے کوئی مہ جبین
مگر سب سے اچھی میری یاسمین
نگاہِ محبت سے دیکھو اگر
نہیں کوئی اس سے زیادہ حسین
وہ آواز میں جلترنگی کھنک
تو لہجے میں شیریں انگبین
رہے آندھیوں میں ثابت قدم
ہوا کیا گرائے گی دیوارِ چین
وہ اعمال صالح میں درویشِ دل
وہ اخلاقِ حسنہ میں بھی بہترین
مسکراتی رہے تو زندگی میں سدا
بھولے سے بھی نہ ہو تو کبھی غمگین
سکھیاں منائیں یونہی تیرا جنم دن
سال کا ہر دن ہو پہلے سے دل نشین
مزے سے غزل خود بخود ہو گئی
ہما بیگ نے جو نکالی زمین

اور اب آخر میں تقریب کی میزبان یاسمین رشید کے دلی احساسات......

میری سالگرہ

یاسمین رشید

غم اور خوشی ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں، غم تو بن بلائے ہی ہمارے سر پر آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں مگر خوشیوں کو ہمیں تلاش کرنا ہوتا ہے مگر ہمارے رشتے ناتے ہم پر اس طرح حاوی ہوتے ہیں اور بھی ہماری مصروفیات اس طرح چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو مس کرتے رہتے ہیں مگر اس دفعہ جیسے ہی ستمبر آیا دل نے کہا اس دفعہ کچھ نیا کیا جائے۔ میں دوستوں کے معاملے میں بہت ہی خوش نصیب ہوں۔ زندگی کے ہر دور میں مخلص دوستیں مجھے ملیں مگر بچپن کی دوستوں کی کیا بات ہے جو آج بھی شگفتہ اور تازہ پھولوں کی طرح میرے ساتھ ہیں اور اس میں سرِ فہرست عذرا رسول ہیں۔

اسی لیے جناب دل کا یہ خیال سب سے پہلے عذرا ہی سے شیئر کیا۔ عذرا کی خوشی کا تو حال مت پوچھو، بڑے لاڈ اور پیار سے کہا کہ بھئی ہم دونوں ہی کافی ہیں، کسی اور کو بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ تقریب چھوٹی سی تھی مگر ہماری باتیں بہت زیادہ تھیں، اسی لیے میں نے ایک اچھی بچی کی طرح وہ مانا جو عذرا نے کہا اور 16 ستمبر کے کی بجائے 17 ستمبر کو پہلی دفعہ سالگرہ منائی۔ میں نے اپنی سب دوستوں کو فون کیا۔ PC کا سن کر کسی نے واؤ کسی نے ونڈرفل کسی نے زبردست کہا۔ انجم کو ہوٹل جانا کچھ دور محسوس ہوا۔ جس کا انہوں نے اظہار کیا کیونکہ ہر تقریب میں، میں ان کے ساتھ ہی جاتی ہوں۔ اس تقریب میں بھی میں اور انجم تقریباً 4 بجے ہوٹل پہنچے۔ انجم یلو سوٹ میں بہت ہی فریش اور پیاری لگ رہی تھیں۔ میرے ڈریس کی بھی انجم نے بہت تعریف کی۔ میں نے عظمیٰ اور صدیقی صاحب کو بھی بلایا تھا مگر وہ اپنی طبیعت خرابی کی وجہ سے نہیں آ سکے۔ ہم جیسے ہی مارکو پولو میں داخل ہوئے سامنے ہی حمیرا ہنستی مسکراتی گل و گلنار بنی نظر آئیں، ریڈ کپڑوں میں بہت ہی پیاری لگ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر میں شائستہ اپنی بیٹی کے ساتھ آتی نظر آئیں بقول شائستہ میں نے ہی جویریہ سے کہا مجھے ہال تک ڈراپ کرو۔ واہ بھئی شائستہ کیا بات ہے تمہاری، اب عذرا اور ہما کا انتظار تھا مگر انتظار بہت ہی مختصر رہا۔ عذرا ہمیشہ کی طرح بہت ہی گریس فل پیاری لگ رہی تھیں، ان کی شخصیت کا اپنا اک چارم اور خوب صورتی ہے جسے دیکھ کر دل خود بخود خوشی اور سرشاری محسوس کرتا ہے۔ عذرا نے اپنے دیر سے آنے کے بارے میں بتایا کہ ایک بہت ہی ضروری فون آ گیا تھا۔

ہما کی میری بہت ہی مختصر سی دوستی ہے مگر بہت ہی جلدی ان کی آئیڈیل خاتون بن گئی۔ ہما آف وائٹ ڈریس میں تھیں۔ بے پروا اور سادہ سی ہما بہت ہی محبت والی ہیں۔ ابھی ہم نے ہائی ٹی شروع نہیں کی تھی، سب نے اپنے گفٹس دینے شروع کیے۔ سب سے پہلے عذرا نے اپنے ہینڈ بیگ سے جامہ وار کا ایک خوب صورت لفافہ نکالا۔ دیکھنے میں اس قدر خوب صورت تھا سب نے دل کھول کر تعریف کی۔ عذرا نے جس محبت اور سرشار لہجے میں مجھے دعائیں دیں وہ میں برسوں نہیں بھول سکتی۔ خاص کر یہ دعا ' اے اللہ جب تک میں زندہ ہوں یاسمین کو بھی رکھنا کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔

ہما بیگ ' انجم، حمیرا، شائستہ نے بہت خوب صورت سوٹ دیے۔ ارے میری دوستوں میں تو ویسے ہی کپڑے والی ہوں کپڑے بیچتی ہوں، مجھے کچھ اور ہی دے دیتے۔ خیر یہ مذاق تھا بہت شکریہ۔
انجم کپڑوں اور فیشن کے حوالے سے گاہے بہ گاہے سوال بڑی شگفتگی سے کر رہی تھیں، جس سے سب ہی محظوظ ہو رہے تھے۔ اب ہم نے ہائی ٹی شروع کی۔ میں نے ٹیبل پہلے ہی ریزرو کرا لی تھی۔ اس لیے ہمیں جگہ اچھی ملی۔ ہما نے کھانے کے دوران ایک بہت ہی خوب صورت غزل میرے لیے پیش کی اور دل کھول کر داد وصول کی لیکن مجھے کافی دیر تک سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اتنی اچھی ہوں، خیر ہما ویل ڈن زبردست شکریہ۔ یہ بھی میری سالگرہ کی ایک خوب صورت یاد بن جائے گی۔

کھانے کی ساری چیزیں ہی بہت ہی فریش اور مزے دار تھیں سب کو بہت ہی مزہ آیا۔ عذرا کی خوب صورت باتیں، انجم کے جلترنگ، ہما اور شائستہ کی دھواں دار باتیں اور حمیرا کی خاموشی کے ساتھ سب نے بہت ہی انجوائے کیا۔ اس سالگرہ کی ایک اور خوب صورتی میں نہیں بھول سکتی کہ میں نے لگاتار 5 گھنٹے امریکا فون پر بات کی جس میں سرِ فہرست میری بھانجی ندا اور بھانجے تابش برہان، سارہ رہے اور میری کسٹمرز۔ خوشیوں کی ایک بارش تھی جو پورے دن رات مجھے ملتی رہی مگر میں نے اپنی تقریب میں اپنے بھانجے جو پاکستان میں ہوتے ہیں۔ شہیر، فہد، عباد انہیں بھی بہت ہی مس کیا جو اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے نہیں آ سکے۔

واپسی میں ٹریفک نے بہت ہی پریشان کیا۔
کیونکہ اس قدر ٹریفک جام میں نے TV پر دیکھا ہے حقیقت میں نہیں، میں رونے لگی۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا، غم پریشانی بن بلائے ہی آتے ہیں اور خوشی میں تلاش ضروری ہے۔ خیر یہ پریشانی انجم اور صدیقی صاحب کی سپورٹ کی وجہ سے جلدی ہی ختم ہو گئی اور ہم خیریت سے گھر پہنچے۔ اس تقریب کی دکھ کی ایک بات ...... ساری تصویریں خراب ہو گئیں۔ عذرا نے کہا تھا کون پہچانے گا مگر عذرا جس تقریب میں، جس تحریر میں تم ہی تم ہو اس میں ہماری پہچان ضروری نہیں۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

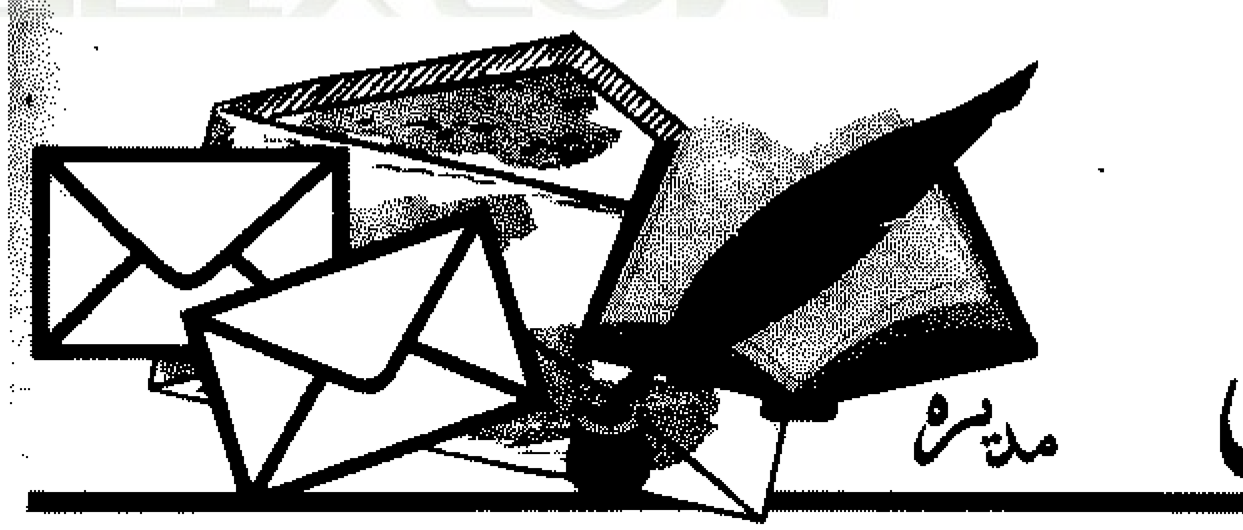

بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ۔

☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا...... اور درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

آپ سب کو عیدالاضحیٰ مبارک ہو...... کہ بس چند دن ہی تو باقی ہیں...... حج کی فلائٹس تقریباً آخری آخری جا رہی ہیں...... اور ہم سب اپنے اپنے گھروں میں...... بقرعید کی تیاریوں میں مگن ہیں اور کیوں نہ خوش ہوں...... عیدالاضحیٰ کا روح پرور تہوار ہماری دینی اور ملی تاریخ کی وہ عظیم یادگار ہے جو خاتم النبیین، سیدالمرسلین حضرت محمد ﷺ کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور ان کے اطاعت شعار فرزند حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ تسلیم و رضا، اطاعت و استقامت اور جاں نثاری کی وہ عظیم یادگار ہے جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

عیدالاضحیٰ پر قربانی اس عہد کی تجدید ہے، عہد کا قائم رکھنا مسلمان کے لیے فرائض کا درجہ رکھتا ہے مگر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ قربانی کے اصل مفہوم اور تصور کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص نیت کے ساتھ احکاماتِ الٰہی کی پابندی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ قربانی قربِ الٰہی کا درجہ بن جائے۔ آمین کہ حقیقت بھی یہ ہے کہ

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

☆ ☆ ☆

قارئین بہنوں سے میرا ٹیلی فونک رابطہ گزشتہ بائیس، تئیس سالوں سے قائم ہے۔ پاکیزہ سے متعلق تحریروں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ذاتی باتیں بھی مجھ سے ڈسکس کرتی ہیں...... الحمدللہ میری یہ بہنیں مجھ پر اتنا ٹرسٹ کرتی ہیں کہ جو مشورے انہیں اپنی ماں بہنوں سے کرنے چاہئیں وہ مجھ سے کر لیتی ہیں کہ وہ یہ بات جانتی ہیں کہ انجم باجی ہمیں کبھی کوئی غلط مشورہ نہیں دیں گی۔ اپنی بہنوں کے کام آ کر مجھے بھی ہمیشہ دلی خوشی ہوتی ہے۔ اور کبھی کسی کی کوئی بات میرے ذہن پر بوجھ نہیں بنی...... مگر گزشتہ تین دنوں سے میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے اور مجھے کسی صورت سکون نہیں مل رہا۔ میں نہ کسی کا نام بتانا چاہتی ہوں اور نہ مقام...... مگر یہ بات صرف اور صرف آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں کہ خدانخواستہ آپ دوستی میں ان راہوں کی جانب تو نہیں جا رہی ہیں جو کھائی ہیں، قصہ مختصر، ایک بہن نے مجھے فون کر کے انتہائی پریشان لہجے میں کہا کہ ان کی جس سے دوستی ہے وہ ان سے

پیچھا چھڑا رہا ہے اور اب فون تک نہیں کرتا۔ میرے معلوم کرنے پر انہوں نے بتایا کہ ان کی کسی لڑکے کے ساتھ تین سال سے دوستی تھی، باہر بھی ملتے تھے...... اور وہ بارہا ان کی عزت کو بھی پامال کر چکا تھا اور اب وہ ان سے اکتا کر کسی اور جانب راغب ہو گیا ہے۔ اس لڑکی کے لہجے میں نہ اپنے زیاں کا کوئی دکھ تھا، اور نہ ہی کوئی صدمہ...... افسوس تھا تو صرف یہ کہ ان کا دوست بلکہ ڈاکو اور راہزن انہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

پیاری بہنو! پیاری بیٹیوں! آپ کی عزت ہی آپ کا سب کچھ ہے اگر آپ تہی دامن ہو گئیں تو آپ کے پاس کچھ بھی باقی نہیں بچا...... اور جو لڑکی کسی کو آسانی سے حاصل ہو جائے تو وہ مرد اس لڑکی سے کبھی شادی نہیں کیا کرتا ہے۔ اس لیے آپ اپنی حفاظت خود کرنا سیکھیں...... اپنی محافظ خود بنیں...... کہ اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔ اسی میں آپ کی عزت ہے۔

☆ ☆ ☆

☆ یہ شمارہ محبت نمبر ہے کہ ہمارے لہجوں میں ہمارے رویوں میں اور ہماری طرزِ زندگی میں محبت اب عنقا ہوتی جا رہی ہے۔ نفسا نفسی نے محبتوں کو بھی پامال کر ڈالا ہے۔ بہن، بھائیوں کی محبتیں...... جو خاندان کا فخر ہوا کرتی تھیں پہلے وہ تہس نہس ہوئیں کہ کتنے گھرانے اب ایسے ہیں جہاں بہن، بھائی ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے...... اور اب ایک اور کڑا وار ہے کہ یہ محبتیں اب بچوں کو اپنے والدین سے بھی کم کم ہوتی جا رہی ہیں۔ (اللہ رحم کرے) شادی کے بعد بیٹے اور بیٹیاں بھی...... اپنے والدین، اپنے ساس، سسر سے کم کم ہی ملنا پسند کرتے ہیں۔ (ہم ہوں اور ہمارے بچے ہوں اور بس) اب خاندان شاید سکڑ کر اتنا ہی رہ گیا ہے۔

☆ محبت کا مہنگائی سے کوئی تعلق نہیں ہے...... پلیز...... اپنے خاندان، اپنے عزیز و اقارب سے محبت کریں اور دلی طمانیت حاصل کریں۔ (آزمائش شرط ہے)

☆ ایک ضروری بات، اپنی تبصرہ نگار بہنوں سے کہنی ہے کہ تبصرہ کرتے وقت اپنا ہاتھ ذرا ہولا رکھا کریں کہ ہماری مصنفات بے حد حساس ہوتی ہیں۔ آپ کا کوئی بھی جملہ ان کے دل کو زخمی کر سکتا ہے، دوسری اور اہم بات جو میں بارہا لکھ چکی ہوں وہ یہ ہے کہ تبصرہ نگاروں کی آرا سے میرا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس محفل کو ہمیشہ ہائیڈ پارک کا درجہ دیتی ہوں کہ جو دل چاہے کہہ دو...... مگر اب آپ تھوڑا خیال رکھیں اپنی مصنفات کا اور میرے لیے تمام سینئر، جونیئر مصنفات برابر ہیں اور آئیں اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے درودِ ابراہیمی پڑھتے ہیں جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔ (ابھی پڑھ لیں)

آیتِ کریمہ یہ ہے۔

لا اله الا انت سبحنك اني كنت من الظالمين

﴿مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں﴾

☆ محترمہ عذرا رسول کے پیارے بیٹے ذیشان رسول حج کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سعودی عرب روانہ ہو گئے۔ (ماشاءاللہ)

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

کے ساتھ پاس کرلیا ہے۔ اب ہماری صائمہ مشتاق ایم ایس سی، بی ایڈ ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری صباحت شان کا نکاح اپنے کزن سید کامران کے ساتھ کراچی میں مقامی ہوٹل میں ہوا۔ (مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار صابرہ سلطانہ، کیماڑی کراچی ان دنوں علیل ہیں۔ ان کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار صبا نور، لیہ کے کراچی میں مقیم تایا...... بستر علالت پر ہیں' ان کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

انتقالِ پُرملال

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ذکیہ ایوب کے شوہر جناب ایوب زاہد شیخ انتقال کر گئے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل نگار اور شاعرہ صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ کی دادی ساس انتقال کر گئیں۔

نوٹ: تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ صرف ایک بار سورہ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے ضرور دعا کریں۔

اور یہ پہلا خط ہماری ایک پیاری قاری کا ہے۔

✍ **منور شیرازی، گوجرانوالہ سے۔** ''عمیرہ احمد کا ناول بے حد پسند آرہا ہے، شیریں حیدر کے ناول کی قسط بھی پسند آئی۔ رضوانہ پرنس نے بہت بہتر انداز میں اپنے ناولٹ کا اختتام کیا...... پاکیزہ میں جو تحریر ہماری پریشانیوں میں بھی ہمارے لبوں پر مسکراہٹ لے آتی ہے، وہ انجم باجی آپ کا جلترنگ ہے۔ اسے ہم بار بار پڑھتے ہیں۔'' (نوازش)

✍ **پریسا صدیقی، کراچی سے۔** ''پاکیزہ پہلی مرتبہ پڑھا اور بہت اچھا لگا۔ اس میں خواتین کے ساتھ حضرات کی دلچسپی کے لیے بہت کچھ ہے اور جو تحریر مجھے سب سے زیادہ پسند آئی، وہ بہنوں کی محفل ہے۔ اس میں کیا کچھ نہیں ہے، تبصرے، دعائیں، کھٹاس، مٹھاس، گلے شکوے، ناراضیاں...... غرض ہر فلیور کا لہجہ اور رائے موجود ہے اور لوگوں سے متعلقہ خبریں اس سے قبل کسی دوسرے میگزین میں نظر نہیں آئیں۔ اب میں ہر ماہ اس کو پڑھ کر اپنی رائے دینے کی کوشش ضرور کروں گی۔'' (پیاری پریسا اس محفل میں خوش آمدید...... مجھے معلوم ہے کہ جس ادارے میں تم جاب کرتی ہو، وہاں تم پر اہم ذمے داریاں ہیں، اس کے باوجود اگر تم اس محفل میں شریک ہوگی تو مجھے بہت بہت خوشی ہوگی)

✍ **عائشہ خان، سینئر اور معروف و مقبول ٹی وی آرٹسٹ کراچی سے۔** ''پاکیزہ گاہے بہ گاہے نظر سے گزرتا رہتا ہے اور ہمیشہ پڑھ کر داد دیتی ہوں کہ میں اس کی خاموش قاری ہوں۔ پاکیزہ کی مدیرہ انجم انصار کے ناول ہوں یا جلترنگ ان کی میں شروع سے ہی مداح ہوں مگر اس محفل میں آج جو بات میں بتانے جارہی ہوں وہ یہ ہے کہ آپ کی باجی انجم انصار ٹی وی کی ایک اچھی اسکرپٹ رائٹر بھی ہیں۔ آج کل میں ان کے لکھے ہوئے ایک طنز و مزاح کے سوپ میں چھمو خالہ کا کردار ادا کررہی ہوں...... اور میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتی ہوں کہ انجم نے اتنا عمدہ لکھا ہے اور ایسا بھی کہ اس میں ایک لفظ بھی ادھر سے ادھر کرنے کی ضرورت نہیں

ہوئی۔'' (عائشہ آپا...... آپ ماشاءاللہ خود اتنی بڑی فنکارہ ہیں کہ جس میں آپ اداکاری کے جوہر دکھادیں اسکرپٹ میں خود ہی جان پڑ جاتی ہے اس لیے مجھے شرمندہ نہ کریں)

✍ **مریم، لاہور سے۔** ''اس وقت عمیرہ احمد کا ناول ٹاپ پر ہے۔ دیگر ناولز بھی ٹھیک ہیں۔ انجم آنٹی آپ کا ناول محبت ہم سفر میری کب کتابی شکل میں آرہا ہے (اسی ماہ آجائے گا) اور آپ اپنا دوسرا ناول کب شروع کریں گی کہ عادت سی جو ہوگئی ہے (انشاءاللہ بہت جلد) رضوانہ پرنس نے اپنے ناولٹ کا اختتام کچھ جلدی نہیں کردیا (نہیں تو) ہاں ناہید سلطانہ اختر کی تحریر بہت پسند آئی تھی۔ ان کو میرا سلام پہنچادیں۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

✍ **شگفتہ ناصر، فیصل آباد سے۔** ''اکتوبر کا پاکیزہ شاندار رہا۔ ٹائٹل کی لڑکی اچھی لگی۔ انجم باجی...... آپ کے اداریے سے پڑھنا شروع کرتی ہوں، عمیرہ احمد کا ناول پڑھ کر دل خوش ہوا...... واقعی منفرد موضوع ہے۔ شیریں حیدر بھی اچھا لکھ رہی ہیں۔ رضوانہ پرنس نے اپنا ناول جلدی ختم کر کے اچھا کیا کہ بہت زیادہ طوالت اب کسی کو اچھی نہیں لگتی۔ میرا تو خیال ہے کہ اب کسی بھی رائٹرز کو دس اقساط سے زیادہ کا ناول نہیں لکھنا چاہیے۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

✍ **ازکیٰ ماجد، گلشن اقبال سے۔** ''آج سے چودہ سال پہلے تک میں اسکول میں پڑھا کرتی تھی اور بڑی باقاعدگی سے آپ کو خط لکھا کرتی تھی مگر مجھے امید نہیں کہ اب میں آپ کو یاد ہوں گی۔ خیر ان سالوں میں جو گزر گئے پاکیزہ کا مطالعہ ہمیشہ جاری رہا۔ اکتوبر کا شمارہ جلدی مل گیا۔ عمیرہ احمد کا عکس خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے، کہانی اور کرداروں پر عمیرہ احمد کی گرفت مضبوط ہے۔ بہت دنوں کے بعد ناہید سلطانہ اختر کی تحریر پڑھنے کو ملی بہت پسند آئی۔ سعدیہ رئیس، عالیہ بخاری اور ثریا انجم کی تحریریں اچھی لگیں۔ میرے خیال سے پاکیزہ کے سرورق پر تھوڑی محنت ہونی چاہیے۔ جلترنگ میں چھلکتا ہاتھ اور وارداتیں پڑھ کر بہت لطف آیا۔'' (پیاری ازکیٰ تم مجھے اچھی طرح سے یاد ہو۔ مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ تم رنگ برنگے مارکر سے مجھے خط لکھا کرتی تھیں۔ ہاں اب غائب مت ہوجانا)

✍ **سیدہ رفیعہ ابدالی، نارتھ کراچی سے۔** ''سب سے پہلے مجھے کچھ کہنا ہے پڑھا اور آپ کی نصیحتوں کو گرہ میں باندھ لیا۔ قارئین بہنوں کی اکثریت نے سلسلے وار ناول عکس کو بہت پسند کیا ہے (ماشاءاللہ) عالیہ بخاری کا ناول خوشبو کا سفر بہت اچھا جارہا ہے۔ آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ شیریں حیدر اگرچہ بہت اچھا لکھتی ہیں لیکن ان کا ناول بس ٹھیک ہی ہے جبکہ راحت وفا کا ناول کچھ پُراسرار سا ہے جبکہ ناولٹ میں ناہید سلطانہ اختر کا عید مبارک بہت پسند آیا۔ رضوانہ پرنس کے ناولٹ کی آخری قسط انجام کے لحاظ سے اچھی لگی۔ افسانے میں بشریٰ نثار کا افسانہ بے حد پسند آیا جبکہ نصرت شمشاد کا افسانہ جہاں ہم ہیں پڑھ کر بے حد ہنسی آئی۔ سعدیہ رئیس کی تحریر نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے فائدے کے لیے بہت کچھ کر گزرتے ہیں۔ تحسین اختر کی تحریر تحسین کے لائق تھی۔ عروسہ وحید کے افسانے دیوانگی کے صحرا میں دیوانگی کی انتہا کردی۔ بلقیس بیگم کا فیصلہ پسند آیا۔ عروسہ عالم اور ثریا انجم کے افسانے بھی پسند آئے۔ مستقل سلسلے میں بہنوں کی محفل تو رسالے کی جان ہے میرے خط سے اس میں چار چاند لگ گئے۔ پاکیزہ ڈائری کی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆ پاکیزہ کی افسانہ نگار رقانتہ رابعہ، گوجر خان اپنے شوہر کے ساتھ حج کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب روانہ ہوگئیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ کراچی کے معروف ڈینٹل سرجن ڈاکٹر تقی کی والدہ ڈینگی کے بخار میں مبتلا ہیں۔ ان کی کلّی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی افسانہ نگار عذرا آفتاب اپنے بچوں کے پاس لندن جانے والی ہیں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار عظمٰی عنبرین، ڈی جی خان حج کی سعادت حاصل کرنے سعودی عرب جانے والی ہیں۔ (ماشاءاللہ)

☆ ایف ایم 103 کے محسن نواز شو میں فریدہ خانم کی شاعری پر انہیں شاعرۂ انقلاب کا لقب دیا گیا۔ (مبارک باد)

☆ معروف و مقبول صحافی حمید اختر، روزنامہ ایکسپریس سے وابستہ ان دنوں شدید علیل ہیں۔ ان کی صحتِ کاملہ کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ میں ہماری معاون، بے حد پیاری آمنہ حماد اور ان کے شوہر تقی حیدر کو شادی کی پہلی سالگرہ مبارک ہو۔

☆ علامہ عبدالستار عاصم ایک صحافی اور کالم نویس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دردمند شخص بھی ہیں، جو فلاحی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ ان کی نئی کتاب معاشی بدحالی اور زکوٰۃ پڑھ کر یہ نکتہ بہ آسانی سمجھ میں آجائے گا کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی طہارت کیوں کر ہوتی ہے اور وہ مال جمع کرنا کیوں حرام قرار دیا گیا ہے جس پر زکوٰۃ ادا نہ کی جائے۔ کتاب منگوانے کا ایڈریس...... مقبول اکیڈمی 199 سرکلر روڈ، اردو بازار، لاہور۔

☆ اردو ادب میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب یہ اقبالیے کی تحقیق اور تدوین شجاع الدین غوری نے کی ہے۔ اقبال کے حوالے سے انتہائی عمدگی اور مہارت کے ساتھ مزاحیہ تحریروں کو نہ صرف یکجا کیا گیا ہے بلکہ بعض تحریریں تو ایسی ہیں کہ جب وہ پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہوں گی تو اکثر لوگ اسے پڑھنے سے محروم رہ گئے ہوں گے اس میں انیس 19 معروف ادیبوں کے شہہ پارے موجود ہیں۔ قیمت صرف 170 روپے۔ اردو بازار کراچی میں ویلکم بک پورٹ کے علاوہ آپ فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار کراچی سے بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

☆ گیریژن کالج فار بوائز لاہور کینٹ میں شعبہ اردو سے وابستہ پروفیسر فرخندہ انجم کا دوسرا مجموعہ کلام، شام کی دہلیز پر شائع ہوگیا ہے۔ جس میں انہوں نے عام فہم اور چھوٹی بحر کی نظموں میں اپنے دکھ، اپنی چیزی کے رنگوں میں ملا کر رنگ دیے ہیں۔ صفحات 144 قیمت صرف 150 روپے منگوانے کا پتا۔ خزینۂ علم و ادب، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔

☆ راجا کاشف جنجوعہ کا مجموعۂ نعت کتابی صورت میں شائع ہوگیا ہے۔ راجا جنجوعہ ایک معروف کالم نویس بھی ہیں اور ایک اچھے شاعر بھی۔ کتاب میں موجود تمام نعتیں بے حد خوب صورت اور مسحور کن ہیں۔ کتاب کی قیمت صرف 50 روپے۔ کتاب منگوانے کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کیا جاسکتا

www.paksociety.com

ہے۔ 0092-3332426561

☆ اسرائیل جسے ارضِ فلسطین بھی کہا جاتا ہے ابراہیمی پیغمبروں کی سرزمین ہے مگر جدید اردو میں اس کے سیاحت نامے موجود ہی نہیں ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سبز پاسپورٹ پر اسرائیل یا مقبوضہ فلسطین کے سفر کی اجازت نہیں ہے۔ پاکستانی امریکی جناب کے اشرف نے اسرائیل کا سات روز کا سفر امریکی پاسپورٹ پر کیا اور جو کچھ دیکھا وہ اپنی کتاب اسرائیل میں چند روز میں لکھ دیا۔ تصویروں کے ساتھ بے حد اچھے کاغذ پر یہ کتاب آپ کی معلومات میں گراں قدر اضافہ کرے گی۔ کتاب کی قیمت صرف دس ڈالر ہے اور یہ سی ڈبلیو پرنٹرز۔ 1375 یونیورسٹی ایونیو، برکلے کیلفورنیا۔ یو ایس اے سے منگوائی جاسکتی ہے۔

☆ پچاس نامور ادبی شخصیات کا تعارف کتابی صورت میں جناب ملک مقبول احمد نے کیا ہے۔ جو خاکہ نگاری اور شخصیت نگاری کا ایسا امتزاج ہے کہ تعارف کے آئینے میں کردار کی شخصیت خود بولتی نظر آرہی ہے۔ مروجہ انداز سے بے حد مختلف یہ تعارف بے حد آسان اور بے حد خوب صورت ہے۔ یہ کتاب جناب علی سفیان آفاقی کے نام منسوب ہے جو ہمارے بھی فیورٹ رائٹر ہیں۔ اس قیمتی کتاب کی قیمت صرف چار سو روپے ہے۔ جسے آپ مقبول اکیڈمی، 199 سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور سے منگوا سکتے ہیں۔

☆ ہماری طنز و مزاح کی نئی کتاب ''کھری کھری'' حاصل کرنے کے لیے علامہ عبدالستار عاصم سے آپ اس نمبر پر رابطہ کرسکتی ہیں،- 0333-4393422

☆ ہماری نئی کتاب انمول خزانے اور آزمودہ ٹوٹکے اور وظائف شائع ہوچکی ہے۔ کتاب حاصل کرنے کے لیے آپ ہم سے اس نمبر پر رابطہ کرسکتی ہیں۔ 021-36981952

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار روبینہ سید، کراچی کی بہن رباب کے ہاں پیاری سی بیٹی ہوئی ہے جس کا نام اریج رکھا گیا ہے۔ روبینہ سید کی دوسری خوشی کی نیوز یہ ہے کہ اس ماہ ان کی سالگرہ ہے۔

☆ پاکیزہ کی قاری نیلوفر ظہیر کو اس ماہ اپنی سالگرہ مبارک ہو۔

☆ میری پیاری بھتیجی ندا نوید شیخ، راول پنڈی کو اس ماہ اپنی سالگرہ مبارک ہو۔

☆ معروف مصنفہ اختر بیگانہ، اسلام آباد سے کراچی آرہی ہیں، (خوش آمدید)

☆ پاکیزہ کی قاری رابعہ سہیل ایک پیارے سے بیٹے کی امی جان بن گئی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ گزشتہ دنوں معروف شاعرہ ہما بیگ کی بیٹی غزل بیگ نے کار ریس میں پہلا پرائز حاصل کیا ہے۔ غزل بیگ نے تیسری مرتبہ کار ریس جیتی ہے (ماشاءاللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز تنظیم، کراچی ان دنوں بیمار ہیں ان کی صحت کاملہ کے لیے دعا کیجیے۔

☆ معروف مصنفہ قیصرہ حیات، سیالکوٹ سے کراچی آنے والی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆ معروف افسانہ نگار سدرۃ المنتہیٰ، ٹنڈو محمد خان سے کراچی آنے والی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆ معروف شاعرہ اور پاکیزہ کی تبصرہ نگار شائلہ سہیل جاوید کی بیٹی سارہ جو درجہ نہم کی طالبہ ہے گھر میں کھانا پکاتے ہوئے جل گئیں...... ان کی صحت یابی کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ صائمہ مشتاق، سرگودھا نے بی ایڈ کا امتحان 77 فیصد نمبروں

WWW.PAKSOCIETY.COM

تعریف نہ کرنا عظمیٰ آفاق سعید کے ساتھ ناانصافی ہوگی، ماشاءاللہ عظمیٰ اس پر جتنی محنت کر رہی ہیں وہ لائق ستائش ہے۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں اچھے اچھے اشعار پڑھنے کو ملے۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ خوش ذائقہ میں مزے مزے کی ڈشز تھیں۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

رفعت مبین رفی، کراچی سے۔ ''سب سے پہلے آپ کا اور ان ساری بہنوں کا شکریہ جنھوں نے میری صحت یابی کی دعا کی۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ میں تین ماہ بعد اس قابل ہوئی ہوں کہ کچھ لکھ سکوں۔ سلسلے وار ناولوں میں عکس، خوشبو کا سفر، شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں، تینوں بہترین ہیں۔ رضوانہ پرنس کا ناولٹ قربتوں کی دوری بہت ہی لاجواب ہے۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح بہترین، دین کی باتیں بہت کارآمد، افسانے، صلہ، عید کا جوڑا، عید آئی ہے۔ ہم سفر میری عید، سب ہی اچھے ہیں۔ کس کس چیز کی تعریف کروں کیونکہ پاکیزہ ہے ہی بے مثال۔'' (نوازش)

شمسہ الماس، ناروے سے۔ ''ایک طویل عرصے کے بعد پاکیزہ کی فیس بک یعنی پاکیزہ کی ہر دل عزیز محفل میں شرکت کر رہی ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ پہلے کی طرح اس محفل میں بھرپور شرکت کیا کروں، ہم بہنوں کی جہاں محبت اور چاہت کی نہریں دکھائی دیتی ہیں وہاں تنقید کی رم جھم بھی۔ جو میں سمجھتی ہوں کہ ضروری بھی ہے اگر کوئی تحریر پسند نہیں آئی تو اس کی وجہ بھی لکھا کریں کہ کیوں پسند نہیں ہے تاکہ رائٹرز کو وجہ بھی پتا لگ جائے۔ اس ماہ ناہید سلطانہ اختر کا ناولٹ پسند آیا...... اور عمیرہ احمد کا ناول بھی، ہاں فریدہ اشفاق کا بھی۔ میرا خیال ہے آپ بھی مجھے بھول چکی ہیں اور پاکیزہ بہنیں بھی۔'' (پیاری شمسہ، میں تم کو کیسے بھول سکتی ہوں تم نے اپنے زمانہ طالب علمی سے پاکیزہ میں لکھنا شروع کیا۔ اب ماشاءاللہ تین بیٹوں کی اماں جان ہو...... مگر میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ اپنی شاعرہ کو...... اپنی تبصرہ نگار کو جس نے 85 صفحات کا تبصرہ لکھ کر مجھے حیران کر دیا تھا۔ ہاں، یہ میری دلی خواہش ہے کہ تم اس محفل میں آ کر دھوم مچا دو)

مسز حسین، ٹورنٹو سے۔ ''اکتوبر کا پاکیزہ اچھا لگا۔ میں سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں ماشاءاللہ اس ماہ محفل کے صفحات بڑھا دیے گئے۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ بہنوں کی شرکت ہو جائے گی۔ ستمبر کے پاکیزہ میں کافی عرصے بعد فریدہ اشفاق کو دیکھا۔ ان کی آمد اچھی لگی۔ سکینہ فرح بھی ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں۔ رضوانہ پرنس کا ناولٹ بروقت ختم کر دیا گیا۔ بے وجہ کی طوالت گراں گزرتی ہے۔ عمیرہ احمد کا ناول بے حد پسند آ رہا ہے۔ شیریں حیدر کے ناول کی کہانیاں بھی حقیقی ہیں، عالیہ بخاری نے بھی اچھا لکھا۔ راحت وفا کا بس ٹھیک ہی ہے...... اس ماہ میرا انتخاب زبردست رہا۔ جلترنگ کے خاکے پڑھ کر میں ہمیشہ سوچتی ہوں کہ ان کو ٹی وی پر کیوں نہیں پیش کیا جاتا اگر آپ کے طنز و مزاح کے خاکے ٹی وی کے کسی چینل پر ٹیلی کاسٹ ہوں تو میں یہ دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ ففٹی ففٹی کا ریکارڈ توڑ دیں گے۔'' (شمع تمہارے منہ میں گھی شکر)

رفاقت جاوید، اسلام آباد سے۔ ''اس ماہ کا پاکیزہ بے حد پسند آیا۔ انجم انصار کی کارکردگی کی تعریف کرنا اشد ضروری سمجھتی ہوں مگر ہر دفعہ وہ نہایت خوب صورتی اور مہارت سے ایسی قینچی چلاتی ہیں کہ قارئین کو اندازہ تک نہیں ہو پاتا کہ انہوں نے یہاں سے اپنے بارے میں کیا کچھ کس خوش اسلوبی سے کاٹ ڈالا ہے۔ اب اگلی بات کو وہ ضرور کاٹیں گی کیونکہ میں ان کے ہاتھ میں تیز طرار قینچی دیکھ رہی ہوں میں نئی رائٹرز

کی تحریریں ضرور پڑھتی ہوں ان کے نئے اندازِ تحریر کو سراہتی بھی ہوں مگر بعض اوقات مضطرب بھی ہو جاتی ہوں۔ اردو ادب میں انگریزی کی آمیزش یوں ہے جیسے دودھ میں پانی کی ملاوٹ، بااثر تحریروں میں پھیکے پن کا احساس اذیت ناک ہو جاتا ہے۔ ہماری تمام رائٹرز اپنے زورِ قلم سے اردو ادب کے تحفظ اور بقا کے لیے بہترین کردار ادا کر سکتی ہیں۔ غیر ارادی طور پر ہماری گفتگو میں انگریزی اس قدر شامل ہو چکی ہے کہ ہم اس سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی چاہیں تو ناممکن ہے۔ اس لیے وقت کے ساتھ اردو مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ جب کسی قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹانا ہو تو ان کی قومی زبان پر پہرے بٹھا دیے جاتے ہیں۔ زبان کے خاتمے کے ساتھ ہی دوسری قوموں کا کلچر حاوی ہوتا ہے اور قوم اپنی پہچان تک کھو دیتی ہے۔ ہمیں اپنی نئی نسل کی شناخت کے لیے اپنی ساکھ کو قائم و دائم رکھنا چاہیے۔ ہم سب کو شکریہ ادا کرنا چاہیے آپ جیسے لوگوں کا جو مسلسل اردو ادب پر محنت کیے جا رہے ہیں اور تمام ڈائجسٹ کے ذریعے اپنی زبان کو فراوانی بخش رہے ہیں۔ مجھ سمیت ہر طرح کے رائٹرز کو آپ کا پورا ساتھ دینا چاہیے۔'' (بالکل)

سمیرا احمید فاروق، کراچی سے۔ ''اس ماہ افسانے سب ہی اچھے ہیں مگر میں سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھتی ہوں، اس ماہ ہر تبصرہ جاندار تھا...... مگر مجھے عظمیٰ آفاق کے تبصرے سے اختلاف ہے...... راحت وفا کے ناول کو ہم پسندیدگی کی سند دیتے تو اس وجہ سے دیتے کہ ہمیں ان کی کہانی پسند آتی مگر وہ تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آ رہی ہے۔ رضوانہ پرنس کا ناولٹ بہت اچھا چل رہا تھا مگر اس کا اختتام غیر حقیقی ہے...... اس لیے اچھا نہیں لگا۔ رضوانہ پرنس اچھا لکھتی ہیں مگر ان کے ناولٹ کا اختتام اچھا نہیں تھا۔ عمیرہ احمد کے ناول کی تیسری قسط نے اچانک ہی پلٹا کھایا ہے...... ہمارا تجسس پھر بڑھ رہا ہے کہ اب بونے کب نظر آئیں گے۔ عالیہ بخاری بہت اچھی ناول نگار ہیں مگر وہ اتنی زیادہ کہانیاں ساتھ لے کر چلتی ہیں...... جن میں آپس میں بھی کوئی ربط نہیں ہوتا۔ بہر حال مجموعی طور پر پاکیزہ پسند آیا۔'' (شکریہ)

زبیدہ حبیب، لاہور سے۔ ''میں ہوں تو بھاول پور کی مگر لاہور میں رہتی ہوں۔ سعدیہ ہما شیخ کو بہت مبارک باد کہ اللہ نے ان کے ہاں تیسری مرتبہ رحمت بھیجی ہے۔ میری پانچ بیٹیاں ہیں اور میں نے اپنی ہر بیٹی کی خوشی منائی ہے۔ پاکیزہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس کے ناول، بہنوں کی محفل اور جلترنگ میرے پسندیدہ سلسلے ہیں مجھے عمیرہ احمد کا ناول بہت پسند آ رہا ہے اور راحت وفا کا بھی اچھا لگ رہا ہے۔ عالیہ بخاری کا بھی پسند آ رہا ہے اور شیریں حیدر کا بھی۔ مجھے تو پاکیزہ کے کارنرز تک اچھے لگتے ہیں سندیسے نیا سلسلہ بہت مزے کا ہے۔ ہاں شوبز میں کون کیا کر رہا ہے وہ اچھا نہیں لگتا۔'' (زبیدہ بہن آپ اور دیگر بہنوں کی ناپسندیدگی کی وجہ سے شوبز میں کون کیا کر رہا ہے ختم کر دیا گیا ہے کہ ہم اپنی بہنوں کے مشوروں پر فوری عمل کیا کرتے ہیں)

ناہید بنتِ نور، واہ سیمنٹ ورکس سے۔ ''آج ٹیچرز ڈے ہے تو میں نے سوچا اپنی خاص ٹیچر انجم باجی کو سیلوٹ کروں جن کے لفظوں سے جن کی باتوں سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ پاکیزہ میں آپ کی تحریروں سے بات ہو یا آپ سے فون پر...... ہمیں آپ کے اچھے اخلاق کی مہک ہر جگہ محسوس ہوتی ہے۔'' (پیاری بہن ناہید، مہک کا جواب تو محبت ہی ہوا کرتا ہے اور یہ سب اللہ کا کرم ہے جو تم سب مجھ سے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایسی محبت کرتی ہو۔ شکر الحمدللہ)

فریدہ بانو، حیدرآباد سے۔ ''باجی پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ بہنوں کی محفل میں مشہور ہو جاؤں۔ ہاں مجھے شاعری بہت آتی ہے۔ دماغ میں ہر وقت ہی شاعری آتی رہتی ہے۔ کیا میں اپنی نظم، غزل آپ کو بھیج سکتی ہوں؟'' (پیاری فریدہ، اس محفل میں خوش آمدید...... یہ محفل بفضلِ خدا اتنی زیادہ پڑھی جاتی ہے کہ اس میں خط لکھنے والی بہنیں بھی مصنفات سے کم مقبول نہیں ہیں۔ ہاں آپ نے اپنے خط میں یہ نہیں لکھا کہ شاعری کیسی آتی ہے......؟ اس کا مزاج کیسا ہے......؟ کس وقت آتی ہے یعنی رات میں یا دن میں گویا موضوع ہجر ہے یا وصل)

صدف آصف، کراچی سے۔ ''میں ایک ٹی وی چینل پر جاب کرتی ہوں اور اخبارات میں بھی لکھتی ہوں۔ اپنے کالج میں جب میں نے لکھنا شروع کیا تھا اس وقت میرا پہلا افسانہ صدف عالم کے نام سے پاکیزہ میں ہی شائع ہوا تھا...... اس لحاظ سے پاکیزہ میرا فیورٹ میگزین ہے۔ اس ماہ کا شمارہ پڑھا۔ عمیرہ احمد ہماری پسندیدہ رائٹرز ہیں مگر ابھی ان کا ناول کھل کر سامنے نہیں آیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ سب سے شاندار ناول یہی ہوگا مگر آج آپ سے میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس وقت جو ناول چل رہے ہیں وہ عمیرہ احمد کو چھوڑ کر کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی اگلی قسط پڑھنے کے لیے ہم بے چین ہو جائیں...... شیریں حیدر جیسی اچھی رائٹرز کے اس ناول میں جیسا مزہ آنا چاہیے تھا وہ نہیں آیا...... پلیز ناول کم ہوں مگر زبردست ہونے چاہئیں۔ افسانے ٹھیک ہیں، جلترنگ پڑھ کر اس کے کردار چلتے پھرتے نظر آنے لگتے ہیں۔ جیسے آپ نے پان کھانے والوں پر جو خاکہ لکھا ہے، وہ اے ون ہے۔'' (پیاری صدف...... اس محفل میں خوش آمدید...... ہمارے چاروں ناول موضوع کے لحاظ سے تنوع کے حامل ہیں مگر ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ہماری توقعات اپنی رائٹرز سے بے حد بڑھ جاتی ہیں کہ ہم ان کی اچھی تحریر میں بھی خامیاں تلاش کرنے لگتے ہیں مگر ہماری رائٹرز کبھی ایسا نہیں چاہتیں کہ وہ کوئی کمزور تحریر لکھیں۔ بہرحال یہ آپ کی اپنی رائے ہے اور ہر ایک کی رائے اور پسند دوسرے سے قطعی مختلف ہوا کرتی ہے)

روشن سبطین، کراچی سے۔ ''تقریباً پانچ سال کے بعد آپ سے رابطہ کر رہی ہوں، آپ تو شاید مجھے بھول بھی گئی ہوں۔ آپ کا پاکیزہ پڑھنے سے غافل نہیں رہی...... سب ناول اور افسانے اچھے جا رہے ہیں اور جلترنگ پڑھ کر تو بہت ہی مزہ آتا ہے۔'' (پیاری روشن تم مجھے بہت اچھی طرح یاد ہو، تمہاری پیاری بیٹی مہوش اور سندس کے کیا احوال ہیں، دیکھو مجھے ان کے نام تک یاد ہیں)

ثریا ناز، کراچی۔ آپ نے رف پیڈ کاغذ پر ہلکی روشنائی سے خط لکھا ہے۔ اس پر سوائے پیاری انجم باجی کے کچھ نہیں پڑھا گیا اس لیے پیاری گڑیا ثریا ناز تحریر رنگین کاغذ پر گہری روشنائی والے قلم سے خط لکھ کر بھیجو تا کہ پڑھا بھی جائے۔

بہن آر کے۔ سندھ۔ آپ کا خط ناقابلِ اشاعت ہے، میں مختصراً یہی کہنا چاہوں گی کہ نکاح کے بعد رخصتی میں اتنا طول نہیں دینا چاہیے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ نماز بے حیائی سے روکتی ہے، نماز پڑھنے والی کسی خاتون پر ایسے الزام نہ لگائیں تو مناسب ہوگا کیونکہ بھی پیٹھ پیچھے کتنے آپ کے دوست یا عزیز

ایسے ہیں جو لوگوں کی عزت کرتے ہیں، اصل دوست ہی وہ ہوتا ہے جو آپ کی غیر موجودگی میں آپ کی تعریف کرے۔ منہ دیکھے کی تعریف تو دشمن بھی کرتے ہیں۔

انعم احمد، کراچی۔ آپ کا خط بھی بڑی مشکلوں سے پڑھا گیا کہ تین رنگوں کے خط پر بیل بوٹے علیٰحدہ چھپے ہوتے تھے۔ آپ کی حوصلہ افزائی ضرور ہوگی، اسی لیے آپ کو بتا رہے ہیں کہ آپ کا ناولٹ قابلِ اشاعت ہے، اشاعت کے لیے آپ کو تھوڑا سا انتظار تو کرنا پڑے گا۔ دیگر باتوں کے لیے آپ ہم سے فون پر صبح گیارہ بجے سے شام پانچ بجے کے دوران بات کر سکتی ہیں۔

قرۃ العین شکیل، گوجرانوالہ۔ خوش آمدید گڑیا، ہمیں روز بہت سے افسانے ملتے ہیں، جس میں ہر رائٹر کا یہی خیال ہوتا ہے کہ اس نے بڑی توپ چیز لکھی ہے کسی نے آج تک یہ نہیں لکھا کہ ہم نے کمزور سا افسانہ بھیجا ہے، ہم اپنی نئی مصنفات کی حوصلہ افزائی بے حد کرتے ہیں...... کوشش کریں گے کہ آپ کی بھی ہو...... مگر آپ ناراض مت ہوں...... ورنہ ہمیں بھی گھبراہٹ سی ہونے لگتی ہے۔

ندرت نایاب، کوہاٹ سے۔ ''میں پاکیزہ کی پرانی خاموش قاری ہوں، میرے گھر بہت سے رسائل آتے ہیں مگر پاکیزہ ان میں سرفہرست ہے۔ ایک بات آپ سے کہنی تھی کہ آپ نے نئی مصنفات کی شمولیت بڑھا کر پاکیزہ کے معیار میں کمی کی ہے۔ ہمیں تو پرانی رائٹرز کی تحریریں زیادہ پسند ہیں۔ عابدہ رؤف، ناہید سلطانہ اختر اور آپ ہماری پسندیدہ مصنفات ہیں۔ عمیرہ احمد ہماری فیورٹ رائٹر ہیں مگر ان سے صرف اتنا کہنا ہے کہ پلیز انگریزی کا استعمال کم کریں کہ آپ کے بے شمار بلکہ لاتعداد پرستار کم پڑھے لکھے ہیں۔'' (اس محفل میں خوش آمدید...... آپ کی رائے پہنچاتے ہوئے صرف اتنا کہوں گی کہ آج جو نئے ہیں کل یہی پرانے ہوں گے...... اب قبل از پاکستان کی کوئی مصنفہ...... کسی بھی رسالے میں نہیں لکھ رہی ہیں)

مسرت رانی خلیل، کراچی سے۔ ''کافی دنوں کے بعد اس محفل میں آئی ہوں، میری بہو اور بیٹا عمرے پر گئے ہوئے تھے۔ (مبارک باد) اکتوبر کا شمارہ پسند آیا۔ اس کی وجہ عمیرہ احمد کا ناول بھی ہے۔ مجھے ان کے ناول اچھے لگتے ہیں۔ عالیہ بخاری اور شیریں حیدر کے ناول پڑھ کر مزہ آ رہا ہے۔ رضوانہ پرنس کا ناول پڑھ کر مزہ آیا اور اس کا اختتام مجھے پسند آیا۔ انجم آپ اپنا نیا ناول کب شروع کر رہی ہیں کہ محبت ہم سفر میری کے کرداروں کی چہل پہل ابھی تک ہم بھول نہیں پائے۔ آمنہ حماد کا انتخاب بے حد لاجواب ہوتا ہے۔ اس ماہ کا جلترنگ پڑھ کر بھی بہت مزہ آیا...... ہاں میری جانب سے ناہید سلطانہ اختر کو محبت بھرا اسلام پہنچا کر کہیں کہ ان کا ناولٹ بہت اچھا لگا تھا۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

ثمینہ وحید، پنجاب سے۔ ''رضوانہ پرنس کو مبارک باد ان کا ناول خوب صورتی سے ختم ہوا۔ ناہید سلطانہ اختر میری پسندیدہ رائٹرز ہیں۔ ان کی تحریر پڑھ کر مزہ آیا۔ عمیرہ احمد، شیریں حیدر اور راحت وفا کے ناولز کی قسطیں اچھی لگیں۔'' (شکریہ)

مسز نزہت اشفاق، نارتھ کراچی سے۔ ''ٹائٹل اچھا تھا، عمیرہ احمد کا نیا ناول اچھا لگ رہا ہے۔ واقعی یہ ایک نیا اور منفرد اندازِ تحریر ہے۔ شیریں حیدر اور عالیہ بخاری کے ناول اچھے جا رہے ہیں۔ ایک تھی نیناں بھی اچھا ہے۔ اس ماہ تمام افسانوں میں ناہید سلطانہ اختر کا افسانہ ٹاپ پر رہا۔ اس ماہ بہنوں کی محفل کے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اٹھارہ صفحات تھے اگر اس محفل کے لیے مزید صفحات بھی شامل کر دیے جائیں تب بھی ایسا ہی لگے گا کہ صفحات کم ہیں کہ اس محفل کی کھٹاس اور مٹھاس سب کو ہی اچھی لگتی ہے۔ ہاں نیا سلسلہ سندیسے بھی اچھا لگ رہا ہے مگر ہماری بہن اس کو اور اچھا بنائیں۔'' (بالکل)

✍ مسز مہر جبار، کراچی سے۔ ''پاکیزہ ہمیں بے حد اچھا لگتا ہے۔ خاص طور پر بہنوں کی محفل اور جلترنگ بار بار پڑھے جاؤ تو بھی طبیعت نہیں بھرتی ہے۔ میری بیٹیوں، میرے لڑکوں میں بھی کتابیں پڑھنے کی بہت عادت ہے۔ میری ایک بہن افریقہ میں رہتی ہے۔ وہ بھی یہ کتاب بہت شوق سے پڑھتی ہے۔'' (بہت شکریہ)

✍ نعتیہ احمد، لاہور سے۔ ''باجی ڈینگی بخار نے پریشان کر رکھا ہے۔ لاہور میں تو ہر طرف ڈینگی نے تباہی پھیلا رکھی ہے۔ اس سے بچاؤ کے لیے کچھ ضرور بتائیں؟ (سورۂ انعام کی آیت نمبر سولہ اور سترہ لکھ کر باہر دروازے پر لگا دیں۔ انشاء اللہ یہ وبا گھر میں داخل نہیں ہو سکے گی۔ گھر میں اسپرے کے ساتھ ساتھ کمروں کے کونوں میں فنائل کی گولیاں پیس کر ڈال دیں۔ ٹاکی کے پانی میں فینائل کی گولیاں پیس کر ملا لیں اور اس کا پونچھا لگوائیں...... باتھ رومز صاف رکھیں، وہاں بالٹیوں میں پانی بھر کر نہ رکھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سورۂ تغابن پڑھ کر پانی پر دم کر کے پئیں اور اپنے گھر میں چھڑکیں...... اللہ تعالیٰ اس وبا سے اور دیگر تمام وباؤں اور بلاؤں سے ہمیں محفوظ رکھے، آمین)

✍ عابدہ، گاؤں ہیبت خان مستی سے۔ ''باجی ہمارا چھوٹا سا گاؤں ہے، یہاں لوگ سندھی یا بلوچی بولنے والے ہیں۔ میں اس گاؤں میں واحد ہوں جو پاکیزہ پڑھتی ہوں اور مجھے پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔'' (پیاری عابدہ! آپ نہ صرف اپنی بلکہ اپنے گاؤں کی دیگر بہنوں کی خوشیوں کی نیوز ہمیں ارسال کریں...... تاکہ آپ کے ساتھ دیگر لوگ بھی شامل ہو جائیں)

✍ عفت گلزار، لیہ۔ آپ کو اس ماہ اپنی سالگرہ مبارک ہو...... میں صبا نور سے یہ ضرور پوچھوں گی کہ وہ آپ کے sms کا جواب کیوں نہیں دے رہی ہیں۔

✉ صفیہ بیگم، لالہ موسیٰ۔ دیکھ لیجیے مجھے یاد ہے کہ اس ماہ آپ کی سالگرہ ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔

✉ منزہ، راول پنڈی۔ میں آپ کو ماہر گائنا لوجسٹ ڈاکٹر روبینہ توقیر کا سیل نمبر بھی دے رہی ہوں۔ یہ راول پنڈی میں ہی ہوتی ہیں۔ وہ خواتین جن کے بچے کسی بھی وجہ سے نہیں ہو رہے ہیں، وہ ان سے رابطہ کر سکتی ہیں۔ 0321-5557593

✍ سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا سے۔ ''رضوانہ پرنس کے ناولٹ کا اختتام پسند آیا۔ شیریں حیدر کا ناول بہت اچھا جا رہا ہے اور مجھے ان کی ہر قسط پسند آ رہی ہے۔ عروسہ وحید نے بہت بور کیا۔ آئندہ اس ٹائپ کی تحریریں نہ شائع کریں۔ سعدیہ رئیس نے اچھا لکھا۔ سندیسے میں بہنیں ناموں کے ساتھ اپنے پیاروں کو دلچسپ پیغامات لکھ کر بھیجیں تو اچھا لگے گا۔ عذرا آنٹی کو محبت بھرا اسلام کہ ذیشان رسول نے اعتکاف میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کی اور اقبال بانو کو بھی اپنے بیٹوں کی مبارک باد......'' (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے اور

www.paksociety.com

سندیسے کے لیے تم بھی اپنے پیغامات ارسال کرو کہ کسی بھی سلسلے کو اچھے سے اچھا بنانے میں تم بہنوں کا ہی تو ہاتھ ہوا کرتا ہے)

✍ فرحت تاج، کراچی۔ بیٹا تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں کافی دنوں سے تم نے اپنی کوئی رائے دی اور نہ ہی مراسلات بھیجے۔

✍ نیر فہیم خان، کراچی سے۔ ''پاکیزہ میں اپنا نام پڑھا آپ یقین کریں کہ میں حیرت زدہ رہ گئی کہ آپ نے مجھے یاد رکھا۔ میری تو آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ آپ نے میرا مان سلامت رکھا ورنہ میں بے یقین تھی کہ تم تو خط تک نہیں لکھ پاتی ہو اب تمہیں کون یاد رکھے گا مگر آپ کی محبت نے جیسے پھر سے جان ڈال دی، میں بے حد خوش ہوں کہ آپ سے اتنا پیار ملا۔ ایک خوش خبری سناتی ہوں، میرے ہاں جڑواں بیٹوں کی پیدائش ہوئی ہے۔ بذریعہ آپریشن۔ ان کے نام راحم اور اشمان رکھے ہیں۔ آج بیس دن ہوئے ہیں پچھلے تمام عرصے طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہ ڈھنگ سے پاکیزہ پڑھ پائی اور نہ تبصرہ لکھ پائی اب ماشاء اللہ کوشش کروں گی کہ یہ ناتا نہ ٹوٹے۔ ایک خبر اور، میری دادی سکینہ رحیم خان کا انتقال ہو گیا ہے۔ براہ کرم ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔ آپ یہ خبر ضرور لگا دیں تاکہ ان کو ثواب کا خزانہ مل سکے۔'' (پیاری نیر! میں اپنی کسی بھی رائٹر کو بھلاتی نہیں ہوں، پیارے پیارے شہزادوں کی آمد کی مبارک باد اور دادی اماں کے لیے دعائے مغفرت دیگر باتوں کے لیے تم مجھے فون کر سکتی ہو)

✍ حمیرا کلیم، ملتان کینٹ سے۔ ''عید نمبر اپنے ٹائٹل سے بالکل صحیح میچ کر رہا تھا۔ اداریہ، دین کی باتیں اور حضور کے اسمائے گرامی یقیناً روح کو تروتازہ کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے سلسلے وار ناول پڑھے جن میں عکس سرِفہرست ہے۔ بہت ہی زبردست اور بھرپور ہے مگر پلیز اتنے رومینٹک کپل کو ایک دوسرے سے الگ مت کیجیے گا۔ ویسے تیاری تو شروع ہو گئی ہے مگر پھر بھی ان کو اکٹھا ہی رہنا چاہیے۔ شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں پڑھ کر دل بوجھل ہو گیا مگر ہمارے معاشرے میں ایسے کردار جابجا بکھرے ہیں جو تلخ اور کڑوی حقیقتوں سے روشناس کراتے ہیں۔ قائم علی کی اکڑ اور ضد بُری لگی۔ نقصان تو دونوں کا ہوا مگر وہ محض مرد بن کر سوچ رہا ہے۔ رانی اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی مارنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کلثوم بہت ترس آ رہا ہے۔ اپنی غرض کے لیے خودغرض ہوئے رشتوں کو بھی سکون نہیں ملے گا جن کی وجہ سے دو خاندانوں میں بربادی پھیل گئی۔ قربتوں کی دوری زبردست رہا۔ دنیا واقعی مکافاتِ عمل ہے جو بویا وہی کاٹا جاتا ہے۔ پڑھ کر تشنگی نہیں ہوئی ہر کردار کے ساتھ برابر انصاف ہوا، ویل ڈن۔ خوشبو کا سفر بھی اختتام کی جانب گامزن ہے۔ اچھا ہوا جو ہارون کو ان سے ڈائریکٹ ملاقات کا موقع ملا مگر اینڈ میں صرف زارا ہی کو نہیں بلکہ ہارون کو بھی سمیعہ کی گفتگو سننی چاہیے تھی۔ شہوار بھی آخر اپنے گھر پہنچ گئی۔ افسانوں میں پھیکی نہیں میٹھی عید، تم ملو تو عید ہو، جینا ہے، چلیں گے ساتھ مل کر ہم اچھے لگے، باقی افسانے بس ٹھیک ہی تھے۔ دیوانگی کے صحرا میں بالکل پسند نہیں آیا۔ باقی تمام سلسلے اچھے جا رہے ہیں، جلترنگ میں، شیر اور گیدڑ کی کہانی اور وارداتیں مزے دار تھے۔ سعدیہ ہما کو بیٹی کی پیدائش مبارک ہو مگر لوگوں کے رویے ان کو پڑھے لکھے جاہل کے طور پر سامنے لاتے ہیں جب وہ بیٹی کے بارے میں ایسی باتیں سوچتے اور بولتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دو یا دو سے زیادہ بیٹیوں کی پرورش

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرنے والے کو جنت کی خوشخبری دی ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔ اللہ ایسے پڑھے لکھے لوگوں سے بچائے۔'' (بے شک)

✍ فرحت جمال کراچی سے۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے، میں انجم باجی آپ نے جو کہا صحیح کہا۔ عمیرہ احمد میری پسندیدہ رائٹر ہیں اور مجھے بہت پسند ہیں۔ بہت کمال لکھتی ہیں، بشریٰ نثار کی تحریر پھیکی نہیں میٹھی عید ہلکے پھلکے انداز کی اچھی تحریر تھی۔ عید مبارک ناہید سلطانہ اختر کی بہت پیاری تحریر تھی۔ جہاں ہم ہیں، نصرت شمشاد کی تحریر اچھی پر افسانچہ سی لگی۔ تحسین اختر کی تم ملو تو عید ہو بہتر لگی۔ قربتوں کی دوری، رضوانہ پرنس نے خوب صورت اختتام کیا۔ سعدیہ رئیس کی تحریر روگ اچھی تھی۔ خوشبو کا سفر عالیہ بخاری کی بہترین تحریر رہی۔ عروسہ عالم کی تحریر چلیں گے ساتھ مل کر ہم، خوب لگی۔ ثریا انجم کی تحریر جینا ہے خوب صورت لگی۔ محبت کی شام، سدرۃ المنتہیٰ کی بہت اچھی تحریر تھی۔ سلسلے تو سب شاندار رہی ہیں، شاعری بھی اپنی جگہ خاصی معیاری ہے۔'' (شکریہ)

✍ پروفیسر شیریں سلیم، لاہور سے۔ ''اکتوبر کا شمارہ اچھا ہے، عمیرہ احمد کیا خوب لکھ رہی ہیں۔ ماشاء اللہ شیریں حیدر کا ناول بھی اچھا لگ رہا ہے۔ ساجدہ حبیب کو تو میں فون کر کے کہہ چکی ہوں کہ پلیز پاکیزہ میں کچھ لکھو...... کہ میں صرف پاکیزہ ہی پڑھتی ہوں۔ اس ماہ بہنوں کی محفل پڑھ کر دل خوش ہوگیا...... ہماری بہنوں کے خطوط کیسے مزے مزے کے ہیں...... اس محفل میں نئی لڑکیاں بھی تنقید کے آداب سیکھ سکتی ہیں۔ میں پروفیسر عابدہ خان سے کہوں گی کہ وہ باقاعدگی سے اس محفل میں حاضر ہوا کریں کہ ایک دوسرے سے سیکھنے کا عمل ساری زندگی چلتا ہے۔ انجم آپ کا ناول ختم ہوگیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے کسی مزے دار ناولٹ سے ہمیں محروم رکھیں...... ہاں عالیہ بخاری کو بھی میری مبارک باد کہ ان کا ناول بڑی خوب صورتی سے اختتام کی جانب بڑھ رہا ہے۔ رضوانہ پرنس کے ناولٹ کی کہانی بھی اچھی تھی' اس کا اختتام بس ٹھیک ہی تھا۔ دیگر تمام سلسلوں میں جلترنگ کے تمام خاکے ٹاپ پر رہے۔'' (نوازش)

✍ صائمہ مشتاق، سرگودھا سے۔ ''سندیسے پاکیزہ کا سب سے خوب صورت سلسلہ ہے۔ آنٹی میں سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ میں ہر ماہ باقاعدگی سے پاکیزہ منگواتی ہوں مگر زندگی اتنی مصروف ہے کہ پڑھنے میں کافی دن لگ جاتے ہیں اس لیے اب تبصرہ نہیں لکھ پاتی کیونکہ مراسلات 10 سے پہلے بھیجنے ہوتے ہیں۔'' (صائمہ آپ کا تبصرہ اگر ہمیں دیر سے ملے گا تو وہ آئندہ ماہ شائع ہوجائے گا مگر وہ ضائع نہیں ہوگا)

✍ عذرا آفتاب، کراچی سے۔ ''اس ماہ کا پاکیزہ پڑھا۔ سب ہی کچھ بہت اچھا ہے خاص طور سے سیما یاسمین کا افسانہ ہم سفر نہ صرف قابلِ ستائش ہے بلکہ ہماری نوجوان نسل کے لیے ایک بہت خوب صورت نصیحت ہے۔ سبق ہے، میں دعا کرتی ہوں کہ اگر یہ کہانی کتاب کے اوراق سے نکل کر اسکرین پر آجائے تو بہت سارے لوگ دیکھیں گے۔ کہانیاں پڑھنے کا رجحان تو اب بہت ہی کم ہوگیا ہے۔ ایسے کردار اگر لکھے جاسکتے ہیں تو ہمارے نوجوان ایسے بن بھی تو سکتے ہیں جبکہ ہمارا مذہب اور اخلاق بھی تو یہی کچھ بتاتا ہے۔ اتنی اچھی کہانی لکھنے پر میری طرف سے سیما یاسمین صاحبہ کو بہت مبارک باد۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

✍ ماہا بخاری، مظفر گڑھ سے۔ ''عمیرہ احمد کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجے کی ذہانت اور اعلیٰ درجے کی

رائٹنگ پاور عطا کی ہے اور جتنی محبت اور توجہ عمیرہ کو نصیب ہوئی ہے ایسی محبت اور توجہ بہت کم رائٹرز کے حصے میں آتی ہے۔ اس پر جس قدر شکر ادا کریں کم ہے۔ عکس پڑھتے ہوئے نہ جانے کیوں بار بار میرے ذہن میں یہ خیال آتا رہا جیسے یہ کسی انگلش ناول کا اردو ورژن ہے۔ بہر حال ابھی تو شروعات ہیں آگے آگے دیکھیں ہوتا ہے کیا۔ خوشبو کا سفر، ہارون جیسے عقل کے اندھے مردوں سے تو ایسے دل جلتا ہے کہ بس نہ پوچھیں۔ اسٹوری کا ٹیمپو فاسٹ کریں پلیز۔ شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں، کافی زبردست ہے' مجھے انتظار رہتا ہے اس کی اگلی قسط کا۔ قربتوں کی دوری... رومی کو تو ضرور سبق ملنا چاہیے اس کی خود غرضی کا۔ عیدِ دل کافی اچھی تحریر تھی مزہ آیا پڑھ کر۔ آج کل نیکی کا صلہ کہاں ملتا ہے؟ صلہ پڑھ کر کافی دیر سوچتی رہی ورنہ کبھی کبھار نیکی اور سادگی کتنی اذیت دیتی ہیں یہ تو بہت پیاری سی شگفتہ ملک فرام علی پور کا دل جانتا ہے یا دلوں کا حال جاننے والا اللہ۔ شگفتہ سے معذرت کے ساتھ یہ بھی کہنا تھا کہ اس کا خلوص بھولی نہیں ہوں میں۔'' (آپ کی رائے پہنچائی جارہی ہے)

✍ صفیہ مغل، لیہ سے۔ ''پاکیزہ کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں مگر خط پہلی بار لکھا ہے میں میڈیکل اسٹوڈنٹ ہوں اور پوئٹری بھی کرتی ہوں۔ اپنی بک پبلش کروانے سے پہلے اپنی شاعری متعارف کروانا چاہتی ہوں۔'' (اس محفل میں خوش آمدید، یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ تم پوئٹری بھی کرتی ہو۔ ماشاء اللہ کب سے کر رہی ہو...... میرا مطلب پوئٹری سے ہے)

✍ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ''اس بار پاکیزہ ستمبر کا شمارہ عید مبارک نمبر کی صورت میں ملا۔ سرورق واقعی ایسا لگا جیسے کہہ رہا ہو عید مبارک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنا خط اپنی تحریر تلاش کرنے لگی مگر کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ افسانوں میں جوابی کارروائی، عید کا جوڑا، عید آرزو اور امید، ہم سفر، قربتوں کی دوری اور مضمون کیسی خوشی لے کر آیا چاند باتصویر بہت ہی مزہ دے گیا۔ ہماری دعا ہے کہ پاکیزہ اور عروج حاصل کرے۔'' (آمین)

✍ جبیں ہاشمی بھیرہ سے۔ ''میں پاکیزہ میں دو ماہ غیر حاضر رہی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ میں بیمار تھی، اب آپ کی دعاؤں سے صحت یاب ہو کے آپ کے حضور حاضر ہیں۔ محفل میں شامل سب سینئرز کو میرا اسلام سب سے پہلے سعدیہ ہما شیخ کو بہت زیادہ مبارک باد جنہوں نے اتنی پیاری بیٹی کو جنم دیا۔ انشراح بہت زبردست نام ہے۔ بیٹیاں تو رحمت ہوتی ہیں۔ کاش یہ رحمت میرے گھر بھی ہوتی۔ پاکیزہ ڈائری سے ابتدا کی جیسے ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ ضروری ہے۔ اسی طرح پاکیزہ شروع کرنے سے پہلے پاکیزہ ڈائری کو پڑھنا ضروری سمجھتی ہوں، ہر کام ہر بات کی ابتدا پاکی سے ہی ہونی چاہیے۔ پھر جلترنگ میں فریش اپ بھی ہونا ضروری ہے۔ فن اچھا لگا۔ آپی جی آپ فریش کرنے کا فن بخوبی جانتی ہیں اور کبھی کبھی آپ جلترنگ میں ایسی وارداتیں بھی کر جاتی ہیں کہ ہم ہکا بکا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ سچی مچی آپ ہر فن مولا ہیں اب جلدی سے کوئی نیا ناول ٹھاہ کر کے ماریں۔ اب آتے ہیں مکمل ناولٹ کی طرف رضوانہ پرنس کا قربتوں کی دوری کا اینڈ اچھا تھا۔ ایمان گھر واپس چلی گئی۔ پر رضوانہ بھی ابھی آپ رحیم کو نہ مارتی نہ ویسے اسے نیک اور اچھا بنا دیتیں۔ امینہ بے چاری کا دکھ ہوا، افسانے سب ہی اپنی جگہ پر ٹھیک تھے سدرۃ المنتہیٰ کا محبت کی شام دل کو لگا۔ عکس، عمیرہ احمد کا ناول ہمیشہ کی طرح اچھا اور دل کو چھو لینے والا تھا۔ عمیرہ احمد مجھے بہت پسند ہیں۔ وہ بہت باصلاحیت رائٹر

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں۔‘‘ (شکریہ)

عطیہ زاہرہ۔ ’’انجم آپی میرا نام عطیہ زاہرہ ہے میں پاکیزہ کی قاری تو ہوں ہی لیکن اس کے علاوہ جاسوسی اور سسپنس بھی بہت عرصے سے ہمارے گھر آرہا ہے۔ میرا بھائی توان دونوں پرچوں کا شیدائی ہے۔ کچھ دن پہلے میں فریدہ خانم، غزالہ جلیل راؤ، نسیم نیازی، نگہت اکرام اور فریدہ جاوید فری، ایم اے راحت صاحب کی طرف اکٹھے ہوئیں وجہ فریدہ جاوید فری جو کہ اک شاعرہ ہیں۔ ان کے اعزاز میں اک پارٹی تھی کہ وہ کافی بیمار رہنے کے بعد صحت یاب ہوئی تھیں۔ خیر وہاں فریدہ خانم بہت پیار سے آپ کا نام لے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کا زور کہ انجم باجی کو اپنی کہانی ارسال کرو۔ بس انجم آپی اک افسانہ ارسال کر رہی ہوں پڑھ کر فیصلہ کیجیے گا۔‘‘ (افسانہ شائع ہوجائے گا)

نادیہ خان وسیر، کرم پور سے۔ ’’آنٹی مجھے آپ سے شکوہ ہے میں مسلسل دو ماہ سے خط لکھ رہی ہوں میل کر رہی ہوں آپ نہ تو جگہ دے رہی ہیں اور نہ ہی میری پوئٹری شائع کر رہی ہیں۔ میرے خیال میں آپ بڑے شہروں کے خط کو اہمیت دیتی ہیں اور ہم جیسے چھوٹے شہر والے خط آپ پڑھتی ہی نہیں ہیں۔ ہم تو آپ سے ناراض نہیں ہوسکتے۔ پاکیزہ ڈائجسٹ واقعی بہت عمدہ رسالہ ہے آنٹی آپ پلیز ہمیں بتائیں کہ ہماری شاعری قابلِ اشاعت ہے یا نہیں، یہ خط پھر ہمارا ابھی آخری ہے اگر جگہ نہ ملی تو نہیں ایسا نہیں ہے ہم تو پھر بھی آس امید کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ میری ویراں آنکھیں دیکھ کے جان جاتے ہیں لوگ...... کہ یہاں کوئی بہت آباد رہ کے گیا ہے۔‘‘ (پیاری نادیہ...... اس محفل میں خوش آمدید، تمہارا پھڑکتا ہوا شعر اس بات کی دلیل ہے کہ تم یقیناً اچھی شاعرہ ہوگی، ہاں گڑیا اس سے قبل تمہارا خط ملتا تو ضرور شامل ہوتا کہ ہم اپنی کسی بھی بہن کا خط ضائع نہیں ہونے دیتے)

نادیہ ضمیر جوئیہ، ضلع خوشاب سے۔ ’’سب سے پہلے تو تمام رائٹرز اور قاری بہنوں کو اور ساتھ ساتھ پاکیزہ کے تمام اسٹاف کو بھی عید قرباں ایڈوانس مبارک ہو تو اب جناب کچھ اپنا تعارف بھی کرواتی چلوں میں عرصہ گیارہ سال سے پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں جبکہ اس وقت میں (ماشاءاللہ) 19 سال کی ہوچکی ہوں تو آج ہمت کر کے خاموشی کے اس پردے کو چاک کر کے آپ سے آدھی ملاقات کرنے کا سوچا ہے۔ پاکیزہ پہلے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک بے مثال ہے اس کا ہر ہر سلسلہ زبردست ہے کہانیاں بھی سبق آموز ہوتی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ انجم آنٹی آپ کی ردی کی ٹوکری کا منہ بہت بڑا ہے جو بنا کسی شرم ولحاظ کے سب کچھ ہضم کر جاتا ہے تو خدارا اس کا منہ سختی سے بند کر دیں تاکہ میرا خط اور کہانیاں ٹوکری کے بجائے پاکیزہ کی زینت بنیں۔ مجھے سب ہی کہتے ہیں کہ ان رسالوں میں صرف پرانی رائٹرز کی کہانیاں چھپتی ہیں نئی لکھنے والیوں کی اسٹوریز ضائع ہوتی ہیں تو پلیز میری کہانیوں کو بھی پاکیزہ میں جگہ دیں۔‘‘ (پیاری نادیہ اس محفل میں خوش آمدید...... آپ سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے ہماری تحریریں پڑھیں...... اور بتائیں کہ ہر ماہ کس کس کی تحریر لگ رہی ہے)

سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ ’’سب سے پہلے تو میرا افسانہ موسم کی دستک پاکیزہ میں شاملِ اشاعت کرنے پر بہت بہت شکریہ، تھوڑا کنفیوژن یہ رہا کہ آپ نے عنوان بدل دیا تھا۔ میں حیران تھی کہ مجھے کس

افسانے پر معاوضہ ملا ہے جبکہ امریکا میں ہونے کی وجہ سے گزشتہ 6 ماہ کے پاکیزہ میں تسلسل سے پڑھ رہی تھی کہ اللہ بھلا کرے میاں کا انہوں نے نشاندہی کی تو پتا چلا۔ آپ کے رسالے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ اسلامی تشخص کے ساتھ ساتھ ہمارے رسم ورواج، ثقافت وتہذیب اور پرانی اقدار کا امین ہے، موڈرن ازم اور بے حیائی، بے شرمی سے دور، سبق آموز اور معاشرتی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے والا ہر عمر کے لوگوں میں مقبول۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے، سالوں سے جمع سیکڑوں رسالوں کو جو چھ سات کارٹن میں بند تھے میں نے (اب باندھے ہیں)۔ دراصل بچے باہر ہونے کی وجہ سے ملک سے باہر آنا جانا لگا رہتا ہے اور چیزوں سے دلچسپی کم ہوتی جارہی ہے۔ مجھے بچپن سے عبادت کا بہت شوق ہے اور میں آپ کا دینی صفحہ سب سے پہلے پڑھتی ہوں اور ضروری وظائف ڈائری میں اتار بھی لیتی ہوں، بے تحاشا وظائف سے ڈائری بھری ہوئی ہے اور میں آزماتی بھی رہتی ہوں اللہ کا کرم ہے اس ناچیز پر اللہ کی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آپ کی بھتیجی کا احوال پڑھ کر اس لیے زیادہ خوشی ہوئی کہ میں خالص اردو اسپیکنگ اور شوہر ٹیٹھ پنجابی مگر خدا کا شکر ہے صاف ستھری اور تعصب سے پاک زندگی رہی، انشاءاللہ آپ کی بھتیجی بہت خوش رہے گی ویسے بھی اب ذہن کشادہ اور دل وسیع ہوگئے ہیں سیاستدانوں کی چالوں کے باوجود۔‘‘ (ہاں یہ تو ہے...... ہاں آپ کا دوسرا افسانہ بھی قابلِ اشاعت ہے)

فرح... وسیم فری، ملتان کینٹ سے۔ ’’ستمبر کے شمارے کا ٹائٹل تو پورے عروج پر تھا لیکن کیا غضب کی دلہن تھی سب سے پہلے مجھے کچھ کہنا ہے۔ پڑھا پھر بہنوں کی محفل کے بعد باقی تمام مستقل سلسلے پڑھے جو کہ زبردست تھے۔ نزہت جبیں کا افسانہ بجھتے دیپ جل اٹھے۔ بہت اچھا لگا۔ عمیرہ احمد صاحبہ کا عکس اتنا کھو کر پڑھا کہ یونوں کا عکس اپنے پاس محسوس کرنے لگی۔ عکس میں انگلش الفاظ کا استعمال بہت زیادہ ہے اگر بریکٹس میں معنی لکھ دیے جائیں تو بہت سی بہنوں کی نالج میں اضافہ ہوگا کیونکہ پاکیزہ تو ہر طبقے میں پڑھا جاتا ہے۔ رضوانہ پرنس صاحبہ کا قربتوں کی دوری کیا مزے کا ہے۔ بہت ہی زبردست جارہا ہے۔ آپا جان میں جولائی کے شمارے میں میمونہ خورشید کے ناولٹ میں چاندی کا ذکر کرنا چاہوں گی جو کہ بہت اچھا تھا اور اس کا اینڈ تو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ ارسہ کو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کا مذاق اڑانے کی سزا تو ملنی چاہیے تھی۔ آپا جان میں معذرت کے ساتھ ایک فقرے کی وضاحت کرنا چاہوں گی جو کہ اسی ناولٹ میں تھا۔ جو کچھ یوں تھا کہ ارسہ نے جھوٹا قرآن پاک اٹھایا۔ ایکچولی فقرہ کچھ اس طرح ہونا چاہیے کہ ارسہ نے جھوٹی ہونے کہ باجود قرآن پاک کو اٹھایا۔ پلیز آپا جان اگر آپ مناسب سمجھیں تو ضرور ایڈ کر دیں۔ اکثر لوگوں سے یہ فقرہ اس طرح سنتی ہوں تو دکھ ہوتا ہے کچھ مصروفیات کی بنا پر تاخیر سے لکھ رہی ہوں۔‘‘ (آپ کا وضاحتی جملہ مجھے زیادہ بہتر لگا ہے آئندہ خیال رکھا جائے گا)

صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ سے۔ ’’عمیرہ احمد کا سلسلے وار ناول بہت اچھا جارہا ہے سب ناولوں سے ہٹ کر ایک نیا موضوع ہے اس لیے اچھا اور دلچسپ لگ رہا ہے۔ انجام جانے کیا ہوگا لیکن ان کے ہر ناول کا اینڈ ہپی نہیں ہوتا ہے تقریباً...... پلیز انہیں کہیے گا اختتام اچھا رکھیں۔ غزالہ فرخ نے بہت اچھا لکھا۔ عید کا جوڑا سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔ جنہیں ہر مہینے، ہر روز نیا جوڑا نصیب ہو وہ عید کے جوڑے کی اہمیت اور وقعت کھو دیتے ہیں۔ عید کا جوڑا انہیں نصیب ہوتا ہے جو واقعی عید پر ہی نیا جوڑا پہنتے ہیں۔ دس پندرہ سالوں میں ہمارے اس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

رکھ رکھاؤ میں کتنا فرق آ گیا ہے، پہلے ہمیں عید کے جوڑے اور عید کی کس قدر خوشی ہوتی تھی، انتظار ہوتا تھا لیکن اب وہ کچھ نہیں رہا۔ جانے ہم نے کیا کیا چیز ختم کر دی ہے اخلاص، مروت، محبت...... سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ سیما یاسمین مجتبیٰ نے بھی اچھے موضوع پر لکھا۔ جلترنگ میں لاسٹ والا بہت مزے کا تھا ایک جملہ بہت مزہ دے گیا کہ آپ کے خط میں سے بھی اسی تیل کی بدبو آتی ہے۔ خط پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ آپ سامنے بیٹھی جوئیں مار رہی ہوں۔ واقعی بعض لوگوں کی شخصیت ایسی ہی ہوتی ہے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ)

کنول بنت مومل، لاہور سے۔ '' آپ کے خوب صورت رسالے کی عرصہ دراز سے قاری ہوں مگر خط پہلی بار لکھ رہی ہوں، دراصل لکھنے لکھانے کا مجھے بھی بے حد شوق ہے اور زمانہ طالب علمی میں لکھا بھی مگر شادی کے بعد وقت ہی نہ ملا۔ اب دل چاہنے لگا ہے کہ میں بھی اس ادارے کا ایک حصہ بن جاؤں دراصل آپ کا انداز ہی بے حد اپنائیت بھرا ہے۔ عید نمبر 26 اگست کو ہی مل گیا یوں عید کا لطف دوبالا ہو گیا۔ اداریے کے بعد سب سے پہلے عمیرہ احمد کے ناول عکس کی دوسری قسط پڑھی جس کا مجھے شدت سے انتظار تھا اب تیسری قسط کا انتظار ہے تحریر ہی اتنی خوب صورت اور سسپنس سے بھرپور ہے۔ افسانے بھی اچھے تھے خاص طور پر عید کا جوڑا اور ہم سفر پسند آئے۔ دین کی باتیں اور بہنوں کی محفل میرے پسندیدہ سلسلے ہیں۔ بہنوں کی محفل میں آپ اتنے پیارے جواب دیتی ہیں کہ دل کے قریب محسوس ہوتی ہیں۔ اب میرے خط کا جواب بھی آنا چاہیے۔ ایک نظم بسم اللہ کے طور پر بھیج رہی ہوں۔'' (خوش آمدید، آپ کی حوصلہ افزائی ضرور ہوگی آپ کی نظم کو عظمیٰ آفاق نے قابلِ اشاعت قرار دے دیا ہے)

عظمیٰ عنبرین، ڈی جی خان سے۔ ''عکس اور خوشبو کا سفر پڑھا ہے عکس پر تو جیسا کہ میں نے پچھلے خط میں بھی لکھا تھا تھوڑے عرصے بعد تبصرہ کروں گی، ذرا اس کے تمام کرداروں سے جو تحریر ہو چکے یا ابھی احاطۂ تحریر ہونے ہیں، سب سے خوب واقفیت ہو جائے۔ اس ماہ خوشبو کا سفر پڑھتے ہوئے معلوم نہیں کیوں ماضی کی ایک تحریر بہت یاد آئی۔ غالباً پاکیزہ میں پڑھی تھی کچھ کرداروں کے نام امبر، صبغہ اور رخشی تھے۔ موجودہ سمیعہ، ماضی کی رخشی کی یار غار لگتی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ زارا کی ہارون سے علیحدگی ہو کر سیف سے شادی ہو جائے گی۔ سمیعہ کی ہارون سے اور تہمینہ کی زین سے۔ عالیہ بخاری جی! اگر ایسا ہی ہونے جا رہا ہے جو میرے ذہن میں خیال آیا تو پلیز متعلقہ کرداروں کو مکافاتِ عمل سے گزرتا ہوا بھی دکھائیں۔ ویسے خوشبو کا سفر کی کتنی اقساط باقی رہتی ہیں؟ ستمبر کی ٹائٹل گرل کس میک اپ آرٹسٹ کی مہارت کے نتیجے میں جلوہ افروز ہوئیں؟ مجھے ماضی کے وہ پاکیزہ بھی بہت پسند تھے جن میں ماڈل کا نام، پارلر کا نام اور ابتدائی چند صفحات پر کیپشن کے ساتھ کپڑوں کی ڈیزائننگ ہوا کرتی تھی۔ کیا کوئی چانس ہے کہ ریگولر نہ سہی خاص خاص نمبروں میں ہی سہی پاکیزہ کو ماضی کا وہی روپ دے دیا کریں۔'' (بہت بہتر)

ماہم، مظفر گڑھ سے۔ ''تبصرہ بھیجا تھا، پر ویلکم، خوش آمدید جی آیاں نوں، کچھ بھی نہیں، اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ ایسا بھی کوئی کرتا ہے کسی کے ساتھ؟ دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔ اب انہی ٹکڑوں کو جوڑ کے پاکیزہ کا عکس بنایا ہے۔ ذرا جھانک کر دیکھیے گا۔'' (ایک پاری پاری سی لڑکی منہ پھلائے بیٹھی نظر آ رہی ہے۔ چلو جلدی سے مزے مزے کے تبصرے اور مراسلات ہمیں بھیجو)

www.paksociety.com

یہ بھوکا تو نہیں

ایک انگریز اسپین کے ہوٹل میں کھانا کھا رہا تھا۔ قریب ہی ایک کتا بیٹھا ہوا اسے گھور رہا تھا اور بار بار اس کی طرف دیکھ کر بھونکتا بھی تھا۔ انگریز نے تنگ آ کر منیجر کو بلایا اور کہا۔ ''یہ کتا بھوکا ہے یا پھر کوئی اور بات ہے؟''

''جی نہیں جناب یہ بھوکا تو نہیں لیکن آپ چونکہ اس کی پلیٹ میں کھانا کھا رہے ہیں اس لیے غصے کا اظہار کر رہا ہے۔''

مرسلہ: تانی چوہدری، آکسفورڈ، یوکے

حیرانی

مالکن کچن میں پہنچی تو اس نے خانساماں کو بڑے مزے سے بروسٹ اڑاتے اور کولڈ ڈرنک پیتے دیکھا۔ مالکن حیرت سے بولی۔ ''تم چھپ چھپ کر یہ سب چیزیں کھاتے ہو مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تم نے مجھے حیران کر دیا۔''

''آپ نے بھی مجھے حیران کر دیا بیگم صاحبہ۔'' خانساماں سنبھل کر بولا۔ ''میں تو سمجھا تھا کہ آپ باہر گئی ہوئی ہیں۔''

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

فریدہ افتخار، پشاور سے۔ '' آپ سب کی پاکیزہ والوں کی خیریت اور مصروفیات سے بذریعہ پاکیزہ آگاہی ہو جاتی ہے اور یوں میلوں دور بیٹھے قاری بہنیں، بیٹیاں، مصنفات، ایک دوسرے کی خیر خبر سے باخبر ہو جاتی ہیں۔ اس کا سارا کمال بہنوں کی محفل، آپ کی سجائی ہوئی محفل کا ہے۔ دور بیٹھے عطیہ ہدایت اللہ کے گھر میں فائرنگ کی (ڈز، ڈز) شمیم فضل خالق کا روزے کی حالت میں عید کا تذکرہ اور بھی بہت کچھ جنہوں نے اعتکاف اور عمرے کی سعادت حاصل کی اور جنہوں نے ماہ رمضان میں اپنے سجے ہوئے دسترخوان کے علاوہ ضرورت مند کے دسترخوان کا بھی خیال رکھا ان کو بہت مبارک باد۔ مجھے کچھ کہنا ہے، یہ چار الفاظ اور مضمون بہت کچھ کہہ جاتے ہیں بس عمل کی ضرورت ہے۔ جلترنگ کی گھنٹیاں دیر تک ترنم سمیت شوخیوں سمیت بجتی رہتی ہیں۔ کھنکتی چوڑیوں والے کالم سے یاد آیا کہ ہر رمضان میں چاند رات میں اچھے بھلے پڑھے لکھے طالب علم چوڑی، مہندی کا اسٹال دوست احباب کے ساتھ مل کر سجا کر حسینوں، مہ جبینوں کے نازک نازک ہاتھ تھام تھام کر مہندی کے ٹھپے اور کلائیاں بھر بھر چوڑیاں پہناتے نظر آتے ہیں۔ عمیرہ احمد کا ایلس ان ونڈر لینڈ آہستہ آہستہ پڑھ رہے ہیں، دیکھیں کہ اس طلسم ہوشربا کی پٹاری سے اور کیا برآمد ہوتا ہے۔ خوشبو کا سفر نے بڑی مسافت طے کر لی ہے اب یہ گاڑی اسٹیشن پر رکنی چاہیے۔ عروسہ عالم کا چلیں گے ساتھ مل کر ہم نے تو شہزوری کی طرح کا دھماکا کر دیا ورنہ مرد اپنی مونچھ کہاں آسانی سے نیچی کرتے ہیں۔ روگ میں رشتوں کے ناگ ہی رشتوں کو ڈس گئے۔ روحانی مشوروں کا کالم شاندار اور معلوماتی ہے۔ سندیسے بھی خوب جا رہے ہیں اور خدمت خلق کا ہومیو کلینک قابلِ ستائش ہے۔ ناہید سلطانہ اختر صاحبہ کا عید مبارک اچھا لگا۔'' (تبصرے کا شکریہ)

صبا محمد اسلم، گوجرانوالہ سے۔ ''میں پاکیزہ ڈائجسٹ تو بہت عرصے سے اور بہت ہی شوق سے پڑھتی ہوں۔ مجھے شعر و شاعری کا بہت حد تک شوق ہے لیکن میں نے شعر و غزل پہلی مرتبہ لکھنے کی کوشش کی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ شائع کروانے کا شوق مجھے ابھی ہوا ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ کوشش کی ہے لیکن

WWW.PAKSOCIETY.COM

لکھنے کی میری ہمت نہیں ہوئی۔ بہت بہت کوشش اور محنت کے بعد پہلی مرتبہ شائع کروانے کے لیے بھیج رہی ہوں۔'' (اس محفل میں خوش آمدید، آپ کی غزلیں پڑھیں اور پڑھ کر بہت مزہ بھی آیا مگر ہمارا خیال ہے کہ آپ غزلوں کے بجائے نظمیں لکھیں اور نثر پر بھی توجہ دیں۔ میں آپ کی حوصلہ افزائی کرنے کی پوری کوشش کروں گی)

✍ فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ''اکتوبر کا شمارہ اپنے سادہ مگر پُروقار سرورق سمیت اچھا لگا۔ آپ نے مشکلات کا بہترین حل اپنے دلکش انداز میں بیان فرمایا۔ کاش ہم میں صرف صبر و تحمل کا جذبہ ہی صحیح معنوں میں پیدا ہو جائے تو ننانوے فیصد مسائل واقعی چٹکی بجاتے ہی حل ہو جائیں۔ صرف قوتِ ارادی کی ضرورت ہے۔ دین کی باتیں ہماری رہنمائی کے لیے بے حد مفید ہیں۔ اسی طرح قیصرہ حیات نے اپنے منفرد اور سادہ فہم انداز میں بہت بڑا کام انجام دیا ہے، اس سلسلے کو جاری رکھیں۔ عکس کی قسط نمبر تین شطرنج کے حوالے سے مزیدار لگی۔ یہ میرا بھی پسندیدہ کھیل ہے۔ عمیرہ نے اس کو اپنے طرز بیان میں اور زیادہ اچھا لکھا کہ جو نہیں بھی جانتا تھا جاننے اور کھیل کو کھیلنے کا خواہش مند ہو سکتا ہے۔ تجسس برقرار ہے، شہر بانو نے بہت جلد اس گھر اور واقعات کو قبول کر لیا ہے۔ چڑیا کا کردار، اس کی ذہانت عام ڈگر سے ہٹ کر ہے خیر کہانی منفرد اور طرز بیاں اور اپنے انہوں نے مرکزی خیال کی بدولت سحر انگیز ہے۔ نئی لکھاری بہنوں کی آمد اچھی لگی۔ بشریٰ نثار کا اچھے الفاظ میں سمجھانا پسند آیا، ناہید سلطانہ کا ناولٹ عید مبارک عام سی کہانی لگی۔ جس کا انجام پہلے ہی سے دکھائی دے رہا تھا کہ دانیہ اپنے حسنِ سلوک سے عریش کو جیت لے گی۔ نصرت شمشاد کی تحریر کھٹی میٹھی رہی کوچی کا کردار مسالے دار رہا۔ شیریں حیدر بھی کامیاب جا رہی ہیں۔ یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ سابقہ اقساط کا خلاصہ دینا شروع کر دیا۔ تحسین اختر بھی کامیاب رہیں مگر انجام ذرا مختلف ہوتا تو بہت سوں کا بھلا ہو جاتا۔ قربتوں کی دوری اچھے اختتام سے مکمل ہو گیا۔ روگ افسردہ کر گئی۔ خوشبو کا سفر مکمل ہونے کے قریب ہے۔ عالیہ جی، سمیعہ کی سزا سخت ترین ہوا سے کسی حالت میں نہ بخشیے گا۔ عروسہ عالم نے کئی خواتین کی آنکھیں کھول ڈالیں، مرد رے مرد... تیری کون سی کل سیدھی۔ ثریا انجم کی جینا ہے پراثر تحریر تھی۔ فاطمہ جیسی صابر و شاکر عورتیں قابلِ تقلید ہیں۔ اپنا من مار کر گھر بناتی ہیں، بے مثال ان کی عظمت کو سلام۔ بہنوں کی محفل میں سعدیہ ہما کو بیٹی بلکہ تیری رحمت مبارک ہو یار کسی کی بات کو دل سے مت لگاؤ۔ خوش رہو بس' شگفتہ شفیق کو بے حد مبارکاں۔'' (طویل تبصرے کا شکریہ)

نوٹ ☚ خط لکھنے کے لیے ہمارا ایڈریس نوٹ کر لیجیے کہ ہر ماہ ہمیں بہت سے فون صرف یہ پوچھنے کے لیے کیے جاتے ہیں کہ ہم کس ایڈریس پر اپنے خط اور افسانے بھیجیں۔

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ 63-c فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس کمرشل ایریا، مین کورنگی روڈ کراچی۔ 75500

☆ بہنوں کی محفل کی صفحات کا کوٹا ختم ہوا۔ اجازت دیجیے اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ارضی وسماوی آفات تمام پریشانیوں، بیماریوں اور شیطانوں کے شر سے بچا کر رکھے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ اور عافیت کے ساتھ صرف اپنا محتاج رکھے، آمین ثم آمین۔

دعا گو آپ کی اپنی باجی

انجم انصار

www.paksociety.com

پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

سارے جہاں میں برتر و عالی ہے تیری ذات
بس تو ہے اور سب سے مثالی ہے تیری ذات
لکھتا ہوں جب بھی حمد یہی سوچتا ہوں میں
گہرائیوں میں دل کی بٹھالی ہے تیری ذات
تو نور ہے زمین کا اور آسمان کا
گویا حقیقتاً ہی جمالی ہے تیری ذات
یارب ہر ایک طاقت و قدرت پہ ہے یقین
اے ربِ ذوالجلال کمالی ہے تیری ذات
کہتا ہوں لاشریک پہ ہر پل یقین ہے
جب کوئی یہ کہے کہ خیالی ہے تیری ذات
یارب محبتوں کی سند کس طرح سے دوں
میں نے تو اپنے دل میں بسالی ہے تیری ذات
رحمٰن اور رحیم فقط آسرا ہے ایک
محسن اسی کے آگے سوالی ہے میری ذات

شاعر: محسن علوی

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سیدنا ابوامامہ (یعنی حارثیؓ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جو شخص مسلمان کا حق مارے، قسم کھا کر اللہ نے اس کے لیے جہنم کو واجب کر دیا اور اس پر جنت کو حرام کر دیا۔'' ایک شخص نے پوچھا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ ذرا سی چیز ہو تو؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اگر چہ پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو۔''

(صحیح مسلم)

مرسلہ: صابرہ سلطانہ، کراچی

رزق میں کمی

''جب کبھی تم کو اپنے رزق میں کمی نظر آنے لگے تو کچھ مال اللہ کی راہ میں دے کر اللہ کے ساتھ تجارت کر لیا کرو۔''

(حضرت عمر فاروقؓ)

مرسلہ: سیدہ فرزانہ، حجرہ شاہ مقیم

اچھی باتیں

☆ پاک ہے وہ پروردگار جو برداشت سے زیادہ دکھ نہیں دیتا مگر اوقات سے زیادہ سکھ ضرور دیتا ہے۔

☆ اللہ کتنا کریم اور مہربان ہے تمہاری عبادت اور تقویٰ تمہارے چہرے سے ظاہر کرتا ہے مگر تمہارے گناہ دوسروں سے چھپا لیتا ہے۔

☆ میں جنت کے شوق میں عبادت نہیں کرتا کہ یہ عبادت نہیں تجارت ہے۔ میں دوزخ کے خوف سے عبادت نہیں کرتا کہ یہ عبادت نہیں غلامی ہے۔ میں صرف اس لیے عبادت کرتا ہوں کہ میرا رب عبادت کے لائق ہے۔

(حضرت علیؓ)

☆ شیخ سعدیؒ سے کسی نے پوچھا کہ دوست کی پہچان کیا ہے آپ نے کہا جو محفل میں تمہاری عزت کرے اور تنہائی میں تمہیں تمہارے عیبوں سے خبردار

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرے۔

مرسلہ: بتول فاطمہ، منچن آباد

حکمت والا قول

ایک مرتبہ خلیفہ منصور عباسی کے منہ پر ایک مکھی آ کر بیٹھ گئی۔ منصور نے اس کو بھگا دیا۔ وہ مکھی بار بار آ کر بیٹھتی اور تنگ کرتی رہی۔ آخر منصور پریشان ہو گیا۔ اتنے میں امام جعفر صادقؒ آ گئے۔ منصور نے امام جعفرؒ سے پوچھا کہ ''امام صاحب مکھی کس لیے پیدا کی گئی ہے؟'' امام نے جواب دیا۔ ''جابروں کو ذلیل کرنے کے لیے۔'' یہ سن کر منصور ان کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

مرسلہ: عروج ذکی آفندی، کراچی

خوب صورت اعتبار

☆ اگر اللہ تمہاری دعائیں پوری کر رہا ہے تو وہ تمہارا یقین بڑھا رہا ہے۔ اگر پوری کرنے میں دیر کر رہا ہے تو تمہارا صبر بڑھا رہا ہے۔ اگر تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دے رہا تو وہ تمہیں آزما رہا ہے۔ اس لیے ہمیشہ دعائیں مانگتے رہنا چاہیے۔

مرسلہ: جبیں ہاشمی، بھیرہ

انٹرویو کارنر

میرا نام ریحانہ شہزاد ہے۔ میں شہر قائد میں رہتی ہوں۔ مجھے رسالے اور دینی کتب پڑھنے کا جنون ہے، میری فیورٹ رائٹرز فرحت اشتیاق، عمیرہ احمد اور شیریں حیدر ہیں۔ مجھے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ طبیعت کی بہت حساس ہوں چھوٹی چھوٹی باتوں پر کئی دن ٹینس رہتی ہوں۔ دل کی نرم ہوں کسی کا دکھ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ خود غرض اور بے حس لوگ مجھے بالکل نہیں پسند۔ میرے فیورٹ رنگ وائٹ، بلیک، نیوی بلیو ہیں۔ مجھے کھانے میں بریانی، ساگ اور مٹن بہت پسند ہے۔ ہم چار بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ مجھے پروین شاکر اور احمد فراز کی شاعری بہت پسند ہے۔ تھوڑی بہت شاعری خود بھی کر لیتی ہوں۔ علامہ اقبالؒ کی شاعری سے مجھے محبت ہے اور پاکیزہ ڈائجسٹ میں میری جان ہے آنٹی انجم انصار، آنٹی عذرا رسول سے بے حد محبت ہے پیارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میرے لیے آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے اپنے وطن سے ڈھیر سارا پیار ہے اپنے شہر کراچی کے لیے بہت دعا کرتی ہوں کہ اس روشنی والے شہر کو دہشت گردوں سے پاک کر دے اور دوستی کے لفظ سے وفا ہے تو تمام دوست عزیز ہیں۔

تحریر: ریحانہ شہزاد، کراچی

محبت

محبت خوش گماں کتنی
محبت مہرباں سی ہے
محبت دلنشین جذبہ
محبت گلستاں سی ہے
محبت بانگِ ارواح بھی
محبت کارواں سی ہے
محبت نغمۂ فطرت
محبت بے کراں سی ہے
محبت اِک تحفۂ قدرت
محبت ارمغاں سی ہے

شاعرہ: فرخندہ انجم، لاہور کینٹ

سوچنے کی باتیں

☆ زندگی تپتے صحرا کے مانند ہے جہاں پاؤں کو ریت کی تپش سے بچا بچا کے چلنا پڑتا ہے۔

☆ ہماری آنکھیں ہمارے دل سے باتیں کرتی ہیں اور جب دل، درد کے بوجھ کو سہہ نہیں سکتا تو وہ اس بوجھ کو آنکھوں کے ذریعے آنسو بنا کر ہماری

آنکھ سے بہا دیتا ہے اور ہمارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

☆ ہماری مسکراہٹ کا قسمت سے گہرا تعلق ہے جب قسمت مسکراتی ہے تو ہم مسکراتے ہیں اور جب قسمت ہی نہ مسکرائے تو ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ کیونکر آ سکتی ہے۔

☆ ذہن میں اچھے خیالات کو جگہ دیجیے آپ ہر وقت خیر خواہ دوستوں میں رہیں گے۔

☆ ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لیتی ہے۔

مرسلہ: رخسانہ امجد، ملکوال

محبت کا پیکج

محبت آج کل
اِک پیکج بن چکی ہے
کبھی فل ٹائم مفتے کا
کبھی اِک گھنٹے کا پیکج
سو فل ٹائم مفتے میں
جب سب حکایتیں دل کی
بیان ہو جاتی ہیں
اور جب عیاں ہو جائے دل
تو پھر محبت باقی نہیں رہتی
کہ کچھ باتیں ان کہی سی
کچھ باتیں ان سنی سی ہی رہیں
تو اچھی لگتی ہیں
سب کہہ دو
تو محبت میں ملاوٹ آ جاتی ہے
اور جہاں ملاوٹ آ جائے
وہاں محبت نہیں رہتی
اور پھر فل ٹائم مفتے کا پیکج بھی
مزہ نہیں دیتا
کہ یہ دل کسی نئے نمبر پر نئے پیکج پر
ٹرائی کرنے کے بہانے مانگنے لگتا ہے
نئے نمبر کے فسانے سننے پر آمادہ دل
پرانی محبت کو پرانے پیکج کی طرح بھول کر
نئے محاذ پر پرواز کرنے کی ٹھانے
نئے سفر پر نکلتا ہے

شاعرہ: نسیم نیازی، لاہور

اقوالِ زریں

☆ مجھے بارش میں چلنا بہت پسند ہے تاکہ کوئی میرے آنسو نہ دیکھ سکے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر انسان کو رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے مگر یہ وعدہ اس نے نہیں کیا کہ وہ ہر شخص کو بخش دے گا پھر کیوں ہم رزق کے لیے پریشان ہیں اور مغفرت سے بے پروا۔

☆ ماں باپ کا احترام کرنا آدھے حج کا ثواب ہے پھر بھی ہم اپنے والدین کا احترام نہیں کرتے۔

☆ خوب صورتی مٹ جاتی ہے اور سیرت قبر تک ساتھ جاتی ہے۔

☆ کتنا بد نصیب ہے وہ انسان جو اپنے والدین کی خدمت کرے اور دعا نہ لے اور اوروں سے کہتا ہے کہ میرے لیے دعا کرنا۔

☆ اندر کے کلاک کی سوئیاں ٹوٹ جائیں تو تخلیق کے پرندے پاس نہیں آتے۔

☆ قابلِ رحم ہے وہ قوم جو ٹکڑوں میں بٹی ہو اور اس کا ہر ٹکڑا اپنے آپ کو قوم سمجھے۔

☆ جس انسان کے دل میں روشنی نہ ہو وہ چراغوں کی محفل سے کیا حاصل کرے گا۔

☆ انسان کائنات کا شاہکار ہے مگر کائنات میں سب سے زیادہ دکھی ہے۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆اپنی آرزوؤں کو دل میں مار ڈالو دل کو اُن ...ں نہ مرنے دو۔
مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

محبت

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے
میں اکثر سوچتا ہوں پھول کب تک
شریکِ گریۂ شبنم نہ ہوں گے
ذرا دیر آشنا چشمِ کرم ہے
ستم ہی عشق میں پیہم نہ ہوں گے
دلوں کی الجھنیں بڑھتی رہیں گی
اگر کچھ مشورے باہم نہ ہوں گے
زمانے بھر کے غم یا اِک ترا غم
یہ غم ہوگا تو کتنے غم نہ ہوں گے
اگر تو اتفاقاً مل بھی جائے
تری فرقت کے صدمے کم نہ ہوں گے
حفیظؔ ان سے میں جتنا بدگماں ہوں
وہ مجھ سے اس قدر برہم نہ ہوں گے

شاعر: حفیظ ہوشیار پوری
مرسلہ: فرزانہ سہیل، میاں چنوں

محبت کی بات

چاہا تو چاہتوں کی حدوں سے گزر گئے
نشہ محبتوں کا اترنے نہیں دیا
اس نے ہنسی ہنسی میں محبت کی بات کی
میں نے عدیمؔ اس کو مکرنے نہیں دیا

مرسلہ: منور شہزادی، گوجرانوالہ

غزل

محبت خدا ہے، خدا ہے محبت
زمانے میں سب سے جدا ہے محبت
یہ جذبہ ہے کوئی تجارت نہیں ہے
کہ چاہت میں ڈوبی وفا ہے محبت
لگے جس کی جاں کو وہ جاں سے ہی جائے
یوں لگتا ہے جیسے بلا ہے محبت
جسے دیکھو وہ تو یہی گیت گائے
کبھی دھڑکنوں کی صدا ہے محبت
پہنچتی ہے خوشبو کی طرح دلوں تک
مجھے تو لگا ہے صبا ہے محبت
چھپانے سے یہ کب چھپی ہے بتاؤ
یہ لگتا ہے سب پر ہی وا ہے محبت
بھٹکنے نہ دے گی کسی کو بھی خانمؔ
ہر اِک راہ میں رہنما ہے محبت

شاعرہ: فریدہ خانم، لاہور

سچی دوستی

باپ بیٹے سے۔ ”رات کہاں تھے؟“
بیٹا۔ ”دیر ہوگئی تھی تو دوست کے گھر رک گیا تھا۔“
باپ نے اسی وقت بیٹے کے دس بہترین دوستوں کو فون ملایا۔ آٹھ نے کہا کہ انکل وہ رات میرے پاس تھا اور دو نے کہا کہ انکل وہ سو رہا ہے کہیں تو اٹھا دوں۔

سوالاً جواباً

میرے خیال میں مغربی لباس کا سب سے تکلیف دہ جزو ٹائی ہے۔ یہ قطعاً فضول معلوم ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ سب کے سب ٹائی کے شوقین ہیں۔ ایسا کیوں ہے کیا آپ ٹائی کا ایک بھی فائدہ بتا سکتے ہیں؟

ٹائی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے اتارتے وقت بڑی فرحت محسوس ہوتی ہے۔

مرسلہ: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

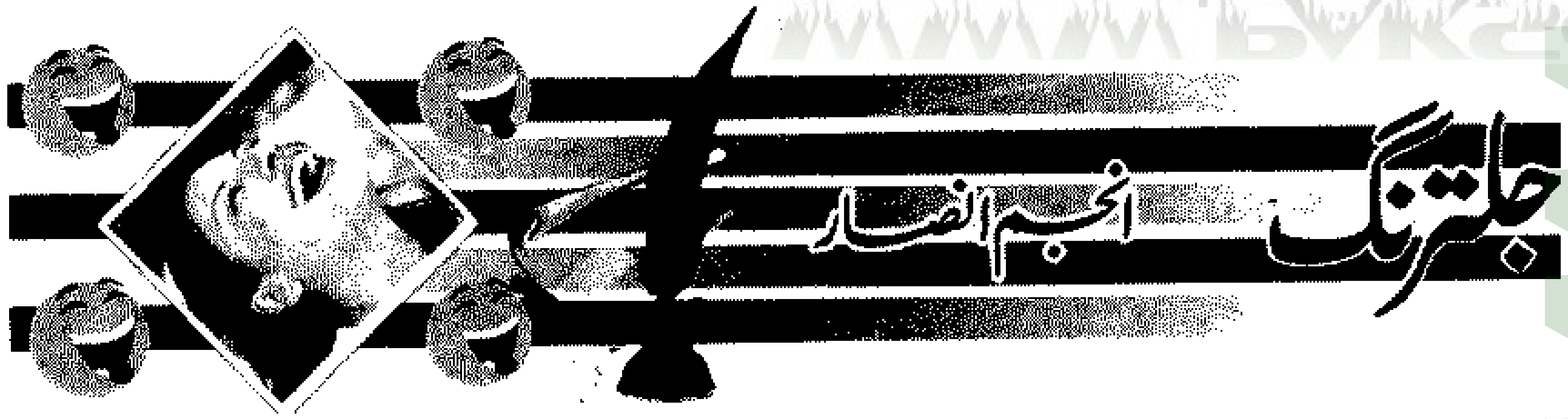

ایک بکرا آیا ہے

”اللہ اتنا مہنگا بکرا لائے ہیں آپ؟“ قیمت ...ر شبانہ اچھل ہی تو پڑی تھیں۔
”یہ بارہ ہزار کا نہیں، بارہ سو کا لگ رہا ہے۔“
”پاگل ہوگئی ہو تم، بارہ سو میں بکرے کے دو کلو ...ت آیا کرتا ہے، پورا بکرا نہیں آیا کرتا۔ یہ بکرا ...نہیں ہے۔“ وہ زعم سے بولے۔
”جی نہیں ...... بالکل بھی ستا نہیں ہے۔“ ...ے نے آنکھیں نچا کر کہا۔
”جان دیکھی ہے میرے بکرے کی، کیسا جی ...ہے، گبرو سا...... نشیلی آنکھوں والا پورا گبرو ہے۔“ ...ں نے اس کی تعریف میں لن ترانیاں بیان ...ں۔
”بارہ ہزار کوئی رقم ہی نہیں ہے، آپ کے ......“ اب شبانہ...... لگیں اپنے میاں کا مذاق ...نے۔
”ارے یہ ہم ہی تھے جو اس قیمت پر لے ...ے...... ورنہ ایسے بکرے کو کوئی پندرہ سولہ ہزار ...کم میں نہیں خرید سکتا......“ وہ سینہ ٹھونک کر ...لے۔
”ارے جائیں...... یہ بکرے بیچنے والا آپ کا ...ہ دار تو تھا نہیں، ایسی جملے بازیاں وہ ہر ایک کو ...قوف بنانے کے لیے کرتا ہوگا۔“ شبانہ کو بحث ...اچھا لگتا تھا۔
”شبو بیگم...... یہ بات نہیں ہے۔“
”تو پھر کیا بات ہے؟“
”جب ہم بکرا خرید کر چلے تو بہت سے لوگوں نے اس کی قیمت پوچھی......“
”اکثر نے کہا اس قیمت پر ہم کو تو ایسا بکرا نہیں مل رہا، آپ ہمیں دلوا دیں۔“
”ارے اسی کو بیچ دیا ہوتا......“ شبانہ نے دُہائی دی۔
”کیوں بھئی؟“
”ظاہر ہے کہ فائدہ جو ہو جاتا...... پورے چھ ہزار کا۔“
”ہاں، یہ بات تو ہے کہ اگر ہم اس کو بیچ دیں تو چھ ہزار کا فائدہ تو یقینی ہے۔“ وہ ہنسے۔
”پیسہ کمانے کا گر آ جائے تو انسان ایک دن میں بھی کافی کما سکتا ہے......“ شبانہ نے میاں جانی کا مزید حوصلہ بڑھایا...... اور لگیں ہنسنے ’کھی کھی، کھی۔‘
”کیا مطلب؟“ وہ چونکے...... کہ ہنسی کی دھار چرکے جو لگا رہی تھی۔
”بھئی جب آپ ایک بکرا بیچ سکتے ہیں تو بیس پچیس بھی بیچ سکتے ہیں۔ آپ خود ہی حساب لگا لیں...... کتنے سارے پیسے آ جائیں گے، تہوار کے موقع پر ہلکا پھلکا سا سونے کا سیٹ تو بن جائے گا ناں؟“
”کیا بکواس کر رہی ہو تم......“ وہ دہاڑے۔
”سنیں کام کی اور فائدے کی بات...... بکواس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھوڑی تاں ہوا کرتی ہے......'' ابرو تان کر کہا گیا۔

''اپنے افسر میاں کی تذلیل سے تمہیں خوشی ہوتی ہے کیا؟'' وہ تو قلق بھرے لہجے میں بولے۔

''سنیں...... افسر بن کر بیچنے کو کس نے کہا ہے۔'' شبانہ نے اپنی جھر جھر بہتی ہنسی سے نمٹ کر کہا۔

''تو پھر...... لندن سے آکر تمہارے بھیا بیچیں گے کیا؟'' میاں جی کا قہقہہ بھی سنگ باری کر رہا تھا۔

''سنیں...... لندن آپ کے پڑوس میں نہیں ہے جو میرے بھیا لپک کر آجایا کریں...... آپ کی بہنوں کی طرح...... وجہ بے وجہ کیسے کود، کود کر آتی ہیں۔ ساتوں کی ساتوں۔''

''تو پھر بکرا بیچنے کو کیوں کہہ رہی ہو؟'' لہجے میں خفگی کی افشاں چھڑکی ہوئی تھی۔

''سنیں، بکرا تو واقعی آپ بیچ سکتے ہیں۔''

''میری شکل بکرے والوں کی سی ہے۔''

''لگنے لگے گی......'' اب شبانہ نے ہنسی اسٹارٹ کی۔

''کیسے لگنے لگے گی......؟ وہ ہنستی مسکراتی بیوی کو اب دلچسپی سے دیکھ رہے تھے...... کہ ہنستے ہوئے کیسے خوب صورت ڈمپل اس کے شہابی رخساروں پر پڑا کرتے تھے۔

''سنیں آپ! شلوار کے ساتھ ایک خالی میلا بنیان پہنیں اور بیس، پچیس بکرے لے کر بکرا منڈی میں کھڑے ہو جائیں۔''

''میں کھڑا ہو جاؤں؟'' تمسخر سے پوچھا گیا۔

''ہاں...... ہاں...... بالکل۔''

''مگر کیوں......؟'' غصے کو آنچ سی لگ گئی۔

''آپ تعلیم یافتہ آدمی ہیں۔''

''ہاں، وہ تو ہوں۔'' آنچ پر پانی کا چھینٹا سا پڑا۔

''لوگوں کے چہرے پڑھنا جانتے ہیں۔''

''ذہین جو ہوں۔'' دو ہی چھینٹوں میں آنچ بجھ گئی۔

''آپ بے حد ذہین فطین ہیں۔'' شبانہ نے زعم سے کہا۔

''شکر ہے کہ اپنے میاں کو تم آخر پہچان ہی گئیں۔'' وہ تو قلق بھرے لہجے میں بولے۔

''جب ہی تو کہہ رہی ہوں کہ آپ سے زیادہ کوئی عقل مند ہو ہی نہیں سکتا...... کون کتنا مالا مال ہے آپ لوگوں کے چہرے پڑھیں اور بکرا منڈی میں کھڑے ہو کر بیس پچیس تو کیا سو کے قریب بکرے بیچ دیجیے...... ہر شخص کو مختلف داموں سے بکرے بیچنے کا فن صرف آپ ہی جان پائیں گے۔ یوں آپ دو چار دنوں میں ہزاروں روپے کما لیں گے...... ہاں۔'' شبانہ برق رفتاری سے سب کچھ ہی تو کہہ گئیں۔

''اُف کیسی لالچی بیوی سے پالا پڑا ہے' خدایا......'' میاں جی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ سر تھام لیا۔ ''تمہارا بس چلے تو مجھے پھٹے ہوئے کپڑے پہنا کر بکرا منڈی میں بھی کھڑا کر دو۔''

''ارے نہیں بھئی......'' شبانہ نے آنکھیں لمحے بھر کو بند کر کے مسکرا کر کہا۔

''ایک تو بکواس کرتی ہو اور پھر...... کھی، کھی، بھی بہت۔'' اس وقت نہ اس ہنسی میں کوئی جلترنگ تھے اور نہ چہرے کے ڈمپل حسین ترین لگ رہے تھے۔

''نہیں بھئی، میں تو یوں ہی ہنس رہی ہوں...... کہ ایسی صورت میں تو لوگ آپ کو خیرات بھی دے جائیں گے۔''

''خیرات......؟'' انہیں پھر غصہ آگیا۔

''ہاں خیرات...... اور کہیں گے کہ بھیا اگر بکرا آتا ہے تو نماز کے بعد گھر آجانا اور کھال فری میں ،جانا۔''

''شبانہ اگر اب لفظ بھی اور کہا ناں...... ایک بھی اور...... تو نتائج کی ذمے دار تم خود ہو گی۔''

میاں جی...... غصے میں کھول رہے تھے۔ مگر اُن ،را جملہ سننے سے قبل ہی شبانہ...... وہاں سے اڑن ہو چکی تھیں کہ کیا کریں...... شبانہ کو زیادہ بولنے کی ت ہے، اپنے سامنے کسی دوسرے کو بولنے ہی ں دیتیں۔ اپنی ہر بات کو صحیح ثابت کرنے پر علیحدہ رہتی ہیں۔

دراصل...... یہ شبانہ ایک ٹی وی چینل میں ایک وسط قسم کی اینکر بھی ہیں ناں تو پھر...... آپ خود بجھ جائیں۔

جی ہاں۔

دیور کے نام ایک خط

''پیارے دیور جی!

میٹھی میٹھی دعائیں

اے ہے، جب سے شادی کیا ہوئی تم تو اپنے ں بھاوج کا گھر ہی بھول گئے۔ اب تمہیں کیا یاد ...... ہم تمہارے کتنے کام نمٹاتے تھے۔ گیا وقت کس کو یاد رہتا ہے، ارے یہاں تو اتنی مہنگائی کی ہے کہ کیا بتائیں تم تو پھر چھوٹی جگہ پر رہتے ہو، مشکل تو نہیں ہوتی ہو گی۔ ہاں بھیا ایک کام ...... تم سے۔ سنا ہے کہ تمہارے دفتر کی گاڑی ہر کراچی آتی ہے...... تو بھیا...... اپنے خیر پور سے ں ایک بکرا تو بھیج دو، ہاں پیسوں کی فکر مت نا...... میں اگلے مہینے سے محلے میں کمیٹی ڈال رہی ں...... جب بھی نکلے گی فوراً پیسے روانہ کردوں گی۔ ہاں یاد آیا...... تم نے اپنے بیٹے کا نام پوچھا ہے؟ اے ہے' میں کون سے رسالے چاٹتی ہوں جو مجھے اچھے نام یاد ہوں گے...... میرے خیال سے تم خاندان بھر کے اچھے لوگوں کے نام پرچیوں میں لکھ کر ڈال کر ایک پرچی اٹھالو...... میرے ہاں تو نام رکھنے کا یہی طریقہ ہے...... جب ہی تو چھوٹے بیٹے کا نام لڈن رکھا ہے۔ امید ہے کہ تمہاری نک چڑھی بیوی خیریت سے ہو گی... ہاں اگلے مہینے سے اپنی ماں کو رکھنے کی تمہاری باری ہے۔ میرا تو تمہاری اماں نے ناک میں دم کر کے رکھ دیا ہے۔ فریج میں جو چیز ختم ہو جاتی ہے وہی چیز انہیں کھانے کو چاہیے ہوتی ہے اور جب موجود ہوتی ہے تو اس کو دیکھتی تک نہیں ہیں۔ کوئی دمڑی کی چیز بھی کھو جائے تو فوراً چوری کا الزام لگانے کو علیحدہ بے قرار ہو جاتی ہیں۔ گزشتہ دو ماہ سے مجھ پر وہ سترہ چوریاں تو لگا چکی ہیں...... حالانکہ ان کے نئے نکورے جوڑے تو میرے ناپ کے بھی نہیں ہیں، وہ تو میری باجی کے صحیح آتے ہیں۔ خیر بات بھی کہاں سے کہاں چلی

حکمت والا قول

اِک مرغ بھوک سے بے تاب ہو کر دانے دنکے کی تلاش میں ایک کوڑے کے ڈھیر کو کرید رہا تھا۔ کافی محنت کے بعد اسے بیش قیمت موتی ملا۔ موتی کو دیکھ کر مرغ نے بڑی حسرت سے آہ بھر کر کہا۔ ''افسوس......! اتنی محنت کے بعد ملا بھی تو موتی جس سے میرے دل کو تسلی ہو سکتی ہے نہ بھوک کی تسکین...... کاش مجھے اس کے بدلے گندم یا چنے کا دانہ مل جاتا تو کتنا اچھا ہوتا۔''

از، عروج ذکی آفندی، کراچی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

جاتی ہے' جیسے ٹی وی کا کوئی ٹاک شو ہو۔ سوال گندم جواب چنا۔ میرے خط لکھنے کا واحد مقصد یہی تھا کہ تم بقرعید کے لیے مجھے اچھا سا بکرا بھیجنا اور محبت سے خریدنا...... قربانی کے لیے اچھا جانور ہونا چاہیے...... میں اپنے بکرے کے ایمانداری سے تین حصے کر کے بانٹوں گی۔ ہاں میرے فریزر کے تینوں خانوں میں اس کا گوشت انشاء اللہ آجائے گا۔

فقط تمہاری بھابی

نسرین ناز۔"

پُر محبت بلاوا

"پیارے ناصر بھائی!

خوشخبریاں

مبارکاں قبول کرو، اپنے وڈے بھائی نوں ٹی وی سیریل مل گئی ہے۔ اس میں ہیروئن کا رول.... بھابی جی ادا کر رہی ہیں۔ ہیرو کا رول چاچے منظور کا لڑکا ادا کرے گا۔ ہاں وہی منظور...... جو پہلے بھابی کا عاشق تھا۔ بھائی جان کہہ رہے تھے کہ اداکاری میں فطری انداز ضرور ہونا چاہیے۔ سارے گھر کے بچے بھی کام کر رہے ہیں۔ میں پڑوسی بنا ہوں اور میری بیوی لڑاکا پڑوسن...... اسے تو اپنے کام میں ذرا بھی محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ اب میں یہ خط اس وجہ سے لکھ رہا ہوں کہ تم اماں، ابا خالہ، خالو، تمام مامے، چاچے، گامے...... کو اُن کی فیملی سمیت لے کر آجاؤ۔ بھائی جان کہہ رہے تھے سیریل میں کافی گنجائش ہوتی ہے اور جب وہ سوپ بنائیں گے تو اپنا پنڈ تو کیا اردگرد کے پنڈ کے لوگوں کو بھی لے کر آنا ہوگا اور جب ہم سب مل کر کام کریں گے تو نہ صرف پیسہ کمائیں گے بلکہ نام بھی کمائیں گے...... آج کل زیادہ چینلو کا سب سے وڈا فائدہ...... اداکاروں کو ہی تو ہوا ہے اور یہ تو ہمارے بھائی کا سیریل ہے، ہم سب لوگ اس میں کام کریں گے تو اخبارات میں سچے دل سے انٹرویو دیتے وقت صاف، صاف بلکہ حلفیہ کہہ سکیں گے کہ اس سیریل میں کام کرتے ہوئے ہمیں بالکل ایسا لگ رہا تھا جیسے ایک ہی خاندان کے افراد کام کر رہے ہوں۔ اب تم جلدی سے بتاؤ کہ کب آرہے ہو؟ بھائی وڈے تم سب کے انتظار میں ریکارڈنگ روک بیٹھے ہیں' رب راکھا۔

تمہارا بھائی

ل۔م۔ن"

وجۂ محبت

"ڈیئر نجمی ناز سلامیاں

چند اب پیار میں خط کے ادھار کی تکرار سراسر بیکار کی بیگار ہوتی ہے۔ اس لیے میں ایک لکھا کروں اور تم چار لکھا کرو۔ وجہ پوچھ گی؟ ایک تو وجوہات.... جاننے کی بڑی بری عادت ہے تمہاری۔ حد تو یہ ہے کہ تم محبت کرنے کی وجہ بھی پوچھنے بیٹھ جاتی ہو۔ بس وجہ کچھ بھی ہو، ہاں بھئی کر رہے ہیں عشق تمہیں اس سے کیا......؟ کون ہے......؟ کیسا ہے......؟ کہاں ہے......؟ کیوں بتائیں......؟ تمہاری بلا سے چمار ہو یا کمہار......! تمہاری جوتی سے محل میں رہتا ہو یا فلیٹ میں...... تم نے کون سی ہمارے عشق کی..... کٹھنائیاں سر کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہاں وہی عشق جو ہمیں تمہارے بھائی سے ہوا تھا۔ اوئے تازہ عشق کی کیا باتیں کرتی ہو اور کیا پوچھتی ہو؟ بس یوں جانو فشارِ خون سے اس کا درجۂ محبت معلوم کیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی جگہ خیریت سے ہیں اور میں اپنی جگہ...... شادی کی دعا...... اماں کر رہی ہیں۔

تمہاری اپنی سہیلی ہی ناں۔ (حنا)"

میرا انتخاب

آمنہ حماد

محبت میں عجب اسرار پوشیدہ ہے کچھ لوگ اس اسرار کو پا لیتے ہیں اور کچھ اس سے بے خبر ہی رہتے ہیں۔ پانے اور کھونے کا یہ احساس کیفی اعظمی کی نظم اندیشے میں نظر آتا ہے۔ جس کا انتخاب حنا عزیز نے کراچی سے کیا ہے۔

اندیشے

روح بے چین ہے اِک دل کی اذیت کیا ہے
دل ہی شعلہ ہے تو یہ سوزِ محبت کیا ہے
وہ مجھے بھول گئی اس کی شکایت کیا ہے
رنج تو یہ ہے کہ رو رو کے بھلایا ہوگا
جھک گئی ہوگی جواں سال امنگوں کی جبین
مٹ گئی ہوگی کسک ڈوب گیا ہوگا یقین
چھا گیا ہوگا دھواں گھوم گئی ہوگی زمیں
اپنے پہلے ہی گھروندے کو جو ڈھایا ہوگا
دل نے ایسے بھی کچھ افسانے سنائے ہوں گے
اشک آنکھوں نے پیے اور نہ بہائے ہوں گے
بند کمرے میں جو خط میرے جلائے ہوں گے
ایک اِک حرف جبیں پر ابھر آیا ہوگا
اس نے گھبرا کے نظر لاکھ بچائی ہوگی
مٹ کے اِک نقش نے سو شکل دکھائی ہوگی
میز سے جب مری تصویر ہٹائی ہوگی
ہر طرف مجھ کو تڑپتا ہوا پایا ہوگا
بے محل چھیڑ پہ جذبات ابل آئے ہوں گے
غم پشیمان تبسم میں ڈھل آئے ہوں گے
نام پر میرے جب آنسو نکل آئے ہوں گے
سر نہ کاندھے سے سہیلی کے اٹھایا ہوگا
زلف ضد کر کے کسی نے جو بنائی ہوگی
روٹھے جلووں پہ خزاں اور بھی چھائی ہوگی
برق عشووں نے کئی دن نہ گرائی ہوگی
رنگ چہرے پہ کئی روز نہ آیا ہوگا

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ دل کا موسم بہت شاندار ہوتا ہے لیکن ہمارے گرد بکھرے کردار اور ماحول اس طرح ہم پہ اپنا تاثر ثبت کرتے ہیں کہ دل کا موسم یکا یک اپنا رنگ تبدیل کر لیتا ہے اور ہم اپنے ماحول کے دکھ میں مدغم ہوتے چلے جاتے ہیں کچھ یہی تاثر ہمیں فیض احمد فیض کی غزل میں بھی نظر آتا ہے۔ اس غزل کو صائمہ نے اسلام آباد سے منتخب کیا ہے۔

غزل

یہ موسمِ گل گرچہ طرب خیز بہت ہے
احوالِ گل و لالہ غم انگیز بہت ہے
خوش دعوتِ یاراں بھی ہے یلغارِ عدو بھی
کیا کیجیے دل کا جو کم آمیز بہت ہے
یوں پیرِ مغاں شیخِ حرم سے ہوئے یک جاں
میخانے میں کم ظرفیِ پرہیز بہت ہے
اِک گردنِ مخلوق جو ہر حال میں خم ہے
اِک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے
کیوں مشعلِ دل فیض چھپاؤ تہِ داماں
بجھ جائے گی یوں بھی کہ ہوا تیز بہت ہے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

محبوب کو ایک نظر دیکھ لینے میں جو احساس پوشیدہ ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا...... مگر شاعری میں اس لمحۂ نظر کو بیان کرنے میں ہزاروں ورق سیاہ نظر آتے ہیں...... تشبیہات و استعارات کا ایک سمندر ہے جو صرف وسیع ہوتا ہے سمٹتا نہیں...... ایسی ہی ایک ساعت میں احمد فراز گرفتار ہیں۔ جسے شازیہ حمیر نے حیدر آباد سے منتخب کیا ہے۔

خود کلامی

دیکھے ہی نہیں وہ لب وہ رخسار وہ گیسو
بس ایک کھنکتی ہوئی آواز کا جادو
حیران پریشان لیے پھرتا ہے ہر سو
پابندِ تصور نہیں وہ جلوۂ بے تاب
ہو دور تو جگنو ہے قریب آئے تو خوشبو
لہرائے تو شعلہ ہے چھنک جائے تو گھنگرو
باندھے ہیں نگاہوں نے صداؤں کے بھی منظر
وہ قہقہے جیسے بھری برسات میں کوکو
جیسے کوئی قمری سرِ شمشاد لبِ جُو
اے دل تیری باتوں میں کہاں تک کوئی جائے
جذبات کی دنیا میں کہاں سوچ کے پہلو
کب آئے ہیں فتراک میں وحشت زدہ آہو
مانا کہ وہ لب ہوں گے شفق رنگ و شرر خو
شاید کہ وہ عارض ہوں گلِ تر سے بھی خوش رو
دل کش ہی سہی حلقۂ زلف و خمِ ابرو
یہ کس کو خبر کس کا مقدر ہے یہ سب کچھ
خوابوں کی گھٹا دور برس جائے گی اور تو
لوٹ آئے گا لے کر فقط آہیں فقط آنسو

محسوسات اور کیفیات جذبۂ محبت کے تحفے ہیں...... معاملاتِ دل میں لمحۂ وصل کا ایک لمحہ ہجر کے ہزاروں سالوں پر فوقیت رکھتا ہے...... خلیل اللہ فاروقی بھی فرقت کے ایسے ہی کرب میں گرفتار نظر آرہے ہیں۔ اس غزل کو صائمہ امین نے لاہور سے منتخب کیا ہے۔

قلبِ مضطر ٹھہر

قلبِ مضطر ٹھہر لمحہ بھر کے لیے
اس کی رخصت کا ہنگام درپیش ہے
وصلِ شیریں سے گل رنگ ماحول میں
اِک کہانی کا انجام درپیش ہے
آخری بار جی بھر کے میں دیکھ لوں
کیا خبر پھر کبھی ہم ملیں نہ ملیں
شاخِ فردا ثمر بار ہو کہ نہ ہو
کس کو معلوم پھر گل کھلیں نہ کھلیں
وہ نہ ہوگا تو خوشبو ہی کام آئے گی
آخری بار سانسوں کو مہکا تو لوں
ہجر بھی آگ ہے وصل بھی آگ ہے
چلتے چلتے میں یہ آگ دہکا تو لوں
ایسی ساعت کہاں، ایسا منظر کہاں
رنگ ہی رنگ ہے، روپ ہی روپ ہے
چھاؤں آنچل کی لے لوں گھڑی دو گھڑی
پھر سفر در سفر دھوپ ہی دھوپ ہے
قلبِ مضطر تسلی کے دو حرف بس
دیکھ چشمِ غزالاں چھلکنے لگی
حسن پر حزن کے سائے چھانے لگے
آگ فرقت کی دل میں دہکنے لگی

امید ایک ایسی چھاؤں ہے جو اپنے دامن میں انسان کو پناہ دے کر مایوسی کے اتھاہ سمندر میں ڈوبنے سے بچاتی ہے...... امید کی ایسی ہی کرن ہمیں مشتاق احمد قریشی کی تجدیدِ وفا میں روشن نظر آرہی ہے۔ فصیحہ آصف خان کا انتخاب ملتان۔

تجدیدِ وفا

تم اپنے اندر کے لاکھ موسم
چھپا لو مجھ سے
میں اپنے جذبوں کی چاندنی سے
نقاب سارے سمیٹ لوں گا
محبتوں کی کتاب کا بھی میرے ہی نام انتساب ہوگا
میں چاہتوں کی مسافتوں سے جو لوٹ آیا
تو دیکھ لینا
ہر ایک دل سے محبتوں کے
نصاب سارے سمیٹ لوں گا
تم اپنی چاہت کے سنگ ایک دن
میری نگاہوں میں تیرنا پھر
میں اپنی آنکھوں میں حجاب سارے سمیٹ لوں گا
وفا کی تجدید کر رہا ہوں
میں بن کے بادل تمہاری خاطر
سراب سارے سمیٹ لوں گا
میں چاہتوں کے کٹھن سفر کے
عذاب سارے سمیٹ لوں گا

زندگی ایک طرح کا طلسماتی آئینہ خانہ ہے جہاں مختلف صورتوں کے نہیں سیرتوں کے عکس عجیب و غریب شکلوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں...... کبھی کبھی محبت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ نوشی گیلانی کی نظم تلاش کا انتخاب واجدہ علی نے پشاور سے کیا ہے۔

تلاش

سارے موسم ......
ساری باتیں
آس گلاب وہی ہیں
جاگنے والی آنکھیں ہیں
اور ان کے خواب وہی ہیں
لیکن اتنا فرق پڑا ہے
جب تم مجھ سے فون پر بات کرتے ہو
لفظوں میں اب خود کو ڈھونڈنا پڑتا ہے

شاعری میں صرف محبت کی سرگوشیاں ہی نہیں ہوتیں...... ہجر و وصال کے نالے اور نغمے بھی ہوتے ہیں...... بعض اوقات خطیبانہ انداز اور سرگوشیانہ لب و لہجے کے باوجود کچھ باتیں ان کہی رہ جاتی ہیں۔ ان کہی باتوں کا ایسا ہی تاثر ارشد ملک کے کلام میں نمایاں ہے۔ جس کا انتخاب میمونہ عزیز نے کراچی سے کیا ہے۔

غزل

تم ایک بار مجھے پیار کی نظر دیکھو
تو پھر روا ہے کہ مجھ کو نہ عمر بھر دیکھو
کرم کی جو بھی نظر ہے وہ ہے رقیبوں پر
تمہاری راہ میں ہم بھی تو ہیں ادھر دیکھو
تو میرے ساتھ کبھی جن سے بارہا گزرا
کبھی تو آکے وہ سنسان رہ گزر دیکھو
ہمیں نہ دیکھو چلو ہم اداس ہی ٹھہرے
جہاں ہیں سائے اداسی کے وہ نگر دیکھو
تمہارے ساتھ یہ پایا ہے دوستی کا صلہ
مرے حریف ہیں اس شہر میں جدھر دیکھو
تمہارا حال تو سارا زمانہ جانتا ہے
ہمارا حال ہے کیسا ذرا اِدھر دیکھو

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

خوش ذائقہ
پاکیزہ بہنیں

کلیجی

اشیا: کلیجی، ایک کلو۔ پیاز، دو عدد درمیانی۔ دہی، آدھا پاؤ۔ لہسن، ادرک پسا ہوا، تین کھانے کے چمچ۔ موٹی ہری مرچ کٹی ہوئی۔ ہرا دھنیا، کٹا ہوا۔ ادرک، لمبائی میں کٹی ہوئی، گارنش کے لیے۔ کٹی لال مرچ، دو کھانے کے چمچ۔ کٹی کالی مرچ، ایک کھانے کا چمچ۔ سفید زیرہ بھنا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ گرم مسالا پسا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ تیل، حسبِ ضرورت۔ کوئلہ، ایک عدد۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لیموں کا رس، دو عدد۔

ترکیب: تیل گرم کر کے پیاز کو براؤن کر کے پیپر پر نکال لیں اور چورا کرلیں۔ اب تیل میں کلیجی شامل کر کے کلیجی کا پانی خشک ہونے تک پکائیں۔ لہسن، ادرک شامل کر کے بھونیں پھر کٹی لال مرچ، کٹی کالی مرچ شامل کر کے بھونیں پھر دہی پھینٹ کر شامل کریں پانی خشک ہوجائے تو پیاز ڈال کر مکس کریں پھر زیرہ اور گرم مسالا شامل کر کے بھونیں پھر لیموں کا رس شامل کریں اور نمک شامل کر کے مکس کریں اور پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ اب دہکتا ہوا کوئلہ روٹی پر رکھ کے پتیلی میں رکھ دیں اور تیل ڈال کر ڈھکن بند کردیں۔ جب دھونی دے لیں تو ڈش میں نکال کر ادرک، ہرا دھنیا اور ہری مرچ سے گارنش کریں۔

ندا مہرین، کراچی

مغلئی پسندے

اشیا: پسندے آدھا کلو۔ (پسندوں کو آدھا چائے کا چمچ نمک اور ایک چائے کا چمچ ادرک لہسن پیسٹ کے ساتھ ابال لیں) گھی، آدھا کپ۔ ثابت گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ سرخ مرچ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی پاؤڈر، آدھا چائے کا چمچ دہی، ایک کپ۔ دھنیا پاؤڈر، آدھا چائے کا چمچ۔ کیوڑہ، ایک چائے کا چمچ۔ خشخاش، ایک چائے کا چمچ۔ پیاز، ایک عدد (باریک کاٹ لیں) پسے سفید چنے، ایک چائے کا چمچ۔ چھوٹی الائچی، چار عدد۔ مونگ پھلی، ایک چائے کا چمچ۔ ادرک پیسٹ، دو کھانے کے چمچ۔ لہسن پیسٹ، دو کھانے کے چمچ۔

ترکیب: گھی گرم کریں اور پیاز کو گرم مسالے اور ادرک، لہسن کے پیسٹ کے ساتھ فرائی کرلیں اس کے بعد سرخ مرچ پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر اور آدھا چائے کا چمچ نمک ملادیں اور پسندوں کی یخنی کے ساتھ پکائیں۔ اب پسندے ڈال کر فرائی کرلیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو دہی ملادیں اور ہلکا سا مکس کرنے کے بعد آخر میں پسی ہوئی خشخاش، سفید چنے، مونگ پھلی اور چھوٹی الائچی ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کرلیں اور دم پر رکھ دیں۔ جب گھی اوپر آنے لگے تو کیوڑہ ڈال کر اتار لیں اور گرم گرم سرو کریں۔

دعا، لانڈھی

مٹن کنا

اشیا: مٹن، ایک کلو۔ ادرک کا پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ لہسن کا پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ پیاز، دو عدد۔ ٹماٹر، تین عدد۔ دھنیا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ زیرہ، ایک چائے کا چمچ۔ لال مرچ، (پسی ہوئی) دو چائے کے چمچ۔ تیل، ایک کپ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ ہلدی، ڈیڑھ چائے کا چمچ۔ ہری مرچ، دو یا تین عدد باریک کٹی ہوئی۔ سیاہ مرچ، اچائے کا چمچ (پسی ہوئی) آٹا، ڈیڑھ کپ۔

ترکیب: مٹی کی ہنڈیا میں ایک کلو ران کا گوشت ڈال دیں پھر اس میں ادرک، لہسن کا پیسٹ اور پیاز موٹی موٹی کٹی ہوئی ڈال دیں پھر ساتھ ہی کٹے ہوئے تین عدد ٹماٹر، تیل، لال مرچ، ہلدی پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر اور نمک، حسبِ ذائقہ ڈال کر اس میں تین یا چار کپ پانی ڈال دیں پھر دو گھنٹے کے بعد جب گوشت گل جائے اور تمام مسالے یک جان ہوجائیں تو آدھا کپ آٹے کو ایک کپ پانی میں گھول کر اسے پکے ہوئے گوشت میں ڈال دیں اور ذرا مکس کر کے اس میں کالا زیرہ اور ہری مرچ ڈال کر مزید ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ کے لیے ڈھانپ کر رکھ دیں اور تیار ہونے پر کالی مرچ، گرم مسالا اور دھنیا یا پودینہ چھڑک کر گرم تندوری روٹیوں کے ہمراہ سرو کریں۔

شائلہ ناز، راولپنڈی

رس ملائی

اشیا: تازہ دودھ، ڈیڑھ کلو۔ ملک پاؤڈر، ایک کپ۔ میدہ، ایک کھانے کا چمچ۔ تیل، ایک کھانے کا چمچ۔ بیکنگ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ انڈا، ایک عدد۔ چینی، ایک کپ۔ پستہ بادام، باریک کٹے ہوئے، آدھا کپ۔

ترکیب: تازہ دودھ کو ابال کر اس میں چینی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ ملک پاؤڈر، میدہ، کوکنگ آئل، بیکنگ پاؤڈر اور انڈا سب کو اچھی طرح گوندھ لیں پھر اس کی دس بارہ چھوٹی چھوٹی گولیاں بنالیں۔ گولیوں کو ابلتے ہوئے دودھ میں ڈال کر پانچ سے دس منٹ تک پکائیں اور احتیاط سے ان گولیوں کو الٹتی پلٹتی رہیں۔ جب دودھ تھوڑا گاڑھا ہوجائے تو ڈش میں نکال لیں اور اوپر سے چاندی کا ورق اور کٹے ہوئے پستہ بادام چھڑک دیں اور اگر کیوڑے کی خوشبو پسند ہو تو پکتے ہوئے تھوڑا سا کیوڑہ بھی ڈال دیں پھر فریج میں ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

میمونہ عزیز، اسلام آباد

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سندیسے

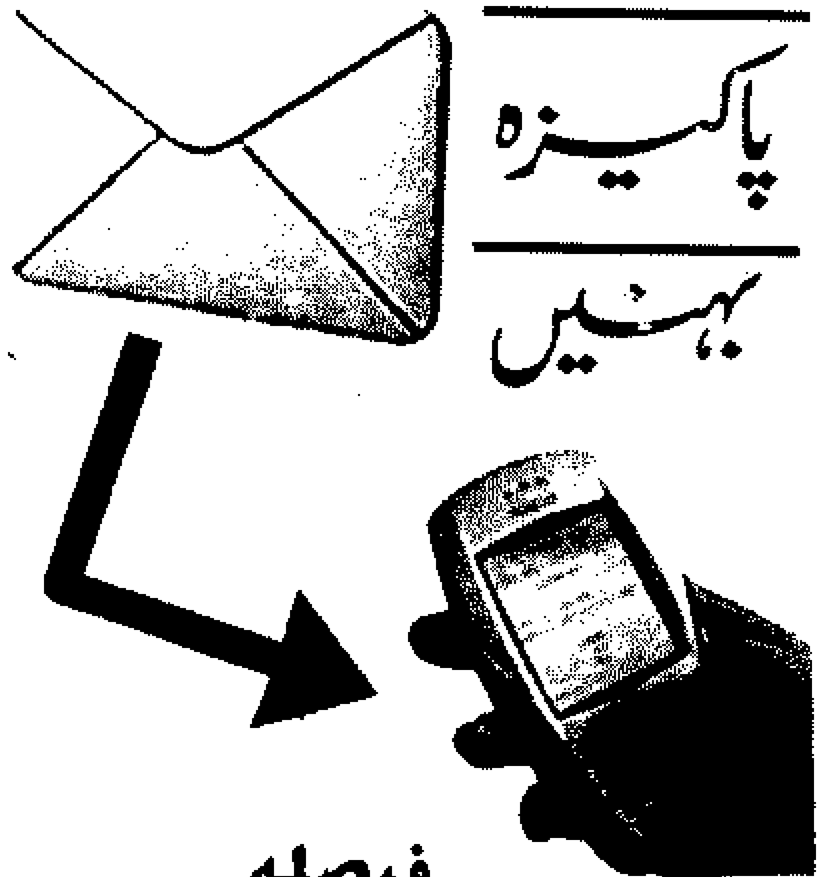

فیصلہ

مجھے آپ کی دوستی کی ضرورت ہے
مجھے آپ کی کمپنی کی ضرورت ہے
مجھے آپ کی سپورٹ کی ضرورت ہے
مجھے آپ کی نصیحتوں کی ضرورت ہے
بس......!
میں نے برباد ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے

از......فریدہ، لاہور

پھرتی کھیں جیسے

بس اتنا ہی کہا تھا کہ میں
برسوں کا پیاسا ہوں
انہوں نے منہ میں پائپ
ڈال کر موٹر چلا دی
حد ہو گئی یار......

از......سمیرا مجاہد، صادق آباد

کارستانی

گھر میں مچھر زیادہ ہو جائیں تو گائے کا خشک گوبر کمرے کے بیچ میں رکھ کر جلا دیں۔ مچھر یہ کہتے ہوئے بھاگ جائیں گے کہ یہ زبیدہ آپا ہی کی کارستانی ہے۔

میں کیا کر سکتا ہوں

جنگل کے جانوروں نے مشورے سے فیصلہ کیا کہ ہم میں سے کسی ایک کو ڈاکٹر ضرور بننا چاہیے۔ مشورے کے بعد بندر کو پڑھنے کے لیے باہر بھیج دیا گیا اور جب وہ ڈاکٹر بن کر آیا تو لومڑی بیمار پڑ گئی۔ سب نے کہا تم اب اس کا علاج کرو۔

تب بندر ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں مارنے لگا......ابھی اس نے آٹھ......دس چھلانگیں لگائی تھیں کہ لومڑی مریضہ تو مر گئی۔

بندر بولا......میں نے بھاگ دوڑ تو بہت کی مگر اللہ کو یہی منظور تھا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔

تمام ڈاکٹرز کے نام

منجانب: غزل ہاشمی......تحصیل اٹک

وہ

ہزاروں الجھنوں سے بڑھ کر ہمیں بھی ایک الجھن ہے
ہماری یاد سے غافل وہ کیسا لگ رہا ہو گا؟

تیرا

بے خبر، بے وجہ بے رخی نہ کیا کر
کوئی ٹوٹ جاتا ہے، تیرا لہجہ بدلنے سے

میری

ہر لمحہ ہر گھڑی خوشی کی امید تھے
جو لمحے تیرے ساتھ گزرے وہ لمحے میری عید تھے

مرسلہ: صائمہ مشتاق، سرگودھا

بے وقوف

رخصت ہوا تو ہاتھ ملا کر نہیں گیا
وہ کیوں گیا؟ یہ بھی بتا کر نہیں گیا
یوں لگ رہا ہے جیسے ابھی لوٹ آئے گا
جلتا ہوا چراغ بجھا کر نہیں گیا

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

جا

کھانا ڈھانک کر رکھیں
پوری آستین کی قمیص، پہنیں
اپنے آپ کو اچھی طرح سے ڈھانک کر چلیں
یہ کام تو ایک مچھر نے کر دکھایا
جو بڑے سے بڑا مبلغ نہیں کر پاتا
اے مچھر! یہ ہدایت لے کر تو
بدلیس بھی چلا جا......
جا......آ......!

امینہ عندلیب......سلانوالی

اہم اعلان

خواتین وحضرات
توجہ فرمائیں!
ہوشیار، خبردار

ایک بڑے لیڈر سیلاب زدہ، علاقوں کا دورہ کرنے نکل پڑے ہیں۔ تمام متاثرین سے التماس ہے کہ اپنی چیزوں کی خود حفاظت کریں۔
شکریہ۔

مرسلہ: فرزانہ جمالی......نواب شاہ

اطلاع

ہاں، جا......جا......کہہ دے تو اپنی اماں سے،
میں روٹی نہیں پکا رہی آج تو میں نے بریانی پکائی ہے
ناں سب کے لیے......!

مرسلہ: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

جب کچھ نہیں تو

کون کہتا ہے کہ اللہ نظر نہیں آتا، اِک وہی تو نظر آتا ہے جب کچھ نظر نہیں آتا۔

از۔ڈاکٹر کومل ستار، جام شورو

عقل مندی

ایک شخص کو کوئی آدمی موبائل پر بہت تنگ کر رہا تھا۔ اس نے تنگ آ کر اپنی سم بدل لی اور اسے نئے نمبر سے فون کرتے ہوئے بولا۔ ''اب مجھے تم تو کیا تمہارا باپ بھی تنگ نہیں کر سکتا۔ میں نے سم بدل لی ہے۔''

مصباح رضا سعید فیصل آباد

حالات و دنیا

حالات تلخ ہو جائیں تو جینے کا مزہ
نہیں رہتا مگر انسان کو جینا پڑتا ہے
الگ تھلگ
تا کہ دنیا والے اسے کم حوصلہ نہ کہیں!

مرسلہ: رابعہ انجم، پتوکی

دشواری

میں بھول جاؤں تمہیں
اب یہی مناسب ہے
مگر بھلانا بھی چاہوں تو کس طرح بھولوں
کہ تم تو پھر بھی حقیقت ہو
کوئی خواب نہیں
یہاں تو دل کا یہ عالم ہے کیا کہوں
کم بخت!
بھلا نہ پایا وہ سلسلہ
جو تھا ہی نہیں
وہ اِک خیال
جو آواز تک گیا ہی نہیں
وہ ایک بات
جو میں کہہ نہیں سکا تم سے

مرسلہ: فرحت جمال، کراچی

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

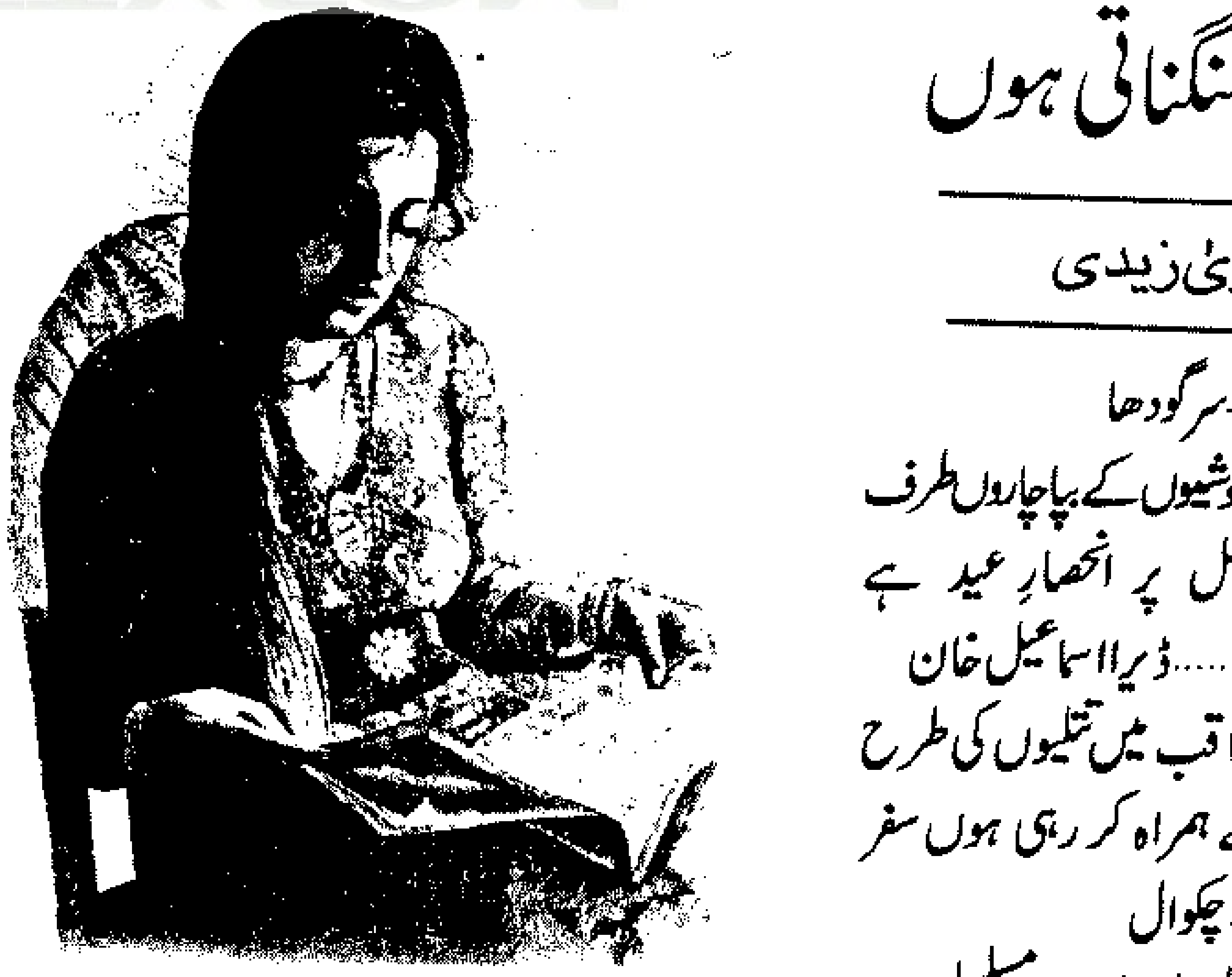

☆ نازیہ علی...... سرگودھا
یوں تو ہنگامے ہیں خوشیوں کے بپا چاروں طرف
حسن و کردارِ عمل پر انحصارِ عید ہے
☆ زینب خان...... ڈیرہ اسماعیل خان
گئے دنوں کے تعاقب میں تتلیوں کی طرح
تیرے خیال کے ہمراہ کر رہی ہوں سفر
☆ فرحت...... چکوال
وہ جن کے کاسۂ دل میں فقط دردِ مسلسل ہے
بتاؤ تو سہی وہ عید کا مفہوم کیا جانیں
☆ حنا عزیز...... کراچی
میرے مزاج کا اس میں کوئی قصور نہیں
تیرے سلوک نے لہجہ بدل دیا میرا
☆ سعودہ فاروق...... لیہ
اب دیکھیے اداس نگاہوں کو کیا ملے
ہر سمت پھول بانٹتی پھرتی ہے شامِ عید
☆ رخسانہ فرید...... بہاول پور
عید کے چاند کے مانند ہوا ہے شاید
ہائے وہ دوست جو ہر روز ملا کرتا تھا
☆ شگفتہ ریحان...... رحیم یار خان
روز آنے پہ نہیں نسبتِ عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
☆ نازش...... حیدرآباد
سفر کا ساتھ ہے یہ منزلوں کا ساتھ نہیں
گزر ہی جائیں گے لمحے حساب رہنے دو
یہ خامشی بھی تمہاری انا کا پردہ ہے
سوال کرتے رہو اور جواب رہنے دو

☆ فوزیہ کاوش...... فیصل آباد
تو وہ بت ہے کہ تخیل کے صنم خانوں میں
میرے احساس کے آذر نے تراشا ہے تجھے
☆ سمیرا ارشد...... سیالکوٹ
موت آ گئی نہ ہو میرے ذوقِ امید کو
محرومیوں میں کیف سا پانے لگا ہوں میں
☆ نورین...... جہلم
میں اِک لاانتہا کی آرزو میں ساری دنیا کو
اسیرِ خواہش وہم و گماں رہنے نہیں دوں گا
☆ صائمہ امین...... لاہور
شیشے کے گھر بھی اپنی جگہ خوشنما سہی
لیکن جو راحتیں مرے مٹی کے گھر میں ہیں
☆ فہمیدہ رضوان...... کراچی
اب کے بچھڑے مل بھی گئے تو کون ہمیں پہچانے گا
وقت کی اڑتی دھول ہمارے چہروں پر جم جائے گی
☆ فرزانہ نرگس...... راول پنڈی
امید کا سایہ ہے نہ رستہ ہے نہ منزل
ہم کتنے اکیلے ہیں محبت کے سفر میں

www.paksociety.com

☆ جمیلہ ملک...... لیہ
اس عشق نے ہمیں ہی نہیں معتدل کیا
اس کی بھی خوش مزاجی کے چرچے ہیں ان دنوں
☆ انجم عزیز...... کراچی
یوں اڑتے پھرتے ہیں بھولی یادوں کے ورق
دل کے ویرانے میں پت جھڑ کا سماں ہو جیسے
☆ شبانہ رحیم...... بہاول پور
میں ایسے جمگھٹے میں کھو گیا ہوں
جہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے
☆ تہمینہ اجمل...... اسلام آباد
تنہائی کا عالم بھی پُراسرار ہے کتنا
جیسے کوئی چھپ چھپ کے مجھے دیکھ رہا ہے
☆ صفیہ مبین...... ٹیکسلا
ہوائے ترکِ تعلق چلی ہے دھیان رہے
مگر یہ بات ہمارے ہی درمیان رہے
☆ رابعہ سعید...... میاں چنوں
جب بھی سوچا کہ شبِ ہجر نہ ہوگی روشن
مجھ کو سمجھانے تیری یاد کے جگنو آئے
☆ غزالہ...... حیدرآباد
کلی کی طرح بلند ہیں سب حوصلے میرے
کشتی بھنور میں آئی ہے کردار تو نہیں
☆ ثمرینہ نعیم...... کراچی
جس میں سورج کا طرف دار ہر اک سایہ ہے
میں نے اس شہر میں گھر موم کا بنایا ہے
☆ نائلہ ساجد...... لاہور
بے حسی کی دنیا میں دو سوال میرے بھی
کب تلک جیا جائے اور کیوں جیا جائے
☆ سعدیہ خاور...... اوکاڑہ
اگرچہ سعدؔ رستے میں بڑے دلکش جزیرے تھے
مجھے ہر حال میں لیکن سمندر پار جانا تھا

☆ عائشہ نعیم...... کراچی
آؤ ہم ریت پہ بکھرے ہوئے موتی چن لیں
پھر یہ دریا کی سخاوت بھی رہے یا نہ رہے
☆ فوزیہ اسد...... خوشاب
شہرِ تنہائی میں آباد کیا ہے مجھ کو
تو نے کیا سوچ کے آزاد کیا ہے مجھ کو
☆ نورین کنول...... نارووال
زندہ بچا نہ قتل ہوا طائرِ امید
اس تیرِ نیم کش کا نشانہ عجیب تھا
☆ رعنا...... کراچی
اس دل میں شوقِ دید زیادہ ہی ہوگیا
اس آنکھ میں میرے لیے انکار جب سے ہے
☆ کنزیٰ...... رحیم یار خان
شہرِ احساس میں پتھراؤ بہت ہے محسن
دل کو شیشوں کے جھروکوں میں سجایا نہ کرو
☆ شبانہ حسین...... آزاد کشمیر
دل جیتنے کے فن پہ اگر دسترس نہ ہو
دکھتی رگوں کو چھیڑنا دانشوری نہیں
☆ نگین شاہ...... جہلم
تشنگی موج کے ہونٹوں پہ مچلتی دیکھی
ہم جو ساحل پہ ذرا پیاس بجھانے نکلے
☆ نوشین رفیق...... اسلام آباد
وہی ہوا جو بچھڑنے پہ حال ہوتا ہے
یہ کیوں کہیں کہ محبت میں ہم اداس نہیں
☆ نگہت ریاض...... چکوال
جس طرح وہ چاہتا ہے ڈھال لیتا ہے ہمیں
وہ ہمارے دل کے پیمانے میں ڈھلتا کیوں نہیں
☆ سعدیہ خاور...... لاہور
تم بھلا کیا نئی منزل کی بشارت دو گے
تم تو رستہ نہیں دیتے ہمیں چلنے کے لیے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

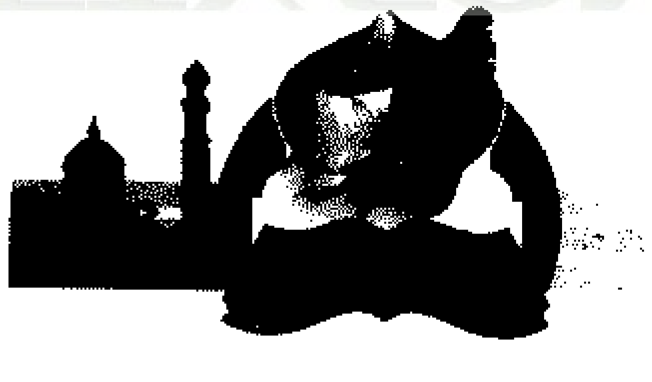

روحانی مشورے

ادارہ

ڈینگی وائرس سے بچاؤ کے لیے

سات مرتبہ سورۂ تغابن، سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات مرتبہ آیت الکرسی اور اول و آخر سات سات مرتبہ درودِ ابراہیمی پڑھ کر پانی پر دم کر کے وہی پانی پییں۔ انشاء اللہ ڈینگی حملہ نہیں کر پائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ روزانہ دو نفل شکرانے کے ادا کیا کریں۔ جب لوگ شکر کرنا بھول جایا کرتے ہیں تو اسی طرح کی بیماریاں حملہ کیا کرتی ہیں۔

خواب میں اپنے مردہ عزیزوں سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں......؟

ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ اپنے خواب میں اپنے مرحوم عزیزوں کو دیکھیں اگر آپ کی بھی ایسی خواہش ہے تو رات کو سونے سے قبل 113 مرتبہ سورۂ تکاثر اول و آخر تین تین مرتبہ درودِ ابراہیمی کے ساتھ پڑھیں اور داہنی جانب کروٹ لے کر سو جائیں۔ آپ یہ عمل جمعے کی شب کو کریں۔ انشاء اللہ اسی رات یا آئندہ جمعے کی شب کو آپ کی ملاقات خواب میں اپنے مرحوم عزیزوں سے ضرور ہو جائے گی۔

پڑھنے لکھنے کا شوق

ہم اکثر دیکھتے ہیں بعض بچے ذہین ہوتے ہیں۔ ہر کام میں چاق و چوبند مگر انہیں پڑھنے لکھنے کا کوئی شوق نہیں ہوتا یا وہ اسکول میں جا کر گھبرا جاتے ہیں۔ جو رزلٹ وہ گھر میں دیتے ہیں، اسکول، کالج میں وہ نہیں دے پاتے۔ ایسے بچوں کو چھوٹی سے چھوٹی بات یاد رہتی ہے مگر اپنا سبق بھول جاتے ہیں۔ امتحان میں کچھ لکھ کر نہیں آتے۔ پڑھنے کے نام سے انہیں اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ ایسے تمام بچوں کے دلوں میں شوق پیدا کرنے کے لیے بعد نمازِ عشا 101 مرتبہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 179 اول و آخر تین مرتبہ درودِ ابراہیمی کے ساتھ مذکورہ آیت گیارہ یا ایک سو ایک مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے بچوں کو پلائیں اور نماز پڑھ کر دعا کریں کہ آپ کے بچوں کا پڑھنے میں دل لگے اور ان کا حافظہ بہت اچھا ہو جائے، یہ عمل کم از کم گیارہ مرتبہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس عمل کی مدت تین ماہ ہے۔

دعا ضرور قبول ہوگی

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ مصیبت اور سختی کے وقت اس کی دعا قبول کرے تو اسے چاہیے کہ راحت و آرام کے وقت بکثرت دعا کرے۔“

ترمذی شریف

غیر ذمّے داری کا رویہ

اکثر خواتین کا یہ المیہ ہوتا ہے کہ ان کے شوہر اپنی جاب کی جانب بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ آئے دن نوکریاں چھوڑتے رہتے ہیں اور افسران کو ذمّے دار ٹھہراتے ہیں۔ وہ جہاں کام کرتے ہیں انہیں برے اور مکار لوگ ملتے ہیں اس لیے وہ دل جمعی سے نوکری نہیں کر پاتے۔ ایسے میں سسرال

www.paksociety.com

والے اپنی بیٹی کا خرچ پورے کرتے ہیں یا بیوی بے چاری کو در در قرض کے لیے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں شوہر کو محبت سے سمجھانا چاہیے کہ گھر کا، بچوں کا خرچ پورا کرنا تمہاری ذمّے داری ہے۔ آپ سلیقے سے گھر چلائیں غیر ضروری اخراجات کو فوراً ختم کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ رات سونے سے قبل 101 مرتبہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 53 اول و آخر گیارہ مرتبہ درودِ ابراہیمی کے ساتھ پڑھ کر اپنے شوہر کا تصور کر کے ان پر دم کر دیں اور ان کے لیے دعا کریں چلتے پھرتے، وضو بے وضو اسمِ الٰہی یا حی یا قیوم کا ورد کرتی رہا کریں۔ انشاء اللہ شوہر کو اپنی ذمّے داری کا احساس ہوگا اور بہت جلد ہوگا۔

غدود کا علاج

یہ بیماری زیادہ تر خواتین کو ہوتی ہے (حضرات کو بھی ہو جاتی ہے) اس میں گلے کے غدود بڑھ جاتے ہیں جس کی وجہ سے گلے میں درد رہتا ہے۔ کھانا کھانے میں تکلیف ہوتی ہے حد تو یہ ہے کہ پانی پینے تک میں تکلیف ہوتی ہے۔ ڈاکٹری علاج سے یہ غدود عموماً ٹھیک ہو جاتے ہیں مگر بعض خواتین کے ٹھیک نہیں ہو پاتے۔ آپ ڈاکٹری علاج کے ساتھ ساتھ روحانی علاج ضرور کریں جو کہ بہت ہی آسان سا ہے اپنی شہادت کی انگلی پر درودِ ابراہیمی پڑھ کر (گیارہ مرتبہ یا دو) پڑھ کر دم کریں اور گلے پر جہاں جہاں تکلیف ہے کراس کا نشان (x) لگاتے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ لاہوری نمک کے غرارے کریں۔ لاہوری نمک گرم پانی میں ڈال کر دن میں تین چار مرتبہ غرارے کریں۔ نیم کی پتیاں خوب اچھی طرح سے دھو لینے کے بعد پانی میں ابال کر غرارے کریں۔ کھٹی اور ٹھنڈی اشیا سے پرہیز کریں۔ زیتون کا تیل نیم گرم کر کے گلے پر ہلکے ہاتھ سے مالش کریں۔ انشاء اللہ افاقہ ہوگا۔

رویّے کی تلخی ختم کرنے کے لیے

جب بھی پانی پییں ایک بار یا دو دو پڑھ کر دم کر کے پییں۔ جب تک آپ کے رویّے کی تلخی ختم نہ ہو جائے یہ عمل جاری رکھیں۔ میٹھی غذائیں بڑھا دیں اور نمک کم کر دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سلام کو بڑھائیں یعنی ہر چھوٹے بڑے کو سلام کرنے میں آپ پہل کریں، بزرگوں کی دعائیں لیں اور روزانہ کم از کم ایک تسبیح درود شریف کی ضرور پڑھیں۔

بھگوڑے شخص کا سراغ

رات کو جب گھر کے تمام افراد سو جائیں تو سوا بارہ بجے کے بعد ستر بار یا معید پڑھ کر گھر سے بھاگے ہوئے شخص کا تصور کر کے مکان کے چاروں کونوں پر پھونک ماردیں جب تک بھگوڑے شخص کا سراغ نہ مل جائے یہ عمل باقاعدگی کے ساتھ جاری رکھیں، اس عمل کی برکت سے جب حاجت پوری ہو جائے تو خوش دلی کے ساتھ گیارہ مساکین کو کھانا کھلائیں۔

گنج کا علاج

گنج خاندانی بھی ہوتا ہے اور کسی بیماری کی وجہ سے بھی ہوتا ہے۔ بڑھاپے میں تو ہو ہی جاتا ہے مگر اکثر نوجوان لڑکے لڑکیوں کو بھی یہ مرض لاحق ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ اس کو ناقابلِ علاج سمجھتے ہیں جب کہ ایسا ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بالوں کے مسام اگر کھلے ہوں تو یہ مسئلہ دیسی انڈوں کے خالص تیل سے حل ہو سکتا ہے۔ انڈوں کا تیل بازار میں تو مل جاتا ہے مگر اس سے زیادہ فائدہ ہوگا کہ آپ دیسی انڈوں کی زردیاں فرائی پین میں اس حد تک گرم کریں کہ ان میں سے تیل نکل جائے یہ یقیناً خالص تیل ہوگا۔ جو فائدہ لازمی دے گا۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شوابے ہومیو کلینک

from Nature for Health

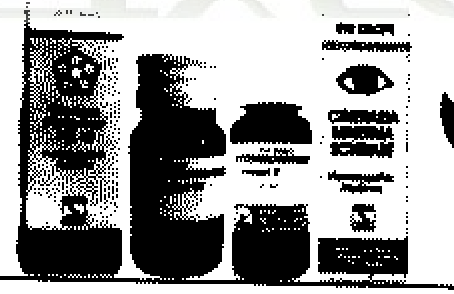

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

ہومیو پیتھی ایک جدید سائنٹیفک طریقہ علاج ہے!

(گزشتہ سے پیوستہ)

مریض کا مرض سے شفایابی کی طرف لوٹنے کا بھی ایک اصول متعین کیا گیا ہے جسے ڈاکٹر آئنسٹائن ہیرنگ کا قانون شفا (Law of Cure) کہتے ہیں۔ اس کے مطابق شفایابی اندر سے باہر کی طرف اوپر سے نیچے اور دائیں سے بائیں ہوگی جو علامات آخر میں ظاہر ہوئی تھیں وہ پہلے اور جو پہلے ظاہر ہوئی تھیں وہ آخر میں ختم ہوں گی۔ اس موقع پر یہاں ایک سوال اور آپ کے ذہن میں آسکتا ہے کہ ہومیو پیتھی میں ادویات کے ذرائع کیا ہیں؟ یہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پودوں سے۔
۲۔ جانوروں سے (مچھلی، سانپ، دودھ وغیرہ)
۳۔ معدنیات (سونا، چاندی، تانبا وغیرہ)
۴۔ نمکیات (کھانے کا نمک وغیرہ)
۵۔ بیماری کے اجزاء (ٹی بی کے جراثیم وغیرہ)

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

دسمبر 2011

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ....

پتا: ....

۶۔ صحت مند اجزاء مثلاً تھائیرائیڈ غدود سے۔

واضح رہے کہ جیسا میں نے پہلے بتایا تھا کہ ایک خاص طریقے یعنی پوٹنٹائزیشن کے عمل سے دوا تیار کی جاتی ہے۔ جس سے دوا کی بیماری والی صفات ختم ہوجاتی ہیں اور اس کی شفایابی والی قوت ابھر کر سامنے آجاتی ہے اس لیے ٹی بی کے جراثیم سے بننے والی دوا ٹیوبرکولینم ٹی بی کے مرض میں بڑا موثر کام دکھاتی ہے وغیرہ۔

ڈاکٹر ہانمن، دنیا کے پہلے مایہ ناز ڈاکٹر تھے جنہوں نے ادویات کو استعمال کرنے سے پہلے ان کی انسانی پروونگ پر نہ صرف زور دیا بلکہ عملی طور پر خود 99 ادویات کو اپنے اوپر آزمایا جس کا ذکر انہوں نے میٹریا میڈیکا پیورا میں کیا۔ دوا کی آزمائش یا پروونگ کا طریقہ کار بہت سادہ اور آسان ہے۔ وہ اس طرح کہ چیف ریسرچ سائنٹسٹ دوا کو منتخب کر کے اس کے تمام فارماکولوجیکل اور ٹاکسک اثرات کے متعلق علم رکھتا ہے پھر اس دوا کو ہومیو پیتھک طریقہ سے تیار کر کے مختلف رنگ ونسل، جنس، عمر کے لوگوں کو دوا کھلاتا ہے۔ ایک مخصوص میعاد تک ان میں سے کچھ لوگوں کو دوا کھلائی جاتی ہے اور کچھ لوگوں کو صرف خالی گولیاں دی جاتی ہیں۔ تاکہ لوگوں پر دوا کھانے کے نفسیاتی اثر کو پرکھا جاسکے۔

اب ان پروورز جن کو ادویہ دی گئی ہیں ایک خاص اسکیم کے تحت یعنی ان کے ذہن، دماغ، سر، کان، ناک، آنکھ، منہ، دانت، زباں، حلق، گردن، پیٹھ، سینہ، پیٹ، نسوانی اعضا، مردانہ اعضا، گردے وغیرہ اور پیتھالوجیکل علامات کو ریکارڈ کرتے ہیں۔ پھر ایک ہائی ٹیک میٹنگ میں ان تمام علامات کو جو مختلف پروورز نے بیان کی تھیں احتیاط کے ساتھ جانچی جاتی ہیں اور پھر ان علامات کو منظور کر کے اس دوا کو اور اس کی علامات کو میٹریا میڈیکا میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

اس انسانی پروونگ کے 2 بڑے فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ادویات جس طرح سے انسانی جسم پر اثر ڈالتی ہیں اس کا براہِ راست مشاہدہ ہوتا اور دوم نفسیاتی علامات بھی ملتی ہیں۔ آیندہ علاج میں مریض کی کیفیات کو بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ جبکہ جانوروں پر ہونے والی پروونگ میں صرف پیتھالوجیکل علامات کا تو علم ہوجاتا ہے لیکن انسانی نفسیات اور انسانی جسم میں ہونے والی تبدیلیاں پھر بھی مفروضہ ہی رہتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہومیو پیتھی میں جو ادویات ڈاکٹر ہانمن نے آج سے 2 سو سال پہلے پروکی تھیں آج تک ان میں کوئی فرق نہیں آیا اور اب تک اسی طرح زیرِ استعمال ہیں۔ جبکہ دیگر مروجہ طریقہ علاج میں ادویہ کچھ عرصے بعد متروک ہوجاتی ہیں اور ان کی جگہ دوسری ادویات لے لیتی ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہومیو پیتھی میں مریض کی اپنی کیفیات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے نہ کہ مرض کو کیونکہ جب مریض ٹھیک ہوگا تو مرض بھی ٹھیک ہو جائے گا اس لیے جب بھی کسی ہومیو پیتھک معالج کے پاس جائیں اُسے اپنی ذہنی کیفیات، کس چیز سے رغبت یا نفرت، تکلیف میں کس چیز سے کمی یا

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

زیادتی ہوتی ہے، کس وقت اور کس طرح ہوتی ہے وغیرہ بتائیں اور جو بھی دوائیں استعمال کر رہے ہیں ان کا بھی بتائیں تاکہ وہ آپ کے لیے صحیح بالمثل دوا تجویز کرسکے۔ جس سے آپ کو جلد آرام آجائے گا۔

یاد رکھیں کہ ایک حدیث کے مطابق ''دعا بھی کرو اور دوا بھی کہ اللہ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری جس کی دوا/شفا نہ ہو۔'' جو لاعلاج بیماریاں نظر آتی ہیں وہ ہماری کم علمی کی وجہ ہے اور یہ ہمیں احساس دلاتی ہیں کہ ہمارا علم محدود ہے اور ہمیں اس میں اضافہ کے لیے ابھی اور بہت کچھ کرنا ہے جب ہی تو دعا کی جاتی ہے کہ ''اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما'' آمین۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہومیوپیتھی ایک جدید سائنسی طریقہ علاج ہے جو قدرت کے نہ بدلنے والے اصولوں کی بنیاد پر قائم ہے۔ اس لیے اس کی ادویات قدرتی طریقوں سے حاصل کی جاتی ہیں جو جب کسی بیمار کے جسم میں جاتی ہیں اس کی علامات کے مطابق (بالمثل) تو وہ بغیر کسی مزید نئی علامت یا بیماری یا سائیڈ افیکٹ کے اس کو مستقل طور پر جلد از جلد شفایاب کردیتی ہیں اور ساتھ میں اس کی قوتِ حیات اور جسم کو مضبوط کردیتی ہیں کہ وہ آئندہ مزید بیماریوں سے بچ سکے۔ ہر جنس، عمر، رنگ، نسل کے لیے ہومیوپیتھک ادویات سر سے لے کر پیر تک انتہائی مفید و موثر ہیں۔ صرف ضروری ہے آپ کا ذہنی تعاون۔ رجسٹرڈ کوالیفائیڈ ماہرِ فن معالج اور قابلِ اعتماد ادویات۔

{......طبّی مشورے......}

دماغی صلاحیت میں اضافہ کے لیے

میں ایم۔اے (ماسٹر) کی طالبہ ہوں، عمر 26 سال۔ مجھے پڑھا ہوا یاد نہیں رہتا۔ اور پیپر والے دن تو گھبراہٹ میں سب بھول جاتی ہوں۔ ماہنامہ پاکیزہ میں کریٹکس (cratex) کے بارے میں پڑھا، مہربانی فرما کر میری راہنمائی فرمائیں۔

۱) اس دوا کے کوئی منفی اثرات تو نہیں؟

۲) ماہواری کے دنوں میں استعمال کرسکتی ہوں؟

ماہواری پر تو کوئی منفی اثرات نہیں ہوں گے؟

۳) کریٹکس کب سے شروع کروں اور کب تک کھاؤں؟

۴) اس کی دوا قیمت؟ (رافعیہ، لاہور)

جواب: بی بی رافعیہ دماغی صلاحیت بڑھانے کے لیے کریٹکس ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ایک بے مثال دوا ہے۔ اس کے اب تک کوئی ضمنی اثرات مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ ماہواری کے دنوں میں بھی اس کو لیا جاسکتا ہے اس سے ماہواری میں کوئی خراب اثر نہیں پڑتا بلکہ قوت اور توانائی برقرار رہتی ہے۔ اس کو کم از کم ایک ماہ تک استعمال کریں۔ ایک ڈبے کی قیمت 415 روپے ہے جس میں 20 گولیاں ہوتی ہے۔ صبح اور شام ایک ایک گولی تھوڑے پانی کے ساتھ نگلیں۔ اس کے علاوہ 30 Anacrdium شوابے جرمنی کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

چھوٹی بچی، بڑے مسائل

عرض ہے کہ میری بیٹی فصیحہ عمر ساڑھے چھ سال، اس کو عرصہ ڈھائی سال سے عینک لگی ہے۔ اس کے سر میں شدید درد ہوتا تھا اور متلی کی کیفیت ہوتی تھی۔ بائیں آنکھ کو ٹیڑھا کر کے دیکھتی

تھی۔ اب یہ صورتِ حال ہے کہ ہر چھ ماہ بعد نظر چیک کروانے پر پہلے سے کمزور ہی نکلتی ہے اس کے علاوہ وہ ہر بات کی ٹینشن لیتی ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پہ سوار کرلیتی ہے۔ حد سے زیادہ حساس ہے۔ براہِ کرم ایسی اچھی دوا تجویز کریں جو نہ صرف نظر کو ٹھہرنے میں مدد دے بلکہ improve بھی کرے' شکریہ (والد فصیحہ سلطان محمود، لاہور)

جواب: جناب سلطان محمود صاحب آپ نے تفصیل بالکل نہیں لکھی کہ اب سر درد کیسا ہوتا ہے یا بالکل ختم ہوگیا ہے اس کے لیے کیا علاج کیا۔ آنکھ کی پوزیشن کیا ہے نمبر کتنا تھا اور آپ کے گھر میں ایک دوسرے سے تعلقات کیسے ہیں بچی کا وزن اور خوراک کیسی ہے۔ مکمل تفصیلات لکھیے گا اور آئندہ خط لکھتے ہوئے ٹوکن ضرور بھیجیے گا۔

ایام وقت سے پہلے

میں کافی عرصہ سے پاکیزہ پڑھ رہی ہوں۔ ہومیو کلینک سے بھی کافی استفادہ حاصل کیا ہے۔ میں آپ کے پاس ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ پچھلے سال رمضان میں حیدرآباد شاپنگ کرنے گئی تھی تو راستے میں مجھے تکلیف ہوگئی۔ گرمی بھی شدید تھی۔ جیسے ہی میں گھر آئی تو مجھے مینسز شروع ہوگئے۔ حالانکہ 10 دن پہلے ہی مینسز بند ہوئے تھے۔ وہ دن اور آج کا دن ہے۔ ہر ماہ 10 دن پہلے ہی سے مینسز شروع ہوجاتے ہیں۔ یعنی کہ مہینے کے بعد نہیں آتے 20 دن کے بعد آجاتے ہیں جس کی وجہ سے بہت کمزوری ہوگئی ہے اور خون کی بھی کمی ہوگئی ہے۔ میرے خیال میں خون پتلا ہوگیا ہے اس وجہ سے جلدی آجاتے ہیں۔ اگر گرمی میں کہیں چلی جاؤں تو بھی وقت سے پہلے شروع ہوجاتے ہیں........ میری عمر 40 سال ہے اور میرے 5 بچے ہیں، چھوٹی بیٹی سوا سال کی ہے۔ اس کو فیڈ بھی کرواتی ہوں۔ براہِ مہربانی آپ کوئی ایسی دوا بتائیں جس سے میرے مینسز ٹائم پر آئیں۔ وقت سے پہلے نہ آئیں۔ اور کمزوری بھی دور ہوجائے۔ (ز ج' ٹنڈو غلام علی، ضلع بدین)

جواب: محترمہ آپ اپنا الٹرا ساؤنڈ کرا کر اپنی رپورٹ ضرور بھیجیں نیز ڈاکٹر ولمار شوابے کی Ptk60 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ اور Ptk45 کی دو گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ 3 مرتبہ دن میں لیں' 2 ماہ بعد کیفیت سے آگاہ کریں۔

ہاتھوں کا سن ہونا

میری عمر 65 سال ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے ہاتھ اکثر سن ہوجاتے۔ بازو موڑ کر سونے سے زیادہ ہوتے ہیں۔ بازو سیدھا رکھوں تو بہتر رہتا ہے اسی وجہ سے رات کو بار بار آنکھ کھل جاتی ہے۔ کافی علاج کرایا ہے اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کا حل سرجری ہے جو کہ میں کروانا نہیں چاہتی۔ برائے مہربانی ہومیوپیتھی میں اگر کوئی اس کا علاج ہے تو مجھے ضرور بتائیں اور دوا تجویز کریں۔ بہت مشکور ہوں گی۔ (مسز ریحانہ جمشید، ماڈل ٹاؤن لاہور)

جواب: محترمہ آپ کو اپنی رپورٹس بھی بھیجنی چاہیے تھیں۔ تاکہ ہم اپنے طور پر اس کو جانچ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

سکیں۔لہٰذا پہلی فرصت میں رپورٹس بھیج دیں۔ساتھ خون کا ٹیسٹ HbA1C بھی کرائیں۔ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمارشوابے جرمنی کی Cal-carb30 اور Rhustox30 کے 10،10 قطرے 1/4 کپ پانی میں دن میں 4 مرتبہ استعمال کریں۔

سفید بال

ڈاکٹر صاحب! نعیم اقبال آپ کی دوا Acid PhosQ تقریباً ایک سال سے استعمال کررہا ہے اس کی عمر 18 سال ہے اور اس کے بالوں میں سفیدی آئی ہے اسے نزلہ رہتا ہے اور ناک بند ہوجاتی ہے، دوائی کے دوران آپ کو دو بار خط بھی لکھ چکے ہیں کہ واضح فرق دوائی سے نہیں آیا۔آپ نے یہی دوا تجویز کی نزلہ کا علاج بھی اکثر کرواتے رہتے ہیں۔اب آپ برائے مہربانی کوئی ایسی دوائی تجویز کریں جس سے بالوں کی سفیدی ختم ہوجائے کیونکہ اس دوائی سے سفیدی کم نہیں ہوئی۔شکریہ(نعیم اقبال، موسیٰ لین۔لیاری، کراچی)

جواب: نعیم صاحب یہ دوائی ہمارے شوابے بورڈ نے تجویز نہیں کی تھی بالوں کو دھونے کے لیے میٹھا پانی استعمال کریں اور کوئی اچھا شیمپو بھی۔شوابے جرمنی کی AcidPhos30 اور Lyco30 کے 5،5 قطرے دن میں 3 مرتبہ ایک گھونٹ پانی میں لیں جبکہ Bacilinum200 ہر 15 دن بعد لیا کریں۔6 ماہ بعد اپنی کیفیت سے مطلع کریں۔

سورائسس

ایک اہم مسئلے کی طرف رجوع کررہی ہوں میں پانچ چھ سال سے دونوں پاؤں میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوں جس کا بار بار علاج کرنے کے باوجود وقتی فائدے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوسکا۔پہلے کئی بار ڈاکٹری علاج کرایا۔تین مختلف ڈاکٹروں کا۔ان ڈاکٹروں نے PSORIASIS تجویز کیا۔ان ڈاکٹروں کا Prescription (فوٹو کاپی) بھیج رہی ہوں۔بعد میں ہومیو پیتھک علاج بھی کروایا۔علاج سے وقتی فائدہ تو ہوجاتا ہے لیکن مکمل افاقہ نہیں۔مرض پھر بڑھ جاتا ہے۔میں Ho usewife ہوں۔عمر تقریباً 80 سال ہے۔

مہربانی کرکے اس نامراد بیماری کا مناسب حل تجویز کریں جس سے مستقل افاقہ ہو اور مجھے صحت کاملہ نصیب ہو۔(مسز صادقہ رحمٰن کراچی)

جواب: آپ ڈاکٹر والمارشوابے جرمنی کی دوا Bacilinum 200 کی ایک خوراک ہفتے میں ایک دفعہ لیں پھر ایک دن کے وقفے کے بعد 30 Ars.iod کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں اور 30 Hydrocotyle کے بھی 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔شوگر بھی ٹیسٹ کروائیں اور میٹھی چیزوں کا استعمال بھی کم سے کم کریں۔

❖❖❖

FOR MORE NOVELS,IMRAN SERIES,MONTHLY DIGESTS,FUNNY BOOKS,ISLAMIC BOOKS,FEEL FREE TO VISIT WWW.PAKSOCIETY.COM.IF SITE IS NOT OPENING SEND US YOUR COMPLAINT AT 0336-5557121 OR03335963326 OR SEND MAIL AT waseem@paksociety.com

www.paksociety.com